www.Paksociety.com

جون 2012

ماہنامہ

کرن

اس شمارے کے ساتھ
کرن کتاب

جادو، جنات اور توہمات

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

انٹرویو

مکمل ناول

ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ---- 600 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 5000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 6000 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

جون 2012

جلد 35 شمارہ 3

قیمت 50 روپے

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: khawateendigest@hotmail.com , info@khawateendigest.com

www.Paksociety.com

مدیرہ

اداریہ

جون 2012ء کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جون کی سخت گرمی میں ایک اور قیامت ہماری قوم پر ٹوٹتی ہے۔ جسے بجٹ کہا جاتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ قرآن و سنت کے احکام ہماری پوری زندگی پر حاوی ہیں۔ مسائل چاہے سماجی ہوں، معاشی معاشرتی یا اقتصادی۔ ایک اسلامی معاشرہ وہی ہوتا ہے۔ جن میں قرآن و سنت کے مطابق ان مسائل کو حل کیا جائے۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں۔

پاکستان میں ہر آنے والی حکومت نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بے شمار منصوبے بنائے لیکن ان پر عمل نہیں ہو سکا۔ ملک میں بجلی کا بحران روز بروز سنگین ہو رہا ہے۔ تمام تر حکومتی دعووں اور یقین دہانیوں کے باوجود ٹارگٹ کلنگ کے واقعات میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ فرسودہ طبقاتی نظام کی وجہ سے متوسط طبقہ دن بہ دن زبوں حالی کا شکار ہے۔

عوام کا معیارِ زندگی خراب تر ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ مقتدر حکام کو توفیق دے۔ وہ ایسا بجٹ بنائیں کہ زندگی مشکل ہونے کے بجائے آسان ہو۔ نئے ٹیکسوں کا بوجھ نہ ڈالا جائے تو صحیح معنوں میں خدمت ہوگی اور عوام کے کچھ دکھوں کا مداوا ہو جائے گا۔

اس شمارے میں،

- اداکارہ ثناء عسکری سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "عیشا نور" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- "آواز کی دنیا سے" آر جے ڈاکٹر اعجاز وارث" کی باتیں،
- "مجھ سے ملیے" میں مصنفہ "لبنیٰ جدون" سے ملاقات،
- "دستِ کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- "دیدِ دل" نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول،
- "کبھی روشنی کبھی تیرگی" انیلا کرن کا مکمل ناول،
- "خضرِ راہ ملے کوئی" صاعقہ امین صبا کا دلچسپ مکمل ناول،
- "وہ اک پری ہے" ریحانہ امجد بخاری کا دلچسپ ناولٹ،
- "برمی صاحب" رابعہ افتخار کا ناولٹ،
- صنوبر یہ ساحر، سمیرا عثمان گل، صائمہ حیدر اور بشریٰ سیال کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

کرن کتاب "جادو، جنات اور توہمات" ہر شمارے کے ساتھ مفت حاصل کریں۔

حمد باری تعالیٰ

عشق کرتا ہے جب کسی کو اسیر
کیا رہائی کی وہ کرے تدبیر

رقص کرنے لگی ہے گردِ وصال
آسماں ہے زمیں سے دامن گیر

پہلے آنکھوں میں خواب بھرتا ہے
پھر وہ کرتا ہے خواب کی تعبیر

ڈھیر کرتا ہے خواہشوں کے محل
پیدا کرتا ہے حسرتِ تعمیر

دینے والا بھی وہ، لینے والا بھی وہ
آپ ہی بادشاہ آپ فقیر

میں جو کرتا ہوں اس کی حمد سلیم
اس سے بڑھتی ہے مری توقیر

سلیم کوثر

نعت رسول مقبول ﷺ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

خطاکار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا!
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

مولانا الطاف حسین حالی

www.Paksociety.com

ثنا عسکری سے ملاقات

شاہین رشید

کچھ لوگوں کو صلاحیت ہونے کے باوجود شوبز میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع نہیں ملتا اور کچھ لوگ اس فیلڈ میں آنا بھی نہیں چاہتے لیکن قسمت انہیں لے آتی ہے۔

آج کل آپ ٹی وی ڈراموں میں ایک خوب صورت چہرہ دیکھ رہے ہوں گے۔ ثنا عسکری کا اس فیلڈ میں آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن وہ اپنے شوہر کے کہنے پر آئی اور چھا گئیں۔

آج ثنا عسکری سے آپ کی ملاقات کرواتے ہیں۔ ثنا ہنس مکھ اور بہت ہی با اخلاق ہیں۔ ان سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔ ان سے کی بات چیت نذر قارئین ہے۔

* "ثنا کیسی ہیں اور ماشا اللہ آج کل بہت سے ڈراموں میں نظر آ رہی ہیں۔ نئے ڈراموں کے حوالے سے کیا مصروفیات ہیں؟"

☆ "نئے ڈراموں کے حوالے سے بھی بہت مصروفیات ہیں اور جو آن ایئر ہیں ان میں بھی کئی کا کام ساتھ ساتھ چل رہا ہے..... تو کافی سارا کام آن بھی ہے اور کئی کی ریکارڈنگز بھی چل رہی ہیں۔"

* "زیادہ تر ڈرامے بابر جاوید کی ڈائریکشن اور پروڈکشن میں ہوتے ہیں کیا آنے والے ڈرامے بھی انہی کے ساتھ ہیں؟"

☆ "نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے کہ میں انہی کے ساتھ

کام کر رہی ہوں۔ میں تو ہر ایک کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ بس رول اچھا ہونا چاہیے "دریچہ" "آئے گی بارات" یہ بابر جاوید کے نہیں تھے اور بھی کئی ڈرامے ہیں جو مجھے اس وقت یاد نہیں آ رہے جو میں نے مختلف لوگوں کے ساتھ کیے ہیں۔ مومنہ درید کے ساتھ بھی کام کیا ہے۔"

* "اتنا کام بھی کر رہی ہیں۔ گھرداری بھی سنبھالتی ہیں۔ شادی شدہ بھی ہیں۔ تو یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے اور تھکن تو نہیں ہو جاتی؟"

☆ "جی ہاں تھکن تو ہو جاتی ہے اور جس دن زیادہ تھکن ہو جائے گی اس دن کام چھوڑ دوں گی..... جب تک میں کام کو انجوائے کر رہی ہوں تب تک کام کروں گی اور جہاں بور ہو گئی کام چھوڑ دوں گی..... میں اپنے کام کو مجبوری نہیں بنانا چاہتی۔"

* "آپ کو زیادہ تر رول غصے والی اور بد تمیز لڑکی کے ملتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟"

☆ قہقہہ "بھئی یہ تو آپ ڈائریکٹر سے پوچھیں..... کہ وہ مجھے ایسے رول کیوں دیتے ہیں۔ لیکن اگر ویسے آپ پوچھیں تو میری نیچر میں ایسا کچھ نہیں ہے میں بہت اچھی نرم مزاج اور صلح پسند لڑکی ہوں۔ ہاں شاید میں اس طرح کے رول زیادہ اچھی طرح کر لیتی ہوں۔"

* "ڈرامہ سیریل "دریچہ" میں آپ ایک فرماں بردار بہو اور "پل صراط" میں ایک خود سر بہو دکھائی گئی تھیں اصل میں کیسی ہیں؟"

☆ "اس سوال کا جواب میرے گھر والے زیادہ بہتر طریقے سے دے سکتے ہیں۔ مگر سچی بات بتاؤں کہ میری ساس سے میری بہت اچھی دوستی ہے۔ ان سے میں بہت زیادہ کلوز ہوں ان سے ہر بات کرنا، ہر بات کو ڈسکس کرنا، مشورہ لینا..... اور اب شادی کے بعد میں اپنی ساس کے بہت قریب ہوں اور ہر بات میں ان سے مشورہ لیتی ہوں اور کھانا پینا، گھومنا پھرنا سب ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔"

* "کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

☆ "میرا نام ثنا عسکری ہے اور شادی سے پہلے ثنا حسن تھا میرے والد مجھے پیار سے سنی کہتے ہیں اور میں 23 اپریل 1987ء میں کراچی میں پیدا ہوئی اور میرا ستارہ ٹورس ہے اور میری ہائیٹ 5 فٹ اور 3 انچ ہے اور ہم اردو اسپیکنگ ہیں۔"

* "1987ء تاریخ پیدائش ہے۔ شادی کو تقریباً تین سال ہو گئے ہیں تو کچھ زیادہ جلدی نہیں ہو گئی شادی؟"

☆ "جی ہاں۔ میری شادی جلد ہو گئی کیونکہ ہمارے خاندان میں سب کی شادیاں جلدی ہو جاتی ہیں میری بہن کی جب شادی ہوئی تھی تو وہ صرف 18 سال کی تھی۔"

* "شادی پسند سے ہوئی؟"

☆ "جی میری لو میرج ہے اور چھ سال میری منگنی رہی اور میں منہاج کے سارے گھر والوں کو جانتی تھی اور مجھے کوئی پرابلمز نہیں ہوئی۔ ہماری شادی پہ کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔"

* "اداکاری شادی سے پہلے سے کر رہی ہیں کیا؟"

☆ "میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں اس فیلڈ میں آؤں گی۔ کیونکہ گھر والے راضی ہی نہیں

www.Paksociety.com

ہوتے تھے۔ حالانکہ میں نایا کی پڑھی ہوئی ہوں۔ نایا سے میں نے فائن آرٹ میں گریجویشن کیا ہے۔ جبکہ میرے منگیتر کا دل تھا کہ میں اداکاری کروں شادی کے بعد اپنے میاں کے کہنے پر اس فیلڈ میں آگئی۔ مرینہ خان اور محمد احمد کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور بس پھر کام چلتا ہی چلا گیا۔ پروجیکٹ ملتے ہی چلے گئے۔"

* "آڈیشن وغیرہ میں کوئی مشکل پیش آئی؟"

☆ "ارے کچھ بھی نہیں ہوا، کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ اس معاملے میں ماشا اللہ میری قسمت بہت اچھی ہے۔ میں نے اس فیلڈ میں آنے کے لیے بالکل بھی جدوجہد نہیں کی ہے۔ بس میں آئی اور مجھے کام ملنا شروع ہو گیا۔"

* "آپ کے گھر والے تو راضی نہیں تھے تو پھر اس فیلڈ پہ آنے پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟"

☆ "نہیں کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ میری اماں نے کہا کہ جب اس کے میاں کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو پھر ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے اور میرے گھر والے میری اماں، میرے ابا بہن بھائی سب میرے ڈرامے بہت شوق سے دیکھتے ہیں۔"

* "اور سسرال والے؟"

☆ "ارے ان کی مرضی سے تو آئی ہوں، میری ساس اور خاص طور پر میری نانی ساس تو میرے ڈرامے بہت شوق سے دیکھتی ہیں۔ نشر مکرر میں بھی دیکھتی ہیں اور میری بہت حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔"

* "پہلا ڈرامہ کون سا تھا اور شہرت کس نے دی۔ اور ماشا اللہ اتنا کام کر رہی ہیں کہ گھر والوں کو گھر میں نہیں بلکہ ٹی وی اسکرین پہ ہی نظر آتی ہوں گی؟"

☆ "جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔۔۔ گھر والوں سے بہت کم ملاقات ہوتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اپنے میاں سے بھی اکثر دو دو دن ملاقات نہیں ہوتی۔۔۔ اور جناب میرا پہلا ڈرامہ "آذر کی آئے گی بارات" تھا اور یہی وجہ شہرت بنا تھا کیونکہ یہ سیریل سپرہٹ گیا تھا۔ اب بھی کبھی Repeat میں چلے تو ناظرین بہت شوق سے دیکھتے ہیں۔"

* "اتنے سپرہٹ سیریل کا معاوضہ بھی سپرہٹ ہی ملا ہوگا؟"

☆ "جی نہیں۔۔۔ پہلا سیریل تھا، نئی نئی تھی اس لیے زیادہ نہیں ملا تھا۔ بس جو ملا کھانے پینے میں اڑا دیا تھا۔"

* "مصروفیات کی وجہ سے گھر والے بھی کئی کئی دن آپ کی شکل نہیں دیکھ پاتے۔۔۔ تو پھر ریلکس ہونے کے لیے بریک کس طرح لیتی ہیں؟"

☆ "مجھے گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے اور مجھے ہر تین چار مہینے کے بعد ایک بریک چاہیے ہوتا ہے گھومنے پھرنے کے لیے اور خواہ میں کراچی سے حیدر آباد ہی کیوں نہ جاؤں مگر جاتی ضرور ہوں اور سب کچھ گھومنے پھرنے میں خرچ کر دیتی ہوں۔ مجھ سے بچت نہیں ہوتی۔"

* "اسمارٹ رہنے کے لیے کچھ خاص ڈائیٹ کرتی ہیں؟"

☆ "ارے نہیں صرف ناشتا نہیں کرتی کہ وہ مجھے ہیوی لگتا ہے۔ ورنہ تو میں کھانے پینے کی بہت شوقین ہوں۔ سارا دن کچھ نہ کچھ کھاتی رہتی ہوں۔ پیزا، برگر اور جو بھی مزے دار چیز ہو بہت شوق سے کھاتی ہوں۔"

* "ریکارڈنگ میں تو کھانے پینے میں دیر ہو جاتی ہوگی بھوک برداشت کر لیتی ہیں؟"

☆ "مجھ سے بھوک برداشت ہی نہیں ہوتی، بہت غصہ آتا ہے اگر وقت پر کھانا نہ ملے تو اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ غصہ آ رہا ہے اور کھانا نہیں مل رہا تو میں کھانا پینا چھوڑ دوں۔۔۔ مجھے زیادہ بھوک لگتی ہے۔"

* "کس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا شوق سے کھاتی ہیں؟"

☆ "مزے کی بات بتاؤں، مجھے مختلف لوگوں کے ہاتھوں کی پکی ہوئی مختلف ڈشز پسند ہیں۔ جیسے میری امی بہاری کباب بہت اچھے بناتی ہیں۔ میری ساس بریانی بہت مزے کی بناتی ہیں۔ میری نانی ساس پلاؤ بہت مزے کا پکاتی ہیں۔ میری بہن کڑاہی بہت عمدہ پکاتی ہے اور میری نند حلیم بہت لذیذ بناتی ہے۔"

* "اور آپ کیا مزے کا بناتی ہیں؟"

☆ "میں خود۔۔۔ ارے میں خود بھی کھانا بہت مزے کا پکاتی ہوں۔ کیونکہ I Love cooking اور میں پاستا بہت اچھا بناتی ہوں اور پنیر والے جتنے بھی آئٹم ہوتے ہیں وہ میں بہت اچھے بناتی ہوں۔"

* "جب میاں صاحب اور گھر والوں سے دو دو تین تین دن ملاقات نہیں ہوتی تو آپ کے میاں تو یہ کہتے ہوں گے کہ میں اسے اس فیلڈ میں لا کر پچھتایا؟"

☆ "ارے نہیں۔۔۔ وہ تو خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اور کام کرو۔ مزا کرو، لائف کو انجوائے کرو اور لوگوں کو بڑی حیرت ہوتی ہے جب میں اپنی فیملی اور اپنے میاں کے بارے میں بتاتی ہوں۔۔۔ میں سمجھتی ہوں کہ میرے شوہر نے تو میری زندگی بدل دی ہے۔ میری پوری سسرال بہت اچھی ہے خاص طور پر میری ساس تو میری دوست کی طرح ہیں۔"

* "آپ نے تو اس فیلڈ میں آنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔ پھر کیا سوچا تھا کہ کیا بننا ہے پڑھ لکھ کر؟"

☆ "مجھے ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا۔ مگر جلدی شادی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا لیکن اگر میں کوشش کرتی تو میں ڈاکٹر بن بھی جاتی۔۔۔ بے شک ڈاکٹر بننے میں کافی ٹائم لگ جاتا ہے مگر میں ڈاکٹر بن تو جاتی۔ اپنی خواہش پوری تو کر لیتی۔۔۔ اور پھر ڈاکٹر تو ڈاکٹر ہی ہوتا ہے۔"

* "فیوچر کے لیے کیا پلاننگ ہے۔ کن حدوں کو چھونا ہے؟"

☆ "ایسی کوئی پلاننگ نہیں ہے، بس کام ملتا جا رہا ہے میں کرتی جا رہی ہوں۔ جب تھک جاؤں گی تو تھوڑا بریک دے دوں گی۔ ویسے بریک تو میں ابھی بھی لیتی رہتی ہوں اور ہر تین چار ماہ بعد کہیں نہ کہیں گھومنے ضرور جاتی ہوں اور میری کچھ خواہشات ہیں کہ جن کو مجھے پورا کرنا ہے۔ میں ایک اچھی پینٹر بھی ہوں۔ پینٹنگ کا بہت شوق ہے اور جو چیز جو سین اچھا لگتا ہے پینٹ کر لیتی ہوں۔"

* "ملک کے حالات سے خوفزدہ رہتی ہیں؟"

☆ "فکر مند ضرور ہوتی ہوں، مگر خوفزدہ نہیں میں سمجھتی ہوں کہ اگر ملک کا "لا اینڈ آرڈر" ٹھیک ہو جائے تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے ٹریفک کے رولز پر خاص توجہ دینی چاہیے لگتا ہے کہ جیسے کوئی رولز ہی نہیں ہیں۔ جس کا جہاں سے دل چاہتا ہے اپنی گاڑی نکالنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔"

* "دماغ کب آؤٹ ہو جاتا ہے؟"

☆ "ایک تو ٹریفک کا نظام دیکھ کر کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور یا پھر میری مخالفت میں کوئی چیز جا رہی ہو یا کوئی میری بات نہ مانے۔ جیسے اگر میں نے ایک چیز مانگی ہے اور وہ مانگتے ہوئے مجھے دو گھنٹے ہو گئے ہیں تو بس پھر میرا دماغ آؤٹ ہو جاتا ہے۔ نا صرف غصہ آتا ہے بلکہ فرسٹریشن ہوتی ہے۔ ویسے میرا غصہ ببل اپ کی بوتل کی طرح ہے۔ زیادہ دیر غصے میں رہ نہیں سکتی۔"

* "زندگی انجوائے کر رہی ہیں۔ مگر کبھی بری بھی لگی؟"

☆ "زندگی بہت انجوائے کر رہی ہوں۔ مگر جب کبھی زندگی بری لگتی ہے تو اس بات سے کہ جب ہڑتال ہوتی

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at
0336-5557121

ہے اور آپ گھر میں قید ہو کر رہ جاتے ہیں اس وقت بہت غصہ آتا ہے کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔"

* "پہچان یا دوسرے لفظوں میں شہرت کیسی لگ رہی ہے؟"

☆ "ابھی کہاں ملی ہے شہرت؟ ابھی تو بہت لمبا راستہ طے کرنا ہے۔ میں اسے شہرت نہیں کہتی..... بے شک لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ عزت دیتے ہیں لیکن جب میں شہرت کے خاص مقام تک پہنچوں گی تب اس سوال کا جواب دے سکوں گی کہ شہرت کیسی لگ رہی ہے۔"

* "چھٹی کے دن کیا کرتی ہیں؟"

☆ "چھٹی کہاں ملتی ہے..... اور وہ جو ہڑتال والی چھٹی ہوتی ہے وہ تو اس لیے بری لگ رہی ہوتی ہے کہ بندہ کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ عام دنوں میں جب چھٹی ملتی ہے تو آدھا دن سوتی ہوں..... اور آدھا دن اپنے شوہر اور اپنے والدین کو دیتی ہوں۔"

* "شوبز کے بارے میں بہت برائیاں سنی ہیں۔ آپ کیا کہیں گی؟"

☆ "ہاں سنی تو میں نے بھی تھیں۔ مگر فی الحال تو مجھے کوئی برائی نظر نہیں آئی۔ میں تو بہت انجوائے کر رہی ہوں..... ہاں، اگرچہ اس فیلڈ میں کافی پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ ابھی کچھ اور پڑھے لکھے لوگوں کو آنا چاہیے..... کیونکہ ابھی بھی اس فیلڈ میں پڑھے لکھے لوگوں کی کمی ہے۔"

* "تقریبات میں جانا کیسا لگتا ہے..... اور اپنے آپ میں کیا تبدیلی لانا چاہتی ہیں؟"

☆ "ایسی تقریبات جن میں میرا کوئی جاننے والا نہ ہو۔ خاص طور پر انجانی شادی میں تو جانا بالکل بھی پسند نہیں ہے اور اپنی شخصیت میں یہ تبدیلی لانا چاہتی ہوں کہ میں اپنے غصے کو کم کر سکوں۔ ویسے میں بہت اچھے مزاج کی ہوں۔ سب سے میری دوستی بھی جلدی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب کچھ غلط ہو رہا ہو تو پھر مجھے غصہ آجاتا ہے۔"

* "اور آخری سوال کہ کوئی خواہش جو ابھی تک پوری نہ ہوئی ہو؟"

☆ "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جو خواہش کی وہ پوری ہوئی ہے۔ میں بہت لکی ہوں جو چیز مانگتی ہوں مجھے مل جاتی ہے اور میں اپنے شوہر منہاج سے بھی یہی بات کہتی ہوں کہ میں بہت لکی ہوں کہ اللہ نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ثنا عسکری سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

www.Paksociety.com

عیشا نور

شاہین رشید

1 "کوئی دو نام جو آپ کو پسند ہیں اور آپ سوچتی ہیں کہ یہ میرے ہوتے؟"

"سحرش اور سائرہ۔"

2 "آپ کے دو لکی نمبر؟"

"تین اور پانچ۔"

3 "دو تاریخی ادوار جن میں آپ جانا چاہتی ہیں؟"

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جانا چاہتی ہوں اور کاش ایسا ہو جائے اور دوسرا "بدھ مذہب" کے دور میں جانا چاہتی ہوں۔"

4 "دو باتیں جو آپ کو دوسروں میں ممتاز کرتی ہیں؛"

"ایک تو یہ کہ میں بہت سادہ رہتی ہوں۔ میک اپ بھی بہت کم کرتی ہوں اور نخرے بھی نہیں دکھاتی۔"

5 "کوئی دو افراد جن کے SMS کے جواب آپ فوراً" دیتی ہیں؟"

"اگر گھر سے کسی کا SMS آئے تو ان کا اور دوسرے ان کو جس ایجنسی کے لیے میں کمرشل کرتی ہوں۔"

6 "کوئی دو بری عادتیں جن سے آپ نجات چاہتی ہیں؟"

"جھوٹ ہماری فیلڈ میں بہت ہے تو کوشش کرتی ہوں کہ نہ بولوں یا کم سے کم بولوں اور دوسری یہ کہ مجھے غصہ بہت جلدی آجاتا ہے اور سب کہتے ہیں کہ غصہ تو تمہاری ناک پر رکھا ہوا ہے۔"

7 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر غصہ آجاتا ہے؟"

"اگر میڈیا میں کوئی مجھے اسکینڈلائز کرے تب۔ اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی کہے کہ ان میں نخرہ بہت ہے' حالانکہ مجھ میں بالکل بھی نخرہ نہیں ہے کوئی اس قسم کا جھوٹ بولے غصہ آتا ہے۔"

8 "دو جھوٹ جو آپ اکثر بولتی ہیں؟"

"ایک تو یہ کہ میں "شوٹ" پہ ہوں چاہے گھر پر ہی کیوں نہ ہوں اور گھر والوں کو کہتی ہوں کہ ہاں میں نے کھانا کھالیا۔ خواہ کھایا ہی نہ ہو۔ امی فکر مند ہوتی ہیں تو کہہ دیتی ہوں کہ کھانا کھالیا ہے۔"

9 "حالات حاضرہ کے دو اینکر جو سفارشی لگتے ہیں یا پسند نہیں؟"

"نہیں..... سب ہی بہت پڑھے لکھے اور اچھے ہیں۔"

10 "مارننگ شو کے دو بہترین اینکر آپ کی نظر میں؟"

"فیصل قریشی اور ثنا طارق۔"

11 "دو شخصیات جن پر آپ بھروسہ کرسکتی ہیں؟"

"اپنی امی پر اور دوسری اپنی بہن فائزہ پر۔"

12 "دو شخصیات جن کے ساتھ دنیا گھومنا چاہتی ہیں؟"

"امیتابھ بچن' انجلینا جولی۔"

13 "دنیا کی کن دو شخصیات (مشہور) کے ساتھ دنیا گھومنا چاہتی ہو؟"

"شاہ رخ خان اور انجلینا جولی۔ مجھے بہت پسند ہیں اور ان کے ساتھ پوری دنیا گھومنا چاہتی ہوں۔ کاش کہ ایسا ہو جائے۔"

14 "دو تہوار جو آپ شوق سے مناتی ہیں؟"

"عید اور رمضان المبارک۔"

15 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

"صبح فجر کا وقت بہت اچھا لگتا ہے اور دوسرا شام کا وقت۔"

16 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتی ہیں؟"

"سلام لازمی کرتی ہوں اور ماشاء اللہ بہت بولتی ہوں۔"

17 "دو کھانے جن کو کھا کر کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

"شامی کباب اور بیف برگر..... دال چاول کا نام نہیں لوں گی کہ میں اس سے بور ہو جاتی ہوں۔"

18 "دو افراد جن سے معافی مانگنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی؟"

"والدین..... اور کوئی نہیں ہے۔"

19 "دو پسندیدہ کھلاڑی جن کے بغیر کرکٹ نہیں

www.Paksociety.com

دیکھتیں؟"
"شاہد خان آفریدی اور عمر گل۔"

20 "دو خواہشات جو ابھی تک پوری نہیں ہوئیں"؟
"ایک خواہش ہے تو ورلڈ ٹور کی اور دوسری خواہش اپنے والدین کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہوں۔ بس اللہ تعالیٰ پوری کردے۔"

21 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"
"امی کی دعائیں اور اپنا سیل فون۔"

22 "دو الفاظ جو آپ بہت استعمال کرتی ہیں؟"
"ماشاء اللہ اور لیکن۔"

23 "سات دنوں میں سے کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"
"اتوار کا دن۔ کیونکہ اس دن میں عموماً شاپنگ پہ جاتی ہوں اور جمعہ کا دن۔ کیونکہ یہ بابرکت دن ہوتا ہے۔"

24 "بارہ مہینوں میں کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"
"تیرہ جون کیونکہ اس دن میری سالگرہ ہوتی ہے اور دوسرا جنوری کا مہینہ اچھا لگتا ہے اور جنوری اس لیے اچھا لگتا ہے کہ نیا سال شروع ہوتا ہے تو نیا سال نئی امیدیں۔"

25 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"
"اپنا کمرہ جہاں میں ریلیکس ہوتی ہوں اور دوسرا ٹی وی لاؤنج۔"

26 "گھر کے دو کام جن کو نہ کرنے پر گھر والوں سے ڈانٹ پڑتی ہے؟"
"یہ تو گھر والوں کے دل کی بات کہہ دی آپ نے ..... مجھے روٹی پکانا پسند نہیں ہے۔ اس پر ڈانٹ پڑتی ہے اور کچن کے کام کرنا بھی پسند نہیں ہے اور اس پر بھی ڈانٹ پڑتی ہے۔"

27 "دو ایسی شخصیات جن پر آپ کسی قسم کا شک نہیں کرسکتیں؟"
"اپنی امی پر اور دوسرا کوئی نہیں ہے۔"

28 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"
"چائنا کی ترقی سے اور بنگلہ دیش۔"

29 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"
"کالا اور پرپل۔"

30 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"
"کراچی اور سوات۔"

31 "اگر ایک دن کے لیے ساری دنیا سو جائے سوائے آپ کے کون سی دو چیزیں لینا پسند کریں گی؟"
"اچھے سے اچھے ڈریسز اور ڈھیر ساری جیولری۔"

32 "دو تاریخی شخصیات جن سے ملنے کی خواہش ہے؟"
"آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قائد اعظم۔"

33 "لڑکوں کے لیے کوئی دو نصیحتیں؟"
"عورتوں کی عزت کریں اور صاف ستھرا رہا کریں۔ بہت گندے رہتے ہیں۔"

34 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم پسند ہیں؟"
"سردی اور بارشوں کا۔"

35 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"
"لڑکوں کو جب پسینہ آتا ہے تو جس انداز میں وہ صاف کرتے ہیں وہ بہت برا لگتا ہے اور دوسرا یہ کہ ہاتھ منہ پوچھ کے تولیہ ادھر ادھر ڈال دیتے ہیں۔"

36 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام پہلے کرتی ہیں؟"
"امی کو ڈھونڈتی ہوں جب وہ نظر نہیں آتیں اور پھر سیل فون چیک کرتی ہوں۔"

37 "دو مرد جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیا ہو؟"
"میرے پاپا اور میرے انکل۔"

38 "آپ کے نزدیک دنیا کے دو خوب صورت ترین مرد؟"
"رتھک روشن اور آرنلڈ۔"

39 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"
"ٹیچنگ اور سائنٹسٹ۔"

40 "دنیا کے دو بہترین سیاست دان آپ کی نظر میں"؟
"اوباما اور پرویز مشرف مجھے ذاتی طور پر بھی پرویز مشرف بہت پسند ہیں۔"

41 "دو چیزیں جن پر آپ بہت خرچ کرتی ہیں؟"
"کپڑوں اور اپنی فیملی پر۔"

42 "اپنے ہی دو ڈرامے جو آپ کو بہت پسند ہیں"؟
"خوشبو کا گھر" اس نے مجھے بہت شہرت دی اور ایک ڈرامہ آن ایئر ہونے والا ہے۔ جس میں میرا نیگیٹو رول ہے اس کا نام ہے "بھابھی میری سہیلی۔"

43 "دو کردار جو آپ کرنا چاہتی ہیں؟"
"گونگی بہری لڑکی اور بھکارن کا کردار کرنا چاہتی ہوں۔"

44 "دو قیمتی چیزیں جو آپ خریدنا چاہتی ہیں؟"
"ڈائمنڈ نیکلس اور اپنی ذاتی کار۔"

45 "اپنے کیے گئے دو فیصلے جو غلط ثابت ہوئے ہوں؟"
"نہیں ایسے کوئی فیصلے نہیں ہوئے۔ ہمیشہ مشورہ کر کے فیصلہ کرتی ہوں۔"

46 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سے دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"
"ظہر اور مغرب کی۔"

47 "بیرون ملک شاپنگ میں کیا دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"
"کپڑے اور جوتے۔"

48 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"
"پاپا کے غصے سے ان کو غصہ کم آتا ہے مگر خطرناک آتا ہے اور میرے انکل کا غصہ بھی تیز ہے۔"

49 "کن دو لوگوں کی تعریف میں کنجوسی سے کام نہیں لیتیں؟"
"سب کی تعریف کرتی ہوں ویسے اکثر لڑکیاں کرتی نہیں ہیں مگر میں کنجوسی سے کام نہیں لیتی۔"

50 "دو پسندیدہ مشروب جن کے بغیر رہ نہیں سکتیں"؟
"اورنج جوس اور مینگو شیک۔"

51 "دھنک کے سات رنگوں میں کون سے دو رنگ پسند ہیں؟"
"لائٹ گرین اور لائیٹ پرپل۔"

52 "آج کے دور کے دو پسندیدہ گلوکار؟"
"علی ظفر اور عاطف اسلم۔"

53 "شادی کی دو رسمیں جو آپ انجوائے کرتی ہیں"؟

www.Paksociety.com

"مہندی اور جوتا چھپائی کی رسم۔"

54 "دو باتیں جن سے آپ کا موڈ خراب ہو جاتا ہے؟"

"اگر کوئی بات میری مرضی کے مطابق نہ ہو رہی ہو اور شوٹ پہ اکثر ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جن سے موڈ آف ہو جاتا ہے۔"

55 "افسردگی میں کن دو لوگوں کے ساتھ دکھ شیئر کرتی ہیں؟"

"امی اور بہن کے ساتھ۔"

56 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

"ایک تو یہ کہ فیشن کے مطابق ہو اور بہت زیادہ چمکیلے نہ ہوں۔"

57 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتی ہیں؟"

"اپنی بہنوں کے ساتھ۔"

58 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"رینگنے والے سب جانوروں یعنی کیڑوں سے ڈر لگتا ہے۔"

59 "دو ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

"ٹوسو اور پیزا ہٹ۔"

60 "دو چینلز جو شوق سے دیکھتی ہیں؟"

"ڈسکوری اور اے آر وائی۔"

61 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرتی ہیں؟"

"میلینم اور ڈالمن مال۔"

62 "کھانے کی ٹیبل پہ کیا دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

"چٹنی اور سلاد۔"

63 "دو چیزیں جو آپ کے بیگ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

"میرے گلاسز اور پیسوں کا والٹ۔"

64 "کن دو شخصیات کو اغوا کرنا چاہیں گی اور تاوان میں کیا وصول کریں گی؟"

"شاہد کپور کو اور تاوان کے طور پر ایک ڈیٹ بس اور کسی کو اغوا نہیں کرنا چاہوں گی۔"

✡ ✡

ماڈل	موش آفتاب
ٹرانسپرنسی	موسیٰ رضا
میک اپ	روز بیوٹی پارلر

آواز کی دنیا سے

اعجاز وارث

شاہین رشید

میڈیسن ایک بہت ہی خشک مضمون ہے۔ لیکن کتنی حیرت کی بات ہے کہ اس کو پڑھنے والے اتنے ہی خوش مزاج ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو اپنے مضمون کی طرح خشک مزاج ہونا چاہیے۔ "ڈاکٹر اعجاز وارث" جو کہ ایف ایم 103 لاہور کے آر جے ہیں نہایت خوش مزاج شخصیت کے مالک ہیں اور ریڈیو سننے والوں کے پسندیدہ آر جے بھی ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز وارث ایم بی بی ایس اور ایف سی پی ایس کے ڈگری یافتہ ہیں اور انہوں نے Histopathology میں اسپیشلائزیشن کیا ہے اور یہ ایسوسی ایٹ پروفیسر بھی ہیں۔ اس بار آواز کی دنیا میں ان کو شامل کیا ہے امید ہے قارئین کو ان کی گفتگو پسند آئے گی۔

★ "کیسے ہیں ڈاکٹر صاحب اور صرف ڈگری لی ہے یا پریکٹس بھی کرتے ہیں؟"

⁕ "میں ٹھیک ہوں اور صرف ڈگری نہیں لی بلکہ پریکٹس بھی کرتا ہوں۔ یہ میرا پروفیشن ہے اور ریڈیو میرا شوق ہے۔"

★ "تو دونوں کاموں کے لیے ٹائم مل جاتا ہے اور آپ شوبز ہنگامہ کی سائٹ لاہور کے owner بھی ہیں' تو کچھ اس کے بارے میں بھی بتائیے؟"

⁕ "دونوں کاموں کے لیے ٹائم مل جاتا ہے اور ٹائم تو

www.Paksociety.com

خود نکالنا پڑتا ہے اور شوبز ہنگامہ کی سائٹ ہم نے سات سال پہلے شروع کی تھی اور اس میں ہم مشہور لوگوں کے انٹرویوز دیتے ہیں اور اس کی خاص بات یہ ہے کہ یہ خالصتا" پاکستانی ویب سائٹ ہے اور بہت شاندار طریقے سے چل رہی ہے۔"

★ "تو اس — کو بنانے کا خیال کیسے آیا؟"

✻ "جب میں نے بحیثیت آر جے کے اپنا سفر شروع کیا تو خیال آیا کہ کوئی ایسی سائٹ ہونی چاہیے جو خالصتا" پاکستانی انٹرٹینمنٹ کی ہو جس میں شوبز کے متعلق معلومات ہوں۔ میوزک ہو' انٹرویوز ہوں تو بس اس خیال سے یہ سائٹ بنائی۔ اصل میں مجھے بچپن سے ہی شوبز میں کام کرنے کا شوق ہے۔"

★ "پھر تو میڈیسن کی لائن لے کر آپ غلط جگہ پر آ گئے..... آپ کو تو شوبز میں آنا چاہیے تھا؟"

✻ ہنستے ہوئے "ایک میری جاب ہے ایک میرا شوق ہے۔ ڈاکٹری میری جاب ہے اور شوبز میرا شوق ہے۔ میں اپنے آپ کو فریش محسوس کرتا ہوں جب میں شوبز کے لیے کوئی کام کرتا ہوں۔"

★ "ڈاکٹروں کی اکثریت کو شوبز سے بہت لگاؤ ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

✻ "سائنس بھی آرٹ کی ایک فارم ہوتی ہے۔ اس لیے دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے تو جو سائنٹفک لوگ ہوتے ہیں وہ لازمی آرٹ کی طرف آجاتے ہیں اور میں دونوں فیلڈز کو ساتھ لے کر چلنے کا عادی ہو گیا ہوں۔"

★ "چلیں تو باقاعدہ انٹرویو شروع کرنے سے پہلے آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیں؟"

✻ "میری پیدائش لاہور کی ہے میری تاریخ پیدائش آٹھ مارچ ہے میرا اسٹار Pisces ہے اور میں بالکل اپنے اسٹار جیسا ہوں اور ہم تین بھائی اور ایک بہن ہے۔ میرے والد کا اپنا بزنس ہے انہوں نے اکفا ـــــ میں 25 سال سروس کی ہے۔ فوٹوگرافی سے تعلق ہے ان کا اور میری امی ہاؤس وائف ہیں اور میں بہن بھائیوں میں پہلے نمبر پر ہوں اور شادی شدہ ہوں ماشاء اللہ سے میرے تین بچے ہیں۔ پہلی بیٹی ہے جس کا نام ریحام Reham ہے اور پھر دو بیٹے ہیں۔ عبداللہ تین سال کا ہے اور محمد چھ ماہ کا ہے جبکہ بیٹی پانچ سال کی ہے۔"

★ "ریڈیو کب جوائن کیا آپ نے..... اور کیا کشش نظر آئی؟"

✻ "اصل میں بات یہ ہے کہ مجھے بہت شوق تھا مشہور ہونے کا۔ جس زمانے میں میں طالب علم تھا اس زمانے میں ایف ایم بھی شروع ہوا تھا اور میں ایف ایم پہ لائیو کالز کرتا تھا اور آپ یقین کریں کہ میں ایف ایم کا بہت فیمس کالر بن گیا تھا اور ہر ایف ایم چینل پہ میں کال کرتا تھا اور اپنی کالز کی وجہ سے میں بہت مشہور ہو گیا تھا اور اکثر آر جے مجھ سے جیلس ہونے لگے تھے کہ یہ کہاں سے آگیا ہے اور ہر ایف ایم میں موجود ہوتا ہے اور اس طرح دیگر ٹی وی چینلز پہ بھی جو لائیو کالز والا پروگرام ہوتا تھا اس میں بھی میں پہلا کالر ہوتا تھا اور آپ اس بات پر بھی یقین کریں کہ میں نے 50 ہزار لائیو کالز کی ہیں اور یہ اتنی کالز کرنے کا یہ میرا ریکارڈ ہے۔"

★ "50 ہزار کالز تو پیسہ کتنا خرچ ہوا ہوگا؟"

✻ "جی 50 ہزار کالز ریڈیو اور ٹی وی کو ملا کر اور شہرت حاصل کرنے کے لیے میں نے بہت پیسہ خرچ کیا' لاکھوں خرچ کیا اور بہت اچھا لگتا تھا جب میں کال کرتا تھا اور آر جے کہتے تھے کہ یہ ہمارے "ریگولر" کالر ہیں اور میرا انداز کچھ یوں ہوتا تھا کہ جب میں کال کرتا تھا تو کہتا تھا "السلام علیکم پا..... کستان" بہت پاگل تھا میں شہرت کے لیے اور میں جو کام بھی کرتا ہوں۔ جنون کے ساتھ دل لگا کر کرتا ہوں۔"

★ "اتنا ٹائم مل جاتا تھا آپ کو؟ اپنی پڑھائی سے؟"

✻ "ٹائم شوق کی خاطر نکالنا پڑتا ہے 2004ء میں میری شادی ہو گئی اور میں نے اپنے شوق کو دو سال کا گیپ دے دیا اور اپنی فیلڈ میں اسپیشلائزیشن کیا اور پھر دو سال کے بعد میری واپسی ہوئی بحیثیت آر جے کے اور اب آر جے بنے ہوئے بھی سات سال ہو گئے ہیں۔"

★ "جب آر جے کے لیے آڈیشن دینے گئے ہوں گے تو سب نے آپ کو بہت آسانی سے پہچان لیا ہوگا؟"

✻ "جی بالکل..... انہوں نے کہا ارے آپ تو وہی ہیں' آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنی پسندیدہ فیلڈ میں آ گئے..... اور سب سے پہلے ایف ایم 92 سے 2005ء میں وابستہ ہوا کافی اچھے اچھے پروگرام کیے۔ پھر شوبز ہنگامہ اسٹارٹ کیا اسی چینل سے پھر ایف ایم 103 جوائن کیا 2007ء میں اور اب مجھے پانچ سال ہو گئے ہیں اس ایف ایم میں اور مجھے صحیح معنوں میں جو شہرت ملی وہ 103 سے ہی ملی اور اس چینل پہ میں ویک اینڈ پہ دو شوز کرتا ہوں رات 10 سے 12 ہفتہ اور اتوار کی شب اس شو کا نام "شوبز مسالا" ہے اور اس میں مشہور شخصیات کے انٹرویوز ہوتے ہیں اور میں اب تک تقریبا" چار سو مشہور شخصیات کے انٹرویوز کر چکا ہوں۔ جیسے ریما' علی ظفر' عاطف اسلم' وینا ملک وغیرہ۔"

★ "یہ لوگ ٹائم پہ آتے تھے؟ پریشان تو نہیں کرتے تھے؟"

✻ "بالکل ٹائم پہ آتے تھے اور ریڈیو کے لائیو شوز میں ٹائم پہ آنا پڑتا ہے اور یہ ٹھیک ہے کہ فنکار لوگ تنگ کرتے ہیں لیکن اگر آپ کسی کو عزت دیں' مان دیں تو پھر کوئی نخرے بھی نہیں دکھاتا اور وقت پر بھی آجاتا ہے اور ہمارا یہ شو بہت زیادہ مقبول ہے۔"

★ "آپ ٹی وی پر بھی شو کرتے ہیں؟"

✻ "جی بالکل Play چینل پہ میرا لائیو پروگرام آتا ہے اور "ای پلس" پہ بھی لائیو شو کرتا ہوں جو کہ شام کو پانچ بجے لائیو آتا ہے۔"

★ "ریڈیو پہ آواز کا جادو جگانے کا شوق زیادہ کیوں تھا

www.Paksociety.com

اورٹی وی پہ آنے کا شوق زیادہ کیوں نہیں تھا؟"

✻ "ٹی وی سے زیادہ مجھے ریڈیو میں کشش نظر آتی تھی۔ ریڈیو پہ آواز کے ذریعے متاثر کرنا ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ "آواز کا جادو" بہت بڑا جادو ہوتا ہے اور اس میں ساری فنکاری ہوتی ہے کہ آپ اپنی آواز کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ تو بس اس لیے ریڈیو پہ گیا۔ اور جب ٹی وی سے اچھی آفر آئی تو ریڈیو کے ساتھ ساتھ ٹی وی پہ بھی اپنا شوق پورا کیا۔۔۔۔ اور مزید آفرز بھی ہیں جو کہ زیر غور ہیں۔ ویسے تو مجھے اداکاری کی آفرز بھی ہیں لیکن میں نہیں کروں گا۔ کیونکہ ایک تو وقت نہیں ہے دوسرے میری ہمیشہ کوشش ہے کہ چاہے زندگی میں ایک کام کروں مگر اچھا کروں۔"

★ "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر خواتین و حضرات کو جب ریڈیو ٹی وی سے شہرت اور کام ملنا شروع ہوتا ہے تو پھر وہ اپنی اصل فیلڈ کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

✻ "ہاں ایسا ہے، لیکن میں اپنی اصل فیلڈ نہیں چھوڑوں گا۔ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ زیادہ کام کریں مگر مجھے اپنے میڈیکل کی فیلڈ سے بھی بہت لگاؤ ہے میں ایک دن میں پانچ جاب کر رہا ہوں اپنے میڈیکل فیلڈ میں صبح آٹھ بجے سے لے کر رات گیارہ بجے تک بہت مصروف رہتا ہوں۔ ریڈیو پر جو شو کرتا ہوں وہ ویک اینڈ پہ کرتا ہوں اور ٹی وی کے شو کے لیے ٹائم نکال لیتا ہوں۔"

★ "ٹی وی کے پروگرام آپ ریکارڈ کیوں نہیں کروالیتے؟ شوبز میں کشش کیا ہے؟"

✻ "اس لیے کہ لائیو پروگرام میں ٹائم ضائع نہیں ہوتا جبکہ ریکارڈنگ میں بہت وقت ضائع ہوتا ہے اور یہی کشش بہت ہے کہ لوگ پہچانتے ہیں۔ شروع کیا تھا شہرت کی خاطر مگر اب میرا شوق ہے۔"

★ یہ بتائیں کہ شادی آپ کی پسند سے ہوئی؟"

✻ قہقہہ "بس اللہ کا کرم ہے۔۔۔۔ جی شادی پسند سے ہوئی اور میری کزن ہیں میری پھوپھو کی بیٹی ہیں انہوں نے ہسٹری میں ماسٹرز کیا ہوا ہے اور وہ ہاؤس وائف کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔"

★ "آپ چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس فیلڈ میں آئیں؟"

✻ "نہیں میرا دل نہیں چاہتا اور ان کا بھی دل نہیں مانتا کہ وہ اس فیلڈ میں آئیں میں سمجھتا ہوں کہ ایک ہی بندہ کافی ہے۔ دونوں گھر سے باہر رہیں گے تو پھر گھر ڈسٹرب ہوگا۔"

★ "آپ دن رات مصروف رہتے ہیں۔ موڈ خراب کرنے کا موقع تو نہیں ملتا ہوگا کیونکہ سارے کام آپ اپنی مرضی سے کرتے ہیں؟"

✻ "نہیں ایسا نہیں ہے کہ میں سارے کام اپنی مرضی سے کرتا ہوں تو میرا موڈ خراب نہیں ہوتا ہوگا۔ موڈ میرا بھی خراب ہوتا ہے غصہ مجھے بھی آتا ہے۔ لیکن میری یہ عادت ہے کہ میں ایسے موقع پر خاموش ہو جاتا ہوں اور کسی سے بات نہیں کرتا۔۔۔۔ مطلب میں اظہار نہیں کرتا۔"

★ "Pisces لوگوں میں یہ بہت کمال کی بات ہوتی ہے کہ ان میں ضبط بہت ہوتا ہے غصے کا اظہار بہت کم کرتے ہیں اور صبر بہت ہوتا ہے؟"

✻ "اسٹرونگ بہت ہوتے ہیں اور مزاج کے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ میں بھی خاصا خوش مزاج ہوں۔۔۔۔ میری صحبت میں بیٹھ کر لوگ بور نہیں ہوتے۔"

★ "کھانے پینے کا شوق ہوگا کیونکہ آپ لاہوری ہیں؟"

✻ "کھانے پینے کا بہت شوق ہے اور خالصتاً لاہوری کھانے پسند ہیں۔۔۔۔ گھر کی بنی ہوئی مجھے سندھی بریانی بہت پسند ہے۔ چائنیز اگر اچھا بنا ہوا ہو تو بہت مزا آتا ہے اور مجھے زیادہ تر مرچوں والے کھانے پسند ہیں۔"

★ "کبھی غصے میں یا موڈ خراب کے ساتھ اسٹوڈیو آتے ہیں یا کلینک جاتے ہیں تو پھر مشکل تو ہوتی ہوگی؟"

✻ "طبیعت پہ زیادہ بوجھ نہیں لیتا۔ موڈ اکثر خراب ہوتا ہے۔ مگر وہی بات کہ اظہار نہیں کرتا اور اسٹوڈیو یا کلینک جا کر سیٹ ہو جاتا ہوں۔ مائیک پہ آکر سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

★ "لائیو کالز میں جس طرح آپ ایکسائیٹڈ کالر تھے کیا اسی طرح آج کل کے کالرز بھی ہیں اور لڑکیوں کی کالز زیادہ آتی ہیں یا لڑکوں کی؟"

✻ "ہم اپنے زمانے میں آج کل کی بہ نسبت بہت اچھے کالر تھے بہت تمیز کے ساتھ بہت اچھے انداز میں بات کرتے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں رہا۔ اب نہ وصول کرنے والوں کے وہ مزاج رہے ہیں اور نہ ہی کال کرنے والوں کے، ٹاپک پہ بات نہیں کرتے بس یہ کہ آپ کی آواز بہت اچھی ہے۔ آپ بہت اچھے ہیں وغیرہ اور میرا المیہ یہ ہے کہ مجھے لڑکیوں کی کالز زیادہ آتی ہیں اور ہمارے لڑکے کالر کہتے ہیں کہ آپ لڑکیوں کی کالز زیادہ لیتے ہیں۔"

★ "اسکرپٹ لکھتے ہیں یا فی البدیہہ بولتے ہیں؟ اور آڈیشن کے وقت آر جے میں کیا دیکھتے ہیں؟"

✻ "پہلے اسکرپٹ لکھتا تھا مگر اب نہیں لکھتا۔۔۔۔ اب تو مائیک کے آگے بولنے کا اتنا عادی ہو گیا ہوں کہ مجھے اسکرپٹ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک اچھے آر جے کے لیے سب سے پہلے آواز کا اچھا ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ کا لہجہ اچھا ہونا چاہیے۔ آپ کو معلومات ہونی چاہئیں جس ٹاپک پہ بات کر رہے ہیں اس پر پورا ہولڈ ہو آپ کو پوری نالج ہو۔"

★ "جو گانے آپ سنواتے ہیں وہ آپ کی پسند کے ہوتے ہیں؟"

✻ "وہ میری پسند کے ہوتے ہیں۔۔۔۔ اور مجھے ہر وہ گانا اچھا لگتا ہے جس میں سُر ہوتا ہے۔"

★ "شہرت کی خاطر اس فیلڈ میں آئے۔ اب شہرت بھی مل گئی ہے۔ اب کیا احساسات ہیں؟"

✻ "ابھی کہاں ملی ہے شہرت۔ ابھی بہت سی منزلیں باقی ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب بہت سے لوگ جاننے لگے ہیں۔۔۔۔ اور ریڈیو کا بہت جادو ہے جہاں جاتا ہوں لوگ آواز سے پہچان لیتے ہیں۔"

★ "سیاست سے لگاؤ ہے آپ کو؟"

✻ "تھوڑا بہت لگاؤ ہے۔ ٹائم ملے تو ٹاک شو وغیرہ دیکھ لیتا ہوں۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ اس ملک کی سیاست ایسی نہیں ہے کہ اس میں حصہ لیا جائے۔ بہت خطرناک سیاست ہے۔"

★ "چھٹی کا دن کیسے گزارتے ہیں۔ بچوں کو کتنا ٹائم دیتے ہیں؟"

✻ "چھٹی کا دن اپنی فیملی کے ساتھ گزارنا پسند کرتا ہوں۔ تھوڑا آرام کرنا پسند کرتا ہوں۔ اور کبھی کبھی مووی بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

★ "ملک سے باہر گئے؟"

✻ "میں چار سال دبئی میں رہا، ترکی بھی جا چکا ہوں مگر کہیں مستقل جانے کا موڈ نہیں بنا کیونکہ پاکستان پاکستان ہے۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

✡ ✡

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا

کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے

کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب

کھانا خزانہ

قیمت -/250 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔

آج ہی -/800 روپے کا منی آڈر ارسال فرمائیں۔

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32216361

www.Paksociety.com

مجھ سے ملئے

لبنیٰ جدون

◆ "تاریخ پیدائش، اسٹار؟"
✦ "10 جولائی، کینسر"
◆ "اللہ سے تعلق؟"
✦ " ہر تعلق سے زیادہ قریبی۔"
◆ "فرصت کا وقت گزارنے کا پسندیدہ طریقہ؟"
✦ "اچھا سا کوئی ناول پڑھ لیتی ہوں۔ ان دنوں تو فارغ وقت کے لیے ترس رہی ہوں۔"
◆ "کون سی چیز خوش گوار تاثر قائم کرتی ہے؟"
✦ "قدرتی حسن۔"
◆ "وہ چیز جو موڈ خراب کردے؟"
✦ "اچانک کہیں جانا پڑجائے تو بہت اذیت ہوتی ہے۔"
◆ "مشکل ترین لمحہ؟"
✦ "مشکل لمحات کو دہرا کر خود کو اذیت میں ڈالنے سے بہتر ہے کہ اگلے سوال کی طرف بڑھا جائے۔"
◆ "بہترین تعریف جو وصول کی؟"
✦ "پہلے ناول "دل نے تنہا جھیلی رات" پر سیماب علی کا تعریفی خط زبردست تھا۔"
◆ "وقت ضائع کرنے کا بہترین طریقہ؟"
✦ "بیڈ پہ لیٹے لیٹے جاگتی آنکھوں سے شیخ چلی والے خواب دیکھنا۔"
◆ "زندگی کا خوفناک واقعہ؟"
✦ "جب ایبٹ آباد جاتے ہوئے گاڑی بس کے بالکل سامنے آگئی تھی اور پھر اللہ نے تھوڑے نقصان پہ جان بخش دی۔"
◆ "بہترین تحفہ میری نظر میں؟"
✦ "تحفوں کے پیچھے چھپے خلوص کی قدر دان ہوں۔"
◆ "ایسی تاریخی شخصیت جس سے ملنا چاہیں؟"
✦ "فاطمہ جناح۔"
◆ "پسندیدہ ساتھی؟"
✦ "کتاب اور بہت ڈھیروں ساری دوستیں آج کل نصرت حیات، ساحرہ، آصفہ راشد اور اسماء نذیر وغیرہ۔"
◆ "پسندیدہ ہستی؟"
✦ "میری دکھ درد کی ساتھی میری "ماں"۔"
◆ "پسندیدہ پروفیشن؟"
✦ "وکالت"
◆ "بہترین کاوش؟"
✦ "یہ فیصلہ تو قارئین کے کرنے کا ہے۔"
◆ "پسندیدہ ملکیت؟"
✦ "میرا وطن۔"
◆ "زندگی کی خواہش؟"
✦ "اپنی فیملی کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت۔"
◆ "پریشان کن لمحہ؟"
✦ "ہر وہ لمحہ جب صائم، بلال اور الہنہ پہ ہلکی سی بیماری آجائے۔"
◆ "جب موڈ آف ہو تو کیا کرتی ہوں؟"
✦ "خاموش ہوجاتی ہوں۔"
◆ "کوئی ایسا فرد جس کے سامنے کھڑی نہ رہ سکوں؟"
✦ "اپنے امی ابو کے سامنے ہمیشہ ہار جاتی ہوں۔"
◆ "فیشن کب مسئلہ بنتا ہے؟"
✦ "جب فیشن بدلنے کی رفتار تیز ہو۔"
◆ "انسان کا دل کب ٹوٹتا ہے؟"
✦ "جب پہلا دل کا دورہ پڑتا ہے۔"

◆ "کیا چیز جذباتی کردیتی ہے؟"
✦ "قارئین کی تعریف۔"
◆ "زندگی کا یادگار دن؟"
✦ "19 جولائی جب صائم کو گود میں پہلی دفعہ اٹھایا تھا۔"
◆ "موسیقی میرے نزدیک؟"
✦ "میری ہر تکلیف کا علاج۔"
◆ "پسندیدہ گانا؟"
✦ "میری ذات ذرہ بے نشاں۔"
◆ "پسندیدہ فقرہ؟"
✦ "اف توبہ! تمہاری بیٹی (الہنہ) کیا بلا ہے۔"
◆ "پسندیدہ کردار؟"
✦ "ماں۔"
◆ "سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی اثاثہ؟"
✦ "میری فیملی۔ میرے بچے۔"
◆ "اچھا اور خوبصورت موسم؟"
✦ "دسمبر میں سردیوں کی برفیلی راتیں جب انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے ہوتے ہیں اور ایبٹ آباد جیسی خوبصورت وادی میں ہوتی ہوں۔ تب لکھنے کا مزا بھی آتا ہے۔"
◆ "ناقابل فراموش واقعہ؟"
✦ "خان پور ڈیم پہ جب کشتی ڈولنے لگی تھی کہ موسم نے خوفناک روپ بدل لیا تھا۔"
◆ "وہ رات جو کبھی نہ بھولے گی؟"
✦ "جب ایبٹ آباد جاتے ہوئے ویرانے میں گاڑی کا فیول ختم ہوگیا۔"
◆ "پہلی کاوش شائع ہونے پر تاثرات؟"
✦ "ساری رات خوشی سے سو نہیں پائی تھی۔"
◆ "میرا خواب؟"
✦ "میرے بچوں کا شاندار مستقبل۔" (ان شاء اللہ)
◆ "پسندیدہ مزاح؟"
✦ "ہر وہ فقرہ جس میں تضحیک نہ ہو۔"
◆ "حسد محسوس کرتی ہوں؟"
✦ "جب حسد محسوس ہوتا ہے تو اس بندے کی ترقی کی دعا شروع کردیتی ہوں۔"
◆ "خوشبو پسند ہے تو کیوں؟"
✦ "بالکل پسند ہے کہ یہ انسانی فطرت ہے۔"
◆ "پسندیدہ خوشبو؟"
✦ " Iternity "
◆ "آخری کتاب جو میں نے پڑھی؟"
✦ "فیصل ودود کی شاعری کی کتاب "مانا کہ جنوں زہر ہے" جن کی شاعری میں ایک تسلسل ہے۔ پڑھ کر مزا آیا۔"

چاک دامن کو سی لیا ہم نے
اور اب صبر کر نہیں سکتے
زندگی ایک بار ملتی ہے
تیری چاہت میں مر نہیں سکتے

◆ "پسندیدہ جگہ؟"
✦ "ایبٹ آباد کے علاوہ اور کون سی ہوسکتی ہے۔"
◆ "وہ جگہ جہاں چھٹی گزارنا پسند کروں؟"
✦ "ایبٹ آباد۔"
◆ "میری قوت ارادی؟"
✦ "میرے ارادوں کی قوت میرا اثاثہ ہے۔ جو ٹھان لوں وہ کر گزرتی ہوں۔"
◆ "گھر کا پسندیدہ کمرہ؟"
✦ "میرا پورا گھر ہی میری جنت ہے۔"
◆ "کیا پہننا پسند کرتی ہوں؟ لباس میں؟"
✦ "شلوار قمیص۔"
◆ "پسندیدہ رنگ؟"
✦ "قدرت کا ہر رنگ ہی بے مثال ہے۔"
◆ "پسندیدہ مصنف؟"
✦ "لمبی لسٹ ہے لیکن سعادت حسن منٹو پہلے نمبر پہ ہیں۔"
◆ "پسندیدہ شاعر؟"
✦ "احمد فراز، پروین شاکر اور اپنے ابو غلام مجتبیٰ

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

جدون۔"

"ویران سنسان جزیرے پہ سب سے پہلا کام کیا کروں گی؟"
"چائے بنانے کا بندوبست کروں گی۔"
"خود اپنی بری عادت؟"
"خود کو مستقبل کے ان دیکھے اندیشوں میں الجھا دیتی ہوں۔"
"کھانے کی پسندیدہ جگہ؟"
"تربیلا ڈیم کی لہر کے کنارے بنے چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں میں باربی کیو فش کا اپنا ہی مزا ہوتا ہے۔"
"اگر میں مصنفہ نہ ہوتی تو؟"
"کاش میں مصنفہ تو ہوتی۔"
"ایک لفظ جو مجھے واضح کردے؟"
"تنہا پسند۔۔۔"
"جنس مخالف کے بارے میں کیا رائے ہے؟"
"خالق کل کی اچھی بلکہ خوبصورت تخلیق ہے۔"
"محبت کے بارے میں کیا رائے ہے؟"
"حسین و لطیف جذبہ اور احساس جس کے دم سے دنیا مہک رہی ہے۔"
"پسندیدہ رشتہ؟"
"جس کا فیصلہ آسمان پہ ہوا تھا اور زمین پہ اپنے ارد گرد مضبوط ڈھال کی مانند محسوس ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ماں بیٹی کا رشتہ جو بہت پائیدار ہوتا ہے۔"
"اگر محبت کی تو کیا نتائج نکلیں گے؟"
"اب گزر گیا ہے جاناں اس سوال کا موسم۔۔۔"
"پسندیدہ لو اسٹوری؟"
"ہیر رانجھا۔"
"کوئی ایسی فلم جو بار بار دیکھنا چاہیں؟"
"ایک دفعہ بھی پوری دیکھنا ناممکن لگتا ہے۔ بار بار دیکھنے کا تو حوصلہ ہی نہیں۔"
"چہرے کچھ بتاتے ہیں؟"
"چہرے کچھ نہیں بلکہ سب کچھ بتاتے ہیں۔"
"شاعری کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"شاعری انسان فطرت کی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔"
"میری جستجو، میری کھوج؟"
"خالق کل اور اس کی تخلیق یعنی دنیا میں راحت کا حصول جس میں اس کی رضا شامل ہو۔"
"بہترین کامیابی؟"
"میری زندگی صرف کامیابیوں سے مزین ہے۔ مجھے کبھی ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ (ماشاء اللہ)
"وہم کا ازالہ کس طرح کرتی ہوں؟"
"آیت الکرسی پڑھ کے۔"
"سائنس کی بہترین ایجاد؟"
"کمپیوٹر۔"
"بدترین ایجاد؟"
"کمپیوٹر۔۔۔ جس کی وجہ سے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔"
ایسی شخصیت جو شدت سے یاد آتی ہے؟"
"اپنی دادی جان، تایا جان اور بڑی پھپھو۔۔۔"
"بستر پہ جانے سے پہلے کیا جانے والا آخری کام؟"
"سارے کمروں کے دروازے بند کرتی ہوں۔"
"ایک بات جو ہمیشہ یاد رہی؟"
"ماں باپ کی تربیت کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دینا۔"
"زندگی کا خوبصورت ترین دن؟"
"جب پہلا ہی مکمل ناول چھپا اور پسند کیا گیا۔"
"قارئین کے لیے پیغام؟"
"ہر تحریر میں کوئی پیغام ہوتا ہے اور کوشش کیا کریں کہ اس سے اپنی زندگی کی اصلاح کا کام لیں۔"
"کرن کے بارے میں رائے؟"
"کرن ڈائجسٹ سے میرا رشتہ محبت بھرا ہے۔ مجھے یہ مقام کرن کے توسط سے حاصل ہوا۔ کرن بلاشبہ ایک معیاری ادب کا علمبردار ہے۔ خدا اسے یوں ہی ترقی کی راہ پر گامزن رکھے۔" (آمین)

☆ ☆

www.Paksociety.com

نبیلہ عزیز

دردِ دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں' مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے' وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے' جس کے پیش نظر فائزہ بیگم' نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں' لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کردیتی ہے' جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے' مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے' مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے' لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باذ امتیاز مل جاتا ہے' جو اسے کام کی آفر کرتا ہے' جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے' اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے' وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے' وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دل آور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے' وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے' اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا' اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

۲۱

اکیسویں قسط

www.Paksociety.com

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔

"بیوی۔۔۔؟" ان سب لفظوں پہ اور ان سب ناموں پہ یہ ایک نام بھاری ہو گیا تھا اور اس لفظ کا یہ بھاری پن علیزے کے نازک دل و دماغ اور نازک اعصاب سے سہارنا مشکل ہو گیا' اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر نیچے زمین پہ آگرتی دل آور شاہ نے احتیاط سے اسے بازو سے پکڑتے ہوئے بیڈ پہ بٹھا دیا اور خود بھی اس کے بے حد قریب بیڈ پہ ہی بیٹھ گیا۔

"ایک شوہر اپنی بیوی کو حاصل کرنے کے لیے کبھی اتنی جدوجہد اور اتنا صبر نہیں کرتا جتنا میں نے کیا ہے۔ انتظار ہی کرتا رہا کہ کب تم بیس سال کی ہو گی اور کب میری دسترس میں آؤ گی۔۔۔؟ تمہیں پانے کے لیے تو میں نے رانجھا بننے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔۔۔ اب دعا کرو کہ کوئی کیدو پیدا نہ ہو؟" دل آور نے انتہائی سکون اور نرمی سے کہتے ہوئے اس کا نازک دودھیا مخملی سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیتے ہوئے ہلکے سے دبایا تھا اور علیزے اس کے مضبوط ہاتھ کے دباؤ اور حدت سے یک دم جیسے پھر سے حواسوں آگئی تھی' اسے کرنٹ چھو گیا تھا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔۔۔" وہ اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ کھینچتی ہوئی جھٹکے سے کھڑی ہو گئی لیکن دوسرے ہی پل وہ دل آور کے ہلکے سے جھٹکے سے ہی اس کے اوپر آرہی تھی۔

"اتنا احتجاج کس لیے میری جان۔۔۔؟ احتجاج کرنے سے پہلے کم از کم یہ ضرور۔۔۔ سوچ لینا چاہیے کہ ہم آخر کتنے پانی میں ہیں۔۔۔؟ ڈٹ جائیں گے یا بہہ جائیں گے؟" وہ اسے احتیاط سے سمیٹ چکا تھا وہ تڑپی تھی۔ ماہی بے آب کی مانند۔

"ڈرائیور پلیز۔۔۔! چھوڑ دو مجھے' تم کون ہو۔۔۔؟ کیا ہو۔۔۔؟ میں بالکل بھی نہیں جانتی' پلیز۔۔۔" علیزے کے حلق میں بے بسی کے مارے آنسوؤں کا گولا سا اٹک گیا۔

وہ اپنے ہی گھر میں' اپنے ہی بیڈ روم میں اتنی بے بس ہو چکی تھی کہ اپنے بہت اپنوں کو بھی مدد کے لیے نہیں پکار سکتی تھی کیونکہ بیڈ روم کی دیواریں ساؤنڈ پروف تھیں۔۔۔ اور علیزے بے بس۔۔۔

"جانِ ڈرائیور! میں کون ہوں۔۔۔؟ کیا ہوں۔۔۔؟ تم یہ سب جاننے لگو گی لیکن دو گھڑی پاس تو بیٹھو' دھڑکنوں کا دھڑکنوں سے تال میل تو ہونے دو' کچھ ڈرائیور کی سمجھو اور کچھ ڈرائیور کو سمجھاؤ' مسئلے تو تب ہی حل ہوتے ہیں جب باہمی مشورے اور مذاکرات کیے جائیں' اس طرح اٹھ اٹھ کر بھاگنے سے سوائے کھینچا تانی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔۔۔" دل آور نے اسے دوبارہ بیڈ پہ بٹھا دیا۔

اور سگریٹ کا آخری کش لے کر سگریٹ کو قالین پہ پھینکا اور اپنے بوٹوں تلے مسل دیا۔

"سوری! تمہارے بیڈ روم میں ایش ٹرے نہیں ہے نا اس لیے قالین کو زک پہنچانی پڑی۔" اس نے ساتھ ساتھ معذرت کے آداب بھی پورے کیے تھے اور پھر ذرا سا ترچھے انداز میں بیٹھتے ہوئے پوری توجہ سے اس کی سمت متوجہ ہوا۔

"بتاؤ کیا جاننا چاہتی ہو۔۔۔؟ کیا بتاؤں تمہیں۔۔۔؟" وہ جیسے اب اپنے اصل روپ اور اصل مزاج میں آگیا تھا اس کے دیکھنے کا انداز اور بولنے کا لہجہ بدل گیا تھا علیزے چونک گئی۔ اور ایک پل کے لیے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی اور خوف سے روح بھی کپکپا اٹھی۔

"خیرو بابا پہ فائرنگ کروانے سے لے کر اب تک کیا کیا ہوا ہے۔۔۔؟ سب بتاتا ہوں تمہیں' اک بات بھی نہیں چھپاؤں گا' پہلے یہ لفافہ کھول کر چیک کر لو' اس میں نکاح نامہ بھی ہے' اس کی بھی تسلی کر لو اور جان لو کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔۔۔؟" دل آور شاہ نے نپے تلے سرد و سپاٹ سے لہجے میں کہتے ہوئے اپنی پینٹ میں اڑسا ہوا لفافہ نکال کر علیزے کی گود میں رکھ دیا۔

یوں جیسے اسے منہ دکھائی پیش کی ہو اور علیزے کی رنگت متغیر ہو گئی' خیرو بابا پہ فائرنگ کا ذکر سن کر تو اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے اس لیے گود میں رکھا لفافہ اٹھا کر کھولنے کی تو اس میں ہمت ہی نہیں تھی' خوف لحہ بہ لحہ قطرہ قطرہ اس کی رگوں میں پھیلتا جا رہا تھا اور اس خوف کی لرزش اس کے ہاتھوں سے نمایاں نظر آرہی تھی' اس کے ہاتھ بری طرح کپکپا رہے تھے لیکن پھر بھی اسے وہ لفافہ تو کھولنا تھا سو بڑی مشکل سے اپنی ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ لفافہ اٹھایا اور چاک کر دیا۔

☼ ☼ ☼

دھڑام کی آواز سے کچھ گرا اور گر کر ٹوٹ گیا۔
اور ٹوٹ کر بکھرنے کی یہ آواز بہت دور تک گئی تھی اتنی دور کہ سننے والے دہل گئے تھے۔
"زری۔۔۔! کچھ گرا ہے۔۔۔؟" نگارش نے سیڑھیوں کی ریلنگ سے جھکتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں۔۔۔" زری کی بے یقین اور سہمی ہوئی۔ آواز سنائی دی۔
"کیا گرا ہے۔۔۔؟" نگارش نے دوبارہ پوچھا۔
"میرا دل۔۔۔" زری کی سہمی ہوئی سی آواز کو نگارش مذاق سمجھی تھی۔
"اچھا۔۔۔! تو کیا ٹوٹ گیا؟"

"ہاں بھابھی! ٹوٹ گیا۔۔۔ ٹوٹ گیا میرا دل۔" اب کی بار زری کی آواز میں آنسوؤں کا غلبہ تھا وہ شاید رو پڑی تھی اور نگارش ٹھٹک کر سیدھی ہوئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی سیڑھیاں اتر آئی زری لاؤنج میں لگے ریک کے پاس کھڑی تھی اور کافی شدت سے رو رہی تھی اور اس کے رونے کی وجہ نگارش کو لاؤنج کے فرش پہ ہی بکھری نظر آگئی تھی جس پہ نگارش کا دل بھی دھک سے رہ گیا۔

بلیک کلر کا کافی مگ بڑی بے دردی سے ٹوٹ کر ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا' یہ مگ تین چار سال پرانا تھا' زری ایک بار مدیحہ کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی اور وہاں اسے یہ مگ بہت پسند آئے تھے تب اس نے تین مگ ایک ساتھ خریدے تھے' دل آور شاہ' نبیل حیات اور عبداللہ کے لیے۔۔۔!

اپنی پسند سے اس نے بلیک کلر کا مگ دل آور شاہ کے لیے سلیکٹ کیا تھا' جبکہ عبداللہ کا نیوی بلو کلر اور نبیل حیات کا چاکلیٹی کلر میں تھا۔ ان کے کلرز مختلف لیکن ڈیزائن اور شیپ ایک جیسے ہی تھے۔ جو ان تینوں کو بہت پسند آئے تھے اور یہی وہ مگ تھا جس میں پہلی مرتبہ اس نے کافی بنا کر دل آور کو دی تھی اور وہ پہلی مرتبہ ہی چونک گیا تھا۔ اسے اس مگ سے لپٹی خوشبو اور چاہت کا احساس ہو گیا تھا اور پھر یہ احساس ہمیشہ بڑھتا ہی رہا۔ جب بھی وہ تینوں دوست ان کے گھر میں اکٹھے بیٹھتے تھے تو نگارش اور زری انہیں انہی میں کافی یا چائے بنا کر دیتی تھیں اور جب سے دل آور اور نبیل پاکستان گئے تھے عبداللہ نے بھی اپنے مگ میں کافی پینا چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے نگارش نے وہ تینوں مگ صاف کر کے لاؤنج کے ریک میں سجا دیے تھے اور آج زری کو خیال آیا کہ وہ یہ مگ پیک کر کے دیگر سامان میں رکھ دے' تاکہ پاکستان جا کر وہ لوگ پھر اپنی کافی کی یاد تازہ کر لیتے' لیکن دو مگ پیک کرنے کے بعد جب اس نے تیسرے کو اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو نہ جانے کیا ہوا' وہ بلاوجہ ہی اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ جس کا صدمہ اسے ہچکیوں سے رلا گیا۔

"زری پلیز۔۔۔ کنٹرول میری جان' اب اتنی سی بات پہ کیا رونا۔۔۔؟ کانچ کی چیز تو ہوتی ہی ٹوٹنے کے لیے ہے۔" نگارش نے آگے بڑھ کے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"بھابھی۔۔۔! اس کانچ کی چیز میں میری محبت کا پہلا لمس' پہلا احساس بسا تھا۔۔۔ بکھر گیا وہ احساس' گر کر ٹوٹ

www.paksociety.com

گیا۔" زری کا دل یوں تھا جیسے کسی نے اپنے ہاتھ کی دونوں مٹھیوں میں بڑے زور سے بھینچ رکھا ہو' جس سے اس کے دل کا دم گھٹ رہا تھا اور جان ٹوٹ رہی تھی۔

"ارے نہیں پاگل۔۔۔ اب اپنی محبت کو اس بے جان چیز سے تو مشروط مت کرو' محبت کسی کی نشانیوں کی محتاج نہیں ہوتی۔" نگارش نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے سہلایا۔

"محبت نشانیوں کی نہیں لیکن احساس کی محتاج تو ہے نا؟ اور اس کانچ کے مگ میں تو میری محبت کے کئی احساس پوشیدہ تھے؟ یہ احساس بکھرے ہیں تو میرا دل بھی تو بکھرے گا نا؟" زری کے دل پہ ممکنہ دکھ کے الہام اتر رہے تھے اور اس کی کیفیت کچھ ایسی ہو رہی تھی کہ جسے دیکھ کر نگارش کا دل بھرنے لگا۔

"پلیز زری۔۔۔! سنبھالو خود کو' کچھ نہیں ہوا' صرف مگ ہی تو ٹوٹا ہے؟ ہم دل آور بھائی کے لیے نیا اور اس سے زیادہ اچھا مگ لے آئیں گے' جو تمہاری طرف سے ان کے لیے گفٹ ہی ہوگا۔" نگارش نے اسے بہلانے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں بھابھی۔۔۔! یہ صرف مگ نہیں ٹوٹا' اس مگ کے ساتھ تو بہت کچھ ٹوٹا ہے' لوگ کہتے ہیں کہ جب کانچ کی کوئی چیز ٹوٹتی ہے تو سمجھو کوئی انہونی ہونے والی ہے اور آپ۔۔۔ آپ جانتی ہیں کہ میرا دل کوئی بھی انہونی سہنے والا دل نہیں ہے' ادھر کچھ ہوگا' ادھر یہ مر جائے گا۔" وہ رو رہی تھی' بلک رہی تھی اور نگارش اسے بچوں کی طرح سنبھال رہی تھی۔

"زری۔۔۔! صرف تین' چار روز کی بات ہے' ان شاء اللہ ہم پاکستان جائیں گے تو تمہارے سارے وہم اور وسوسے دور ہو جائیں گے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نگارش اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے اسے تسلی دے رہی تھی۔

لیکن آج کل نہ جانے کیوں زری کے دل کی اتنی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی کہ لاکھ سمجھانے اور بہلانے سے بھی نہیں بہل رہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ چپ ہوئی تھی اور رو دھو کر لاؤنج میں بکھرے کانچ کے ٹکڑے اٹھانے لگی' لیکن یہ کانچ کے ٹکڑے اٹھاتے ہوئے اس کا دل لہولہان ہو رہا تھا۔ مگر وہ بمشکل ضبط کرتی ہوئی ٹکڑے سمیٹ کر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ یہاں اس وقت سوا نو بجے کا وقت تھا اور پاکستان میں رات کے سوا دو بج رہے تھے۔

پاکستان میں رات کے سوا دو بجے ایسا کیا ہوا ہے' جس نے زری کے دل کو اپنی مٹھیوں میں لے کر بری طرح مسل ڈالا تھا؟ زری کے پاؤں کے تلوے زمین پہ نہیں لگ رہے تھے۔ وہ اضطراب کے مارے دائیں بائیں چکرا رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ پہ بے کلی اور بے چینی سوار ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ فی الحال یہ معلوم نہیں کر سکی کہ آخر ہوا کیا ہے؟ یوں بیٹھے بیٹھے اس کے دل کی حالت اتنی غیر کیوں ہو گئی ہے؟ صرف مگ ٹوٹ جانے پہ تو ایسا نہیں ہو سکتا تھا؟ زری ہر طرف سے بے بس ہو کر کھڑکی میں آکھڑی ہوئی — باہر موسم بہت سرد ہو رہا تھا اور اس کے اندر آتش دہک رہا تھا' شعلے اگلتا ہوا اور زری اس ٹھنڈے اور گرم موسم کی زد میں کھڑی سب کچھ اپنے دل پہ سہار رہی تھی' بڑی ہمت اور بہادری کے ساتھ۔

☼ ☼ ☼

پندرہ نومبر کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔

علیزے آفندی اور دل آور شاہ نے رات جاگ کے گزاری تھی۔ ایک ہی بیڈ پہ آمنے سامنے بیٹھ کر۔۔۔ آنکھوں آنکھوں میں رات بیت گئی تھی اور اسی رات میں یوں لگ رہا تھا جیسے دونوں کی ذات بیت گئی تھی۔ ایک سرا علیزے آفندی کے ہاتھوں میں تھا اور ایک سرا دل آور شاہ کے ہاتھ میں۔ وہ ساری باتیں اور سارے

ثبوت اس پہ واضح کر چکا تھا جن کو جاننے اور دیکھنے کے بعد علیزے آفندی چپ ہو گئی تھی۔۔۔ بلکہ چپ لگ گئی تھی' چپ کا تالا لگ گیا تھا اور اس تالے کی کنجی اور اسے کھولنے کا اختیار اب صرف دل آور شاہ کے پاس تھا۔۔۔ تو کیا اس ایک رات میں وہ سارے اختیار دل آور شاہ کو سونپ چکی تھی؟ اس نے اپنا سب کچھ اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا؟ وہ جو بھی چاہتا کر سکتا تھا؟ تو اس کا مطلب تھا کہ گزشتہ رات محض ایک رات نہیں تھی۔۔۔ بلکہ قیامت کی رات تھی۔

اور اس قیامت کی رات نے علیزے آفندی کی ذات کے سارے غرور چھین لیے تھے۔ اس کی معصومیت کو دھجی دھجی بکھیر ڈالا تھا۔ اس رات کے بعد وہ تو علیزے آفندی کے قدموں کی خاک بھی نہیں رہی تھی۔ اس کے سارے ناز' سارے غرور مٹی میں مل گئے تھے۔ وہ آج منہ کے بل گری تھی اور یہ گرنا اسے توڑ کے رکھ گیا تھا۔۔۔ وہ اٹھنے اور سنبھلنے کے قابل نہیں رہی تھی اور اسی گم سم حالت میں صبح ہو گئی اور صبح کے انتظار میں بیٹھا دل آور شاہ آہستگی سے اس کے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر گم سم بیٹھی علیزے کے سامنے اپنا مضبوط ہاتھ پھیلا دیا تھا۔ علیزے اس کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے چونکی تھی' بلکہ اپنے سامنے پھیلے ہوئے اس کے ہاتھ کا مفہوم سمجھتے ہوئے خاموشی سے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا اور دل آور نے اپنے ہاتھ کے زور پہ اسے بیڈ سے اٹھنے میں مدد دی تھی۔

اور پھر بڑی احتیاط سے اسے اپنے ساتھ لیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ علیزے اس کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب بھی سمجھ گئی تھی۔ یعنی وہ اسے فریش دیکھنا چاہتا تھا اور علیزے اس کے چاہنے کے مطابق اپنے چہرے کو ٹشو سے صاف کرتے ہوئے بالوں میں برش پھیرنے لگی اور یوں ہی بالوں میں پھیرتے ہوئے اچانک اس کی نظر ٹیبل پہ رکھے ان گفٹس کی سمت اٹھی تھی جو کل اسے سب لوگوں نے اور کزنز نے دیے تھے اور جو اس نے ابھی تک کھول کر دیکھے ہی نہیں تھے اور انہی گفٹس میں گولڈن ریپر اور گولڈن ربن سے سجا ہوا آذر آفندی کا گفٹ بھی ہنوز پیکنگ میں بند پڑا تھا۔

"دیر ہو رہی ہے ہمیں۔" دل آور شاہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے اسے متوجہ کیا اور علیزے ——— کی ان گفٹس سے نظریں چرانی پڑ گئیں۔ بال سمیٹ کر وہ اس کی سمت پلٹی۔ اس کی ڈریسنگ البتہ رات والی ہی تھی۔ وہی سیاہ سوٹ۔۔۔ کسی کی قسمت سے بھی زیادہ سیاہ۔۔۔ اسی ڈریس کے نیچے اس نے سیاہ سینڈل پہنے تھے اور سینڈلز کے اسٹریپس بند کرنے کے بعد وہ سیدھی کھڑی ہو چکی تھی۔

"چلیں۔۔۔؟" وہ کافی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ لیکن علیزے کو جواب دینے میں بڑی دقت ہوئی تھی۔

"ہوں! چلیں۔۔۔" اس کی آواز تھی یا ہوا کا دھیما جھونکا' جو غیر محسوس انداز میں چھو کے گزر گیا اور دل آور شاہ نے اس کے برابر کھڑے ہوئے اپنا دایاں بازو اس کے کندھوں کے گرد حمائل کر دیا اور وہ نازک کانچ کی گڑیا اس کے بازو کے حصار میں آگئی تھی اور تب دل آور شاہ نے اپنے نمبر سے ایک کال ملائی تھی۔ اسی حویلی کے ایک نمبر پہ۔۔۔!

☼ ☼ ☼

وقار آفندی ڈائننگ ہال میں بیٹھے اپنے الجھے بکھرے اور منتشر سے ذہن کو اخبار کی سرخیوں میں گم کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ جب ٹیبل پہ رکھے ان کے سیل پہ رنگ بجی تھی اور اس قدر اچانک اور غیر متوقع انداز میں بجی تھی کہ اخبار ان کے ہاتھ میں لرز گیا۔ حالانکہ یہ لرزش تو ان کے ہاتھوں میں رات سے ہی ہو رہی تھی۔ اس وقت تو رنگ ٹیون کا محض بہانا بنا تھا۔۔۔ انہوں نے جلدی سے سیل اٹھا کر دیکھا تھا۔ نمبر وہی رات والا تھا' جس

www.Paksociety.com

سے انہیں وہ میسج موصول ہوا تھا اور وہ اسی نمبر سے کال دیکھ کر اندر سے ٹھٹھر کے رہ گئے۔ لیکن کال کرنے والے کو جاننے کے لیے کال ریسیو کرنا بے حد ضروری تھا۔ اس لیے انہوں نے فوراً" کال ریسیو کرلی تھی۔

"ہیلو! کون...؟" اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود وقار آفندی کے لہجے میں خوف بول رہا تھا۔

"تمہارا داماد..." جواب مختصر مگر کاٹ ڈالنے والا تھا۔

"کون ہو تم...؟ اور کیا بکواس کر رہے ہو؟" وقار آفندی سے اس وقت مشتعل ہونے کی امید نہیں تھی، لیکن پھر بھی وہ مشتعل ہو رہے تھے۔

"میں وہی ہوں جسے تم اتنے عرصے سے اندر ہی اندر پاگلوں کی طرح تلاش کر رہے ہو اور تمہاری بیٹی مجھے پہلو میں لیے پھر رہی ہے۔" اس آواز میں طنز تھا، تمسخر تھا، ایسا سب کچھ تھا جس سے وقار آفندی کی ہستی تڑپ اٹھتی۔

"یقین نہیں آتا تو اپنی بیٹی کے بیڈ روم میں آکر دیکھو، میں تمہیں وہیں ملوں گا۔" اتنا کہنے کے بعد کال ڈس کنیکٹ ہو گئی اور وقار آفندی پاگل ہو اٹھے تھے۔ علیزے کا خیال آتے ہی ان کا دل مٹھی میں آگیا۔ وہ سیل اور اخبار وہیں چھوڑ کے یک دم اٹھ کر لپکے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں کرسی سے ٹھوکر بھی لگی تھی۔ وہ بمشکل گرنے سے بچے۔ کیونکہ بروقت دوسری کرسی کی بیک کا سہارا لے لیا تھا۔ لیکن وہ دو منٹ سنبھلنے کے لیے بھی نہیں ٹھہرے۔ انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے بہت دیر ہو چکی ہے۔ وہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر علیزے کے بیڈ روم تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن بڑی حویلی کے تین پورشنز کا طویل ترین زینہ طے کرتے ہوئے ان کی ساری ہمتیں جواب دے رہی تھیں۔ ان کا ہر قدم شکستگی کی سمت بڑھ رہا تھا اور اپنے بیڈ روم سے نکلتے آذر نے ان کو دیکھا اور وہ یہی سمجھا کہ ڈیڈ یقیناً" علیزے کے بیڈ روم میں اسے جگانے کے لیے جا رہے ہیں۔ اس لیے ذرا لاپروائی سے کام لیتے ہوئے نیچے اتر آیا اور وقار آفندی اوپر علیزے کے بیڈ روم کے سامنے پہنچ گئے۔ بیڈ روم کے دروازے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور جیسے ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے ان کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

سامنے کا منظر قیامت سے کم نہیں تھا۔ اس منظر میں حشر برپا تھے۔ کیونکہ علیزے جس کے بازو کے حصار میں کھڑی تھی وہ کوئی اور نہیں ان کے اپنے گھر کا ملازم اور علیزے کا ڈرائیور منصور حسین تھا۔

"منصور حسین...؟" وقار آفندی کے دماغ کی رگیں تن گئیں، جبکہ دل آور شاہ کی موٹی موٹی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہلکورے لینے لگے تھے۔ غضب اس کے چہرے کے نین نقوش میں اتر آیا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ جب علیزے اس کی تھی، اس کے ساتھ تھی تو پھر یہ غیض و غضب بھلا کس لیے...؟ اس نے اپنے اندر کے بپھرے ہوئے زخمی شیر کو سلا دیا تھا، تھپک دیا تھا تھوڑی دیر کے لیے۔

"منصور حسین نہیں! منصور حسین کا پوتا ہوں میں... منصور حسین شاہ کا پوتا... اور بابر شاہ کا بیٹا... دل آور شاہ ہوں میں... دل آور شاہ۔" اس نے اپنی سمت انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے چبا چبا کر اتنے ٹھوس اور اٹل انداز میں تعارف کرادیا کہ اس کے تعارف میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا اور وقار آفندی کھڑے کھڑے اس بڑی حویلی کے تین پورشنز سے نیچے گرے اور حویلی کی مضبوط ترین عمارت کے ملبے تلے دب گئے تھے۔ جہاں سے نکلنا اب ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

"دل آور شاہ...؟" یوں جیسے ان کے ہونٹوں نے اس کا نام لینے کی کوشش کی تھی، ہلکی سی جنبش کے ساتھ۔

"ہاں دل آور شاہ! تمہاری بیٹی کا ڈرائیور نہیں، تمہاری بیٹی کا شوہر، جس کی تصدیق کے لیے تم نکاح نامہ بھی دیکھ سکتے ہو اور تسلی کے لیے اپنی بیٹی سے بھی پوچھ سکتے ہو، بلکہ یہاں ہی نہیں تم اسے اکیلے لے جا کر بھی پوچھ سکتے ہو، میری طرف سے اجازت ہے۔" دل آور شاہ نے وقار آفندی کی ملبے تلے دبی ہوئی لاش کو اور بھی زمین کے اندر دبا دیا تھا۔ لیکن اک لاش نما فنا شدہ وقار آفندی نے نہ جانے کس طرح علیزے کی سمت دیکھا تھا کہ ان کی

سوالیہ نظروں کے سوال پہ علیزے نے آہستگی سے سر جھکا لیا۔

"جی پاپا! یہ سچ ہے، میں اس سے شادی کر چکی ہوں، میرا اس کے ساتھ نکاح ہو چکا ہے، اب یہ میرا شوہر ہے، پہلے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کیونکہ مجھے آپ کے ری ایکشن کا پتا تھا۔ لیکن آج اس لیے بتا رہی ہوں کہ میں آج اپنی مرضی، اپنی رضا سے یہ حویلی چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گھر جا رہی ہوں، لہٰذا مجھے روکنے کی اور میرے سامنے رکاوٹ بننے کی کوئی بھی کوشش نہ کرے، آپ، نہ کوئی اور..."

علیزے آفندی کی آواز پہ جہاں آذر آفندی کے قدم دروازے میں ہی رک گئے تھے وہیں وقار آفندی کی شریانوں میں گردش کرتا خون بھی رک گیا تھا۔ نبضیں تھمنے لگی تھیں اور دل بند ہو رہا تھا۔ چہرے پہ مرگ کا عالم تھا اور اسی عالم مرگ میں آذر آفندی بھی دم بخود اور ششدر سا کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی نیچے ڈائننگ ہال میں گیا تھا اور وہاں گرا ہوا اخبار اور ڈیڈ کا سیل دیکھ کر وہ چونک گیا اور جیسے ہی سیل چیک کیا تو رات والا میسج سامنے آیا تھا۔ تب ہی وہ پریشانی سے پلٹا اور ان کے پیچھے چلا آیا تھا۔ لیکن علیزے کے بیڈ روم کے دروازے میں پہنچ کر اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے اور اس میں کچھ بھی کہنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ آذر آفندی کی سماعتوں کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی علیزے کو اور کبھی دل آور شاہ کو دیکھ رہا تھا جو اس کی نظر میں اب بھی منصور حسین ہی تھا۔ البتہ منصور حسین کی اصلیت کیا تھی یہ تو صرف وقار آفندی ہی جانتے تھے۔

"چلیں...؟" دل آور شاہ نے علیزے سے کہتے ہوئے وقار آفندی اور آذر آفندی کی سمت دیکھا۔

"ہوں..." علیزے نے آہستگی سے سر ہلایا اور پھر دل آور شاہ کے بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ قدم ملانا پڑا۔

"منصور حسین..." آذر ان کو دروازے کی سمت بڑھتے دیکھ کر یک دم بپھر گیا۔

"خبردار آذر آفندی! اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے بڑھے تو گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔" دل آور شاہ نے یک دم ریوالور سامنے کرتے ہوئے اسے منجمد کر ڈالا۔ وہ ان سب کو بے بس کرنے کے پورے پورے انتظام کر کے آیا تھا۔ علیزے... اس کے ریوالور کی زد میں آذر آفندی کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔

"پلیز آذر بھائی...! میں نے آپ سے کہا نا کہ کوئی بھی میرے راستے کی رکاوٹ نہ بنے تو پھر کیوں آپ خوامخواہ ہنگامہ کرنا چاہتے ہیں، ہر لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ جاتی ہے۔ میں بھی جا رہی ہوں، پلیز آپ روکنے کی کوشش مت کریں۔" علیزے نے کافی سخت لہجے میں آذر کو منع کر دیا اور آذر ساکت و صامت رہ گیا تھا۔

"علیزے۔" وہ بے یقینی سے بولا۔

"مر چکی ہے آپ کی علیزے... میں اب آپ کی علیزے نہیں ہوں... نہیں ہوں میں آپ کی علیزے۔" وہ بھی یک دم بکھر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں امڈتے آنسو آذر نے واضح محسوس کیے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ کچھ نہ کر سکا تھا۔ دل آور شاہ اسے ساتھ لے کر بیڈ روم سے نکل گیا۔

"علیزے...!" وقار آفندی کے منہ سے محض اس کا نام سنائی دیا تھا اور وہ کھڑے قد سے یک دم تیورا کے نیچے زمین پہ آگرے۔

"ڈیڈ...!" ان دونوں کے پیچھے نکلتا آذر یک دم وقار آفندی کے گرنے کی آواز سن کر ان کی سمت لپکا۔

"علیزے! ڈیڈ..." آذر دو زانو نیچے زمین پہ بیٹھتے ہوئے اپنی پوری قوت سے چیخا تھا۔

"علیزے...! ڈیڈ مر جائیں گے۔"

آذر زور، زور سے چیخ رہا تھا اور اس کے چیخنے کی آواز باقی گھر والوں کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں اترتی علیزے بھی سن چکی تھی، تب ہی دل آور شاہ کے ہاتھ میں دبا اس کا ہاتھ کانپا تھا اور قدم ٹھٹک کے رکے تھے۔ لیکن دل آور شاہ نے اسے رکنے نہیں دیا اور وہ چاہ کر بھی رک نہیں سکی تھی۔

www.Paksociety.com

اوران دونوں کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر کر پورا گھر جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ جودت 'کومل' دانیال 'احمد' آسیہ آفندی' ثروت بیگم 'اسرار آفندی سب کے سب اپنی اپنی جگہ پہ پتھر کے بت ہو گئے تھے۔۔۔ اور اوپر سے آذر کے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان سب چیزوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے دل آور شاہ سیڑھیاں اتر کر کوریڈور کی سمت بڑھ گیا اور علیزے اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی۔

وہ اسے ساتھ لیے کوریڈور سے باہر روش پہ نکل آیا۔

"گلاب خان! گاڑی اندر لے کر آؤ۔" اس نے محض دو سیکنڈ کی کال کی تھی اور گیٹ پہ اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دینے لگا تھا' جیسے ہی عارف نے گیٹ کھولا اس کی چمچماتی ہوئی "سرف" بڑی حویلی کی روش پہ آکھڑی ہوئی' جس کی ڈرائیونگ سیٹ پہ گلاب خان براجمان تھا' مستعد اور چوکس۔۔۔

"منصور حسین۔۔۔! یہ کیا کر رہے ہو تم۔۔۔؟ یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔۔؟" مبارک خان اپنے کوارٹرز سے نکل کر ادھر ہی آرہا تھا۔ لیکن دل آور شاہ کے ہاتھ میں دبوچا ہوا علیزے کا بازو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"خبردار! زیادہ ہمدرد بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں ہو وہیں کھڑے رہو۔" دل آور شاہ نے اس کی سمت بھی ریوالور تان لیا اور مبارک خان کے ساتھ چوکیداری پہ مامور عارف بھی چونک گیا۔

"منصور حسین تم یہ سب کیوں؟" مبارک خان نے کچھ کہنا چاہا۔

"میں منصور حسین نہیں تمہاری علیزے بی بی کا شوہر ہوں۔۔۔ سمجھے تم؟" دل آور شاہ نے جس انداز میں کہا تھا اس پہ مبارک خان اور عارف ہکا بکا رہ گئے۔

"علیزے بی بی کا شوہر۔۔۔؟"

"ہاں! اسی لیے تمہاری علیزے بی بی کو اب اپنے ساتھ اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے جن نظروں سے علیزے کی سمت دیکھا تھا وہ اپنے قدموں پہ کھڑی نہیں رہ سکی تھی۔ یک دم لڑکھڑا گئی۔ اس کا جسم بے جان ہونے لگا تھا۔ وہ دل آور شاہ کے ہاتھ سے مٹھی میں دبی ریت کی مانند پھسلنے لگی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس ہو جاتی' دل آور نے اسے بانہوں میں سنبھال لیا۔

"بابا۔۔۔" بے ہوشی کی وادی میں اترتے ہوئے علیزے کے لبوں نے اپنے باپ کو ہی پکارا تھا' لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی' وقار آفندی بہت پیچھے رہ گئے تھے' بہت پیچھے۔

"گلاب خان! دروازہ کھولو۔" دل آور شاہ نے اسے اشارہ کیا اور گلاب خان نے ایک سیکنڈ کی پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ لیکن جیسے ہی دل آور شاہ 'علیزے کو بانہوں میں اٹھا کر گاڑی کی سمت بڑھا تھا عارف نے یک دم اس پہ بندوق تان لی۔

"میں تمہیں علیزے بی بی کو ایسے نہیں لے جانے دوں گا' تم یہاں سے ایک قدم بھی نہیں ہل سکتے۔" عارف ایک وفادار ملازم تھا۔ تب ہی تو اس کے سامنے ڈٹ گیا اور مبارک خان' عارف کی ذہانت پہ پہلے چونکا' پھر خوش ہوا تھا' دل ہی دل میں اسے شاباش دی۔

"اگر میں یہاں سے نہ گیا تو تمہاری علیزے بی بی کی یہاں سے لاش جائے گی۔" دل آور شاہ نے گلاب خان کی سمت اشارہ کیا تھا۔ جس نے ریوالور علیزے کی کنپٹی پہ رکھ دیا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے منصور حسین۔" مبارک خان 'علیزے بی بی کے لیے تڑپا تھا۔

"اپنے مطلب کے لیے اگر میں خیرو بابا پہ گولی چلا سکتا ہوں تو تمہاری علیزے بی بی کی کھوپڑی بھی اڑا سکتا ہوں' میرے ملازم تم لوگوں سے بھی زیادہ وفادار ہیں' ابھی اشارہ کروں تو تم اپنے قدموں پہ کھڑے بھی نہیں رہ سکو گے' تم گولی چلاتے ہوئے پھر بھی ڈر جاؤ گے' لیکن میرے ملازم نہیں ڈریں گے' میں خود نڈر ہوں تو میرے ملازم بھی

نڈر ہیں۔" دل آور شاہ کا ایک ایک لفظ سرد و سپاٹ اور زہر میں بجھا ہوا تھا' جسے سن کر وہ ساکت ہو گئے تھے۔

"خیرو بابا پہ گولی تم نے چلائی تھی۔۔۔؟" مبارک خان پاگل ہو جانے کی حد تک حیرت زدہ ہو رہا تھا۔

"ہاں! میں نے چلائی تھی' تم سب کو بے وقوف بنانے کے لیے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسا تھا اور ان دونوں کے چہروں پہ ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ صبح صبح ایسے انکشافات پہ عقل مفلوج ہو گئی تھی۔ دل آور نے آگے بڑھ کے علیزے کو گاڑی میں ڈالا اور پھر خود بھی گاڑی میں سوار ہو گیا تھا۔ گلاب خان نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ذرا سا بیک کیا۔

"میں نے کہا تھا نا عارف! پرسوں تمہیں اس حویلی میں دور' دور تک کوئی بھی ٹہلتا ہوا دکھائی نہیں دے گا' کوئی شان و شوکت نہیں رہے گی یہاں۔" دل آور نے کھڑکی کا شیشہ فولڈ کرتے ہوئے اسے یاد دلایا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے ان کو آخری سلام کیا۔ ہاتھ ماتھے تک لے جا کر۔

"رب راکھا۔۔۔" اور پھر اس کے بعد اس کی گاڑی پھسلتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔

مبارک خان اور عارف بے یقین سے کھڑے تھے۔ کیونکہ منصور حسین وہاں سے جا چکا تھا۔ لیکن اپنے پیچھے ایک قیامت چھوڑ گیا تھا' ایسی قیامت جو بڑی حویلی کے در و دیوار پہ پہلے کبھی نہیں اتری تھی اور جب اتری تھی تو بنیادیں بھی ہلا کے رکھ گئی تھی۔ وقار آفندی کی حالت پہ وہ علیزے والی حیرت اور بے یقینی بھی بھول گئے تھے۔ انہیں وقار آفندی کی زندگی کی فکر لاحق ہو چکی تھی۔ حویلی کے اندر شور مچا ہوا تھا۔ کسی کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ فی الحال ان کی یہی کوشش تھی کہ وقار آفندی کو جلد از جلد اسپتال پہنچایا جائے۔ اسی لیے مبارک خان کو پہلا آرڈر گاڑی نکالنے کا ہی ملا تھا اور اس کے پیچھے کئی اور گاڑیاں بھی تیار تھیں۔

☼ ☼ ☼

مدحیہ نے رات جاگ کر گزاری تھی۔

بے شک وہ اس لڑکی کی خاطر ہی جاگنے کے لیے بیٹھی تھی' لیکن دھیان اس کا عدیل عمر کی طرف ہی بھٹکتا رہا تھا۔ اس کا دھیان پلٹ پلٹ کر جاتا ورکشاپ میں کام کرتے عدیل عمر کی طرف جاتا اور وہاں جا کر بے بس ہو جاتا' کیونکہ اسے ورکشاپ سے نکالنا بے حد مشکل کام تھا۔ بے شک اس کی اس سے بہت مختصر اور کم ملاقاتیں ہوئی تھیں' لیکن پھر بھی وہ جان چکی تھی کہ وہ کتنا خوددار ہے؟ اور اس کی یہی خودداری مدحیہ کے ہر دھیان کے آڑے آرہی تھی۔ اسے پتا تھا کہ وہ اسے کبھی کچھ بھی نہیں کرنے دے گا۔ جبکہ وہ اسے نہ جانے کیوں اس ورکشاپ میں برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ شاید اس کے اندر ہمکتے جذبے کا پہلا تقاضا ہی یہی تھا۔

محبوب کو حالت شہنشاہی میں دیکھنا' اپنے محبوب کو فقیرانہ حالت میں بھلا کون برداشت کر پاتا ہے؟ ہر صاحب محبت اور صاحب جذبہ اپنے محبوب کے لیے تاج محل کے خواب ہی دیکھتا ہے۔ سو وہ بھی دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ محبت کے وجود سے انکاری تو اب بھی تھی اور سوچ کی تان اسی جملے پر آکر ٹوٹتی تھی۔

"میں اور محبت۔۔۔؟ وہ بھی عدیل عمر سے۔۔۔؟ نہیں' نہیں' ہرگز نہیں۔" اور جہاں اس کی سوچ کی تان ٹوٹتی تھی وہیں اس کی محبت کا دھاگہ مضبوط سے بھی مضبوط تر ہوتا تھا۔ بے شک وہ اعتراف نہیں کرتی تھی' لیکن اس حقیقت کا ادراک تو اس پہ بھی ہو چکا تھا کہ عدیل عمر اس کے دل کا قلعہ تسخیر کر چکا ہے۔ چار' چھ ملاقاتوں میں ہی فتح پا گیا تھا۔ لیکن بس مسئلہ یہ تھا کہ ہر انسان کی طرح فطری طور پہ اس کے لیے بھی ہار ماننا بہت مشکل تھا۔ اس لیے وہ مان ہی نہیں رہی تھی۔ حالانکہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ باقی تو کچھ نہیں رہا تھا۔ سوائے نام نہاد خود سری کے۔۔۔ وہ خود سر تھی اور وہ خوددار تھا۔۔۔ اور مسئلہ بھی بس یہی تھا۔ دونوں اپنی اپنی ذات میں سربلند رہنا چاہتے تھے۔ اس بات

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at

0336-5557121

سے بے خبر کہ محبت تو جھکی گردنوں کا ہار ہے۔۔۔ انہی پہ سجنا پسند کرتی ہے۔

''آہ۔۔۔'' اس لڑکی کی کراہ پہ اس نے یک دم چونک کر دیکھا۔ رات کی سیاہی دن کے سنہرے اجالوں میں تبدیل ہو رہی تھی۔ صبح چھ بجے کا وقت تھا۔ وہ لڑکی ہوش میں آچکی تھی اور جیسے ہی اس نے سر کو حرکت دینے کی کوشش کی اس کے سر میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں' درد پھیلنے لگا تھا۔

''ہیلو! گڈ مارننگ۔۔۔'' مدحیہ نے اسے متوجہ کرنے کے لیے اسے وش کیا اور اس کی توقع کے عین مطابق اس لڑکی نے مدحیہ کی سمت چونک کر دیکھا۔ اس کی خالی خالی آنکھوں میں حیرت اور الجھن کے تاثرات ابھرنے لگے تھے' کیونکہ اس کمرے کا ماحول اور مدحیہ کا چہرہ اس کے لیے یکسر اجنبی تھا۔ وہ انجان تھی اور بے یقین بھی۔ اس کی بے یقینی مدحیہ کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟ کیسا فیل کر رہی ہیں؟'' مدحیہ نے بڑی بردباری سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔ لیکن وہ لڑکی شاید جواب دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ اس کی چپ' اس کی بے یقینی' اس کی حیرت اور اس کی الجھن ہنوز تھی۔

''دیکھیے مس! میں آپ سے مخاطب ہوں' آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں' اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' مدحیہ نے اب کی بار کافی نپے تلے اور دو ٹوک سے لہجے میں پوچھا اور وہ لڑکی پھر بھی جواب دینے کی بجائے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی' جس پہ مدحیہ کو خاصا غصہ آیا تھا۔

''اسٹاپ اٹ! میں نے آپ کو یہاں سے اٹھنے کے لیے نہیں کہا' آپ کی طبیعت پوچھی ہے؟''

''میری طبیعت کو کچھ نہیں ہوا' ٹھیک ہوں' زندہ ہوں' آپ کو بھی نظر آرہا ہے' بس رات گزر گئی' آپ کی بڑی مہربانی' اب مجھے جانے دیجیے۔'' اس لڑکی نے بول کر مدحیہ کو حیران پریشان کر دیا تھا۔ اتنی تلخی تھی اس کے لہجے میں کہ مدحیہ دیکھتی رہ گئی۔ اتنے میں نبیل بھی دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔

''گڈ مارننگ۔۔۔'' وہ بھی وقت سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔ اسے بھی رات سے اس لڑکی کی طرف سے پریشانی ہو رہی تھی۔

''ارے۔۔۔! آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' نبیل اس لڑکی کو بیڈ سے اترتے دیکھ کر چونک گیا۔

''اس شہر کی سڑکوں پہ' اس شہر کی گلیوں میں۔۔۔'' وہ لڑکی اس حد تک تلخ ہو گی' ان دونوں بہن' بھائی کو اندازہ نہیں تھا' اسی لیے اب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔

''کیوں؟ آپ کا گھر نہیں ہے کیا؟'' نبیل پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

''میرا گھر ہوتا تو میں سڑکوں پہ یوں ماری ماری نہ پھر رہی ہوتی۔'' اس لڑکی کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔ اس کی ساری تلخی اس کے لہجے کی نمی میں چھپ گئی تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ کا گھر کیوں نہیں ہے؟''

''میرا گھر اس لیے نہیں ہے' کیونکہ میرے پاس عزت نہیں ہے' عزت دار لڑکیوں والا غرور نہیں ہے' میرا ریپ ہوا ہے' میری عزت لوٹی گئی ہے' مجھے برباد کیا گیا ہے اور پھر بھی۔۔۔ پھر بھی میرا مجرم ہر جگہ دندناتا پھر رہا ہے' کوئی اسے اس کے انجام تک پہنچانے والا نہیں ہے اور میں جب اس کے خلاف آواز اٹھاتی ہوں تو بے گھر کر دی جاتی ہوں۔ میرے اپنے گھر والے مجھے اپنے گھر میں رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں اور آپ جان سکتے ہیں جس لڑکی کا بوجھ اپنے گھر والے نہیں اٹھا سکتے اس کا بوجھ دوسرے لوگ کیسے اٹھا سکتے ہیں بھلا؟ میں تو ایسی مصیبت بن گئی ہوں کہ پولیس والوں سے بھی سنبھالی نہیں جا رہی اور آپ کے گھر سے اس لیے جا رہی ہوں کہ ساری حقیقت جاننے کے بعد آپ نے بھی تو مجھے اپنے گھر سے نکالنا ہی ہے نا؟ تو پھر کیوں نہ میں خود ہی چلی جاؤں؟'' اس لڑکی کی بیان کی گئی حقیقت اور اس کے سوال پہ ان دونوں کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ مدحیہ کا رنگ سفید لٹھے کی مانند

www.Paksociety.com

ہوچکا تھا۔ وہ چکرا گئی تھی اور خود نبیل کے ماتھے پہ بھی پسینے کے قطرے نمودار ہوچکے تھے۔

ماہ نومبر کی ایک سرد صبح میں ماتھے پہ پھوٹتے پسینے کے قطرے دماغی انتشار کا نتیجہ اور باقاعدہ ثبوت دے رہے تھے۔ وہ اس لڑکی کی سمت دیکھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ کیونکہ وہ بھی تو ایک "مرد" تھا اور دوسرے کسی مرد کی درندگی اور ہوس پہ شرمسار اور نادم تھا۔۔۔۔ اس لڑکی سے نظر ملانے کی ہمت نہیں رہی تھی اور وہ ان دونوں کو خاموش اور گم سم سا دیکھ کر بمشکل بیڈ کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی اور نقاہت زدہ کمزور قدموں کو بڑی ہمت مجتمع کرکے زمین پہ جماتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی۔ وہ نبیل کی سائیڈ سے ہوکر گزری تھی اور دروازے کے ہینڈل پہ رکھتے ہوئے دروازہ کھول لیا۔

"ٹھہریے۔۔۔!" نبیل کی آواز متوازن اور لہجہ مضبوط تھا۔ مدحیہ اس کے انداز پہ چونک گئی۔ اسے ادراک ہوچکا تھا کہ نبیل کوئی فیصلہ کرچکا ہے۔

"آپ یہیں رہیں گی، کہیں نہیں جائیں گی، میں دوں گا آپ کو تحفظ۔۔۔ تب تک۔۔۔ جب تک میں زندہ ہوں۔۔۔ آپ کو اس گھر سے نہ کوئی نکالے گا، نہ آپ نکل سکتی ہیں، یہ میرا وعدہ ہے، نبیل حیات کا وعدہ۔" نبیل کی زندگی کا یہ شاید پہلا وعدہ تھا جو اس نے کسی سے کیا تھا۔ وہ بھی اتنے مضبوط اور اٹل انداز میں۔۔۔ وہ لڑکی اسے دیکھتی رہ گئی۔ دروازے کے ہینڈل پہ رکھا اس کا ہاتھ لرز گیا تھا، جبکہ مدحیہ نہ جانے کیوں وہاں سے روتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ حالانکہ نبیل حیات کے فیصلے پہ زندگی میں پہلی بار اسے اپنے بھائی پہ فخر ہوا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ اسے اپنی دوست میری کا دکھ بھی رلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی تو ریپ ہوا تھا۔ اس کی عزت بھی لوٹی گئی تھی۔ اسے بھی برباد کیا گیا تھا۔ مدحیہ روتی نہ تو اور کیا کرتی؟

☼ ☼ ☼

دل آور شاہ کی گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی اپنے گھر کے گیٹ کے سامنے آکر رکی تھی۔

اس کے ملازم زلفی نے فوراً ـــــــــــ گیٹ کھول دیا اور گلاب خان ایک جھٹکے سے گاڑی اندر روش پہ لے آیا تھا اور گیٹ بند کرکے زلفی بھاگتا ہوا گاڑی تک آیا اور گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

"سلام صاحب۔۔۔" اس نے دل آور کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر احتراماً سلام کیا۔

"والسلام! کیسے ہو زلفی۔۔۔؟" دل آور نے کافی اپنائیت سے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں صاحب! آیئے اندر آیئے نا۔۔۔" زلف خان عرف زلفی، گلاب خان کی بیوی گل کا بھائی اور گلاب خان کا سالا تھا۔ عمر میں پندرہ سال کا، لیکن مزاج میں تیس سالہ سنجیدگی رکھتا تھا۔

دل آور شاہ کی غیر موجودگی میں گلاب خان پہ کافی ذمہ داریاں تھیں جن کی وجہ سے اسے اکثر و بیشتر گھر کے کام نبٹانے کی غرض سے گھر سے باہر بھی جانا پڑتا تھا اور گل کو گھر میں اکیلے رہنا پڑتا تھا۔ اس لیے دل آور شاہ کی پرمیشن پہ زلفی کو یہاں لایا گیا تھا۔ زلفی ایک، دو بار پہلے بھی یہاں آچکا تھا۔ اس لیے دل آور شاہ کو اس کے بارے میں پتا تھا۔ تب ہی اس کے آنے پہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور آج زلفی بھی اسے اتنے دنوں بعد دیکھنے پر بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اسے دل آور شاہ کا مزاج، اس کی شخصیت، اس کا رہن سہن، سب بہت پسند تھا۔ وہ دل آور شاہ کو آئیڈیلائز کرتا تھا، لیکن دل ہی دل میں۔

"آرہا ہوں یار! آرہا ہوں۔" دل آور گاڑی سے اتر آیا۔ لیکن اس کے اترنے کے بعد جیسے ہی زلفی کی نظر گاڑی کے اندر گئی وہ ساکت اور مبہوت رہ گیا۔ وہ لڑکی تھی یا پھر سراپا حسن کا مجسمہ؟ یا پھر ہوش ربا قیامت؟ یا کسی ریاست کی شہزادی۔۔۔؟ یا۔۔۔ یا پھر کوہ قاف کی راہ بھٹکی ہوئی پری؟ وہ جو کچھ بھی تھی دل آور شاہ نے اسے بڑی

لاپروائی، بڑی بے دردی اور بڑی کمال بے نیازی سے اپنی گاڑی کی سیٹ پہ ڈال رکھا تھا۔

"گلاب خان! بیسمنٹ کا لاک کھول دو جاکر۔۔۔" دل آور شاہ نے بے ہوش پڑی علیزے کو گاڑی سے نکالتے ہوئے اپنا اگلا حکم جاری کیا۔

"بیسمنٹ۔۔۔؟" گلاب خان ٹھٹکا، لیکن کچھ کہنے کی جرات نہیں کرسکا۔ تب ہی سر ہلا کر آگے بڑھ گیا اور دل آور شاہ اس کے پیچھے پیچھے اندر آگیا تھا۔ لیکن زلفی کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے تھے۔

"تو کیا صاحب اتنی خوب صورت لڑکی کو بیسمنٹ میں ڈالنے کے لیے لے کر آیا ہے۔" زلفی کے ذہن میں آنے والا یہ سوال گل کے ذہن میں بھی آیا تھا۔ وہ کچن سے نکل کر دل آور شاہ کو سلام کرنے کے لیے سامنے آئی تھی۔ لیکن اس کے حصار میں کسی بے ہوش لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ اس لڑکی کا ملکوتی حسن ان سب کی آنکھوں کو خیرہ کررہا تھا۔

"سلام صاحب۔۔۔!" وہ بمشکل اسے سلام کرپائی تھی۔

"والسلام۔۔۔!" وہ اسے سنجیدگی سے جواب دیتا ہوا آگے بڑھا اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کے پیچھے بیسمنٹ کے دروازے میں داخل ہوگیا تھا۔

یہ بیسمنٹ نہیں علیزے آفندی کا قید خانہ تھا اور دل آور شاہ نے اس قید خانے میں آکر علیزے کو بڑی بے رحمی سے اپنی بانہوں سے جھٹک دیا تھا۔ کسی انتہائی ناگوار بوجھ کی مانند۔۔۔ اور یوں زور سے گرنے کی وجہ سے علیزے کا سر زمین سے ٹکرایا تھا۔ جس پہ وہ بے ہوشی کے باوجود کراہ اٹھی تھی اور اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"پاپا۔۔۔!" جیسے ہی اس کے ذہن میں سارا واقعہ تازہ ہوا اسے پہلا خیال وقار آفندی کا ہی آیا تھا۔

"ہونہہ پاپا۔۔۔" وہ نفرت اور حقارت سے دیکھتے ہوئے سر جھٹک کر پلٹ گیا اور علیزے اس کے قدموں کی چاپ پہ کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی تھی۔ دل آور سیڑھیوں کی سمت بڑھ رہا تھا۔

"ڈرائیور۔۔۔" وہ اسے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھ کر چیخی۔

"ڈرائیور! رکو میری بات سنو۔۔۔ ڈرائیور پلیز۔" علیزے نے چیختے ہوئے اسے روکنے کی اور خود زمین سے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ دونوں کام ناکام ہوگئے تھے۔ نہ وہ خود اٹھ سکی تھی، نہ وہ رکا تھا اور علیزے چیختی اور روتی بلکتی ہوئی رہ گئی۔ وہ بہت بلند آواز سے چیخ رہی تھی۔ لیکن یہاں سننے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ جیتے جی زندہ سلامت قبر میں اتار دی گئی ہو اور اسے تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ اس کے لیے یہ قبر کھودی کس نے ہے؟ اگر پتا چل جاتا تو وہ واقعی مرجاتی۔۔۔!

لیکن فی الحال وہ انجان تھی اور انجانے میں اور اندھیرے میں سر ٹکرا رہی تھی، باہر سب کے لیے صبح تھی، لیکن اس کے لیے ہر طرف رات ہوچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

دل آور شاہ نے قید خانے کا دروازہ بند کرکے دروازے میں تالا ڈال دیا۔

اور اس قید خانے کے دروازے میں تالا ڈالنے کے بعد واپس پلٹتے ہوئے دل آور شاہ کی چال بہت عجیب سی ہورہی تھی۔۔۔ اس کی چال میں کیا کچھ نہیں تھا؟ فتح، شکستگی، سرشاری، اذیت، سرخروئی، ندامت، آزادی، لاپروائی یا پھر اعصاب پہ بوجھ کا احساس سب کچھ مل کر اس کی چال میں اتر آیا تھا۔ اس کے ایک ایک قدم کے کئی معنی تھے، کئی مفہوم تھے۔ وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتا ہوا ڈرائنگ روم کے صوفے پہ آکر بیٹھ گیا اور اپنا سر صوفے کی

www.Paksociety.com

بیک سے ٹکا کر اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف موڑ کے گدی کے نیچے رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں موندلی تھیں۔ ساری رات کی جاگی آنکھوں میں تھکن اور رتجگے کی جلن ہونے لگی تھی۔ حالانکہ پوری رات جاگ کر گزارنے کا تجربہ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ لیکن اس طرح کا جاگنا آنکھوں میں جلن چھوڑ گیا تھا۔

اگر اس ایک رات میں اس کی آنکھیں جل رہی تھیں تو پھر علیزے آفندی کی آنکھیں تو اس ایک رات میں لہو رس رہی ہوں گی؟

"صاحب... ناشتا کریں گے؟" اس کی بند آنکھوں کے پار زلفی کی آواز ابھری تھی اور دل آور شاہ برسوں کی مسافت سے واپس پلٹ آیا۔

"ہوں! کروں گا' لیکن اماں کے ساتھ' بس وہ لاہور پہنچنے ہی والی ہیں۔" اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے جواب دیا اور پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے صاحب! بتا دیتا ہوں گل باجی کو۔" زلفی سر ہلا کر پلٹ گیا۔

"صاحب! میں نے سارا سامان کمرے میں پہنچا دیا ہے۔" گلاب خان سیڑھیاں اتر کر ڈرائنگ روم کی طرف آگیا۔

"ہوں ٹھیک ہے! اور ہاں تمہیں یاد ہے نا میں نے تمہیں کیا تاکید کی تھی؟"

"جی صاحب! یاد ہے' بہت اچھے سے یاد ہے۔"

"زلفی اور گل کو بھی سمجھا دینا' میرے دوست' میرے کولیگز' میرے جاننے والے کبھی کوئی بھی آئے کسی کو بھی اس لڑکی کے بارے میں پتا نہیں چلنا چاہیے' آپ لوگوں کی کسی بھی حرکت سے یہ احساس نہ ہو کہ یہاں گل کے علاوہ کسی لڑکی کا کوئی وجود بھی ہے۔" اس کی وارننگ واقعی وارننگ ہوتی تھی اور یہ بات اس کے سارے ملازم بخوبی جانتے تھے اور سمجھتے بھی تھے۔

"جی صاحب! جو حکم۔" گلاب خان نے سر خم کر دیا۔

"او کے! جاؤ اپنی ڈیوٹی سنبھالو' اماں پہنچنے والی ہی ہوں گی۔" وہ اسے کہتے ہوئے خود صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی دیر پہلے خود پہ غالب آجانے والے تمام احساسات اور کیفیات کو پرے جھٹک دیا تھا۔

اپنے بیڈروم میں آکر اس نے بوٹ اتارے' اپنی جیبیں خالی کیں' گھڑی اتار کر رکھی اور نئے پریس شدہ کپڑے لے کر شاور لینے کے لیے چلا گیا تھا' اپنے چہرے کو داڑھی سے آزاد کرنے کے لیے اس نے شیو کی' آفٹر شیو لگایا اور پھر اپنی اصلی حالت میں لوٹ آیا تھا۔ منصور حسین والا رہا سہا چولا بھی اتار پھینکا تھا۔ شاور لینے اور ڈریس اپ ہونے کے بعد وہ دل آور شاہ کی شان دار شخصیت کو پوری طرح سے اجاگر کرتا ہوا نظر آیا تھا۔

وہی دل آور شاہ آن اور انا والا۔

وہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھی اپنی گھڑی اٹھا کر اپنی مضبوط کلائی پہ باندھ رہا تھا۔ جب باہر گیٹ پہ بتول شاہ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا اور گھڑی کا لاک بند کرتے ہوئے دل آور شاہ کا ہاتھ کانپ گیا تھا۔

بائیس سال بعد بتول شاہ نے اپنے آبائی شہر لاہور میں قدم رکھا تھا اور بائیس سال بعد رکھے جانے والے اس قدم پہ لاہور کی زمین کا بھی کلیجہ شق ہو گیا تھا۔ دل آور شاہ کے ہاتھ کی طرح جیسے زمین بھی کانپ گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ بتول شاہ کے دل سے اور دامن سے بندھا ہوا دکھ بہت عظیم اور اذیت ناک تھا۔ جس کا بوجھ صرف بتول شاہ سینے میں دبائے ہوئے پھر رہی تھیں۔ ورنہ یہ بوجھ تو زمین بھی نہیں سہار سکتی تھی جو انہوں نے سہارا ہوا تھا۔ ان کی ہمت اور ان کے حوصلے تو دل آور شاہ سے بھی کئی گنا بڑھ کے تھے۔ وہ بلاشبہ ایک بہادر اور چٹان نما عورت تھیں۔ ان کی اتنی مضبوطی اور بہادری پہ تو دل آور شاہ بھی چند ثانیے کے لیے چپ ہو جاتا تھا۔

گاڑی کے ایک ہارن کے بعد دوسرے ہارن کی نوبت نہیں آئی تھی اور گیٹ کھل گیا تھا۔ اسی لیے دل آور ایک بار پھر اپنے ذہن سے سارے خیالات جھٹک کر بیڈ روم سے باہر آگیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیڑھیاں بھی اتر آیا۔ ان کے گاڑی سے اترنے تک وہ گاڑی تک پہنچ چکا تھا۔

"السلام علیکم اماں..." اس نے بتول شاہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گاڑی سے اترنے میں ہلکی سی مدد دی۔ اور بتول شاہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"میرے بچے' میرے جوان' جیتے رہو۔" وہ اسے آغوش میں بھینچے ہوئے کافی گلوگیر لہجے میں بولیں اور ان کے دکھ' ان کی اذیت پہ دل آور شاہ کا دل بھی بجھ گیا تھا۔ اس لمحے انہیں بابر شاہ کی یاد آرہی تھی' کیونکہ اس لمحے انہیں بابر شاہ کی صورت دل آور شاہ میں نظر آرہی تھی' انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کے سامنے اس وقت بابر شاہ کھڑا تھا' سر اٹھائے' سرخرو سا انداز لیے۔

"میں... میں... خوش نہیں ہوں اماں' میرے سینے کی آگ پہ ابھی... بھی کوئی پانی نہیں پڑا' میں' میں وقار آفندی کو زندہ چھوڑ آیا ہوں۔ مجھ سے... مجھ سے یہ احساس برداشت نہیں ہو رہا کہ میں وقار آفندی کو زندہ چھوڑ آیا ہوں' وہ... وہ ابھی تک جی رہا؟ وہ سانس لے رہا ہے؟ وہ ابھی بھی زمین کے اندر نہیں' زمین سے باہر ہے' میں نے جب جب اسے دیکھا ہے' مر مر کے جیا ہوں' دل چاہتا تھا اپنے دونوں ریوالور اس کے سینے پہ خالی کر دوں' پرخچے اڑا دوں وقار آفندی کے' مسمار کر دوں بڑی حویلی کو' ان کا بچہ بچہ زندہ درگور کر ڈالوں... یہ... یہ علیزے آفندی میرے سینے کی آگ کو ٹھنڈا نہیں کر پائے گی' یہ تو کچھ بھی نہیں ہے' میرے اندر بھڑکتے شعلوں پہ اک بوند بھی نہیں ہے' یہ علیزے آفندی۔

میں پاگل ہو رہا ہوں اماں' میں بڑی حویلی والوں کو زندہ چھوڑ آیا ہوں۔" دل آور شاہ کے اندر کا غبار انہیں دیکھتے ہی باہر امڈ آیا تھا اور بتول شاہ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں سے تھپکے تھے۔

"غلط فہمی ہے تمہاری ۔ کہ بڑی حویلی والے زندہ ہوں گے... ہونہہ... ہو ہی نہیں سکتا... مر چکے ہیں بڑی حویلی والے... زندہ درگور ہو چکے ہیں اور وقار آفندی اب اپنی موت بھی مانگے گا تو رب سے' اسے اپنی موت بھی نہیں ملے گی۔" بتول شاہ اسے سمجھاتے ہوئے انتہائی نفرت اور حقارت سے بولی تھیں' ان کے لہجے سے زہر ٹپک رہا تھا۔

"لیکن میں اسے اپنے ہاتھوں سے مارنا چاہتا تھا تاکہ حشر کے روز اپنے بابا کے سامنے سرخرو ہو پاتا کہ ان کا رہ جانے والا کام ان کے بیٹے نے کر دیا ہے۔" دل آور شاہ کے لہجے میں عجیب سی اذیت اور عجیب سی شدت محسوس ہو رہی تھی۔

"بس کرو شاہ! میرے حوصلے بلند ہی رہنے دو' ورنہ تمہاری اماں ریت کی طرح بکھر جائے گی اور تم سمیٹ نہیں پاؤ گے۔" بتول شاہ کے انداز میں تھکن اتر آئی تھی اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی دل آور شاہ کو خود پہ کنٹرول کرنا پڑا اور ان کے گرد بازو لپیٹے ہوئے انہیں اپنے بازو کا سہارا دیے اندر آگیا۔

"سلام بیگم صاحبہ..." گل بڑے احترام سے آگے بڑھی تھی۔

"والسلام! جیتی رہو۔" انہوں نے اس کا سر تھپکا تھا۔

"السلام علیکم بیگم صاحبہ!" زلفی بھی صوفے کی پچھلی سائیڈ سے نکل کر سامنے آگیا۔

"والسلام! جیتے رہو' خوش رہو۔" وہ کافی خوش مزاجی اور شفقت سے پیش آرہی تھیں۔

"بیگم صاحبہ! کیا لیں گی آپ؟ میں کیا لے کر آؤں آپ کے لیے...؟ آپ آج پہلی بار اپنے گھر آئی ہیں؟ آپ کو دیکھ کر' آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے ہمیں۔" گل واقعی ان کی آمد پہ بہت خوش ہوئی تھی اور اس کی

www.Paksociety.com

خوشی کا اظہار اس کے لہجے سے ہی ہو رہا تھا۔

"مجھے بھی اپنے گھر آ کر اور تم لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے' اب آ گئی ہوں تو یہاں رہوں گی بھی اور تمہارے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے بھی کھاؤں گی۔" بتول شاہ نے بہت نرمی سے جواب دیا اور گل ان کی بات پہ خوش ہو گئی۔

"بہت شکریہ بیگم صاحبہ! مجھے تو آپ کے لیے کھانے بنا کر بھی بہت خوشی ہو گی' آپ یہاں ہی رہیں' ہم آپ کی خدمت کریں گے۔" دل آور شاہ نے ان کو بتایا تھا کہ گل بہت اچھی لڑکی ہے' سو بتول شاہ کو اس کے کہے پہ یقین آ گیا تھا۔ وہ واقعی اچھی لڑکی تھی' سمجھ دار اور بردبار قسم کی۔

"صاحب! ناشتا لگا دوں؟" وہ دل آور سے پوچھ رہی تھی۔

"ہوں! لگا دو۔" اس کی اجازت ملتے ہی گل نے منٹوں میں ناشتا لگا دیا۔ اور وہ دونوں ماں' بیٹا ناشتا کرنے بیٹھ گئے تھے۔ ان دونوں کے درمیان فی الحال خاموشی تھی اور اس خاموشی میں خلل نبیل حیات نے ڈالا تھا۔ اس کی کال آ گئی تھی۔ ٹیبل پہ رکھے اس کے سیل پہ وائبریشن ہو رہی تھی اور دل آور' نبیل کا نمبر بھی دیکھ چکا تھا۔

"کس کی کال ہے؟" بتول شاہ نے پوچھ ہی لیا۔

"نبیل کی۔"

"ارے! تو پھر ریسیو کرو نا۔" انہیں حیرانی ہوئی۔

"ہوں! کرتا ہوں۔" اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا اور سیل اٹھا کر کال ریسیو کرلی۔

"السلام علیکم۔" اس نے کافی سکون سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! کہاں ہو؟ تم نے تو کہا تھا کہ تم پندرہ کو واپس آ جاؤ گے؟" نبیل کا لہجہ اور انداز بے حد سنجیدہ تھے۔

"تو میں نے کب انکار کیا ہے کہ میں پندرہ کو واپس نہیں آ سکتا؟"

"تو پھر....؟"

"تو پھر یہ کہ دراصل میں اس وقت اپنے گھر میں ہوں اور اماں کے ساتھ بیٹھا ناشتا کر رہا ہوں۔" دل آور نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اسے نبیل کے ری ایکشن کا پہلے سے اندازہ تھا۔

"کیا....؟ تم آ چکے ہو....؟ تم ناشتا کر رہے ہو....؟ اور تم نے مجھے بتانے کی زحمت بھی نہیں کی....؟" نبیل تو جیسے دنگ رہ گیا۔

"بس یار! بھوک لگی ہوئی تھی' اس لیے سوچا کہ تمہارے آنے سے پہلے پیٹ پوجا کرلوں۔" دل آور نے اسے چھیڑا۔

"تو ٹھیک ہے پھر' تم کھاؤ اور مرو' لیکن مجھ سے بات مت کرو۔" نبیل نے غصے سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور دل آور بے ساختہ ہنس پڑا۔

"کیا بات ہے؟ کیا کہہ رہا تھا نبیل....؟"

"کہنا کیا ہے؟ بس گالیاں دے رہا ہے مجھے۔" دل آور ہنستے ہوئے دوبارہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیوں....؟"

"کیونکہ میں نے اپنی واپسی کا اسے کیوں نہیں بتایا؟"

"ہاں تو بتا دیتے نا؟" انہوں نے نبیل کی سائیڈ لی۔

"اماں! کیسے بتا دیتا؟ ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی تو آیا ہوں میں؟" وہ بھی درست کہہ رہا تھا۔ بتول شاہ سر ہلا کے رہ

گئیں۔ اتنے میں نبیل کی کال دوبارہ آنے لگی۔

"اب اسے آپ کا خیال آیا ہے۔" دل آور نے پیش گوئی کی۔

"السلام علیکم۔" اس نے دوبارہ سلام کیا تھا۔

"تم نے کہا کہ تم اماں کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کر رہے ہو' تو اس کا مطلب ہے کہ آنٹی لاہور آئی ہوئی ہیں؟" نبیل کی ایرپیس سے سنائی دیتی آواز پہ بتول شاہ کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی اور دل آور یک دم قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے۔ تمہارے قہقہے سننے کے لیے نہیں۔" نبیل جل بھن گیا۔

"اوہ سوری سوری! ہاں اماں لاہور آئی ہوئی ہیں' ابھی ابھی آئی ہیں' ہم دونوں ماں' بیٹا تقریباً"..." اس سے پہلے کہ دل آور کی بات مکمل ہوتی' نبیل نے پھر فون بند کر دیا تھا اور دل آور پھر ہنس دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وقار آفندی بے ہوش تھے۔ وہ آئی سی یو میں تھے۔ ان کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔

لیکن ان سے بھی زیادہ خراب حالت ان کی تھی جو ہوش میں تھے اور آئی سی یو کے باہر کھڑے تھے۔ بڑی حویلی کے ایک ایک فرد کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ لیکن ان میں سے ایک چہرہ ایسا تھا جس پہ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے خود مٹھیاں بھر بھر کے مٹی ڈال دی ہو اور اس مٹی کے ساتھ وہ چہرہ بھی مٹی ہو چلا تھا۔ وہ چہرہ وقار آفندی کا نہیں تھا۔ وہ چہرہ عون اور عدید کا بھی نہیں تھا.... وہ چہرہ صرف اور صرف "آذر آفندی" کا تھا۔ جو پہلے قدم پہ ہی ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرا تھا اور چہرے کے سارے نقوش زخمی اور بدوضع ہو گئے تھے۔ جن کی اذیت اور درد اس کے دل میں ہی نہیں اس کے پورے جسم میں پھیل رہا تھا۔ کسی سرطان کی طرح۔

"آذر.... ! تم گھر چلے جاؤ۔" اس کی حالت ایسی تھی کہ دانیال کو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کہنا پڑا۔ جس پہ آذر نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا دانیال کو چپ ہونا پڑا۔ اس کی آنکھوں کا زخمی پن اور نظروں کی کاٹ دانیال کو خاموش کروانے کے لیے کافی تھیں۔

"ہاں! دانیال ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم گھر چلے جاؤ' تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں لگ رہی اور ویسے بھی حویلی میں اور کوئی نہیں ہے۔" اسرار آفندی نے بیٹے کی حالت کے پیش نظر اسے گھر جانے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن آذر کو کسی کے مشورے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ تو جیسے بہرہ ہو چکا تھا۔ وہ اسپتال کی راہ داری میں دیوار کے ساتھ لگے صوفے پہ سر جھکائے بیٹھا نیچے چکنے فرش پہ کسی نادیدہ نقطے کو پچھلے تین گھنٹے سے لگاتار گھورے جا رہا تھا۔ چہرہ مسلسل جھکا ہوا تھا۔ لب بھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سرخی اتری ہوئی تھی۔ وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔ کسی سے بات کرنے اور نظر ملانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بلکہ خودکشی کر لینے کو دل چاہ رہا تھا۔ اتنی تذلیل کے بعد جینا بھی کوئی جینا تھا؟

آذر کے دل میں ابال اٹھ رہے تھے جن کو بھینچنے کے لیے وہ اپنے ہونٹ اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ رہا تھا.... باقی سب بھی کھڑے تھے۔ باقی سب بھی چپ تھے۔ باقی سب بھی پریشان تھے۔ لیکن جس طرح آذر اندر ہی اندر مر رہا تھا۔ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہو رہا تھا۔

اچانک آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ندیم اقبال باہر آ گئے ــــ اسرار آفندی اور اظہار آفندی کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی لپک کے ڈاکٹر کے قریب گئے۔

"ایم سوری سر! فی الحال ان کے بچنے کے چانسز بہت کم نظر آ رہے ہیں' کیونکہ ان پہ فالج کا شدید ترین اٹیک ہوا ہے۔ جس میں ان کا پورا جسم مفلوج ہو چکا ہے۔ اس لیے ان کا دل بند ہونے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ لیفٹ سائیڈ

پہ فالج کا اٹیک بہت خطرناک ثابت ہوتا ہے اور ان کی لیفٹ سائیڈ بھی حد سے زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ ایسے کیسز میں مریض کے بچنے کے چانسز محض نائنٹین پرسینٹ ہوتے ہیں۔ اگر مسٹر وقار آفندی نیکسٹ ٹوئنٹی فور آورز میں اس اٹیک کو اپنی ول پاور پہ برداشت کرلیتے ہیں تو پھر ان کی زندگی کی کچھ امید کی جاسکتی ہے اور امید پہ تو دنیا قائم ہے۔ دعاؤں سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے' آپ سب ان کے لیے دعا کیجیے۔" ڈاکٹر ندیم اقبال ان کا کندھا تھپک کر ان کی سماعتوں پہ ایک اور بم گرا کر آگے بڑھ گئے تھے اور وہاں موجود تمام افراد دھواں دھواں ہوگئے تھے۔ سب کے سب دم بخود اور ششدر کھڑے تھے۔ یہ دن ان کے لیے کون کون سی قیامتیں لے کر طلوع ہوا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بڑی حویلی کے عروج کا ستارہ ڈوب چکا تھا۔ وقار آفندی کی تباہی بڑی حویلی کی تباہی تھی' ایک عظیم تباہی۔

☆ ☆ ☆

وہ لان میں بیٹھا بتول شاہ کے ساتھ باتیں کررہا تھا جب اس کے سیل پہ وائبریشن ہونے لگی۔

"لگتا ہے آج سب کو خبر ہوچکی ہے۔۔۔؟" وہ سیل اٹھاتے ہوئے مسکرا کر بولا اور پھر اسکرین پہ نمبر دیکھا جہاں نمبر کی بجائے انسپکٹر شہناز کا نام جگمگا رہا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔" اس نے فوراً" کال ریسیو کی تھی اور بتول شاہ سے ایکسکیوز کرکے لان کی اک سائیڈ پہ آگیا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہیں شاہ جی۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز کا لہجہ تھوڑا سنجیدہ اور بجھا بجھا سا تھا۔

"اللہ کا بڑا کرم' بڑا احسان ہے میڈم! لیکن کیا بات ہے آج شہریار اں میں اس قدر اداسیاں کیوں۔۔۔؟" دل آور اس کے لہجے کی سستی بھانپ چکا تھا۔

"شاہ جی! کہاں ہیں آپ؟ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز کی پریشانی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"کیوں؟ خیریت۔۔۔؟"

"میں بہت پریشان ہوں شاہ جی۔۔۔"

"اللہ رحم کرے میڈم! آپ جیسے بہادر محافظ پریشان ہونے لگیں گے تو ہم جیسے شہریوں کا کیا بنے گا۔۔۔؟ دشمن نگل جائیں گے ہمیں۔۔۔" دل آور نے اسے پریشانی سے نکالنے کے لیے کہا۔

"آگ لگے دشمن کو شاہ جی! آپ کی دھڑکنوں پہ تو ہماری نبض حرکت کرتی ہے۔" انسپکٹر شہناز کے بے ساختہ کہنے پہ دل آور بھی بے ساختہ ہنس پڑا۔

"ہوں! اب لگا ہے کہ انسپکٹر شہناز ہی بات کررہی ہیں۔" وہ خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔

"تو پھر کب ملیں گے آپ۔۔۔؟"

"ارے میڈم! میں نے انکار کب کیا ہے؟ آپ جب چاہو بندہ ناچیز حاضر ہے۔۔۔"

"اچھا! تو اس کا مطلب ہے کہ آپ واپس آچکے ہیں کراچی سے۔۔۔؟"

"جی بالکل آچکا ہوں۔"

"تو کیا میں آپ سے ملنے کے لیے آسکتی ہوں۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز کو جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"آسکتی ہیں بالکل آسکتی ہیں' گھر کے دروازے کھلے ہیں۔"

"ٹھیک ہے شاہ جی! میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔" انسپکٹر شہناز نے کہتے ہوئے فون بند کردیا۔ اور اگلے دس منٹ

میں وہ واقعی اس کے گھر کے گیٹ پہ پہنچ چکی تھی گلاب خان اسے پہچانتا تھا اس لیے فوراً" گیٹ کھول دیا انسپکٹر شہناز کی گاڑی اندر روش پہ آرکی ۔۔۔ دل آور اسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"السلام علیکم۔" اس کے سلام پہ دل آور نے مسکرا کر اثبات میں سرہلایا۔ جبکہ انسپکٹر شہناز کی نظریں بتول شاہ پہ تھیں۔

"ان سے ملیے' یہ میری اماں جان ہیں' اور اماں جان یہ ہیں انسپکٹر شہناز' کرنل عبدالقیوم رضوی کی صاحبزادی۔۔۔" دل آور نے بہت اچھے طریقے سے ان کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا بتول شاہ بھی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کیونکہ انسپکٹر شہناز بھی انہی کی سمت بڑھی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں آپ؟" وہ آگے بڑھ کے ان سے گلے ملی تھی انہوں نے بھی شفقت سے گلے لگا کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

"وعلیکم السلام بیٹا! میں ٹھیک ہوں' جیتی رہو' خوش رہو' بیٹھو یہاں۔" انہوں نے قریبی کرسی کی سمت اشارہ کیا۔

"تھینک یو آنٹی۔۔۔" وہ اس وقت یونیفارم کی بجائے پنک کلر کی خوب صورت اور نفیس سی ساڑھی میں ملبوس تھی اور اس کی پرسنالٹی بہت پر اثر لگ رہی تھی دل آور اسے ضرور سراہتا اگر بتول شاہ پاس نہ ہوتیں' کیونکہ وہ اپنی ماں کا بہت احترام اور عزت کرتا تھا اس لیے ان کے سامنے تو وہ مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

"شاہ جی۔۔۔! میں تو سمجھتی تھی کہ آپ ہی اپنے ماں باپ کا شاہکار ہیں' لیکن آنٹی کو دیکھ کر تو لگ رہا ہے کہ آپ کی پوری فیملی ہی شاہکار ہوگی۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز نے بتول شاہ کی گریس فل پرسنالٹی اور خوب صورتی دیکھ کر دل میں آئی بات دل میں نہیں رکھی تھی لیکن اس کی بات پہ بتول شاہ کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرا گیا تھا جو دل آور کی نظروں سے چھپا ہوا نہیں رہ سکا تھا۔

"تھینک یو میڈم! یہ آپ کی نظر کا ذوق ہے' ورنہ آج کل شاہکاروں کی کمی نہیں ہے' خیر چھوڑیں اس بات کو آپ یہ بتائیں کہ آپ کس لیے اتنی پریشان تھیں کہ آپ کو اتنا ارجنٹ مجھ سے ملنا پڑا۔۔۔؟" دل آور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کی سمت متوجہ ہوچکا تھا۔

"وہ مجھے دراصل مومنہ بی بی کے سلسلے میں بات کرنا تھی۔" انسپکٹر شہناز بات کرتے ہوئے ہچکچا گئی اسے دل آور شاہ کو اپنی کوتاہی کا بتاتے ہوئے شرمندگی ہورہی تھی۔

"ہاں ہاں! کہیے کیا بات ہے۔" انسپکٹر شہناز جھجکنے والی نہیں تھی اسی لیے دل آور کو اس کی جھجک پہ حیرت اور اچنبھا ہورہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ انسپکٹر شہناز اپنی بات بتانا شروع کرتی اچانک گیٹ کھلا اور دو گاڑیاں آگے پیچھے اندر روش پہ آرکی تھیں جن کو دیکھ کر دل آور فوراً" کھڑا ہوگیا کیونکہ آنے والے اس کے عزیز از جان تھے۔۔۔ مدحیہ اور نبیل۔۔۔!

"بھائی۔۔۔!" مدحیہ بڑے والہانہ انداز میں قریب آئی اور دل کے کندھے سے لگ گئی۔

"آئی مس یو سو مچ بھائی۔" مدحیہ کے لہجے اور انداز سے محبت اپنائیت اور بے ساختگی جھلک رہی تھی اور ہمیشہ کی طرح اتنے دنوں بعد ملنے پہ دل آور نے اپنی لاڈلی کے ماتھے پہ بوسہ دیا اور اس کا سر تھپکا تھا۔

"آئی مس یو ٹو ڈارلنگ' آئی رئیلی مس یو۔" دل آور شاہ کے نرم اور پر شفقت انداز پہ انسپکٹر شہناز اور بتول شاہ دیکھتی رہ گئی تھیں کیا یہ روپ بھی دل آور شاہ کا تھا۔۔۔؟ اتنا میٹھا' اتنا شیریں کہ دیکھنے والی نظروں کے دل کو چھو گیا تھا بتول شاہ کی آنکھوں میں نمی جبکہ انسپکٹر شہناز کی آنکھوں میں رشک اتر آیا تھا۔۔۔!

"اماں سے ملو۔" دل آور نے آہستگی سے کہتے ہوئے مدحیہ کو متوجہ کیا تھا۔

www.Paksociety.com

"او ہاں سوری! ہم انہی سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔" وہ اپنی بے دھیانی پہ مسکراتی ہوئی بتول شاہ کی سمت آگئی۔

"السلام علیکم مما!" وہ بڑی محبت سے کہتی ہوئی ان کے گلے لگ گئی۔ اور اس کے بعد کہیں نبیل کی باری آئی تھی۔

"میں یہاں صرف آپ کے لیے آیا ہوں' ورنہ یہ بے مروت اور ظالم شخص یہاں اکیلا ہوتا تو میں ہرگز نہ آتا۔" نبیل نے اپنی آمد کا مقصد فوراً" ہی کلیئر کردیا۔

"تم نہ بھی بتاؤ تو انہیں پتا ہے کہ تم ان کے لیے ہی آئے ہو' میں انہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" دل آور نے مداخلت کی۔

"یہی تو تمہاری چالاکیاں ہیں۔" نبیل جل کر بولا تھا جس پہ سب کے چہروں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

انسپکٹر شہناز بھی اپنی مسکراہٹ نہیں روک پائی تھی۔

"انسپکٹر شہناز! ان سے ملیے یہ میرا بہت اچھا دوست' میرا جگر' میری جان نبیل حیات ہے' اس کی دوستی کے بغیر دل آور شاہ کچھ نہیں ہے۔" دل آور نے خفا خفا سے نبیل حیات کا تعارف بہت دل سے کروایا تھا۔

"اور یہ میری اکلوتی لاڈلی بہن ہے مدحیہ حیات۔" اس نے قریب کھڑی مدحیہ کا ایک بار پھر سر تھپکا تھا اور پھر انسپکٹر شہناز کا تعارف بھی کروایا ....وہ سب ہی آپس میں مل کر بہت خوش ہوئے تھے اور خوش تو آج بتول شاہ بھی بہت زیادہ تھیں' ان کے بیٹے نے آج بائیس سال بعد انہیں لاہور کی زمین پہ قدم رکھنے کے قابل کردیا تھا۔

"بیٹا...! تم لوگوں کی باتوں کا ٹائم اسٹارٹ ہو رہا ہے تم باتیں کرو' میں تمہارے لیے چائے بھجوا کر نماز پڑھ لوں' ظہر کا وقت نکلا جارہا ہے۔" بتول شاہ نبیل کا کندھا تھپک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"لیکن جلدی آیئے گا' ہم آپ کے لیے ہی آئے ہیں۔" مدحیہ نے انہیں تاکید کی تھی۔

"اچھا بیٹا! نماز پڑھ کے آتی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا گال سہلا کر اندر چلی گئیں۔ اور دل آور دوبارہ سے انسپکٹر شہناز کی سمت متوجہ ہوچکا تھا کیونکہ انسپکٹر شہناز کی بے چینی اسے واضح محسوس ہو رہی تھی۔

"جی میڈم! آپ کچھ کہہ رہی تھیں...؟ شاید مومنہ بی بی کے بارے میں...." اس کے استفسار پہ انسپکٹر شہناز نے نبیل حیات اور مدحیہ کی طرف دیکھا تھا اور دل آور اس کے دیکھنے کا مفہوم بھی سمجھ گیا تھا۔

"ارے نہیں نہیں میڈم...! ڈونٹ وری... آپ بے فکر رہیں۔ جو بھی بات کہنی ہے کھل کے کہیے؟" دل آور شاہ کی تسلی پہ انسپکٹر شہناز قدرے ریلیکس ہوگئی۔

"سوری سر! کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں بندہ نہ چاہتے ہوئے بھی بے اعتباری پہ آجاتا ہے پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔" انسپکٹر شہناز نے نبیل سے معذرت کی تھی۔

"جی میڈم...! سمجھ سکتا ہوں میں' آپ بے فکر ہو کر اپنا مسئلہ ڈسکس کرسکتی ہیں۔" نبیل نے کافی سنجیدگی اور تحمل سے جواب دیا۔

"تھینک یو۔" وہ نبیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دل آور کی سمت متوجہ ہوئی۔

"شاہ جی! وہ دراصل ملک حق نواز' مومنہ بی بی کی بو سونگھتا ہوا میرے گھر تک پہنچ گیا تھا' اسے خبر ہوچکی تھی کہ مومنہ بی بی میرے پاس ہے اس لیے وہ کل صبح میرے گھر آگیا تھا۔" انسپکٹر شہناز کی بات پہ دل آور کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"تو پھر بچ کے نکل گیا..."

"تو اور کیا کرسکتی تھی شاہ جی...؟ میرے گھر میں اس وقت مومنہ بی بی موجود تھی میرے ذرا سے غصے اور ری ایکشن پہ وہ کچھ بھی کرسکتا تھا' مومنہ بی بی کو جان سے مارنا مشکل نہیں ہے اس کے لیے' اسے اگر بھنک بھی پڑ جاتی

کہ وہ یہاں ہے تو اس وقت یقیناً" سچویشن کچھ اور ہوتی۔ وہ تو میں تھی جس نے اس کے سامنے اعتماد کا دامن نہیں چھوڑا اور اسے صاف کہہ دیا کہ میرے گھر کی تلاشی لے لے جس پہ وہ تھوڑا دھیما پڑ گیا اور اس کا یقین شک میں تبدیل ہوگیا کہ شاید اس کے پاس اطلاع غلط پہنچی ہوگی' حالانکہ اس کو ملنے والی اطلاع ہنڈرڈ پرسینٹ درست تھی وہ بالکل ٹھیک جگہ پہ پہنچا تھا اور اس کا یہ پہنچنا خطرے سے خالی نہیں جاسکتا تھا اگر میں نہ ہوتی... لیکن شاہ جی! سب کچھ کور کرلینے کے باوجود ایک مسئلہ ہوگیا ہے۔" انسپکٹر شہناز پھر دھیمی پڑ گئی تھی۔

"کیسا مسئلہ...؟" دل آور کی سنجیدگی عروج پہ تھی۔

"میں ڈیوٹی پہ تھی' امی اور ابی جان گھر پہ تھے لیکن انہیں پتا ہی نہیں چلا اور مومنہ بی بی انہیں بتائے بغیر گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ جاتے ہوئے یہ تحریر چھوڑ گئی تھی۔" اس نے رقعہ نکال کر دل آور کی سمت بڑھا دیا تھا جس کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔

"میں نے کل شام سے اب تک اسے بہت ڈھونڈا ہے' ساری رات سڑکوں پہ گزار دی لیکن وہ کہیں بھی نہیں ملی۔" انسپکٹر شہناز متفکر ہو رہی تھی اور دل آور لب بھینچے اس کی تحریر پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"فیروزی رنگ کا سوٹ اور کالے رنگ کی چادر میں ملبوس تھیں۔" نبیل کی لب کشائی پہ دل آور اور انسپکٹر شہناز نے یکدم چونک کر دیکھا

"آپ کو کیسے پتا نبیل صاحب؟؟"

"کیونکہ وہ مومنہ بی بی کل رات میری گاڑی سے ٹکرائی تھیں۔" نبیل کے انداز میں اطمینان تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ اب کہاں ہے وہ؟" انسپکٹر شہناز کو بے چینی ہوچکی تھی وہ نبیل کی سمت بے صبری سے دیکھ رہی تھی۔

"اب وہ وہاں ہیں جہاں کوئی ملک حق نواز نہیں پہنچ سکتا۔ میں نے مومنہ بی بی کو پورا پورا تحفظ دینے کا وعدہ کیا ہے' اور وہ میرے گھر میں ہی رہیں گی اور ان کی ہر ذمہ داری میں پوری کروں گا۔" نبیل کہہ رہا تھا اور دل آور اسے ناسمجھی سے دیکھ رہا تھا کہ نبیل نے یہ فیصلہ کیوں کیا ہے؟ کیونکہ یہ فیصلہ کوئی عام اور معمولی فیصلہ نہیں تھا اور دل آور کے اس طرح دیکھنے پہ نبیل اسے کیا بتاتا کہ اس نے اپنے ضمیر پہ رکھے ایک بوجھ کو کم کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے' ایک ایسا بوجھ جو اس نے خود نہیں اس کے باپ نے اس کے ضمیر پہ ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے مدحیہ بھی اکثر روتی اور تڑپتی ہوئی بولائی بولائی پھرتی تھی۔

نبیل کو اپنے باپ کے کرتوتوں کا اندازہ تھا لیکن وہ ان کا مداوا نہیں کرسکتا تھا لیکن اب جب ایک ایسی لڑکی سامنے آکھڑی ہوئی تھی جسے ان کے سہارے کی ضرورت تھی' جو ان کے باپ جیسے انسان کی ڈسی ہوئی تھی تو پھر وہ اسے سہارا کیوں نہ دیتا؟ کیوں مداوا نہ کرتا؟ ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس لڑکی پہ بیتی ساری حقیقت جان لینے کے بعد اس سے نظریں چرالیتا۔ اور اگر وہ ایسا کر بھی لیتا تو مدحیہ ایسا نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ وہی بوجھ مدحیہ کے ضمیر پہ بھی تو تھا۔ اتنا ہی وزنی اور اتنا ہی اذیت ناک' جس کو تھوڑا سا کم کرنے کے لیے نبیل نے زندگی میں پہلی بار ایسا فیصلہ کرلیا تھا جس میں کسی کی بھی پسند نہیں پوچھی تھی اور کسی سے مشورہ بھی نہیں مانگا تھا' اور اس کے اس فیصلے پہ مدحیہ کے سوا شاید اور کوئی خوش بھی نہیں تھا لیکن نبیل کو اس معاملے میں کسی کی خوشی کی پروا نہیں تھی' اسے پتا تھا کہ سب کا ردعمل وقتی ہوگا' اور وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدل جائے گا۔ اسی لیے وہ مطمئن تھا۔"

"کیا بات ہے؟ تمہیں میرا فیصلہ اچھا نہیں لگا۔" نبیل نے دل آور کو ٹٹولا۔

"برا کیوں لگنے لگا بھلا..." دل آور نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔

www.Paksociety.com

”تو پھر خاموش کیوں ہو؟“

”میرا اور انسپکٹر شہناز کا مسئلہ تمہارے گھر پہنچ جانے پہ خاموش ہوں' اللہ انسان کو ٹھوکروں سے اٹھا کر ٹھکانے پہ بھی پہنچا دیتا ہے اور ہم تم جیسے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ دل آور نے گہری سانس کھینچتے ہوئے پشت کرسی کی بیک سے ٹکا دی۔

”اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے' شاید کہ اس کام میں بھی ہو؟“ نبیل سکون سے کہہ رہا تھا۔

”بالکل! ہوگی ضرور ہوگی بس ادراک بعد میں ہوتا ہے' جیسے اللہ کے اس کام میں مصلحت تھی کہ میں اس وقت شاہ جی سے ملنے ان کے گھر پہ آؤں اور وہاں آپ سے بھی ملاقات ہو اور آپ میری رات بھر کی پریشانی کو ایک پل میں دور کردیں' اسی کو اللہ تعالیٰ کی مصلحت کہتے ہیں' سبحان اللہ۔“ انسپکٹر شہناز نے صدق دل سے کہا تھا اور وہ تینوں بھی اتفاق کرتے ہوئے سبحان اللہ کہہ چکے تھے۔ اتنے میں گل چائے اور دیگر لوازمات لے کر حاضر ہوچکی تھی' نومبر کا مہینہ تھا' موسم بہت ہلکا پھلکا اور خوش گوار ہو رہا تھا دل آور نے اپنے مہمانوں کو آج خوب کمپنی دی تھی جس پہ انسپکٹر شہناز بھی بہت خوش تھی اور نبیل بھی بہت فریش نظر آرہا تھا۔ پھر شام ڈھلے وہ لوگ وہاں سے اٹھ کر واپس گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

اس بیسمنٹ کے گہرے تاریک ماحول میں اس کی جان سوکھے پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اٹھ کر کسی دیوار سے ٹیوب لائٹ کا بٹن ٹٹول کر لائٹ ہی آن کرلیتی' وہ اسے جہاں پھینک کر گیا تھا وہ صبح سے وہیں ––– بیٹھی رو رہی تھی وہ جب بھی گھٹنوں سے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کرتی اسے اندھیروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ سہم کر پھر سے چہرہ چھپالیتی' رو رو کر اس کا حشر ہوچکا تھا' وقار آفندی کی لاڈلی کی آنکھیں آنسوؤں سے زخمی ہو رہی تھیں' مسلسل رو رہی تھیں اور وقار آفندی کو خبر ہی نہیں تھی وہ ہسپتال میں خود سے بھی بے خبر پڑے تھے۔ انہیں پتا ہی نہیں تھا کہ ان کی علیزے پہ کیا بیت رہی ہے؟ رات بہت گہری ہوچکی تھی جب ہلکی سی آہٹ سے بیسمنٹ کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔

”ڈرائیور۔“ علیزے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے کھڑی ہوگئی ۔ اور آنے والے نے دروازے کے قریب ہی نصب کی بورڈ سے لائٹس جلادی تھیں اتنے اندھیرے سے یکدم اتنی تیز روشنی ہوجانے پہ علیزے کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

”یہ کھانا کھالیں بی بی جی۔“ یہ آواز اس کے ڈرائیور کی نہیں بلکہ گلاب خان کی تھی۔

”تت... تم... کک کون ہو؟“ علیزے کے پورے جسم میں نقاہت ہو رہی تھی۔

”میں صاحب کا ملازم ہوں' چوکیدار ہوں بی بی جی۔“ گلاب خان نے سر خم کرتے ہوئے کہا۔

”وہ... وہ... خود کہاں ہے' بلاؤ اسے۔“ علیزے کے بھیگے بھیگے لہجے میں وہی مالکوں والا رعب در آیا تھا۔

”وہ نہیں آسکتے بی بی جی۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں ہیں۔ اور کسی گہری سوچ میں گم ہیں۔ سگریٹ بھی بہت پی رہے ہیں۔“ گلاب خان نے اپنے اس کی کیفیات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن علیزے پتا نہیں کیوں اور کیسے اتنی سرکش ہو رہی تھی کہ اپنی ہی کہے گئی۔

”میں کچھ نہیں جانتی...! وہ جہاں بھی ہے' جس حالت میں بھی ہے' اسے کہو وہ یہاں آئے۔ وہ مجھے میرا گناہ بتائے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ سزا کس گناہ کے بدلے میں دی جارہی ہے مجھے؟“ وہ روتے روتے چیخ اٹھی تھی

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔
ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حالانکہ وہ دن بھر رونے کی وجہ سے بے حد نڈھال ہو رہی تھی۔

”بی بی جی...! آپ میرا ایک مشورہ مانیں' آپ نے جو بھی کہنا ہے' کل صبح کہہ لیجیے گا' ابھی رہنے دیں' ابھی مت چھیڑیں۔“ گلاب خان نے بہتیرا روکا تھا اسے لیکن اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ خود یہاں آئے اور مجبوراً گلاب خان پیغام لے کر اس کے سامنے پہنچ گیا تھا جسے سن کر دل آور شاہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ' کام کرو' میں جاتا ہوں اس کے پاس۔“ دل آور نے ٹیبل کے قریب آکر انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ ذرا سا جھٹکتے ہوئے ایش ٹرے میں مسل دیا ۔ اور پھر گہری سانس خارج کرتے ہوئے لب بھینچ کر کمرے سے نکل آیا۔

”شاہ...! رکو بیٹا۔“ بتول شاہ نے اسے سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس کے عزائم بھی بھانپ لیے تھے کیونکہ اس کے تیور بہت خطرناک ہو رہے تھے' لیکن وہ ان کے روکنے پر بھی نہیں رکا تھا اور اگلے چند سیکنڈز میں وہ عین علیزے آفندی کے سامنے کھڑا تھا۔

علیزے ایک پل کے لیے ٹھٹک سی گئی وہ اسے دیکھ کر پہچان نہیں پائی تھی کیونکہ وہ اپنے چہرے کی داڑھی وغیرہ صاف کرچکا تھا اس کا پرکشش چہرہ اور تیکھے کاٹ دار نقوش واضح ہوچکے تھے اب وہ مکمل دل آور شاہ کے روپ میں تھا اور وہاں اب منصور حسین کا شائبہ تک نہیں تھا' وہ اس کے سامنے کھڑا ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور علیزے اس کی آنکھوں کے غضب سے نہ جانے کیسے بے خوف اور نڈر ہوگئی تھی۔

”کھانا بھیجا تھا' کھایا تم نے...؟“ اس کا لہجہ تھا یا برف' علیزے ٹھٹھری تھی لیکن سہم گئی۔

”نہیں کھاؤں گی۔“ ہٹ دھرم سا جواب موصول ہوا۔

”کیوں نہیں کھاؤ گی... ؟ کیا وجہ ہے آخر؟“ اس کے لفظ بے حد نپے تلے سے تھے ۔

”اس لیے کہ تم مجھے زبردستی یہاں لے کر آئے ہو' تم نے مجھے یرغمال بنایا ہے' تم نے مجھ سے ناٹک کروایا ہے' جھوٹ بلوایا ہے مجھ سے' دھوکا دیا ہے مجھے اور میرے گھر والوں کو ڈرامہ کیا ہے تم نے۔ کیوں آخر کیوں... ؟ کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں لے کر آئے ہو مجھے یہاں؟ آخر کیا گناہ ہے میرا؟“ وہ یکدم پھٹ پڑی تھی اور دل آور لب بھینچے اس کی سمت خاموشی سے دیکھتا رہا جس پہ علیزے اور بھی جذباتی ہوگئی اور آنسو تواتر سے بہہ نکلے تھے۔

”بولو! تم بولتے کیوں نہیں ہو؟ تم نے یہ سب کیوں کیا ہے آخر؟“ وہ روتے بلکتے ہوئے چیخی تھی جس پہ دل آور کا پارہ بھی ہائی ہوگیا تھا۔

”تڑاخ...!“ اس کے بھاری مضبوط ہاتھ کا تھپڑ علیزے آفندی کا دماغی نظام درہم برہم کرگیا تھا وہ توازن نہیں رکھ پائی تھی۔ سیدھی فرش پہ جاگری تھی۔

”یہ سب مجھ سے نہیں اپنے اس خبیث باپ سے پوچھو جس نے مجھے آٹھ سال کی عمر میں لاوارث کرکے اس شہر سے نکلنے پہ مجبور کردیا تھا' آٹھ سال کی عمر سے تمہارے باپ کا دیا ہوا ناسور سینے میں لیے پھر رہا ہوں اس ناسور کو

www.Paksociety.com

سمیرا عثمان گل

میرے سے تم

پکنے میں بائیس سال لگے ہیں علیزے آفندی۔ بائیس سال اور بائیس سال میرے اندر یہ زہر پھیلا ہے۔ میرے جسم کی رنگت سفید سہی لیکن میرے دل کی رنگت نیلو نیل ہو رہی ہے 'میرا سینہ اندر سے سیاہ ہے' اور یہ سیاہی تمہارے باپ نے بخشی ہے' میں دل آور شاہ دنیا کے لیے ایک آئیڈیل شخصیت سہی لیکن اندر سے میں خاک ہوں خاک۔ اور میں نے قسم کھائی ہے وقار آفندی کو بھی خاک میں ملا کر چھوڑوں گا' جیتے جاگتے اسے خاک میں ملادوں گا یہ میرا میری ماں سے عہد ہے' اور تمہیں یہاں لانا میرے عہد کا پہلا مرحلہ ہے' تم سمجھ دار ہو' تم سوچ سکتی ہو کہ اس وقت وقار آفندی کا کیا حال ہوگا جب اسے یہ پتا چلے گا کہ اس کی بیٹی دل آور شاہ کے پاس بغیر نکاح کے رہ کے آئی ہے' جس کا کوئی نکاح نہیں ہوا تھا' سب کچھ جعلی تھا' جھوٹ تھا' صرف وقتی طور پہ سب کو دکھانے کے لیے وہ جعلی نکاح نامہ تیار کروایا تھا تاکہ کوئی بھی اس کام میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

تمہارے باپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اگر میں منصور حسین کے نام سے شناختی کارڈ اور لائسنس بنوا سکتا ہوں تو نکاح نامہ بھی بنوا سکتا ہوں' تمہیں بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھ سکتا ہوں' تمہیں برت سکتا ہوں' تمہیں عرش سے اٹھا کر فرش پہ پٹخ سکتا ہوں۔ یہ سب باتیں تمہارا باپ کبھی نہیں سوچے گا کیونکہ اسے دل آور شاہ کے نام کی تکرار سے ہی فرصت نہیں ملے گی اور اگر ملے گی تو مرجائے گا۔ اس سوچ سے ہی مرجائے گا کہ اس کی علیزے' دل آور شاہ کی دسترس میں ہے۔ اور اگر وہ اس سوچ سے بھی نہیں مرا تو میں تمہیں اس کے پاس بھیج کر ماردوں گا' وہ جب اپنی کنواری بیٹی کی واپسی کا حال دیکھے گا تو کیا کرے گا؟ یہ بھی سوچ لو تم...! تمہارے باپ کو مارنے کے بہت ہتھیار ہیں میرے پاس' اب فیصلہ یہ کرنا ہے کہ کون سا ہتھیار فائدہ مند رہے گا...؟

میں اگر چاہتا تو تمہیں کڈنیپ بھی کروا سکتا تھا بڑی آسانی سے' مگر کڈنیپ کرنے میں وہ مزا نہیں تھا جو تمہیں سب کے سامنے لے آنے میں تھا سو میں نے ایسا ہی کیا اور تم جانتی ہو میں کیا کیا کر سکتا ہوں؟ میری رسائی کہاں تک ہے؟ تم سے بہتر تو کوئی بھی نہیں جان سکتا جان ڈرائیور۔" اس نے ذرا سا جھکتے ہوئے علیزے کا بازو دبوچا اور اسے اپنے سامنے کھڑا کر دیا تھا اس کے پھول سے چہرے پہ انگلیوں کے نشان ثبت تھے اور جہاں جہاں انگلیوں کے نشان ثبت تھے وہاں وہاں سے رخسار ابھر آیا تھا وہ سب کچھ جاننے کے باوجود اسے پتھرائی ہوئی اور ششدر سی دیکھ رہی تھی دلاور شاہ زہر اگل رہا تھا ایک ایسا زہر جو اب علیزے کا جسم نیلا کر رہا تھا۔

"لیکن اس سارے قصے میں مجھے بڑی تکلیف ہوئی ہے' بہت اذیت محسوس کر رہا ہوں' وقار آفندی کی بیٹی کو اپنی بیوی ظاہر کر کے خود اپنی نظروں میں گر گیا ہوں' اپنے مقام سے بہت نیچے آگیا ہوں میں' مجھے یہ کب زیب دیتا تھا کہ جھوٹ میں ہی سہی مگر وقار آفندی کی بیٹی کو بیوی کا لقب دوں۔ سچ پوچھو تو بڑی توہین ہوئی ہے میری۔"

وہ انتہائی نفرت اور حقارت سے چبا چبا کر کہہ رہا تھا اور علیزے کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی ایسی نفرت ایسی بے رحمی اور ایسی سفاکی کا عالم اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ چکرا رہی تھی لیکن یونہی چکراتے سر کے ساتھ اس کی نظر اٹھی اور بیسمنٹ کی سیڑھیوں پہ کھڑی بتول شاہ پہ ٹھہر گئی تب ہی اس کے دیکھنے کے انداز پہ اس کی نظروں کے تعاقب میں دل آور نے بھی گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تھا اور ——— وہیں منجمد ہو گیا۔ دل پہ ایک عجیب حالت آن وارد ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

✡ ✡

www.Paksociety.com

ناشتے کی میز پر میری نگاہ خاموش بیٹھی ثمامہ سے ٹکرائی چائے کا کپ اس کے سامنے بڑا ٹھنڈا ہو چکا تھا حالانکہ اسے بہت ابلتی کھولتی ہوئی چائے پھونکیں مار کر چسکیوں کے ساتھ پینے کی عادت تھی۔ میں اسے اس حرکت پر کئی بار ٹوک چکا تھا مگر وہ مجھے چڑانے کی خاطر اور لمبے لمبے سپ لیتی۔

اور میرا سانس جیسے حلق میں اٹک جاتا میں تعجب سے اسے دیکھتا اور حیرت بھرے لہجے میں استفسار کرتا۔

"تمہارا منہ نہیں جلتا۔" اور وہ ہنستے ہوئے بے نیازی سے شانے اچکا کر کہتی۔

"ساتھ آئس کریم جو ہوتی ہے۔" اس کا بھی ناشتے کا عجیب کمبی نیشن تھا گرم چائے اور ٹھنڈی آئسکریم۔ جب وہ گرم چائے کے ساتھ ٹھنڈی برف آئس کریم کا چمچہ منہ میں ڈالتی تو میں اسے ڈرانے کو کہتا۔

"دیکھنا گلا خراب ہو جائے گا۔" لیکن اس کا گلا بھی ایسا ڈھیٹ تھا مجال ہے جو کبھی خراب ہو جائے شاید اس بے چارے کو بھی یہ ستم سہنے کی عادت ہو چکی تھی۔ اپنا ناشتا ختم کرنے کے بعد ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے میں نے ایک بار پھر اسے دیکھا وہ ہنوز منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی اور آئس کریم گرم۔

میں اسے مخاطب کیے بغیر اپنا بریف کیس اٹھا کر آفس کے لیے نکل آیا اور آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ مجھے مین گیٹ تک چھوڑنے بھی نہیں آئی تھی وہ روز مجھے مرکزی دروازے تک چھوڑنے آتی تھی اور ساتھ اس کی ہدایات۔

"دھیان سے ڈرائیو کرنا" آفس جاتے ہی مجھے کال کرنا مت بھولنا اور آف ہوتے ہی سیدھے گھر آنا۔"

جس پر میں روز جھنجلا جاتا تھا اور آج میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان تین جملوں کو بہت مس کیا تھا۔ آفس آ کر میں نے سب سے پہلے اسے کال کی تھی دوبارہ رنگ کے بعد اسکرین پر ابھرتے۔ "نمبر بزی" نے مجھے سلگا ڈالا۔

"آخر ایسا کیا کر دیا ہے میں نے جو یہ اس قدر نخرے دکھا رہی ہے اب میں بھی اس سے بات نہیں کروں گا۔ بھاڑ میں جائے۔" غصے سے کھولتے ہوئے میں نے سیل فون آفس کی ٹیبل پر پٹخ ڈالا مگر پھر بھی سارا دن کام کے دوران میرا ذہن اس میں الجھا رہا تھا اور آج تو دن بھی مجھے معمول سے بڑھ کر طویل لگ رہا تھا۔

شام سات بجے کے قریب جب میں گھر پہنچا تو حسب معمول وہ مجھے لاؤنج میں اپنا سواگت کرتی نظر نہیں آئی ـــ جس کا مطلب تھا کہ محترمہ کے مزاج ہنوز برہم ہیں۔ ہماری شادی کو ابھی صرف دو ماہ ہی ہوئے تھے وہ میری فرسٹ کزن تھی اور یہ شادی میری پسند سے ہوئی تھی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ جو کل شام سے خفا تھی تو ابھی تک اس کا موڈ بحال نہیں ہوا۔

بریف کیس بیڈ پر اچھالنے کے بعد میں نے چور نظروں سے اسے دیکھا وہ سنگھار میز کے سامنے بیٹھی اپنے اسٹیپ کٹنگ بالوں میں برش کر رہی تھی۔ نیوی بلو کلر میں اس کی رنگت سونے کی مانند دمک رہی تھی مجھے وہ اتنی پیاری لگی تھی کہ جی میں آیا کہ اس کی خفگی کی پروا نہ کرتے ہوئے اسے بازوؤں میں بھینچ کر گھما ڈالوں۔

مگر اس کے بے نیاز اور کٹھور رویے نے میری پیش قدمی پر بند باندھ دیا اور میں اپنے دل میں انگڑائیاں لیتی خواہش کو دباتا واش روم میں چلا آیا جہاں میرے کپڑے پہلے سے ہینگر میں لٹک رہے تھے۔

میں ہر روز ٹاول لینا بھول جاتا تھا پھر اسی بہانے اسے آوازیں دیتا وہ اپنے دس کام چھوڑ کر آتی تھی جس پر میں اسے ڈپٹتا۔

"روز تم بھول جاتی ہو۔" اور وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر کہتی۔

"سوری آئندہ خیال رکھوں گی۔" اور یہ خیال اس نے آج رکھا تھا جبکہ آج میرا بڑی شدت سے دل چاہا تھا کہ کاش ٹاول نہ ہوتا تو اسی بہانے میں اسے آواز تو دیتا۔

اسے منانا کوئی مشکل کام تو نہیں تھا مگر میری انا پہل کرنے کی راہ میں حائل ہو رہی تھی۔

میں فریش ہو کر نیچے آیا تو وہ میز پر کھانا لگا چکی تھی بریانی اور چکن کڑاہی دونوں ہی میرے فیورٹ تھے مجھے ایک بار پھر سے اس پر پیار آیا تھا مگر وہ لب بھینچے اپنی پلیٹ پر جھکی ہوئی تھی۔

میں خاموشی سے کھانا کھانے کے بعد ٹی وی کے سامنے آ بیٹھا اور وہ برتن سمیٹ کر لان میں واک کرنے چلی گئی اور ہر روز کی طرح آج جانے سے پہلے اس نے مجھے واک کی افادیت اور ضرورت و اہمیت پر کوئی لمبا چوڑا لیکچر نہیں دیا تھا اور اس سب کے باوجود بھی میں کون سا اس کے ساتھ چلا جاتا تھا۔

مگر مجھے لگا کہ آج اگر وہ مجھ سے واک کے لیے کہتی تو میں ضرور جاتا۔

"میں کیوں اتنا حساس ہو رہا ہوں۔" چینل سرچ کرتے ہوئے مجھے خود پر بے پناہ تاؤ آیا اصل میں مجھے ہمیشہ سے ہی اپنے ناز نخرے اٹھوانے کی عادت رہی تھی اور اب جو وہ مجھ سے لاپروائی برت رہی تھی تو شاید میں کچھ زیادہ ہی محسوس کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح پھر وہی روٹین تھی آفس آکر بھی میرا موڈ خراب ہی رہا اچانک مجھے مخالف کمپنی کے ایم ڈی سے اپنی اہم میٹنگ کا خیال آیا تو میں نے انٹر کام سے اپنی پرسنل سکریٹری نازنین کو آفس میں طلب کیا۔

اس نے آنے میں بھی دس منٹ لگا دیے تھے اس پر اس کا قابل اعتراض حلیہ، شکن آلود لباس اور الجھے بکھرے بالوں پر میرے غصے کا گراف مزید اوپر چلا گیا تھا۔ میں نے ایک سخت سی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ مؤدب سی کھڑی اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔

"مس نازنین۔" میرے مخاطب کرنے پر اس نے جب نظریں اٹھائیں تو متورم آنکھوں میں جھلکتی سرخی کو دیکھ کر میں نے کچھ بھی سخت سست کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا وہ پہلے ہی سے شاید روتی رہی تھی جانے کیا مسئلہ تھا اس کے ساتھ کچھ دنوں سے کام پر بھی اس کا دھیان تقریباً "نہ ہونے کے برابر تھا۔

"ہمدانی صاحب سے میری میٹنگ کتنے بجے ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر ڈائری سے چیک کرنے لگی اور پھر اگلے ہی پل میں نے اس کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا۔

"سر وہ تو کل چار بجے تھی۔" اس کی گھٹی گھٹی سی آواز بمشکل برآمد ہوئی اور اب کی بار میں اپنا غصہ ضبط نہیں کر پایا تھا اس سے قبل کہ میں اپنے اندر کی ساری فرسٹریشن اس پر نکالتا اس کی آنکھوں کی سطح پر چمکتے موتیوں کو دیکھ کر مجھے اپنا لہجہ نرم کرنا پڑا۔

میں اکثر اوقات اسے ڈانٹ دیا کرتا تھا مگر اتنا شدید رد عمل۔ میں نے ٹشو باکس اس کے سامنے رکھتے ہوئے جانے کی اجازت دے دی۔

"ایک تو نوکروں کے بھی نخرے ہوتے ہیں ایک تو کام خراب اس پر...." میں نے سارا غصہ چائے کا کپ توڑ کر نکالا تھا۔

☆ ☆ ☆

آفس سے گھر آ کر میں شوز اتارے بغیر بیڈ پر اوندھے منہ گر گیا وہ جو الماری صاف کر رہی تھی اپنا کام ادھورا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

ورنہ پہلے وہ اپنے ہاتھوں سے میرے شوز اتارتی تھی۔

کچھ ہی دیر میں مجھے نیند آ گئی اور میں وہیں لیٹے لیٹے جانے کب سو گیا۔ سردی کی وجہ سے ایک بار میری آنکھ کھلی تھی تو میں نے شوز اتار کر کمبل اوڑھ لیا دوسری بار جب میں جاگا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

وہ کمرے کی لائٹ آن کیے مزے سے کوئی ناول پڑھنے میں منہمک تھی۔ میں نے جان بوجھ کر کمبل آہستہ آہستہ زمین پر سرکا دیا ورنہ آج سے قبل ایسا غیر ارادی طور پر ہوتا تھا میں سوتے میں کمبل نیچے گرا دیا

کرتا تھا اور وہ ہر بار آنکھ کھلنے پر میرا کمبل برابر کیا کرتی تھی۔

اب بھی میں منتظر تھا کہ وہ میرا خیال کرے گی مگر پندرہ منٹ کا انتظار لاحاصل ہی رہا تھا۔ میری نیند پوری ہو چکی تھی اور وہ سونے کی تیاریوں میں ناول سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد اپنا تکیہ درست کر رہی تھی اور میرا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ مجھ سے باتیں کرے وہ ساری باتیں جن کو سن کر میں بور ہو جایا کرتا تھا۔ وہ سو گئی تو میں اٹھ کر باہر چلا آیا۔

لاؤنج کے ایک جانب اس کے مٹھو کا پنجرہ لٹک رہا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ پھڑپھڑا کر اٹھا اور ایک شوخ سے سیٹی بجائی۔

"ولید جلدی آؤ ایک بہت مزے کی بات ہے۔" میں کمپیوٹر پر بیٹھا ایک پروجیکٹ بنا رہا تھا جب وہ بھاگتے ہوئے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ میرے پاس آئی تھی۔

"کیا ہے ادھر ہی بتا دو۔" میں رکھائی سے بولا تو میرے تاثرات جانچے بغیر اپنی ہی دھن میں بول گئی۔

"وہ میں نے مٹھو کو سیٹی بجانا سکھایا ہے۔ آکر سنو نا۔" اس کے لہجے میں کتنی کھنک اور آنکھوں میں اشتیاق و خوشی کے رنگ تھے۔

"تمہارے پاس تو سارا دن بس یہی بچوں والے کام ہیں مجھے ڈسٹرب نہ کرو ایک ضروری کام کر رہا ہوں۔" میں نے اسے بری طرح جھاڑ دیا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"اب کھڑی کیا ہو کہاں جاؤ ادھر سے۔" میرا لہجہ اتنا انسلٹنگ تھا کہ اس کی آنکھوں میں میں نے واضح نمی اترتے دیکھی اور پھر وہ خفا ہو کر چلی گئی اور ہمیشہ ایسا ہی تو ہوتا تھا وہ ایسی ہی کسی چھوٹی سی بات پر خفا ہوتی تھی اور پھر خود ہی مان بھی جاتی تھی مگر اس بار......

"وہ چاہتی ہے میں اس سے ایکسکیوز کروں اس کی منتیں کروں، ہونہہ... مجھے بھی ایسی کوئی مصیبت نہیں پڑی ہوئی۔"

٭ ٭ ٭

"تم نے کہا تھا اسے مکمل طور پر اگنور کرو تو وہ تم پر توجہ دینے پر مجبور ہو جائے گا۔" آج میں آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا اور لاؤنج سے گزرتے ہوئے میرے قدم ڈرائنگ روم کی دہلیز پر ہی ساکت ہو کر رہ گئے تھے۔

یہ ردا کی دوست الوینہ تھی جو اسے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رہی تھی۔

"پچھلے تین دن سے میں اس سے خفا ہوں اور اس نے ایک بار بھی منانے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے کہا تھا نا تم سے کہ وہ بڑا خود غرض، خود پرست اور موڈی انسان ہے۔" ردا کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلی ہوئی تھی۔ میں الٹے قدموں گھر سے باہر نکل گیا۔

گاڑی انجانے راستوں کی جانب رواں دواں تھی ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے مجھے اپنے وجود کا سارا لہو دماغ کی جانب گردش کرتا محسوس ہو رہا تھا۔ کس چیز کی کمی تھی اسے۔ اتنا بڑا گھر، دولت کی فراوانی، آسائشیں سب کچھ تو میسر تھا اور اس پر ہر چیز کی وہ بلا شرکت غیرے مالک تھی۔

ابو، امی تو دوسرے شہر فہد کے ساتھ رہتے تھے۔ بہنیں سب شادی شدہ تھیں میں اس سے اتنی محبت کرتا تھا پھر بھی وہ خوش نہیں تھی۔ اپنی سہیلی کے سامنے اس طرح رو رہی تھی جیسے خدانخواستہ میں نے اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رکھے ہوں۔ رات دس بجے محترمہ کی فرمائش پر بھیتجے کی برتھ ڈے پر لے کر گیا تو خود غرض، خود پرست اور موڈی بنا دیا مجھے اور وہ جو اسے ڈھیروں کے حساب سے شاپنگ کرواتا ہوں ہر سنڈے گھمانے لے جاتا ہوں اتنے قیمتی تحفے دیتا ہوں وہ کچھ یاد نہیں رکھا۔

"ہاں تو یہ سب تم ہمیشہ اپنے موڈ سے ہی کرتے ہو موڈ ہوا تو ہنس بول لیا ورنہ تمہیں اس کی روز مرہ کی باتیں بھی بچکانہ لگتی ہیں تم کبھی اس کی کوئی بات نہیں مانتے اور اپنی سب منوا لیتے ہو اپنا دل چاہا تو آدھی رات کو بھی اسے بستر سے نکال کر لانگ ڈرائیو پر لے گئے جب چاہا اس کی نیند خراب کر دی جب چاہا اسے ڈپٹ دیا جب چاہا پیار کر لیا اور اگر نہ چاہا تو اپنے کام سے کام رکھا۔" کوئی مسلسل اندر سے بولے جا رہا تھا مگر میں اپنا قصور مان لوں یہ کہاں ممکن تھا۔

"اس کی خوشی کیا میرے موڈ سے الگ ہے۔" یہ کہہ کر دل کو تسلی بھی دے ڈالی۔

مگر اگلے روز آفس میں نازلی نے ایسی بات کہی تھی کہ میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔

وہ مجھے کافی دنوں سے اپ سیٹ نظر آ رہی تھی وہ ایک اچھی اور مہذب لڑکی تھی میں اسے بہنوں کی مانند ہی سمجھتا تھا شادی سے قبل بھی وہ اکثر اوقات اپنے گھریلو مسائل مجھ سے ڈسکس کر لیا کرتی تھی۔

اب بھی جب وہ فائل لے کر آئی تو میں نے اسے بیٹھنے کو کہا اور پھر میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہیں ہے۔

"کیوں؟" میں نے بھنویں اچکائیں مجھے وہ ردا کی طرح اپنے خود ساختہ کمپلیکس کا شکار نظر آئی تھی۔

"وہ شخص میرا آئیڈیل نہیں ہے۔" اس کی بچکانہ سی بات پر میں نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

"سر آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔" اس نے خفا خفا سی نظروں سے مجھے دیکھا تو میں گلا کھنکارتے ہوئے سنجیدہ ہو بیٹھا۔

"کیا وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔" اکثر لڑکیوں کا سب سے بڑا یہی تو المیہ تھا تو میں نے ان کے پیش نظر سوال کیا تھا جس پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا جس کا مطلب تھا کہ کرتا ہے۔

"پھر کیا مسئلہ ہے؟" اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑانے سے بہتر تھا کہ اس سے دریافت کیا جائے۔

"مجھے اس کی محبت کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کا ایقان بھی چاہیے اس نے کبھی میرے لیے مجھ سے محبت نہیں کی کبھی میرے لیے میرا خیال نہیں رکھا میرے خواب، میری خواہش، میری تمنائیں کیا ہیں اس نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی اس کو محض اپنی ذات سے محبت ہے وہ کبھی میں سے تم تک کا فاصلہ عبور کرنا ہی نہیں چاہتا۔" وہ جا چکی تھی اور جاتے جاتے مجھے محبت کا فلسفہ سمجھا گئی تھی۔

میں اٹھا کی رنگ اٹھائی اور گاڑی میں آبیٹھا۔

راستے سے وائیٹ روز کا بکے لیا میں پہلے بھی اسے پھول دیا کرتا تھا لیکن ریڈ روز اور ردا کو وائیٹ زیادہ پسند تھے اور آج میں نے پہلی بار اپنی پسند پر اس کی پسند کو فوقیت دی تھی، مجھے "میں" سے "تم" تک کا فاصلہ جلد از جلد عبور کرنا تھا اور رہی ردا تو وہ پچھلے تین روز سے محض میری پہل کی ہی تو منتظر تھی۔

٭ ٭

فصل غم کا گوشوارہ
رضیہ جمیل
قیمت 300 روپے

www.Paksociety.com

ناولٹ

ریحانہ امجد بخاری

وہ اک پری ہے

۲
دوسری قسط

ہم ذکرِ گفتگو ہیں ، محوِ گفتگو ہم ہیں
ہم آئینہ ہیں ، نظر ہم ہیں ، روبرو ہم ہیں

دو گاڑیاں ایک دوسرے کے تعاقب میں پوری رفتار سے بھاگی چلی جارہی تھیں' ایک گاڑی میں ماسٹر شوکت' (سنگر) شاہد' ولیکا اور علی سوار تھے جبکہ دوسری گاڑی میں اس وقت فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ عبداللہ اور نعیم خرم پھنس پھنسا کر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ عقبی سیٹ پر کھڑکی والی داہنی سائڈ پر اذان اس سے آگے فہیم اور بائیں کھڑکی والی سائیڈ پر ماہم براجمان تھی۔

ماہم کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے تیزی سے تبدیل ہوتے ہوئے مناظر کا نظارہ کر رہی تھی جبکہ اذان اس کے ماتھے پر جھولتی ہوا کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتی بالوں کی اس شریر لٹ پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد ماہم نے شاید اس کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کرلیا اس نے پلٹ کر ایک لمحے کے لیے اذان کی طرف دیکھا دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں لیکن اذان کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا' وہ اس کی نگاہوں میں جیسے ڈوب سا گیا ماہم نے ایک لحظہ اس کی طرف دیکھا اور پلٹ کر پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اور اذان اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔

پتا نہیں کیوں وہ اس کی اس لاپرواہی سے چڑ سا جاتا تھا اور وہ تھی کہ مسلسل اسے نظرانداز کیے جارہی تھی' اسے کسی خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔ اذان سوچ رہا تھا کہ آخر کب تک وہ اس لاتعلقی کا مظاہرہ کرے گی؟ وہ چہرہ اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

روزانہ شام کے وقت سادہ سے حلیے میں کتابیں اپنے دائیں ہاتھ میں لیے سینے سے لگائے وہ اس کی دوکان کے سامنے سے گزرتی تھی' اذان کا خیال تھا کہ وہ ٹیوشن پڑھنے جاتی ہے اور وہ اسے دیکھتا رہ جاتا تھا سرخ و سپید رنگت اور میک اپ سے بے نیاز حسن و سادگی کا یہ پیکر اذان کو متاثر کر گیا تھا اور وہ روزانہ اس کی آمد کے وقت کا انتظار کرتا تھا اس کی متلاشی نظریں سڑک پر چکراتی رہتیں اور پھر وہ نظر آجاتی اس کے سینے پر دھری کتابوں میں سب سے اوپر ایک رجسٹر رکھا ہوتا جس پر جلی حروف میں ایک لفظ پرنٹ تھا "لال ولال" اور وہ بے اختیار مسکرا دیتا پیدل چلنے کی وجہ سے اس کی سرخ رنگت مزید سرخ نظر آتی اور وہ اس حسین اتفاق پر خود بخود مسکرا دیتا لیکن اس کے بارے میں مزید جاننے کی اس نے کبھی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

وہ گزرتی تھی' وہ دیکھتا تھا اور قدرت کی کاریگری کی داد دیتا تھا اور بس...... اور اب وہ اس سے آٹکرائی تھی اب اسے اس کا نام بھی معلوم ہوگیا تھا لیکن پتا نہیں کیوں وہ اس کی طرف سے لاپرواہی برت رہی تھی وہ اس کی اس بے اعتنائی پر سلگ اٹھتا لیکن اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کرتا۔

"ٹھیک ہی تو ہے' اگر اس کے لیے پسندیدگی کے جذبات میرے دل میں ہیں تو اسے کیا پتا؟" اس نے جیسے خود کو سمجھایا' اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو جیسے اس کیفیت سے آزاد کروانے کی کوشش کی اور پھر عمیق نظروں سے گاڑی میں موجود تمام افراد کا جائزہ لیا۔

نعیم اور عبداللہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے' ماہم بدستور کھڑکی سے باہر نظریں جمائے بیٹھی تھی اور اذان کی نظریں ایک مرتبہ پھر اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ ٹھیک اسی لمحے فہیم کے کھنکھارنے کی آواز بلند ہوئی تو اذان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو عجیب سی نظروں سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اذان چور سا بن گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال کر کن انکھیوں سے ماہم کی طرف دیکھتے ہوئے فہیم سے مخاطب ہوا۔

"اگر آنکھیں راستوں کے مناظر میں نہ الجھیں تو منزل پر پہنچ کر تھکی ہوئی نہیں بلکہ تازہ دم دکھائی دیتی ہیں۔" ماہم نے چونک کر اذان کی طرف دیکھا! چند لمحے بغور اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں تو محض یہاں کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوں اور

www.Paksociety.com

باہر دیکھ رہی ہوں اور پھر ضروری نہیں ہوتا کہ جو نظر آ رہا ہو انسان اسے دیکھ بھی رہا ہو۔" اذان نے ایک سرسری سی نظر ماہم کے چہرے پر ڈالی اور پھر دوبارہ فہیم سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"فہیم تمہیں نہیں لگتا کہ جو لوگ اپنے حال سے مطمئن نہیں ہوتے وہ تلخیوں سے فرار حاصل کرنے کے لیے ماضی کی کھڑکیاں کھول لیتے ہیں؟ حسرتوں کی کھڑکیاں، شکایات کی کھڑکیاں، دکھ سکھ کی کھڑکیاں، یادوں کی کھڑکیاں، وہم و گمان کی کھڑکیاں، خوف و خدشات کی کھڑکیاں، حرص و ہوس کی کھڑکیاں...... یہ سوچیں کھڑکیاں ہی تو ہوتی ہیں نا؟" فہیم خاموشی سے اذان کا منہ تک رہا تھا اس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور ایک نظر ماہم کی طرف دیکھا جس کی نظریں پر سوچ انداز میں اذان کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

چند لمحوں بعد وہ پرخیال انداز میں گویا ہوئی۔

"اصل میں ہمارے یہاں توازن کی اتنی کمی ہے کہ لوگوں میں یا تو عقلی شکوک کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں یا لفظوں کے آبشار بہہ رہے ہیں لیکن کون کیا ہے اس کی اصل کیا ہے؟ وہ کیا سوچ رکھتا ہے، اس کی ذات کی گہرائیوں میں کتنے اسرار پوشیدہ ہیں یہ جاننا یا اس کا سراغ لگانا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک کسی بھی انسان کے بارے میں سطحی اندازہ قائم کرنا گناہ ہے۔" اور اذان جو پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوا۔

"مس ماہم! میرے نزدیک سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ جو کام آپ کو سونپا جائے اسے دل لگا کر خوش اسلوبی، شوق اہتمام اور پوری دیانت داری سے کیا جائے۔" ماہم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی باریک سی ایک لکیر کھنچی لیکن دوسرے ہی لمحے معدوم ہو گئی۔

"اذان صاحب! کچھ لوگ اپنے کام کو پوری ذمہ داری اور دیانت داری سے کرتے ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ پھر بھی ان کی حوصلہ افزائی نہ ہو؟" ماہم کی بڑی بڑی غلافی آنکھیں سوالیہ انداز میں اذان کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں اور اذان تو اس کی آنکھوں میں دیکھ کر عجیب سے احساسات کا شکار ہو ہی جاتا تھا وہ ایک لمحے کے لیے گڑبڑا سا گیا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر بولا۔

"تعریف انسان میں عظمت کا جھوٹا احساس جگا دیتی ہے اسے بندے سے بت بنا دیتی ہے، جھوٹی انا کا شکار ہونے سے بہتر ہوتا ہے کہ انسان آنکھوں میں عاجزی کا سرمہ لگا کر دیکھے، ہر چیز اپنی جگہ اہم اور قیمتی دکھائی دے گی۔" اذان کا جملہ مکمل ہوتے ہی شاید فہیم کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا قبل اس کے کہ ماہم کوئی اور جواب دیتی اس کی آواز بلند ہوئی۔

"اوئے بھائی! تمہیں اللہ کا واسطہ یار یہ کیا خشک گفتگو شروع کر رکھی ہے تم لوگوں نے؟ دونوں ہی اپنے آپ کو دانشور ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہو اور میں اکلوتا سامع درمیان میں خوار بیٹھا ہوں آخر تم لوگ ثابت کیا کرنا چاہتے ہو؟ میں نے مان لیا کہ تم دونوں ہی فلسفی ہو اب میری جان بخشو، بتاؤ یار پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے یہ بحث سن رہا ہوں جس کا کوئی سر ہے نہ پیر گل بنتی ہے کوئی؟"

ٹھیک اسی لمحے سامنے والی گاڑی کے بریک چرچرائے اور پھر اس کے پیچھے ان کی گاڑی بھی رک گئی سامنے ہی کسی اسکول کی عمارت تھی اس کا مطلب تھا ان کی منزل آ چکی ہے۔

☼ ☼ ☼

"آج تو حد ہی ہو گئی امی۔" زارا نے اپنا گلا سہلاتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں سامنے بیٹھی ذکیہ بیگم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ذکیہ بیگم جو ابھی ابھی دالیں، چاول اور گھی چینی جیسے سامان سے بھرا ہوا تھیلا لے کر گھر میں داخل ہوئی تھیں اب چارپائی پر بیٹھی پریشان سے انداز میں بہو کا منہ تک رہی تھیں۔

چند لمحے خاموشی سے اس کا جائزہ لینے کے بعد ذکیہ بیگم کی آواز بلند ہوئی۔

"مگر بیٹی ہوا کیا ہے؟ میں تو تمہاری پریشانیوں کو دیکھ کر خود ہلکان ہو گئی ہوں، اب یہی دیکھ لو کہ اس بڑھاپے میں اتنا وزن اٹھا کر کہاں سے چلی ہوں اور کہاں تک پیدل آئی ہوں مجھے پتا تھا کہ فرزان اتنی جلدی گھر کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا تمہارے ابو نے تو بس ایک فیصلہ کر دیا سو کر دیا لیکن بیٹا میں تو ماں ہوں کیا کروں؟ تمہارے ابو سے چھپا کر، کر رہی ہوں جو کچھ بھی کر رہی ہوں کیا تمہیں برا لگا؟"

زارا نے آنسو بھری آنکھوں سے ذکیہ کی طرف دیکھا پھر قریب آ کر جذباتی انداز میں ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں امی یہ تو آپ کی محبت ہے یہی تو میرا اثاثہ ہے یہی تو میرا اعزاز ہے بھلا محبتیں بھی کبھی کسی کو بری لگتی ہیں؟ میرا یہاں ہے ہی کون؟ ایک آپ ہی کے شفقت بھرے سائے کے سہارے تو زندہ ہوں آپ کی ممتا کی چھاؤں نے مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میرے امی ابو اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن اب جب میں آپ سے دور ہو گئی ہوں تو...... تو مجھے لگتا ہے کہ میں...... میں ایک بار پھر یتیم ہو گئی ہوں، بے آسرا ہو گئی ہوں! میں کیا کروں امی؟ میں کیا کروں......"

زارا کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ذکیہ بیگم جو محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہی تھیں اس کے اس طرح رو دینے پر پریشان ہو گئیں انہوں نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے چارپائی پر اپنے برابر بٹھایا اور پھر اسے اپنے ساتھ چمٹاتے ہوئے بولیں۔

"اللہ نہ کرے کہ تو یتیم ہو میری بچی میں ہوں نا؟ گھر سے ہی تو علیحدہ ہوئی ہو دل سے تو نہیں نا؟ شہر بھی تو ایک ہی ہے اور پھر تمہارا قصور بھی کیا ہے؟ یہ تو باپ بیٹے کی جنگ ہے تم تو خوامخواہ ہی زد میں آ رہی ہو، اللہ تمہیں استقامت دے کہ تم ان مشکل حالات کا سامنا کر سکو۔

دیکھو بیٹی فرزان جذباتی ضرور ہے مگر دل کا برا نہیں ہے مجھے پورا یقین ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ضرور احساس ہو جائے گا اور وہ اپنے باپ سے معافی مانگ لے گا۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا میری بچی! تم پریشان مت ہو یہ مشکل وقت ہے تمہارے لیے لیکن تمہارا حوصلہ ہی اس وقت تمہارا سب سے بڑا مددگار ثابت ہو گا۔"

زارا جو ان کی گود میں سر رکھے زارو قطار رو رہی تھی درد بھرے انداز میں بولی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی، میں تو ہر حال میں گزارہ کرنے کے لیے تیار ہوں بھوک، پیاس پریشانی، تنگدستی سب سہنے کے لیے راضی ہوں مگر امی فرزان کو مجھ سے اپنا رویہ تو ٹھیک رکھنا چاہیے، مجھ سے محبت کے ساتھ تو رہنا چاہیے نا؟ میں نے تو کبھی ان سے کوئی فرمائش نہیں کی، کبھی کچھ نہیں مانگا، اپنی ضرورتوں کے لیے انہیں کبھی تنگ بھی نہیں کیا پھر وہ مجھ پر کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ میں تو ان کا ساتھ دینا چاہتی ہوں، ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں، ان کا بوجھ بانٹنا چاہتی ہوں پھر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں امی؟"

ذکیہ بیگم زارا کی بات سن کر بے چین ہو گئیں اور پریشان انداز میں بولیں۔

"ایسا کیا ہو گیا؟ کیا کہا ہے اس نے تمہیں؟ کہیں خدانخواستہ اس نے تم پر ہاتھ تو نہیں اٹھایا؟ اگر ایسا ہوا ہے تو میں اس نالائق کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ تم......" ذکیہ بیگم کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ زارا ان کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے بولی۔

"نہیں امی! اللہ نہ کرے۔ ایسا تو کچھ نہیں ہوا لیکن کل ان کا رویہ میرے ساتھ بہت خراب رہا، میں نے صرف اتنا پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں کوئی جاب کر لوں؟ لیکن انہیں میری اس بات پر شدید غصہ آیا انہوں نے غصے میں کچن کے آدھے سے زیادہ برتن توڑ دیے اور میرا...... میرا گلا بھی دبایا کہنے لگے کہ آئندہ ایسی کوئی بات اپنی زبان پر مت لانا۔

خود کچھ لا کر نہیں دیتے، مجھے جاب کرنے کی اجازت نہیں، آخر ایسا کب تک چلے گا؟ ہمسائے کب تک ادھار دیں گے؟ آپ ہی بتائیں کہ آخر گھر کیسے چلے گا؟ میں کب تک ادھر ادھر سے مانگ کر

www.Paksociety.com

گزارہ کروں؟" ذکیہ بیگم اس کی پوری بات سن کر افسوس بھرے انداز میں بولیں۔
"یہ تو بہت برا کیا اس نے، مجھے سن کر ہی غصہ آرہا ہے تم پریشان نہیں ہو میں خود بات کروں گی اس سے اور راشن کی پریشانی تو ان چیزوں کی وجہ سے کچھ دنوں کے لیے ختم ہو ہی جائے گی۔" ذکیہ بیگم نے تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنا جملہ مکمل کیا۔ زارا نے آنسو بھری آنکھوں سے ایک نظر ذکیہ بیگم کے شفیق چہرے کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر آنکھیں صاف کرتے ہوئے ذکیہ بیگم کے لائے ہوئے سامان کی جانب بڑھ گئی۔ تھیلے میں سے ساری چیزیں باہر نکال کر دیکھیں، پھر ساری چیزیں دوبارہ تھیلے میں ڈال کر کچن کی طرف چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

کسی انسان کو دکھ دینا اتنا آسان ہے جتنا سمندر میں پتھر پھینکنا مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ پتھر کتنی گہرائی میں گیا ہو گا۔
فرزان بھی زارا سے لڑ جھگڑ کر گھر سے نکل تو آیا تھا مگر اسے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ اس سے زیادتی ہو گئی، وہ غلط کر آیا تھا لیکن وہ کیا کرتا اس کی آمدنی ہی کتنی تھی اور پھر گھر چلانا کوئی آسان کام تو تھا نہیں۔
اس وقت وہ یاسر کھاری، خلیل اور اچھو کے ہمراہ ایک زیر تعمیر ویران عمارت میں بیٹھا اپنا غم غلط کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ لیکن غم تو ہوتا ہی غلط ہے اتنا غلط کہ انسان کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان بکھر کر رہ جاتا ہے سب کچھ غلط ہوتا چلا جاتا ہے جو ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لیتا اور جو کچھ اس وقت وہاں ہو رہا تھا وہ بھی کچھ ٹھیک نہیں تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ فرزان اچھی طرح یہ بات جانتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب ٹھیک نہیں اسے اس بات کا احساس تھا جب اپنے آپ سے چمٹی غلاظت باس دینے لگے اپنی گندگی کا احساس ہو جائے تو یہ رب کائنات کی بہت بڑی کرم نوازی ہے، ہمارا تو المیہ ہی یہی ہے کہ ہم دوسروں میں کیڑے نکال کر خوش ہوتے ہیں، خود میں سے کتنا تعفن اٹھتا ہے کون سوچتا ہے، کسے احساس ہے؟ اگر فرزان کو یہ احساس تھا تو یہ بہت بڑی بات تھی لیکن اس وقت وہ اپنے اس احساس کے ہاتھوں شکست کھانے کے موڈ میں نہیں تھا وہ اس سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے کام جاری تھا۔ استاد اچھو سگریٹ کھول کر تمباکو ہتھیلی پر نکال چکا تھا پھر اس نے ماچس کی تیلی میں چرس پھنسا کر دوسری تیلی جلائی اور اسے گرم کرنے کے بعد ہتھیلی میں موجود تمباکو کے ساتھ مسل کر یکجان کرنے لگا۔ وہ پوری توجہ سے اپنے کام میں مشغول تھا اور فرزان بغور اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ استاد اچھو اب تمباکو کو دوبارہ سگریٹ میں بھر رہا تھا۔ پھر اس نے چند لمحوں میں تیار سگریٹ فرزان کی طرف بڑھائی تو اس نے سگریٹ اس کے ہاتھ سے لے کر ہونٹوں میں دبائی اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ استاد اچھو نے ماچس کی تیلی جلا کر آگے کی تو فرزان نے تھوڑا سا آگے جھک کر سگریٹ سلگالی۔ پھر ایک طویل کش لے کر پھیپھڑوں میں بھرے دھوئیں کو باہر نکالتے ہوئے بولا۔

پی کے جب ہم شراب آتے ہیں
وہ جہاں ہم رکاب آتے ہیں
صرف ایسے سوال کر یارب
جن کے ہم کو جواب آتے ہیں

"کیا ہو گیا یار....؟ ایک ہی کش میں سوال، جواب بھی شروع کر دیے۔" استاد اچھو نے حیرت بھرے انداز میں دریافت کیا تو یاسر اور کھاری کی ہنسی چھوٹ گئی پھر یاسر ہی بولا۔
"استاد اصل میں بے چارہ فرزان ابھی عادی نہیں ہوا نا یہ تو بس کبھی کبھی غم غلط کرنے کے لیے ہمارا ساتھ دیتا ہے۔"
"لگائے دم، مٹائے غم۔" کھاری کا نعرہ مستانہ بلند ہوا۔ فرزان نے باری باری تینوں کو گھور کر دیکھا اور پھر سگریٹ کا ایک اور کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے بولا۔

ہے اہرمن سے نا معلوم کیوں خفا یزداں
وہ کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ گیا ہو گا

ہم اور لوگ ہیں ہم سے بہت غرور نہ کر
کلیم تھا جو ترا ناز سہہ گیا ہو گا

خلیل دونوں ہاتھوں سے اپنے بال مٹھی میں جکڑتے ہوئے جھلاتے ہوئے بولا۔
"یار ایک تو ہر وقت اس پر مشکل مشکل شعر سنانے کا دورہ پڑا رہتا ہے اپنے پلے تو ایک لفظ نہیں پڑتا، پتا نہیں کہاں کہاں سیر کرتا ہے اور کیا کیا کہتا رہتا ہے۔ سدھر جا بھائی سدھر جا کہیں دماغ ہی نہ چل جائے تیرا۔"
"چل جائے؟" کھاری شرارتی انداز میں خلیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"تمہارا کیا مطلب ہے ابھی چلا نہیں؟" خلیل نے گھور کر کھاری کی طرف دیکھا پھر ایک طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔
"ہاں بھائی چل چلاؤ کا دور ہے ابھی دو دن پہلے ہی دیکھ لو کیا ہنگامہ ہو چکا ہے اس کی وجہ سے۔" استاد اچھو نے سرزنش کرنے کے انداز میں دونوں کو گھورا اور پھر کن انکھیوں سے فرزان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر کرب کے سے تاثرات تھے پھر فرزان ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

سسکیوں کے رتال پر ہیں آرزوئیں محو رقص
کس قدر ہے سوز میری زندگی کے ساز میں

اب اس کی نظریں خلیل کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اس نے ایک اور کش لگانے کے بعد سگریٹ استاد اچھو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"ہنگامہ؟ وہ ہنگامہ نہیں تھا یار بات اصول کی ہے دراصل، ہمارے یہاں مذہب کے ٹھیکیداروں نے خدا کی جو تصویر کشی کی ہے میں اس سے متفق ہی نہیں ہوں۔
ان کے مطابق خدا بہت زود رنج، جابر اور بات بات پر غصہ کرنے والا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک بے آواز لاٹھی ہے جسے وہ ہمہ وقت گھماتا رہتا ہے یا پھر گناہ گاروں کو گردن سے پکڑ کر جہنم میں جھونکتا رہتا ہے۔
میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سینے پر ایسی کوئی تصویر نقش نہیں ہو سکی جو بچپن سے ہر مسلمان کے ذہن و دل پر نقش کر دی جاتی ہے۔ میری نظر میں تو اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جسے اپنی بھیڑوں سے شدید محبت ہوتی ہے۔"
استاد اچھو نے ایک نظر خلیل پر ڈالی اور پھر فرزان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
"بھونکنے والے کتے ہر جگہ پائے جاتے ہیں اگر اس دنیا میں سانس لینا ہے تو ان کی آواز پر کان مت دھرو۔"
اس کی بات سن کر خلیل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
"کیا مطلب ہے استاد؟ میں تمہیں کتا نظر آرہا ہوں؟" خلیل تنک کر بولا۔
استاد اچھو ملامتی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تحمل سے بولا۔
"نہیں، میں تو اس کے سفر کی بات کر رہا ہوں۔"
"سفر.... کون سا سفر؟ یہ کیا سیالکوٹ جا رہا ہے؟ جو سفر کی بات کر رہے ہو؟" خلیل کے انداز میں تلخی تھی ٹھیک اسی وقت بیرونی سمت کھٹکا سا سنائی دیا تو سب لوگ چونک کر ادھر متوجہ ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

تالیوں کے بے پناہ شور میں پوری ٹیم اسٹیج سے اتر کر رخصت ہوئی تو اذان نے تفاخر سے تماشائیوں کو دیکھا۔ بھلے ہی اذان کا اس ڈرامے میں کوئی کردار نہیں تھا لیکن تحریر اس کی تھی، ڈائریکشن اس کی تھی لہٰذا وہ پلے کی اس شاندار کامیابی اور پذیرائی پہ خوش تھا تو کچھ ایسی غلط بات بھی نہ تھی۔
اذان نے ارد گرد نظریں گھما کر دیکھا تو بچوں کے ساتھ ساتھ ان کے والدین، ٹیچرز سب ابھی تک پورے جوش و خروش کے ساتھ تالیاں بجا رہے تھے اور اذان دیکھ چکا تھا کہ پرفارمنس کے دوران بھی مختلف سینز پر بے تحاشا تالیاں بجائی گئی تھیں

www.paksociety.com

کامیڈی سچویشنز پر بچے اور بڑے سب ہی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور مجموعی طور پر یہ ساری صورت حال اذان کے لیے تسلی بخش اور گہرے اطمینان کا باعث تھی۔ ٹھیک اسی وقت اقبال صاحب کی آواز اذان کی سماعتوں سے ٹکرائی جو مائیک ہاتھ میں لیے اسٹیج پر موجود تھے اذان سنبھل کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا اقبال صاحب کہہ رہے تھے۔

"عزیز طلبا و طالبات معزز اساتذہ کرام اور محترم والدین آج کا یہ خوب صورت رنگا رنگ پروگرام آپ کی خدمت میں پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی جانب سے پیش کیا گیا جو یقیناً" آپ کو پسند آیا ہو گا ہماری خواہش اور ہمارا مشن یہی ہے کہ ارض پاک کا بچہ بچہ زیور تعلیم سے آراستہ ہو اور ہم مستقبل کے ہیروز تخلیق کر سکیں 'ان بچوں کا مستقبل تعمیر کر سکیں اس جدوجہد میں آپ ہمارا ساتھ دیجیے اور تعلیم کی اہمیت کو سمجھیے۔ میں آپ سب کو بتانا چاہوں گا کہ آج کا یہ خوب صورت کھیل جو اس سلسلے کی ایک کڑی ہے آپ کے لیے آپ ہی کے ساتھی نوجوان شاعر و ادیب اذان فیضی صاحب نے تحریر کیا تھا اور اس کھیل کے ڈائریکٹر بھی وہی ہیں 'میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور اپنا انعام وصول کریں۔"

بے تحاشا تالیوں کی گونج میں چلتے ہوئے اذان اسٹیج پر پہنچا اور اقبال صاحب سے ہاتھ ملانے کے بعد ان کے ہاتھ میں تھما ہوا سفید لفافہ وصول کر لیا۔ اقبال صاحب گویا ہوئے۔

"حاضرین محفل! ہمارا یہ آج کا پہلا پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا لیکن آپ سب کو بتاتا چلوں کہ ایسے مزید کچھ اور پروگرام مختلف اسکولز میں کیے جائیں گے جو یقینی طور پر میرے محترم دوست اذان فیضی اور ان کا گروپ ہی کرے گا اب میں مائیک اذان فیضی کے حوالے کروں گا اگر وہ آپ لوگوں سے کچھ کہنا چاہیں تو میں آپ کے اور ان کے درمیان حائل نہیں رہوں گا۔"

اقبال صاحب نے مائیک اذان کے ہاتھ میں دیا اور تالیوں کی گونج میں واپس اپنی نشست پر جا بیٹھے۔ شور کچھ تھما تو اذان نے کھنکھار کر جیسے گلا صاف کیا پھر اس کی آواز بلند ہوئی۔

"آپ سب کی پسندیدگی اور محبتوں پر میں آپ کا بے پناہ شکر گزار ہوں 'یہ تو آپ سب جانتے ہی ہیں کہ اکیلا بندہ کبھی کچھ نہیں کر سکتا یہ ہمارا ٹیم ورک تھا اور مجھے فخر ہے کہ میرے ہر ساتھی نے اپنا کام پوری محنت 'دیانت داری اور خوش اسلوبی سے کیا۔ آج کا یہ صلہ جسے آپ سب نے پسندیدگی کا اعزاز بخشا اسے اس قابل بنانے میں میرے تمام ساتھیوں کا بھرپور کردار ہے۔ میں چاہوں گا کہ اپنے تمام ساتھیوں کا آپ سے تعارف کرواؤں۔"

اذان نے چند لمحے رک کر گھڑی کی طرف دیکھا اور مطمئن ہو گیا اسے اندازہ ہو گیا کہ اتنے وقت میں تمام ساتھی پراپس اور گیٹ اپ سے آزادی حاصل کر کے اپنی اصل جون میں آچکے ہوں گے 'وہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔

"سب سے پہلے میں دعوت دوں گا اپنے اس دوست کو جو ابھی آپ کے سامنے تہبند باندھے سر پر بڑا سا پگڑ باندھے ہاتھ میں ڈانگ پکڑے اور آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے بطور دادا جی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا آپ سب کی تالیوں کی گونج میں تشریف لاتے ہیں 'عبداللہ۔"

اور گھونگریالے بالوں والا ایک خوب صورت سا نوجوان اسٹیج پر نمودار ہو گیا جسے دیکھ کر سب دنگ رہ گئے۔ کیونکہ پہلے جب سب نے اسے دیکھا تھا تو اس کے سارے بال یہاں تک کہ پلکیں اور بھنویں تک سفید تھیں وہ کپکپاتے ہوئے بات کر رہا تھا اور بات کرنے کے دوران اسے بار بار کھانسی کا دورہ پڑ رہا تھا لیکن اب ان کے سامنے ایک ہینڈسم اور ایکٹو جوان کھڑا تھا۔ دیکھنے والے حیرت سے پلکیں جھپکا رہے تھے اور اذان ان کی اس کیفیت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کیونکہ سب کا گیٹ اپ بھی اس نے

خود اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔

عبداللہ نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر سلام کیا اور بھاگتے ہوئے اسٹیج سے نیچے اتر گیا۔ پھر اذان نے شاہد کو اسٹیج پر بلایا جو ان کے سامنے ڈاکٹر کے روپ میں پیش ہوا تھا 'پھر نعیم خرم کو بلوایا گیا جو بطور ماسٹر جی پرفارمنس دے چکے تھے 'علی ولیکا اور ماہم بھی اسی طرح باری باری اسٹیج پر آئے اور سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر حاضرین کو سلام کر کے واپس اتر گئے پوری ٹیم کا تعارف کروانے کے بعد اذان کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اتر گیا۔

اسے اصل میں اقبال صاحب کا طریقہ پسند نہیں آیا تھا ان کا اسٹیج پر صرف اسے بلانا اور سارا کریڈٹ اس کے کھاتے میں ڈالنا اذان کو اچھا نہیں لگا تھا اور پھر کیا ضروری تھا کہ وہ لفافہ اسے اسٹیج پر بلا کر ہی دیا جاتا؟ وہ جانتا تھا کہ لفافے میں طے شدہ رقم پندرہ ہزار روپے ہی تھی لیکن اسے یہ انداز پسند نہیں آیا تھا بہرحال اپنی طرف سے اس نے اپنے ساتھیوں کی دلجوئی کی پوری کوشش کی تھی۔ وہ اسٹیج سے اترا اور پیچھے موجود اس کمرے میں داخل ہو گیا جسے عارضی طور پر ڈریسنگ روم کی شکل دی گئی تھی اور اب ان لوگوں کے کھانے کا انتظام بھی وہیں کیا گیا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا ٹھٹک کر رک گیا۔

اس نے دیکھا کہ ماہم کسی بات پر کھل کر ہنس رہی تھی۔

اذان کمرے میں داخل ہوا تو ایک نظر سب نے اس کی طرف دیکھا لیکن پھر سب آپس میں بات چیت کرنے لگے صرف ایک لمحے کے لیے ماہم سے بھی اس کی نظریں ٹکرائیں اور حسب معمول اذان کھو سا گیا لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکی کیونکہ ماہم دوبارہ شاہد سے باتیں کرنے لگی تھی جو قربان ہو جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور ماہم اسی سے باتیں کرتے ہوئے ہنس رہی تھی 'پھر اذان نے دیکھا کہ ماہم شاہد کو اپنا سیل نمبر بتا رہی ہے جو اس نے جیب سے پاکٹ ڈائری نکال کر جلدی سے نوٹ کیا ہے۔ اذان کو یہ سب کچھ بالکل اچھا نہیں لگا۔ لیکن اس نے اپنے چہرے پر ناپسندیدگی کا کوئی تاثر نہیں آنے دیا تھا۔ وہ خاموشی سے جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا پھر کچھ دیر کے بعد اذان نے کن انکھیوں سے ماہم کی طرف دیکھا تو اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا برداشت کرنا پڑا اب وہ پاکٹ ڈائری جیب میں ڈال رہا تھا اور یہ شاہد نہیں بلکہ نعیم تھا پتا نہیں کب شاہد کی جگہ نعیم وہاں آبیٹھا تھا اور اس نے کمال سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نعیم کو بھی اپنا نمبر نوٹ کروا دیا تھا۔ یہ سب کچھ اذان کا دل خراب کرنے کے لیے کافی تھا لیکن وہ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانا بخوبی جانتا تھا۔ اس نے خود پر قابو پائے رکھا اور بظاہر وہ لاتعلق بنا بیٹھا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد کھانا لگا تو ماہم کرسی کھسکا کر اس کے برابر آبیٹھی اذان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔ کھانا خاموشی سے ختم کیا گیا اور اس کے بعد وہ سب لوگ رخصت ہو کر گاڑیوں میں بیٹھے 'کچھ ہی دیر کے بعد ان کی گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی واپسی کا سفر طے کر رہی تھیں۔

اذان حسب معمول دائیں طرف اس سے آگے فہیم اور آخر پر ماہم بیٹھی ہوئی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر ماسٹر شوکت کا قبضہ تھا۔ سفر خاموشی سے جاری تھا اور گاڑی میں ایک عجیب سکوت سا چھایا ہوا تھا پھر اس کا احساس شاید سب سے پہلے ماسٹر شوکت کو ہی ہوا وہ پلٹ کر اذان کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"خیریت تو ہے اذان؟ اتنی خاموشی کیوں ہے؟" اذان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر ایک نظر ماہم کی طرف دیکھ کر بولا۔

عالم رنگ و بو کی وہی ہاؤ ہو
کوئی آتا رہا 'کوئی جاتا رہا

ہجر کے ہاتھ میں لوح محفوظ تھی
عشق لکھتا رہا وہ مٹاتا رہا

ماہم نے چونک کر اذان کی طرف دیکھا پھر بولی۔

"واہ واہ واہ کیا خوب صورت اشعار ہیں کس کے

www.Paksociety.com

ہیں؟" اذان نے سنجیدگی سے اس کا جائزہ لیا پھر بولا۔

"میرے ہیں۔" اور ماہم کی بڑی بڑی آنکھیں اس پر جم کر رہ گئیں پھر وہ بولی۔

"اچھا تو آپ شاعر بھی ہیں؟"

"لو کمال ہو گیا جی، مس ماہم! یہ نا صرف شاعر ہیں بلکہ صاحب کتاب شاعر ہیں چار کتابیں آ چکی ہیں اب تک ان کی۔" یہ آواز ماسٹر شوکت ہی کی تھی۔

"اچھا.... ویری گڈ۔" ماہم خوش ہو کر بولی۔

"آپ کو پتا ہے مجھے بھی شاعری کا بہت شوق ہے اور میں نے اب تک کافی کچھ لکھا ہے آپ جیسا تو نہیں ہو گا بہرحال لکھا ضرور ہے مطلب یہ کہ آپ سے تو کافی کچھ سیکھا جا سکتا ہے، کیوں فہیم بھائی؟" جملہ ختم کر کے اس نے تائیدی انداز میں فہیم کی طرف دیکھا لیکن فہیم نے صرف اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اچھا اذان صاحب! یہ بتائیے کہ شاعر کو شاعری کرنے کے لیے کسی نہ کسی حادثے، بے وفائی یا کسی دکھ کا سامنا کرنا ضروری ہوتا ہے کیا؟ اکثر یہی کہا جاتا ہے نا؟ آپ کا کیا خیال ہے۔" ماہم کے لہجے میں عجیب سا اشتیاق تھا شاید گفتگو کرنے کے لیے اسے اس کا من چاہا موضوع مل گیا تھا۔

اذان کچھ دیر تک اس کے چہرے پر نظریں جمائے رہا پھر بولا۔

"شاعر اپنے احساسات کو ہی شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے اور وہ کوئی بھی حادثہ، کسی کی بے وفائی یا کوئی بھی دکھ ہو سکتا ہے خوشی اور دکھ تو ہر انسان کے اندر ہوتے ہیں بس زندگی کے اتار چڑھاؤ میں کبھی ایک کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے تو کبھی دوسرے کا۔"

"چھوڑو یار ان باتوں کو کچھ سناؤ نا؟" ماسٹر شوکت نے فرمائش کی۔ اذان کی نظریں ایک لمحے کے لیے ماسٹر شوکت کے چہرے پر گئیں پھر فہیم کے چہرے پر سے پھسلتی ہوئی واپس ماہم کے چہرے پر آ رکیں۔ پھر وہ بولا

"مس ماہم ابھی دکھ کی بات ہو رہی تھی جلسے میں آپ کو اپنا دکھ ہی سنا دیتا ہوں۔" پھر اس کی آواز گاڑی میں گونجنے لگی۔

سانس در سانس پھیلتا ہوا دکھ
آگ ہی آگ، کھولتا ہوا دکھ
ضبط کی آخری حدوں پر ہے
میرے لہجے میں ناچتا ہوا دکھ
کرب ہجراں کے بعد کیا دے گا
اک اذیت ہے، سوچتا ہوا دکھ
سوچ در سوچ اک بھنور سا ہے
کشتی جاں ہے ڈولتا ہوا دکھ
اس کو دن رات ڈھونڈتا ہوا میں
مجھ کو دن رات کھوجتا ہوا دکھ
اس کے چہرے پہ پھیلتے ہوئے رنگ
میرے اندر ہے بولتا ہوا دکھ
اس طرف بال کھولتی ہوئی رات!
میری پلکوں پہ جھولتا ہوا دکھ
اک طرف نیند چومتی ہوئی آنکھ
اک طرف خواب نوچتا ہوا دکھ

اذان نے غزل ختم کی تو گاڑی واہ واہ کی صداؤں سے گونجنے لگی ماہم اور ماسٹر شوکت کے ساتھ ساتھ ڈرائیور بھی داد دے رہا تھا۔ نہیں بولا تھا تو فہیم، وہ ابھی بھی بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ اذان نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا تو اسے وہاں دھواں ہی دھواں پھیلا ہوا نظر آیا۔

پتا نہیں کیوں فہیم کے چہرے کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے شاید اسے ماہم کے ساتھ اذان کا بے تکلف ہونا پسند نہیں آیا تھا یا شاید کچھ اور وجہ رہی ہو لیکن کچھ تھا ضرور۔

"اب تو اذان صاحب کی شاگردی اختیار کرنی ہی پڑے گی، کیونکہ فہیم بھائی؟" ماہم کی آواز اذان کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے بے اختیار ماہم کی طرف دیکھا لیکن پھر فوراً ہی اس کی نظریں واپس فہیم کے چہرے پر پلٹ آئیں جو خاصی تلخی سے بولا تھا۔

"اذان جانے اور تم جانو، مجھے کیا پتا؟ مجھے تو معاف

ہی رکھو۔" ماہم نے بھی چونک کر فہیم کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔ پھر باقی راستہ مکمل خاموشی رہی اور گاڑی کی اندرونی فضا پر ایک بوجھل سکوت سا چھایا رہا۔ گاڑیاں سائنٹفک انسٹیٹیوٹ کے گیٹ پر رکی تھیں اور پھر باری باری سب اندر داخل ہو گئے۔

آفس میں پہنچ کر سب لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے تو اذان نے سب کے چہروں کا جائزہ لیا سوائے فہیم کے کوئی بھی "بدمزا" نظر نہیں آ رہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت ماہم اٹھی اور بولی۔

"ٹھیک ہے فہیم بھائی میں چلتی ہوں۔" پھر جاتے جاتے مڑ کر اذان سے مخاطب ہوئی۔

"اذان صاحب! کل تو پروگرام نہیں ہے نا؟" اذان نے نفی میں گردن ہلائی تو وہ بولی۔

"ٹھیک ہے میں پرسوں آ جاؤں گی۔"

"مگر مس ماہم کل ریہرسل بھی ہو گی۔" اذان نے جیسے اسے یاد دلایا۔ اس نے اذان کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پراعتماد انداز میں کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں آپ کو شکایت نہیں ہو گی، میں کر لوں گی۔" پھر وہ پلٹی اور پراعتماد انداز میں چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اذان نے ایک طویل سانس لی اور پھر جیب میں سے اقبال کا دیا ہوا لفافہ نکال لیا۔ پھر اس نے ہزار ہزار روپے سب کو دیے جسے سب نے قبول کر لیا جن میں فہیم بھی شامل تھا۔ پھر اذان نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یار ماہم چلی گئی، اس کے پیسوں کا کیا کریں؟"

"مجھے دے دو پہنچ جائیں گے اس تک۔" فہیم نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تو اذان نے ہزار روپے کا ایک اور نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ فہیم نے نوٹ پکڑتے ہوئے اذان کی طرف دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ملنے دو ذرا اس سے طبیعت صاف کرتا ہوں اس کی بھی۔" فہیم کا لہجہ بدستور تلخ تھا۔ اذان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"کیوں کیا کر دیا اس نے؟"

"بس، بس رہنے دو تم بھی۔"

"یار ہوا کیا آخر کچھ پتا تو چلے؟" اذان کے لہجے میں بدستور حیرت تھی۔ فہیم نے تیکھی نظروں سے اسے گھورا اور بولا۔

"محنت کرنے والے ہم، اسے یہاں تک لانے والے ہم لیکن آپ ہو گئے "اذان صاحب" اور ہم ہو گئے "فہیم بھائی" بتاؤ یار گل بنتی ہے؟"

☆ ☆ ☆

"تمہارا ابھی تک سوگ ختم نہیں ہوا۔" فیضی صاحب نے لقمہ منہ میں لے جاتے ہوئے رک کر ذکیہ بیگم کو دیکھا اور سرد انداز میں پوچھا۔

"اللہ نہ کرے، سوگ کس بات کا.... آپ بھی نا.... بلا سوچے سمجھے جو منہ میں آتا ہے بول دیتے ہیں۔" ذکیہ بیگم جو پلیٹ پر نظریں جمائے بیٹھی تھیں۔ فیضی صاحب کی بات پر دہل کر بولیں۔

"تو کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟ اتنی دیر سے لیے بیٹھی سوچوں میں گم ہو! چہرے پہ اتنی سوگواری ہے جیسے....."

"بس.... بس اب کچھ الٹا سیدھا بولنے کی ضرورت نہیں۔" ذکیہ بیگم نے اب کے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اسی بات کا تو افسوس ہے کہ میری صحیح باتیں تمہیں غلط لگتی ہیں۔ خیر بتاؤ اتنی دیر سے کیا سوچ رہی ہو۔" فیضی صاحب نے پلیٹ آگے کھسکا دی۔

وہ ابھی عشا کی نماز پڑھ کے آئے تھے برسوں سے اس گھر کا یہ ہی معمول تھا عشا کی نماز کے بعد کھانا کھا کے سب ہی سو جاتے تھے۔ ایک واحد فرزان تھا جس نے اس گھر کے ہر اصول کو توڑا تھا مگر ذکیہ بیگم ہمیشہ اس کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو فیضی صاحب سے چھپا لیتی تھیں۔ اذان سے انہیں کسی بھی قسم کی کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔ وہ معمول کے مطابق صبح اپنی دکان پر جاتا، شام کو ٹائم پر گھر آتا اور پھر لکھنے اور پڑھنے میں مصروف ہو جاتا۔ ایم اے کے بعد اس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کی دلچسپی گھریلو معاملات

www.Paksociety.com

میں برائے نام ہی تھی۔ البتہ زارا کی وجہ سے گھر میں رونق کا احساس ہوتا تھا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد گھر کا سناٹا بہت بڑھ گیا تھا۔

"وہ آج جب میں بازار گئی تو وہاں زارا ملی تھی۔ کچھ سودا سلف لے رہی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا وہ بہت پریشان ہے اس بچی کا کیا قصور...... فرزان کے کیے کی سزا اسے کیوں دی جائے۔"

"سزا.... کیا مطلب ہے تمہارا۔ یہ جو میں نے کیا ہے سزا ہے۔ اگر اولاد کو کوئی نصیحت کی جائے' اسے اچھے برے کی تمیز سکھائی جائے تو یہ سزا ہے۔" فیضی صاحب خفگی سے بولے۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں مانتی ہوں اس نے غلطی کی ہے۔ مگر اچھائی' برائی تو ہر شخص میں ہوتی ہے' سنبھل جائے گا آہستہ آہستہ......"

"کب.... جب وقت نہیں رہے گا' دیکھو بیگم اگر برائی غلطی کے باعث ہے تو یہ غلطی بے خبری یا جہالت کا باعث ہے' فرزان جاہل نہیں' پڑھا لکھا' سمجھ دار بلکہ کچھ زیادہ ہی سمجھ دار ہے۔ اگر وہ کوئی غلطی یا جہالت کا مظاہرہ کررہا ہے تو ضروری ہے کہ اس کو اس کا احساس دلایا جائے۔ غلطی اگر جان بوجھ کر کی جائے تو اس کی سزا ہے اور یہ سزا غلطی کرنے والے کو تکلیف پہنچانے کی وجہ سے نہیں دی جاتی۔ بلکہ اسے غلطی سے روکنے یا باز رکھنے کے لیے دی جاتی ہے۔ مجھے بھی یہ ہی درست طریقہ نظر آیا تھا کہ وہ سنبھل جائے۔"

"آپ کی تمام باتیں درست ہیں۔ مگر میں جانتی ہوں آپ ضدی ہیں تو وہ بھی آپ کا بیٹا ہے اور اس ضد و انا کی جنگ میں ہم ماں' بہو' پس رہے ہیں.... آپ ہی بتائیں وہ دونوں پریشان ہوں تو میرے حلق سے کھانا کیسے اتر سکتا ہے۔" ذکیہ بیگم روہانسی ہوگئیں۔ انہیں اداس دیکھ کر فیضی صاحب کچھ سخت کہنے سے رک گئے اور نرمی سے بولے۔

"فرزان جوان' توانا ہے' زمین پر پیر مارے تو پانی نکل آئے۔ نیا گلشن بنانے کے لیے مصیبتوں کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ زندگی کا کوئی تو مقصد ہو' بغیر مقصد تو جانور جیتے ہیں۔ درخت وہی اچھا جو پھل دے' چلو پھل نہ دے سایہ تو دے۔ ٹنڈ منڈ شاخیں صرف آگ لگانے کے ہی کام آتی ہیں۔"

ذکیہ بیگم بغور ان کی باتیں سن رہی تھیں اور قائل بھی ہو رہی تھیں مگر اس دل کا کیا کرتیں جو ممتا سے مجبور تھا لہٰذا اس بار ذرا لجاجت سے بولیں۔

"آپ کی ساری باتیں ٹھیک ہیں مگر......"

"جب مجھ سے متفق ہو تو پھر یہ اگر مگر کیوں......؟"

"وہ میں چاہ رہی تھی کہ اس کے گھر کچھ سامان وغیرہ بھجوادوں' خالی ہاتھ تو یہاں سے گیا ہے اور اسے پروا بھی کہاں ہوتی ہے سامان لانے' کھانے پکانے کی چیزوں کی۔ زارا نے بتایا تو نہیں مگر میں سوچ رہی تھی۔"

ذکیہ بیگم نے نظریں چراتے لڑکھڑاتی زبان میں مدعا بیان کیا وہ جانتی تھیں فیضی صاحب کو پتا چل گیا کہ وہ سامان دے کر آئی ہیں اور تو سخت ناراض ہوں گے اور یہی تو ہوا وہ جو کچھ نرم پڑ گئے تھے پھر سخت لہجے میں بولے۔

"تم اسے اپاہج بنا رہی ہو۔ اگر اسی طرح اس کی امداد کرتی رہیں تو وہ دوسروں کی ہی مدد کا منتظر رہے گا۔ خود کچھ نہیں کرے گا۔"

"کر تو رہا تھا۔ اب اس کے پاس الہ دین کا چراغ تو ہے نہیں کہ رگڑ کر راتوں رات امیر ہو جائے۔" ذکیہ بیگم اس بار خفگی سے بولیں۔

"تمہاری آنکھوں پر اس وقت ممتا کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اس لیے تمہیں ابھی احساس نہیں ہوگا۔ اس کا انداز دیکھا تھا.... بات صرف دولت کمانے کی نہیں تھی۔ اس کے اوباش دوستوں کی تھی۔ اس نے تمہیں' مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ مگر دوستوں سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی' اچھا خاصا پڑھتے پڑھتے تعلیم چھوڑدی۔ بی اے کے بعد بجائے اس کے کہ آگے تعلیم حاصل کرتا کوئی ہنر سیکھتا شادی کی رٹ لگادی ہم نے اس کی یہ خواہش بھی پوری کردی مگر کسی کی بچی کو لا کر اس نے کیا سلوک کیا۔ دیکھا نہیں تم نے' اپنے اوباش دوستوں کے لیے وہ سب کچھ چھوڑنے پہ راضی ہوگیا۔ اس اشرف سے محبت نبھانے کی خاطر اس نے اسی کا پیشہ اختیار کرلیا۔

یہ جست کی پیٹیاں بنا کر اس کے کون سے ذوق کی تسکین ہوتی ہے صرف اس بات کی کہ وہاں وہ سارے ان پڑھ لڑکے اس کو اندھوں میں کانا راجہ والی اہمیت دیتے ہیں اور اس سے وہ سب کرواتے ہیں جو کسی بھی شریف انسان کے کرنے کے کام نہیں پھر تم کہتی ہو کہ سزا نہ دوں۔

وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں اپنے کیے پر حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم ہے "شرمندگی بھی ایک طرح کی توبہ ہے۔" اللہ کا واسطہ ہے تمہیں اسے توبہ کرنے دو' سدھرنے دو۔" اس بار ذکیہ بیگم کچھ نہیں بولیں۔

"آج کے بعد تم فرزان کے لیے مجھ سے کچھ نہیں کہو گی۔" پھر انہوں نے اٹھتے ہوئے باہر نکلنے سے پہلے ذکیہ بیگم کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھیں تو دوبارہ بولے۔

"میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں کل لاہور جا رہا ہوں کچھ دنوں کے لیے میرا بیگ تیار کردو۔"

"لاہور...... خیریت؟" ذکیہ بیگم چونک گئیں۔

"ہاں لاہور سے پروین کا فون آیا تھا۔ اس کے شوہر کی طبیعت خراب ہے۔ اس کے علاوہ کچھ معاملات میں اسے مجھ سے مشورہ لینا ہے۔ اس لیے جا رہا ہوں۔"

ذکیہ بیگم نے اس بار غور سے شوہر کی طرف دیکھا وہ جب سے اس گھر میں بیاہ کر آئی تھیں شوہر نے انہیں کبھی کسی طرح کی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ انتہائی مہذب پروقار اور محبت کرنے والی شخصیت تھے طبیعت میں سادگی اور انکساری تھی غریب پرور تھے ہر ایک کے دکھ درد میں کام آنے والے محنت سے جو کچھ کماتے لاکر بیوی کے ہاتھ میں رکھ دیتے رزق حلال کی تگ و دو میں وہ اپنے حقیقی مالک کو نہیں بھولے اور نہ ہی اس فکر معاش میں وہ اپنی اولاد کی طرف سے غافل ہوئے تھے۔ دونوں بیٹوں کو پڑھایا لکھایا اچھی تربیت کی مگر کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی اس کا اندازہ فرزان کو دیکھ کر ہوتا تھا...... پہلے تو وہ نرمی سے اسے سرزنش کرتے رہے تھے مگر اب تو حد ہی ہوگئی تھی محلے سے شکایات آئیں تو انہیں احساس ہوا کہ اب بھی وقت ہے اس کی اصلاح کرنے کا اور یہ ہی سوچ کر انہوں نے اسے گھر سے جانے کا حکم دے دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آؤ کہ میکدے کو سپرد خدا کریں
کچھ شیخ آگئے ہیں' شرابوں کے درمیاں

پیروں میں پشاوری چپل' کھلے کھلے پائنچوں کی شلوار' اس کے اوپر قمیص اور اس سے اوپر اس کی مخصوص وضع یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ آنے والا پٹھان ہے۔ سبھی حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے لیکن اگر وہ ان کی حیرت بھری نظروں سے پریشان ہوئے بغیر بڑے آرام سے آکر ان کے قریب زمین پر پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔ پھر فرزان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ننگے شئے؟" فرزان جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ گویا ہوا۔

"شئے' جوڑے تگڑے۔ اور خاناں ادھر کیسے؟"

"او منڑاں' ام ادھر تمہارا کارخانہ گیا تھا دیکھا تم لوگ ادھر نہیں تھا' ام سمجھ گیا کہ تم ادھر ہی ہو سکتا ہے' بس ام ادھر آگیا۔" فرزان کی نظریں اٹھیں اور اپنے ساتھیوں کے چہروں کا طواف کرنے لگیں شاید سب کو ہی محبوب خان کا اس طرح وہاں چلے آنا ناگوار گزرا تھا۔ محبوب خان جلال زئی قبیلے کا فرد تھا اور لنڈی کوتل سے تعلق رکھتا تھا' محبوب خان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس وقت وہ جس عمارت میں موجود ہیں وہ فرزان کی ورکشاپ کے بالکل قریب اور ورکشاپ کے مالک شیخ صدیق ہی کی ملکیت ہے جو تعمیر ہوتے ہوتے نامعلوم کن وجوہات کی بنا پر روک دی گئی تھی اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ لوگ فراغت کے وقت اکثر یہاں آکر بیٹھتے تھے۔

محبوب خان کی فرزان سے علیک سلیک چائے والے رانا صاحب کے ہاں اس وقت ہوئی تھی جب وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ وہاں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور محبوب خان ان سے پہلے ہی وہاں پر موجود چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک موبائل پر ایک میسج ریسیو ہونے پر فرزان نے با آواز بلند وہ میسج اپنے دوستوں کو سنایا' سب کھل کر ہنسے تھے لیکن محبوب خان پر نظر پڑی تو فرزان قدرے شرمندہ سا ہو گیا کیونکہ موبائل پر ایک جوک موصول ہوا تھا جو پٹھان سے متعلق تھا اور وہ اس بات سے بے خبر تھا ایک پٹھان ان کے قریب ہی موجود تھا۔ فرزان نے خجالت مٹانے کے لیے اسے مخاطب کیا۔

"خان صاحب! موبائل پر پٹھانوں سے متعلق اتنے بے تحاشا جوک آتے ہیں آخر کیوں؟"

"منڑاں اس لیے کہ پٹھان..... ہمیشہ بعد میں سوچتے ہیں۔" اس نے پٹھان کے ساتھ ایک فحش گالی جوڑتے ہوئے کہا لیکن پھر شاید اسے اس کا احساس ہو گیا تو وہ شرمندہ سے انداز میں بولا۔

"ام بھی بعد میں سوچتا ہے۔" فرزان کو اس کا یہ بے ساختہ انداز اور پھر فوری اعتراف اچھا لگا سو اسی دن سے محبوب خان سے اس کی ہلکی پھلکی سی دوستی ہو گئی جس کے بعد وہ اکثر اس سے ملنے کے لیے ورکشاپ کا چکر لگا لیا کرتا تھا اور اس کے باقی ساتھی بھی اسے بطور محبوب خان اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن اس وقت اس کی یوں دخل در نا معقولات شاید کسی کو بھی اچھی نہیں لگی تھی' لیکن ظاہر ہے کہ اب وہ آ گیا تھا تو کیا کہہ سکتے تھے۔ پھر فرزان ہی نے خاموشی کا سینہ چاک کیا۔

"خاناں وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن خیریت تو ہے نا؟"

"او منڑاں خیریت میریت کو چھوڑو ام تو ادھر یاری لگانے آیا ہے ام کو بھی یاری لگواؤ' وہ منڑاں بات یہ ہے کہ امارا مہمان آ گیا تھا۔ اس لیے امارا سامان اس مرتبہ جلدی ختم ہو گیا ابی ام کل جائے گا تو اور سامان لائے گا۔" محبوب خان نے اطمینان سے جواب دیا۔

ادھ جلی سگریٹ جو اس وقت خلیل کے ہاتھ میں تھی اس نے ایک نظر فرزان کی طرف دیکھتے ہوئے محبوب کی طرف بڑھا دی۔ محبوب خان نے سگریٹ پکڑی اور پھر ایک لمبا کش لیا لیکن دوسری ہی لمحے اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

"احتیاط سے خان' احتیاط سے' خالص مال ہے یہ" کھاری کی طنزیہ آواز بلند ہوئی۔

"منڑاں رہنے دو' خالص مال یوں گلا نہیں پکڑتا تمہارا یہ خالص مال تو ام مجبوری میں استعمال کر رہا ہے کیونکہ ہمارا "سامان" ختم ہو گیا ہے ابھی ہم لائے گا تو تم کو چکھائے گا کہ خالص مال کیا ہوتا ہے؟" محبوب خان نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا اس کے ساتھ ہی اس نے ایک اور کش لگایا تھا لیکن اس مرتبہ اسے کھانسی نہیں ہوئی تھی۔

"خان ایسی بات نہیں ہے یہ ندیم خان کا مال ہے اور ندیم خان ہمیشہ ایک نمبر مال لاتا ہے۔" اس بار خلیل نے کھاری کی وکالت کی تھی۔

"منڑاں ایک نمبر مال ندیم تو کیا اس کے باپ نے بھی نہیں دیکھا ہو گا ادھر جو ایک نمبر مال ہوتا ہے نا یہ ہمارا ترپ سات اور آٹھ نمبر کا مال ہوتا ہے' لنڈی کوتل کا خشک گردہ' چترال کا شیرا' درہ کا چرس' یہ ندیم خان نے کدھر دیکھا ہو گا؟ یہ کچھ خاص جگھوں پر ہی پایا جاتا ہے ہر بندے کو نہیں ملتا۔" محبوب خان کو بھی جوش ہی آ گیا تھا۔

فرزان جواب پوری توجہ اور دلچسپی سے اس کی بات سن رہا تھا گویا ہوا۔

"خاناں یہ بات تو تم ٹھیک کہتا ہے اصل میں تمہارے علاقے آزاد علاقے ہیں وہاں تو پوست اور بھنگ کی باقاعدہ سے آزادانہ کاشت کی جاتی ہے ہمارے یہاں تو قانون ہے اس وجہ سے ہم لوگ یہ سب نہیں کر سکتے۔"

"ہاں ہاں ام جانتا ہے تمہارا سب قانون مانون امارا علاقہ میں یہ قانون نہیں ہے وہاں امارا اپنا قانون ہے جو تمہارا قانون سے لاکھ درجہ اچھا ہے ام لوگ ملاوٹ

نہیں کرتا تمہارا لوگ ادھر سے مال لاتا ہے پھر اس میں مہندی اور پھر کچھ دوسرے کیمیکل کی ملاوٹ کرتا ہے پھر آگے بیچتا ہے ادھر سے بیس ہزار کا کلو اٹھاتا ہے لیکن جو پیور مال ہے وہ پینتیس ہزار روپے کلو سے کم میں نہیں آتا وہ مال بڑا بڑا بزنس مین' سیاستدان اور ـــــ" محبوب خان جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے بولا۔

"بس بس! امارا منہ نہیں کھلواؤ۔"

"خاناں سنا ہے کہ ادھر اسلحہ بھی عام ملتا ہے' جعلی کرنسی کا کام بھی ہوتا ہے تمہارے علاقے میں۔" فرزان نے سوالیہ نظروں سے محبوب خان کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں منڑاں اسلحہ تو ادھر بچہ بچہ لے کر گھومتا ہے ہر چیز ملتا ہے نوٹ موٹ کا کام بھی ہے ادھر سب کام ہوتا ہے تم نے ٹھیک سنا اے۔" محبوب خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا خان ادھر سے کوئی مال شال منگوانا ہو تو کیا ہم منگوا سکتے ہیں؟" فرزان کے لہجے میں اشتیاق تھا۔ محبوب خان نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"منڑاں ہم ایسا کام نہیں کرتا اے' ادھر سے جو مال لاتا ہے وہ "کرایہ کش" کہلاتا ہے جن لوگوں نے مال منگوانا ہوتا اے وہ ان سے کرایہ طے کرتا ہے اور جس شہر میں مال چاہیے ہوتا ہے اس کو وہیں مل جاتا ہے ام شریف آدمی ہے ام ایسا کام نہیں کرتا اے۔" محبوب خان نے جملہ مکمل کیا اور اٹھ کر باہر کی سمت چل دیا۔ فرزان پر خیال انداز میں اس کی پشت پر نظریں جمائے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد پلٹ کر استاد اچھو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

پوشیدہ ہے جس مٹی میں آدم کا فسانہ
ہوتی ہے شروع میری کہانی بھی وہیں سے

جنت کے نظاروں کی طرف لوٹ کے آجا
آتی ہے یہ آواز مجھے' عرش بریں سے

☼ ☼ ☼

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب
عمران ڈائجسٹ
Emaie: id@khawateendigest.com
راجکماری
داسی
فولاد
کوڑھی خانہ
نسخہ حسب ضرورت
زہریلا آدمی
بارہ بجے
جولی کیسکان
پھوجا پھڈے باز
گوندنی
غبار خاموشی
منزل مراد
2012 کا تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

www.Paksociety.com

پروگرام جاری تھا اور غضنفر ولیکا اسٹیج پر آیا تھا جسے دیکھتے ہی سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے تھے اس کا گیٹ اپ ہی ایسا تھا کہ جسے دیکھ کر بے اختیار ہنسی آ جاتی تھی اوپر سے اس کے فیس ایکسپریشن سونے پہ سہاگہ کا کام کرتے تھے۔ خوب تالیاں بج رہی تھیں لیکن آج اذان کو خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی اس پر ایک عجیب سی بے چینی سوار تھی جسے وہ کوئی معنی پہنانے سے قاصر تھا۔ بار بار اسے فہیم کے الفاظ یاد آ رہے تھے جو صرف اس بات پر ناراض ہو گیا تھا کہ ماہم نے اسے بھائی کیوں کہا؟ اذان کے جی میں تو آیا کہہ دے "یار تم شکل سے ہی "بھائی جان" لگتے ہو تو اس میں میرا کیا قصور؟" لیکن اس نے کہا نہیں بلکہ اس نے وضاحت پیش کی۔

"یار میں بھی تمہارے ساتھ ہی بیٹھا تھا میں نے اس سے کب کہا کہ مجھے "صاحب" کہو اور فہیم کو "بھائی"" جو کچھ بھی اس نے کہا تمہارے سامنے کہا اور خود کہا اگر وہ اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بے اختیار تمہیں بھائی کہہ دیتی ہے تو اس میں میری کیا غلطی ہے؟ مجھ سے تمہارا موڈ کیوں خراب ہے؟"

لیکن جو اس بات کا جواب دیتا وہ فہیم ہی کیا؟ اذان سخت بدمزا ہوا لیکن اس نے صبر سے کام لیا اور ہر ممکن حد تک تلخی سے اجتناب کیا تھا۔

پروگرام کے بعد حسب معمول کھانا کھایا گیا اور پھر وہ لوگ گاڑیوں میں بیٹھ کر واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے دوسرا پروگرام بھی پوری خوش اسلوبی سے اپنے انجام کو پہنچا تھا اور اب ایک دن چھوڑ کر اس سے اگلے دن انہوں نے ایک اور اسکول میں پرفارمنس دینی تھی۔ برانڈ نیو ایکسل آئی میں ان لوگوں کی ترتیب آج بھی اسی انداز میں تھی کہ ماہم اور اذان فہیم کے دائیں بائیں بیٹھے تھے اور فہیم درمیان میں دیوار بنا بیٹھا تھا اذان کو لگتا تھا کہ اس کے اور ماہم کے بیچ محاورتاً "نہیں بلکہ حقیقتاً" فہیم ظالم سماج کا کردار ادا کر رہا تھا لیکن ظاہر ہے اذان کے پاس اس کا کوئی حل نہیں تھا وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ماہم رہتی کہاں ہے؟ اس کی مصروفیات کیا ہیں؟ ساتھی لڑکوں نے بے شک اس سے فری ہونے کی کوشش کی تھی اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے تھے کیونکہ ماہم نے تقریباً" ہر اس لڑکے کو اپنا نمبر دیا تھا جس نے اس سے مانگا تھا اس دوران اس کی سوالیہ نظریں بار بار اذان پر بھی آ کر ٹھہری تھیں لیکن ظاہر ہے کہ اذان تو ان لڑکوں میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا اپنا ایک مزاج تھا اگر وہ بھی سطحی انداز میں ان سب کی طرح لائن میں لگ کر اس سے نمبر طلب کرتا تو پھر ان لڑکوں میں اور اس میں فرق ہی کیا رہ جاتا۔

وہ خیالات کے گہرے سمندر میں غوطہ زن تھا کہ کسی نے گردن سے پکڑ کر اسے باہر کھینچا اور ساحل پر لا پٹخا اور یقیناً" ایسا کرنے والی آواز ماہم کے علاوہ اور کسی کی نہ تھی! وہ کہہ رہی تھی۔

"اذان صاحب! آج میں اپنی ڈائری ساتھ لائی تھی اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ سناؤں؟" فرنٹ سیٹ سے فوراً" ہی آواز آئی۔

"ارشاد' ارشاد۔" جو بلاشبہ ماسٹر شوکت ہی کی تھی' اذان نے فہیم کے چہرے پر نظریں دوڑائیں تو وہاں گہرا سکوت طاری تھا اور اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھ کر کسی قسم کا کوئی اندازہ قائم کرنا خاصا مشکل کام تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر ماہم کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جی سنائیے کیا سنا رہی ہیں؟" ماہم ڈائری کھول کر کچھ لمحے ورق گردانی کرتی رہی پھر بولی۔

"یہ ایک نظم ہے' عنوان ہے عہد۔"

"واہ' واہ' خوب صورت عنوان ہے۔" ماسٹر شوکت کی آواز بلند ہوئی۔

"شکریہ۔" ماہم نے شکریہ ادا کیا اور نظم کا آغاز کیا۔

میں نے تم سے یہ عہد وفا کر لیا
صرف تیرا تصرف مری ذات پر
نام تیرا مگر
اب نہ لوں گی کبھی

اب تری ذات سے
نہ ملوں گی کبھی
پر یہ وعدہ رہا جان جاناں مرا
روز محشر مگر
اس خدائے حقیقی کے دربار میں
اس محبت کے بانی کی سرکار میں
تم کہو گے یہی
صرف میرے ہو تم!
صرف میرے ہو تم!

ماسٹر شوکت کی بے تحاشا واہ واہ کے بعد اذان بولا۔

"اچھی نظم ہے مس ماہم! آپ اچھی شاعری کر سکتی ہیں کوشش جاری رکھیں۔" ماہم نے نظر بھر کر اذان کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

"لیکن میں صرف اچھی نہیں بلکہ بہت اچھی شاعری کرنا چاہتی ہوں۔" ابھی اذان کوئی جواب بھی نہیں دے پایا تھا کہ گاڑی ایک دھچکے سے رکی اذان کی نظریں اٹھیں تو سامنے ہی سائنٹفک انسٹی ٹیوٹ کا گیٹ نظر آ رہا تھا اذان دروازہ کھول کر اترتے ہوئے بولا۔

"آپ بہت اچھی شاعری کرتی ہیں مس ماہم۔" اور ماہم کی خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے حسن کو اور دلکش بنا دیا تھا۔

گاڑی سے اتر کر سب ہی تیزی سے اندر کی طرف بڑھے اذان بھی مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ سارے ساتھی انسٹیٹیوٹ آ کر ہی اپنے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ پہلے کچھ دیر بیٹھ کر آج کے پروگرام پر تبصرہ کیا جاتا ہر شخص اپنی رائے دیتا پھر چائے وغیرہ پی کر سب اپنے گھروں کا قصد کرتے۔ اب بھی اذان اندر آ کر سب کے تبصرے اور تنقید سن کر بظاہر مسکرا رہا تھا مگر اس کی متلاشی نظریں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ سب ہی تھے مگر ماہم نظر نہیں آ رہی تھی۔

غضنفر ولیکا کی کسی بات پر بہت زوردار قہقہہ پڑا تھا۔ اذان نے غائب دماغی سے ان سب کی طرف دیکھا فہیم جو اس کی غیر حاضر دماغی کو بہت دیر سے نوٹ کر رہا تھا اور شاید اس کی بے چینی محسوس کر کے لطف بھی لے رہا تھا گویا ہوا۔

"کیا ہوا اذان کہاں گم ہو؟"

"نہیں ...... یہیں ہوں ...... ہاں کیا کہہ رہے تھے تم؟"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ البتہ یہ غضنفر چٹکلے چھوڑ رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہا ہے۔" اس بار اذان نے بھرپور توجہ دی ان سب کی طرف۔

"کہہ رہا ہے آئندہ ماہم کے حصے کا کردار وہ ادا کرے گا۔" فہیم کہہ کر خود ہی محظوظ ہوا۔

"کیوں ...... ماہم کیوں نہیں۔" اذان کو فہیم کی مسکراہٹ ناگوار گزری تھی یا اس کی بات ...... اندازہ نہیں ہوا۔ البتہ اس کا لہجہ ضرور سخت ہو گیا۔

"وہ چلی گئی ہے اذان ...... اب وہ اس پلے میں کام نہیں کرے گی۔ تم کوئی اور بندوبست کر لو۔" فہیم کے باریک ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ بہت طنزیہ تھی۔ اذان نے پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول
''
''
''
'
ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

ضوباریہ ساحر

دستِ طلسم

اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے گردو پیش پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ برف کی طرح سرد ہاتھ اپنے اوور کوٹ کی جیبوں میں گھسیڑتے ہوئے اس کی نگاہیں آسمان کی وسعت میں جانے کیا تلاش کر رہی تھیں۔

وہ بینچ سے اٹھ کھڑی ہوئی، شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے پارک کے زیادہ تر درخت خزاں کے بے رحم ہاتھوں لٹ جانے کا ماتم کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ بہت دھیرے دھیرے قدم رکھتے ہوئے بھی خشک زرد پتے اس کے پاؤں تلے چرمرا رہے تھے۔ اکا دکا انجانے چہروں کے بیچ چلتے ہوئے اس نے خود میں جھانکا، وہ خود بھی تو ایک طویل عرصے سے اپنے لیے انجانی ہو چکی تھی۔ یہ شہر اس کے بیچ ایک گلی، اس گلی میں ایک مکان اور اس مکان کی وہ واحد مکین۔

اس نے حسرت سے کھلکھلاتے چہروں کو دیکھا اور پھر اپنے ایک دوسرے میں پیوست ہونٹوں کو پھیلانے کی کوشش میں ناکام ہو کر رہ گئی، خشک ویران آنکھیں جن سے اب آنسوؤں کے ڈھلکنے کی امید بھی نہیں رہی تھی۔

"سردی بہت شدید ہو گئی ہے۔" اس نے خود کلامی کی... وہ اپنے فلیٹ کے قریب پہنچ چکی تھی، اوور کوٹ کی جیب سے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر وہ اس عقوبت خانے میں داخل ہو گئی جو اس کی واحد جائے اذیت بھی تھا اور جائے پناہ بھی۔ جہاں تنہائی اسے کوڑے بھی مارتی تھی اور اپنی بانہوں میں سمیٹ کر لوری بھی سناتی تھی۔ جہاں یادیں مکڑی کے جالوں کی طرح دیوار سے چپکی رہتی تھیں اور جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوتی تو وہ کسی عفریت کی طرح اس سے لپٹ جاتی تھیں۔

ذہن کا آئینہ دھندلاتا ہی نہیں تھا۔ ایک ایک عکس اپنی پوری شدت اور رنگ کے ساتھ جلوہ گر رہتا تھا اس نے اوور کوٹ کی جیب سے چکن اسپریڈ سینڈوچ نکالا اور دانتوں سے کترتی اپنے بستر پر ٹانگیں سکوڑ کر بیٹھ گئی۔ کمرے کی فضا میں ایک محسوس کی جانے والی خنکی نے اسے کمبل میں سمٹنے پر مجبور کر دیا۔ ہلکے ہلکے لرزیدہ وجود کو کمبل میں چھپائے وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا چہرہ ہے یار! انتہائی فوٹو جینک... تمہارے میگزین کا ٹائٹل اس بار دھماکا خیز ہو گا۔" بہت دور کہیں سے آواز آئی۔

"ارے ہم بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلے۔ آج تک جن چہروں کو بھی سامنے لائے ہیں کون سا ایسا چہرہ ہے جو دھماکا ثابت نہیں ہوا۔"

"لیکن اس میں بہت عجیب اٹریکشن ہے یہ تو ماڈلنگ کی دنیا میں تہلکہ مچا دے گی۔ پہلے سے ایگریمنٹ کر لینا۔ چڑیا ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔"

"ارے نہیں ضرورت مند ہے جیسے چاہیں گے چلائیں گے اور یہ چلے گی۔" خباثت ٹپکاتی بھنبھناہٹیں... اس نے کروٹ بدلی۔

ناک کے نتھنوں سے شراب کی غلیظ بو ٹکرائی تھی اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ بھٹک کر کسی خار زار میں آ گئی تھی جہاں چاروں طرف ببول کے درخت اگے ہوئے تھے، کیکٹس کے بدصورت پودوں کے جھاڑ تھے۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا لیکن پاؤں میں چبھے کانٹوں نے اسے ایک قدم نہ چلنے دیا۔ اس نے جھک کر اپنے زخمی پیروں کو دیکھا۔ ایک طویل سسکاری لی۔ خون تھا کہ بہتا ہی چلا جاتا تھا۔

ایک کراہ کے ساتھ اس کی آنکھ کھل گئی۔ نیم تاریکی میں کمرے میں موجود تمام اشیاء کے ہیولے اپنے حجم سے کہیں زیادہ بڑے ——— نظر آ رہے تھے اس نے گلاس میں موجود چند قطرے پانی حلق میں ٹپکا کر خشک لکڑی کی مانند چٹختی زبان کو تر کیا۔

"میں کب سو پاؤں گی۔ مجھے سکون کی نیند کیوں نہیں آتی؟"

"کس سکون کی تلاش میں ہو اب؟ ابھی مزید بھی کچھ چاہیے تمہیں؟" اندر سے طنز بھری آواز ابھری۔

"ہاں! ہم کب تک گھسیٹ کر زندگی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com
or
send message at
0336-5557121

گزاریں گے۔ ایک ایک آسائش کو ترسیں گے کہ آپ مجھے اجازت دے دیں... یقین کریں ہم دونوں اپنی ہر محرومی سے پیچھا چھڑا کر سکھ کی زندگی گزار رہے ہوں گے۔" اسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔

"نہیں بہت سکھ میں ہوں شمامہ... میری ضروریات بہت بڑی نہیں ہیں۔ جو اللہ نے دے دیا وہ میرے لیے کافی سے بھی زیادہ ہے... قناعت کی دولت سے بھی بڑی کوئی دولت ہے؟" اماں کا میٹھا میٹھا کچھ سمجھاتا لہجہ نم ہوا کی طرح اس کے کان کے پردے سے ٹکرایا تھا۔

"ہونہہ قناعت! کچھ نہ کر سکنے کی بے بسی کو ہم قناعت کے خوش نما لفظ میں چھپا کر خود کو تسلیاں دیتے زندگی گزار لیتے ہیں۔ ایک زندگی ملی ہے جسے ذلیل ہو کر گزار دینے کو صبر اور قناعت کا نام دے دیا جاتا ہے۔"

وہ اپنے اتنے سخت الفاظ کا رد عمل دیکھنے کے لیے رکی بھی نہیں تھی' اس کا لہجہ اس کے الفاظ کانٹوں کی طرح اماں کی روح کو چھید گئے ہوں گے مگر یہ سوچنے کی فرصت کس کے پاس تھی۔ وہ تو بس پنکھ لگا کر اڑ جانا چاہتی تھی' اور افق کی وسعتوں کو چھونا چاہتی تھی۔

اس کی آنکھوں میں ریت بری طرح چبھنے لگی۔ اس نے کئی بار زور زور سے پلکیں جھپکیں لیکن چبھن برقرار تھی اس نے بے دردی سے آنکھیں مسل ڈالیں۔

"شمامہ... تم نے میری مرضی کے بغیر یہ...!؟"

کسی ویکلی میگزین کی کاپی تھی اماں کے ہاتھ میں... جو انہوں نے اس کے سامنے رکھی تھی۔ لہجے کی نمی میں گھلا تاسف ایک پل کو اسے بھی آزردہ کر گیا۔ اس کی نظر میگزین کے ٹائٹل پر موجود اپنی تصویر پر پڑی — مصنوعی رنگ و روپ نے اس کے چہرے کی پاکیزگی کو چھپا کر اسے طرحدار بنا دیا تھا۔ لمبے سلکی بال جنہیں اماں بہت محبت اور احتیاط سے گوندھا کرتی تھیں سیاہ گھنگھور بادلوں کی طرح اس کے چہرے کے اطراف بکھرے ہوئے تھے۔ جن آنکھوں میں حیا کا تاثر اور جھکائے رکھنے کا سبق اماں نے پڑھایا تھا بڑے بے باک انداز میں اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔

اس نے تکیے کے نیچے سے ایک لفافہ نکال کر اس میگزین کے اوپر رکھ دیا۔ جیسے اماں کو ترغیب دے رہی ہو کہ ان چند تصویروں کے بدلے مجھے آپ کے اندازے سے کہیں زیادہ معاوضہ ملا ہے۔

"کون کہتا ہے اچھی تربیت' ماں باپ کا خون اور خاندانی نجابت کسی انسان کی شخصیت کے اہم اور لازمی پر تو ہوتے ہیں... جھوٹ ہے... سب جھوٹ اور بے کار کی باتیں۔"

اماں ستے ہوئے چہرے اور بجھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کچھ پل اس کو دیکھتی رہیں پھر پلٹ گئیں۔ اس گھر کے دو مکینوں میں سے ایک مکین خاموش ہو گیا تھا۔ اور پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ یہ خاموشی مستقل طور پر اس گھر کے دیوار و در پر مسلط ہو گئی۔ اماں کا خاموش وجود ایک دن چپ چاپ اس سے بہت دور چلا گیا تھا۔ کچھ دن اس کی آنکھیں برسی تھیں مگر ساون کی طرح نہیں' سردیوں کی بارش کی طرح کہ اس کے پاس کام بہت زیادہ تھا۔ بے حد مصروف تھی وہ۔ کتنی کیٹ واکس تھیں کتنے میگزینز کے لیے فوٹو شوٹس کروانے تھے۔ ایک شاندار ملٹی نیشنل کمپنی کی طرف سے ٹی وی ایڈز کی آفر تھی۔

اس نے اپنا مکان بیچ کر شہر کے پوش ایریا میں ایک فلیٹ خرید لیا — بڑے جی جان سے اسے سجاتے ہوئے کچھ لمحوں کو اماں اور ابا کے چہرے اس کی آنکھوں میں سمائے تھے کہ یہ ساری آسائشات انہیں بھی سکھ کے چار دنوں میں مل جاتیں اگر زندگی ان کا ساتھ دیتی۔ لیکن افسوس کہ وہ ان کے لیے کچھ نہیں کر پائی تھی۔ پے در پے کامیابیاں اس کے ہم قدم تھیں دنوں میں ٹیلی ویژن پر جیسے وہ چھا گئی تھی۔ اس کی غزالی آنکھیں' لمبے سیاہ بادلوں جیسے بال اور قیامت خیز مسکراہٹ نے جیسے شوبز کی دنیا میں ایک ہلچل بپا کر دی تھی۔

"شمامہ از گریٹ... شی از دا بیسٹ فیس آف نیو ایئر... اینٹائرلی ڈیفرینٹ اسپیشل فیس..." پتا نہیں

www.Paksociety.com

کتنے ٹیگ تھے جو اس کے نام کے ساتھ منسوب تھے۔

اس نے کروٹ لی اور آنکھیں سامنے آئینے پر جما دیں۔ آئینے میں نظر آنے والا ہیولا اتنا کھوکھلا اور مدھم تھا۔ کہ اسے دیکھنے کی خاطر شامہ کو اپنی نگاہیں اس پر جمانی پڑیں۔ وہ کامیاب ماڈل تھی روشنیوں میں گھری' بے فکرے چہروں کے بیچ قہقہے لگاتی۔۔۔ اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے اس نے کیا کھویا تھا۔

بس ایک ماں کو۔۔۔ اور صرف اپنی حمیت کو۔۔۔ چند لمحے اپنے وجود کو بے مول کر لینے کے بدلے کتنی بڑی بڑی کامیابیاں ملی تھیں اسے۔۔۔ صرف اتنا ہی تو ہوا تھا کہ زندگی کے کچرادان میں ان گزرتے دنوں اور راتوں کے عوض گناہوں کے پھٹے پرانے کاغذوں کا ایک ڈھیر لگ گیا تھا۔ لیکن اب۔۔۔ اب یہ ڈھیر تعفن زدہ تھا۔ اس میں سے ناقابل برداشت بو اٹھتی تھی جو اس کے اردگرد پھیل کر اسے سانس تک نہیں لینے دیتی تھی۔

اسے کامیابی کی سیڑھیوں پر قدم قدم آگے بڑھانے والے اور اس کی کامیابیوں کے بدلے اس کے وجود سے خراج پانے والے چہرے اتنے مسخ اور ڈراؤنے ہوگئے تھے کہ راتوں کو سونے نہیں دیتے تھے۔ ان کی مکروہ ہنسی' شرم سے عاری آنکھیں اور ہوس میں لتھڑے وجود جب اس کی آنکھوں کے سامنے آتے تو اسے یوں لگتا جیسے چیتھڑوں کی طرح گوشت کے پارچے لٹکائے یہ عفریت اسے نگل جائیں گے۔

اس نے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تھی۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر دھرا جگ اور گلاس خالی تھا' فریج اس کے بیڈ سے کچھ فاصلے پر رکھا تھا اور اس تک جانے کی نہ تو ہمت تھی اور نہ ارادہ۔۔۔ اس نے پلکیں موند لیں۔ تھکا ہوا سر تکیے پر رکھے رکھے سن ہو گیا تھا۔

''ہاں ایک وقت آتا ہے ایسا بھی۔۔۔ جب ہر وہ چیز بے معنی ہو جاتی ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ہم بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔۔۔ کتنی سطحی کتنی فضول سوچیں ہوتی ہیں نا۔۔۔ مگر لاکھ کوئی سمجھائے ہم کب سمجھتے ہیں ان بے جان مادی اشیاء کی قیمت ادا کرنے کے لیے ہم اپنا آپ بھی گروی رکھ دیتے ہیں کتنا خسارے کا سودا ہے نا۔۔۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔

کتنا وقت گزر گیا تھا اسے مسکرائے ہوئے۔۔۔ اسے لگا اس کے ہونٹ پھٹ جائیں گے ان سے خون رواں ہو جائے گا۔ کمبل میں سمٹا اس کا وجود کانپ رہا تھا۔ سردی سے نہیں۔۔۔ ایک انجانے خوف کی شدت سے۔۔۔ تنہائی اسے کوڑے مار رہی تھی اور اس کی روح درد سے بلبلا رہی تھی اور یہ تو ہر رات کا عمل تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے سگریٹ کا ڈبا اٹھایا ایک سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر اسے سلگایا' دھوئیں کے مرغولے کو عجیب بے چین نظروں سے دیکھا۔

''کاش میں بھی دھوئیں کی طرح فضا میں تحلیل ہو جاؤں مجھے خود بھی میرا پتا نہ ملے۔''

وجود کے درد کا تو علاج ممکن ہے روح کے درد کا کیا علاج۔۔۔ رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ علی الصبح اس کے موبائل پر بیپ ہوئی۔ شاہنواز تھا۔

''کیا بات ہے شانی۔۔۔''

''شامہ! ایک بہت زبردست ایڈ کی آفر ہے تمہارے لیے۔۔۔ کمپنی تمہیں ہی ایز اے ماڈل لینا چاہتی ہے۔۔۔ ڈیٹس بتاؤ تاکہ میں فائنل کردوں۔'' شاہنواز اس فیلڈ میں اس کا دوست کہلاتا تھا جبکہ وہ بہت اچھی طرح جان چکی تھی کہ یہاں دوستی نہیں ضرورت کے رشتے چلتے ہیں۔ وہ بہت بار شاہنواز کے لیے فوٹو شوٹس کروا چکی تھی۔ وہ ایک ایڈورٹائزنگ فرم چلاتا تھا اور اسے شامہ کو کیش کروانے کے بہت سے گولڈن چانس ملے تھے۔

''نہیں شانی۔۔۔ آئی ڈو ناٹ وانٹ ٹو ورک اینی مور۔۔۔ پلیز۔۔۔ ڈونٹ ایسیسٹ می۔''

''شامہ۔۔۔ آر یو میڈ۔۔۔؟ تم اس وقت پیک پر ہو کیوں اپنے کیریئر کے ساتھ مذاق کر رہی ہو۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک اچھی ماڈل کی ڈیمانڈ کا سفر محض چند سال ہوتا ہے۔'' شاہنواز جھنجلایا تھا اس نے ایک طویل سانس لی۔ اسے اب مزید کسی کی جھنجلاہٹوں کی پروا نہیں کرنی تھی۔

''شانی یہ میرا فیصلہ ہے' اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔'' اس نے حتمی انداز اختیار کیا۔

''آر یو شیور؟'' شاہنواز کے لہجے میں پسپائی تھی وہ جانتا تھا کہ یہ بے مثال حسن رکھنے والی طرحدار حسینہ ضدی بھی بلا کی تھی۔

''یس۔۔۔ آئی ایم ڈیم شیورڈ شانی۔۔۔ اللہ حافظ۔'' کال ڈس کنکٹ کرنے کے ساتھ ہی اس نے شوبز کے دہکتے ہوئے راستے کا دروازہ بھی خود پر بند کر دیا۔

''اسے کیا چاہیے تھا۔۔۔؟ آسائش زندگی۔۔۔ اپنا ذاتی گھر۔۔۔ گاڑی' قیمتی ملبوسات و زیورات کا انبار۔۔۔ اپنے حسن کے قدر دان یا شہرت کی واہ واہ۔۔۔ نہیں یہ سب تو اسے مل چکا تھا۔ پھر حلق میں پیاس کے کانٹے کیوں تھے کیوں پاؤں زخمی ہونے کے باوجود سفر کرنے پر بضد تھے۔ مسافت کیوں ختم نہیں ہو رہی تھی۔''

اسے تو اب پتا چلا تھا کہ ان میں سے کچھ بھی اس کی ڈیمانڈ نہیں تھی۔ اسے یہ سب نہیں چاہیے تھا۔

''اماں۔۔۔ اماں آپ کہاں ہیں؟ مجھے سکون چاہیے اماں۔۔۔ مجھے اپنی گود میں چھپا کر سلا دیں۔ میں لمبی نیند سونا چاہتی ہوں۔۔۔ بے خوف ہو کر' پاؤں پسار کر' ڈراؤنے خوابوں اور بدصورت ہیولوں سے پاک نیند۔۔۔ اماں یہ چہرے مجھے سونے نہیں دیتے۔۔۔ میں سونے لگتی ہوں تو جھنجھوڑ کر جگا دیتے ہیں۔۔۔ آجائیں نا اماں۔۔۔'' وہ اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپا کر بلک رہی تھی۔ آنسوؤں کی نمی اس کے ہونٹوں میں جذب ہو رہی تھی مگر کوئی نہیں تھا۔ اس کے پاس۔۔۔ اس کے چہرے کو سراہنے والے۔۔۔ اس کے حسن پر قابل ذکر الفاظ کے ذخیرے لٹانے والے اس کے قریب نہیں تھے۔

''کوئی اسے نجات دلا دے۔۔۔ کوئی تو ہو جو اسے اس سفوکیشن سے بچا لے۔'' بہت دیر ہو گئی تھی اسے اسی طرح بیٹھے بیٹھے۔ شہر کی رونقیں بحال ہو رہی تھیں' زندگی گلیوں اور سڑکوں پر رواں دواں تھی۔ اس نے اٹھ کر چہرے پر پانی کے ایک دو چھپکے مارے۔ انگلیوں کی پوروں سے اپنی آنکھوں کے ورم زدہ سوجے ہوئے پپوٹوں کو سہلایا۔ اپنا اوور کوٹ پہنا۔ بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی طرح باندھا پاؤں میں چپل اڑسے۔ موبائل بیڈ پر ہی پڑا رہنے دیا اور فلیٹ لاک کر کے باہر نکل آئی۔

ایک طویل واکنگ ٹریک اور پھر وہی پارک' وہی خزاں رسیدہ درخت' اپنی طرف حیرت و تجسس سے دیکھتے ہوئے چہرے۔۔۔ وہی بینچ' وہی زرد پتے جو اس کے قدموں کے نیچے آکر چرمرانے لگتے تھے۔ اس نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر سگریٹ سلگایا۔۔۔ دھوئیں سے اردگرد کی فضا کثیف اور دھندلی ہو گئی۔

''میرا وجود بھی اس دھوئیں کی طرح کثیف ہے''

زندگی کڑوی کسیلی شراب کی طرح اس کے حلق کو چیرتی اس کے اندر اتر رہی تھی۔ جو چہرے اس کے اردگرد تھے ان پر سجی آنکھوں میں حیرت' کھوج' ترحم اور کچھ جان لینے کے جذبات تھے مگر وہ شناسا نہیں تھے۔ اجنبی۔۔۔ اتنے ہی اجنبی جتنا وہ خود اپنے لیے تھی۔۔۔ تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر کر رہ گئی۔ سگریٹ سلگتا رہا۔۔۔ اس نے بینچ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ اندھیرا سا پھیلنے لگا تھا اس کے اطراف۔ اس نے آنکھیں کھولنا چاہیں لیکن جیسے وہ منوں بوجھ تلے دبی تھیں آگے راستہ ہی نہیں تھا۔ بند گلی تھی۔۔۔ اس نے پلٹ کر دیکھا پیچھے بھی دیوار تھی۔ سانسوں میں ارتعاش بڑھنے لگا۔ اس کے ہونٹ کھلے تھے مگر صدا بلند نہیں ہوئی تھی۔۔۔ اردگرد کچھ بھنبھناہٹیں اور پھر جیسے مکمل سکوت۔۔۔ اماں کے سینے سے لگ کر اس کی روح میں عجیب سی طمانیت اتر آئی تھی۔

اگلے دن کے اخبار میں ایک مختصر سی خبر اور اس کی تصویر چھپی تھی اور بس۔

☆ ☆

www.Paksociety.com

مکمل ناول

انیلہ کرن

کبھی دو گھڑی کو ٹھہر کے

بائیک کا ٹائر منزل سے صرف ایک فرلانگ پہلے برسٹ ہوا تھا۔ اسے ڈیپارٹمنٹ پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس لیے ایسے میں کوفت کا ہونا لازمی امر تھا۔ اسے بھی کوفت ہوئی مگر سب ایک پل کے لیے۔

دراصل وہ اتنا خوش تھا کہ بائیک کا ٹائر برسٹ ہو جانے جیسی چھوٹی موٹی چیزیں اس کا موڈ خراب ہرگز نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لیے اگلے دو منٹ کے بعد جب وہ بھاری بھرکم بائیک کو گھسیٹتا ہوا پیدل چل رہا تھا تب بھی مسلسل گنگنا رہا تھا۔ اندر پھیلی ہوئی خوشی اور مسرت نے اسے اس قدر سرشار کر رکھا تھا کہ وہ اردگرد کے ماحول سے بالکل کٹا ہوا الگ رہا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے بالکل قریب رکنے والی سفید کار پر بھی دھیان نہیں دیا۔

"کیا بات ہے شہزادے! بہت خوش نظر آ رہے ہو؟" سفید کار کی ڈرائیونگ سیٹ کا شیشہ نیچے کر کے اس کے بچپن کے دوست مظہر نے اسے اونچی آواز میں مخاطب کیا تھا۔ اس نے تھوڑا سا چونک کر مظہر کی جانب دیکھا پھر دلکشی سے مسکرا کر بولا۔

"کیوں خوش ہونے پر پابندی ہے آپ کی حکومت میں بادشاہ سلامت؟" مظہر حال ہی میں یونیورسٹی کی ایک طلبا تنظیم کا ناظم منتخب ہوا تھا۔ اس لیے وہ اکثر ہی اسے آقا' حاکم اور بادشاہ سلامت جیسے القابات سے پکار کر چھیڑا کرتا تھا۔

"آجاؤ' بائیک قاسم لے آتا ہے۔" اپنے برابر بیٹھے قاسم کو اشارہ کر کے مظہر نے کہا تو وہ بائیک چھوڑ کر کار میں آبیٹھا۔

"ہاں اب بتا کس بات پر اتنا خوش ہو رہا ہے؟" کار آگے بڑھاتے ہوئے مظہر نے سوال کیا۔

"تجھے کس نے بتایا کہ میں خوش ہوں۔؟" اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"ابے بتا نا کون؟ ذرا آئینے میں اپنی شکل دیکھ ہزار ولٹ کے بلب کی طرح روشن ہو رہا ہے۔" مظہر نے برا سا منہ بنایا تھا۔ وہ زور سے ہنس پڑا۔

"ہاں ٹھیک تو کہتا ہے میں آج واقعی بہت خوش ہوں۔"

"وجہ بیان کریں گے جناب تو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ مجھ سے تجسس برداشت نہیں ہوتا۔"

"یار! میں نے تجھے بتایا تھا نا کہ میں مما سے اپنی شادی کی بات کرنے والا ہوں۔"

"اس میں نیا کیا ہے؟ یہ تو تو مجھے پچھلے ایک سال سے بتا رہا ہے۔" مظہر نے اسے چھیڑا۔ وہ واقعی سال بھر سے اپنی مما سے یہ بات کرنے کی پلاننگ کر رہا تھا مگر ابھی تک اسے ہمت نہیں ہوئی تھی۔

"آج کر لی یار!" وہ جوش سے بولا۔

"اور پتا ہے مما مان بھی گئی ہیں۔ اب کچھ دنوں تک وہ اور پاپا....."

وہ اپنی بات پوری نہیں کر پایا ان کی کار پر بہت اچانک دونوں اطراف سے دو موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کی تھی۔ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ کار کی ونڈ اسکرین اور شیشے ٹوٹ گئے تھے اور اسے آن کی آن میں کئی گرم سلاخیں اپنے جسم میں

www.Paksociety.com

گھستی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس کو اپنے پورے جسم میں درد کی لہر اتنی شدت سے پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی کہ وہ چیخ بھی نہیں پایا بلکہ اسے تو شاید سانس لینا بھی بھول گیا تھا اور چند لمحوں کے اندر ہی اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔

اندھیرا چھٹنے پر اس نے خود کو کسی ہسپتال میں موجود پایا مگر تب بھی اسے سوائے درد کے کسی چیز کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ پھر اس نے شیشے کے پار کسی کو کھڑا دیکھا تو اس کے درد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ پہلے درد صرف اس کے جسم میں تھا۔ اب دل بھی اس درد کا حصہ دار بن گیا تھا۔ اس نے بہت بے بسی سے شیشے کے پار کھڑے وجود کو دیکھا وہ بالکل ساکت کھڑی تھی۔ مگر اس کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا اور اس کی پھیلی ہوئی آنکھوں میں اتنی وحشت تھی کہ وہ تڑپ کر رہ گیا۔

"اف میں اس کو کس کے حوالے کر کے جاؤں؟؟" بے بسی کا احساس اتنا شدید تھا کہ اس کی ساکت آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"اللہ کے حوالے۔۔۔" کسی نے گویا اس کے بہت قریب آکر سرگوشی کی تھی۔ اس کے آنسو جامد ہو گئے اور دل کا درد بھی کم ہونے لگا۔

"یا اللہ! اس کی حفاظت فرمانا۔ اسے آج کے بعد کبھی کوئی دکھ کوئی رنج نہ ملے اسے، بہت خوشیاں بہت سکھ دینا۔" اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں مگر اس کے دل سے مسلسل دعائیں نکل رہی تھیں۔ وہ اس سے بہت پیار کرتا ہے۔ یہ بات اسے ہمیشہ سے پتا تھی مگر اتنا زیادہ پیار کرتا ہے یہ ادراک اسے بھی اس لمحے ہو رہا تھا۔ جوں جوں وہ اس کے لیے دعا کر رہا تھا اس کے دل کا درد کم ہوتا جا رہا تھا اور چہرے پر سکون چھاتا جا رہا تھا حتیٰ کہ جب ڈاکٹر نے اس کی بے نور آنکھوں کو ہاتھ سے بند کیا تو اس کا چہرہ اتنا پرسکون ہو چکا تھا جیسے اس نے اپنے حصے کے تمام کام بہت اچھی طرح ختم کر لیے ہوں اور اب گہری اور میٹھی نیند نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا ہو۔

✲ ✲ ✲

وہ تین دن کے بعد ہسپتال آیا تھا۔ اور وہاں آنے کے۔ کچھ ہی دیر بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے پیچھے اس کے ہسپتال کے تمام معمولات نارمل انداز سے چلتے رہے ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ہسپتال کا سارا اسٹاف نا صرف بہت فرض شناس اور ذمہ دار تھا بلکہ وہ لوگ ہسپتال سے بہت مخلص بھی تھے جس کی بڑی وجہ اس کا اپنا رویہ تھا۔ وہ سینئر ڈاکٹرز سے لے کر صفائی کا کام کرنے والے عملے تک ہر ایک سے بہت عزت کے ساتھ بات کرنے کا عادی تھا اور مقدور بھر ان کے مسائل حل کرنے کی کوششیں بھی کرتا رہتا تھا۔ محنتی، ذہین اور قابل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت ہمدرد طبیعت کا مالک تھا اور جہاں تک بھی اس سے بن پڑتا وہ اپنے سارے اسٹاف کو آسانیاں فراہم کرنے کی کوشش کیا کرتا۔ ہسپتال کا مالک ہونے کے باوجود وہ باقی ڈاکٹرز سے زیادہ کام کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہسپتال کا سارا اسٹاف نا صرف اس کی دل سے عزت کرتا تھا بلکہ وہ لوگ اس سے ڈرنے یا خائف ہونے کی بجائے اس سے محبت کرتے تھے۔ اس لیے اگر وہ وہاں موجود نہ بھی ہوتا تو ہسپتال کے سارے معاملات ٹھیک ہی رہا کرتے تھے اور شاذ و نادر ہی کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا تھا۔

اس نے سینئر ڈاکٹرز کے ساتھ ایک مختصر میٹنگ کی۔ جس میں اس نے انہیں اس کانفرنس سے متعلق چیدہ چیدہ باتیں بتائیں جس میں رپورٹ پڑھنے کے لیے وہ اسلام آباد گیا تھا۔ میٹنگ کے بعد وہ ہسپتال کے راؤنڈ پر نکل گیا۔ جدید سہولیات سے آراستہ یہ مختصر ہسپتال اس نے تین سال پہلے بنایا تھا اور پرانا ہونے کے باوجود اس کے ہسپتال کی ایک ساکھ تھی۔ خاص طور پر دماغی امراض کے علاج کے لیے یہاں جدید ترین سہولیات موجود تھیں۔ خود ڈاکٹر بلال شہر کا جانا مانا نیورو سرجن تھا۔ اور اس کا نام اپنی فیلڈ کے ماہر لوگوں کی فہرست میں شامل کیا جاتا تھا۔

تمام وارڈز اور کمروں کا راؤنڈ لگا کر وہ بالکل الگ تھلگ بنے ایمرجنسی وارڈ میں داخل ہوا تھا اور تیسرے بیڈ کے قریب جاتے ہی ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ بیڈ پر ایک اکیس، بائیس سال کی بے حد خوبصورت لڑکی آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ جس کے جسم کے ساتھ بہت ساری نالیاں منسلک تھیں۔ حتیٰ کہ سانس لینے کے لیے بھی اسے آکسیجن دی جا رہی تھی مگر بلال کو ٹھٹکانے والی چیز یہ بے شمار نالیاں تھیں اور نہ ہی اس لڑکی کا بے تحاشا حسن، یہ دونوں چیزیں تو وہ دن رات دیکھا کرتا تھا۔ اسے اس لڑکی کے چہرے پر پھیلے ہوئے اس بے تحاشا کرب اور دکھ نے ٹھٹکایا تھا جو اس کے حسین چہرے پر گویا ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔

اس نے لڑکی کی رپورٹس دیکھیں۔ وہ پچھلے سولہ گھنٹے سے ایمرجنسی وارڈ میں داخل تھی۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا جو انتہائی شدید نوعیت کا تھا اور ابھی تک اس کی حالت خطرے سے مکمل طور پر باہر نہیں آئی تھی۔ بلال کو اس پر بے تحاشا ترس آیا پتا نہیں اس بے حد حسین اور معصوم صورت والی لڑکی کو ایسا کون سا صدمہ پہنچا تھا کہ وہ سانسیں لینے کے باوجود جیسے مردہ ہو چکی تھی۔

"ان کے ساتھ کوئی نہیں ہے؟" رپورٹس دیکھنے کے بعد اس نے ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر سے سوال کیا کیونکہ دیگر مریضوں کی طرح اس لڑکی کے بیڈ کے پاس کوئی اٹینڈنٹ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"سر ان کے بھائی اور بھابھی ہیں۔ وہ لوگ باہر لان میں بیٹھے ہیں۔" ڈاکٹر کی بجائے وہاں موجود نرس نے جواب دیا تھا۔ اس کے جواب نے بلال کو حیران کیا۔ وہ لڑکی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی اور اس کے گھر کے لوگ اس کے پاس بیٹھنے کی بجائے باہر لان میں بیٹھے تھے اس کا دل دکھ سے بوجھل ہونے لگا چند لمحوں تک وہ اس لڑکی کا چہرہ دیکھتا رہا جو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہسپتال کے بیڈ پر لیٹی بے حد تنہا اور اکیلی لگ رہی تھی۔ پھر بوجھل قدموں کے ساتھ اگلے بیڈ کی طرف بڑھ گیا۔

✲ ✲ ✲

وہ رات گئے گھر لوٹا تو تھکا ہوا ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اداس بھی تھا۔ ایک عجیب سی بے کلی تھی جس نے اس کے پورے وجود کو گھیر رکھا تھا اسے رہ رہ کر ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں بے ہوش پڑی اس تنہا اور اکیلی لڑکی کا خیال آ رہا تھا اور جتنی بار اسے اس کا خیال آتا اس کے دکھ اور اداسی میں اضافہ ہو جاتا۔ وہ فطری طور پر بھی بہت نرم دل اور ہمدرد طبیعت کا مالک تھا۔ مگر اس لڑکی کے لیے اسے اپنے جذبات میں جو شدت محسوس ہو رہی تھی۔ ایسی شدت اس نے پہلے کبھی کسی اجنبی کے لیے محسوس نہیں کی تھی۔ اس لڑکی کے چہرے پر پھیلا ہوا کرب اس کی تنہائی اور اکیلا پن، سب کچھ اسے بار بار یاد آ رہا تھا اور اس کے دل کو دکھی کر رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ تنہائی اور اکیلے پن کا دکھ خود اس نے بھی بہت دیکھا تھا۔ اس کی اپنی زندگی بھی کئی ایک محرومیوں اور دکھوں سے عبارت

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

بساطِ دل

آمنہ ریاض

قیمت ۔۔۔ 500/- روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.Paksociety.com

تھی شاید اس لیے اس لڑکی کے چہرے کا دکھ اور اس کا اکیلے ہسپتال میں پڑے ہونا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اتنی کم عمر اور حسین لڑکی اس قدر تہی داماں تھی کہ زندگی کے اس مشکل ترین وقت میں اس کے قریب کوئی اپنا نہیں تھا جو اس کے چہرے کو محبت سے تکتا اور اس کی زندگی کی دعائیں مانگتا۔

"بلال بیٹا! کھانا نہیں کھاؤ گے۔؟" وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھا جب دادی جان کی آواز آئی وہ اس کے کمرے کے دروازے میں کھڑی تھیں اور ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے جب بلال ان کے کمرے میں ان سے ملنے گیا تھا وہ تب بھی عبادت میں ہی مصروف تھیں۔ اس نے اپنے بچپن ہی سے دادی کو بہت زیادہ عبادت کرتے دیکھا تھا۔ اور عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ہر وقت اپنے رب کی شکر گزار بھی رہا کرتی تھیں۔ ان کی شخصیت کا کافی اثر بلال میں بھی آیا تھا کیونکہ اس کی پرورش انہوں نے ہی کی تھی۔

"نہیں دادی جان! دوپہر کو دیر سے کھایا تھا اب بھوک نہیں ہے۔" اس نے نرمی سے انکار کیا۔

"اچھا میں تمہارے لیے گرم دودھ بھجواتی ہوں۔" انہوں نے کہا اور دروازے ہی سے واپس پلٹ گئیں۔ بلال جانتا تھا کہ یہ وقت ان کا وظائف کرنے کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس نے انہیں رکنے کے لیے نہیں کہا۔ حالانکہ اس وقت اس کا دل شدت سے ان کے ساتھ باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا۔

بچپن سے لے کر آج تک وہ اپنا ہر دکھ' ہر اداسی اور ہر الجھن دادی جان سے ہی شیئر کرتا آیا تھا۔ اور یہ دادی جان ہی تھیں جن کی وجہ سے وہ آج ایک کامیاب اور مکمل شخصیت کا مالک انسان بن چکا تھا۔ ورنہ یہی بلال تھا جس کو ہوش سنبھالتے ہی اپنی زندگی اور اپنی تقدیر سے بے حساب گلے' شکوے پیدا ہو گئے تھے اور یہ شکوے ایسے تھے کہ اگر وہ مسلسل انہی کے بارے میں سوچتا رہتا تو اس کی شخصیت مکمل طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی۔ ایسے میں دادی جان ہی تھیں۔ جنہوں نے انتھک محبت اور لگن سے اس کو سنبھالا اور اس شخصیت کی مضبوط خطوط پر تعمیر کی۔ اسے ہر چیز کو مثبت انداز میں سوچنے کی طرف مائل کیا۔ "جو نہیں ہے" اسے بھلا کر "جو ہے" اس کو محسوس کرنے اور اس پر خوش ہونے کی عادت ڈالی اگرچہ ایسا کرنے کے لیے انہیں بہت سخت محنت اور کوشش کرنا پڑی تھی۔ بلال کے پل پل کی نگرانی' اس کی ایک ایک سوچ کا خیال رکھنا اور اس کی سب سوچوں کو مثبت رنگ دینے کی کوشش کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مگر اس مشکل کام کا نتیجہ ان کی خواہش کے عین مطابق نکلا تھا۔ اب بلال ایک مضبوط شخصیت کا مالک ایک ایسا انسان تھا جو ہمیشہ ہر چیز کا روشن پہلو ہی دیکھا کرتا تھا۔

وہ صرف تین دن کا تھا جب ماں اور باپ دونوں کی شفقت اور محبت سے محروم ہو گیا۔ جس روز وہ پیدا ہوا اسی روز اس کے باپ کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ وہ بلال کو دیکھنے کے بعد ہسپتال سے گھر جا رہے تھے جب ایک تیز رفتار ٹرک سے ٹکرا کر ان کی کار الٹ گئی اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ یوں وہ اپنی پیدائش کے چند گھنٹوں بعد ہی باپ کی شفقت سے محروم ہو گیا۔ تقدیر نے مزید ستم یوں ڈھایا کہ تین دن بعد اس کی ماں بھی خالق حقیقی سے جا ملیں۔ بہن بھائی اس کا کوئی تھا نہیں۔ یوں رشتوں کے نام پر اس کے پاس بوڑھی دادی کے علاوہ بس تایا' تائی اور ان کے بچے ہی رہ گئے۔ تایا اور تائی دونوں کو ہی اس کے وجود سے نفرت تھی۔ وہ دونوں ہی فطری طور پر لالچی واقع ہوئے تھے۔ اس لیے انہیں اس بات کا شدید قلق تھا کہ ماں باپ کے گزر جانے کے باوجود بلال کیوں زندہ ہے اگر وہ نہ ہوتا تو اس کے باپ کی تمام تر جائیداد تایا ہی کو ملتی یوں صرف اس کی وجہ سے وہ لوگ کروڑوں روپے کی جائیداد اور اثاثوں سے محروم رہ گئے۔

اپنی نفرت کے اظہار کے لیے انہوں نے اسے اس کی پیدائش کے چند روز بعد ہی اسے منحوس کا خطاب دے دیا تھا ماں باپ کی دیکھا دیکھی ان کے بچے بھی

اسے منحوس کہنے اور سمجھنے لگے اور اس سے نفرت کے اظہار کو جائز سمجھتے تھے جب تک وہ چھوٹا تھا ان کی نفرت کو نہ تو سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی اس بارے میں کچھ سوچا کرتا تھا۔ مگر جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا اسے انسانی رویوں کی سمجھ آنے لگی اپنے لیے دادی کے علاوہ گھر بھر کی نفرت دیکھ کر وہ ہمہ وقت سہما ہوا اور اداس رہنے لگا۔ دادی جان اس کی اس کیفیت کو سمجھ تو رہی تھیں مگر اس کے لیے کچھ کرنے سے یوں قاصر تھیں کہ ان کے بار بار سمجھانے اور خدا کا خوف دلانے کے باوجود تایا اور تائی اپنا رویہ تبدیل کرنے کو تیار نہیں تھے۔

بلال کی شخصیت کو توڑ پھوڑ سے بچانے کے لیے دادی جان کو انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔ خاندان کے کچھ سرکردہ لوگوں کو بیچ میں ڈال کر انہوں نے جائیداد کی تقسیم کروائی اور بلال کو لے کر الگ گھر میں شفٹ ہو گئیں۔ ان کے اس فیصلے نے بلال کے لیے تایا جان اور تائی کی نفرت میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ مگر اتنا ضرور ہوا تھا کہ اب اسے ہمہ وقت نہ تو ان دونوں کی نفرت بھری نظروں کا سامنا کرنا پڑتا اور نہ ہی ان کے بچوں کے مذاق کا نشانہ بننا پڑتا۔ دادی جان کی محبت اور توجہ نے اس کی شخصیت میں اعتماد کا رنگ بھرنا شروع کر دیا اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہیں۔ مگر جوں جوں وہ بڑا ہو رہا تھا۔ اسے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی کمی بھی شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔ خصوصاً" جب وہ اسکول میں باقی بچوں کو اپنے والدین اور بہن بھائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سنتا تو شدید قسم کے احساس محرومی کا شکار ہو جاتا۔

جب تک وہ چھوٹا تھا دادی اسے مختلف طریقوں سے بہلا کر یاسیت اور مایوسی کے گرداب سے نکالا کرتی تھیں۔ مگر جب وہ ذرا بڑا ہو گیا تو انہوں نے اسے بہلانے کی بجائے سمجھانا شروع کر دیا۔ وہ اسے زندگی کی حقیقتوں کا خوشدلی سے سامنا کرنے کی طرف مائل کرنے لگیں۔ اور یہ دادی جان کی مسلسل کاوشوں کا ہی ثمر تھا کہ میڈیکل کالج میں پہنچنے تک وہ تصویر کا روشن رخ دیکھنے کا بڑی حد تک عادی ہو گیا تھا۔

Art With You

Paint with Water Color & Oil Colour

First Time in Pakistan
a Complete Set of
5 Painting Books
in English

Art With You

Water Colour I & II
Oil Colour
Pastel Colour
Pencil Colour

آپ آرٹ کے طالب علم ہیں یا پروفیشنل آرٹسٹ
برش پکڑنے سے، مکمل پینٹنگ تک آپ بن سکتے
ہیں ایک مکمل آرٹسٹ

اب پینٹنگ سیکھنا بہت آسان ایک ایسی کتاب
جس میں پینٹنگ سے متعلق ساری معلومات

Art With You
شائع ہو گئی ہے

قیمت -/350 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.Paksociety.com

☼ ☼ ☼

وہ میڈیکل کے تیسرے سال میں تھا جب اس پر انکشاف ہوا کہ تایا جان کی سب سے چھوٹی بیٹی نیلم اسے کچھ زیادہ ہی اچھی لگنے لگی ہے۔ اتنی زیادہ کہ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اسے ہر وقت نیلم کا ہی دھیان رہنے لگا تھا۔ نیلم اس سے تین سال چھوٹی تھی اور اپنے باقی بہن بھائیوں کے برعکس وہ بلال کے ساتھ ہمیشہ ہی بہت اچھے طریقے سے پیش آیا کرتی تھی۔ شاید اس کے اس اچھے رویے نے بلال کے دل کی زمین میں اس کی محبت کا بیج بو دیا تھا جو دھیرے دھیرے ایک تناور درخت بن گیا وہ تایا جان کے گھر بہت ہی کم جاتا تھا مگر جب بھی جاتا نیلم کے علاوہ کوئی اس سے سیدھے منہ بات نہ کرتا اگرچہ تایا کے گھر میں اب پہلے کی طرح اس سے برملا نفرت تو نہیں کی جاتی تھی مگر نیلم کے علاوہ باقی سب کے رویے میں اس کے لیے شدید قسم کی سرد مہری اور بے اعتنائی پائی جاتی تھی جیسے محسوس کرنے کے باوجود وہ نیلم کا ساتھ پانے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ان دنوں اس کے تصور پر ہمہ وقت نیلم ہی چھائی رہتی تھی اور وہ صرف اس کے بارے میں سوچ کر ہی بے تحاشا خوش رہنے لگا تھا مگر اس معاملے میں بھی تقدیر نے اس کا ساتھ نہیں دیا جب اس کے فائنل ایئر کے بعد دادی جان نے پورے مان اور شوق کے ساتھ نیلم کا ہاتھ اس کے لیے مانگا تو تایا جان ان کی بات سن کر سنتے سے ہی اکھڑ گئے۔

"آپ نے یہ سوچا بھی کیسے اماں جان! کہ میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروں گا۔ اسے اپنا داماد بنانے سے بہتر ہے کہ میری بیٹی ساری عمر کنواری بیٹھی رہے۔" تایا جان کے لہجے میں اتنی نفرت تھی کہ دادی جان کے برابر بیٹھا بلال سن ہو کر رہ گیا۔ وہ بچپن ہی سے اپنے لیے تایا جان کی نفرت کو جھیلتا آیا تھا۔ مگر وہ اس سے اس حد تک نفرت کرتے ہوں گے یہ اندازہ اسے تب بھی نہیں ہو سکا تھا۔

تایا جان اپنی بات کہہ کر اٹھ گئے تھے اور ان کے پیچھے ہی تائی جان بھی چلی گئی تھیں۔ جو بلال کے لیے اپنی بیٹی کی خاموش محبت سے واقف بھی تھیں۔ مگر صرف بلال پر اپنی نفرت ظاہر کرنے کے لیے انہوں نے اپنی معصوم بیٹی کے خواب بھی اجاڑ دیے تھے۔

بلال نے ایک نظر پردے کی جھری سے نظر آتے نیلم کے اداس چہرے اور بھیگی پلکوں پر ڈالی اور دادی جان کا ہاتھ تھام کر وہاں سے اٹھ آیا۔ اس نے اسی لمحے سوچ لیا تھا کہ تایا جان کے گھر یہ اس کا آخری چکر ہے۔ دوبارہ اسے وہاں کبھی نہیں آنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہمیشہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے: مجھے کبھی بھی وہ نہیں ملتا جو میں مانگتا ہوں۔ اللہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں کرتا ہے۔ باقی لوگوں کو تو وہ ایسے کسی امتحان میں نہیں ڈالتا۔" اس رات وہ دادی جان کی گود میں سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے گلہ کر رہا تھا۔

"نہ بیٹا! ایسا نہیں کہتے۔" دادی جان نے پیار سے اس کا سر سہلایا۔

"اس طرح کہنے کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ نعوذباللہ' اللہ بے انصاف ہے۔ جو وہ تمہارے ساتھ ہی برا کر رہا ہے۔ باقی سب کو بس نوازے ہی چلا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے میرے بچے! اللہ کی کی گئی تقسیم میں بڑا انصاف ہے۔ اس نے کسی کو ایک چیز دی ہے' تو دوسرے کو کچھ اور عطا فرمایا ہے۔ وہ نہ ہی کسی ایک کو سب کچھ دے ڈالتا ہے اور نہ ہی کسی کو بالکل ہی محروم رکھتا ہے۔ سارا قصور ہماری اپنی سمجھ کا ہے۔ اس کی حکمتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں اور ہم فوراً" ہی شور مچانے لگتے ہیں کہ مجھے تو یہ بھی نہیں ملا' وہ بھی نہیں ملا۔ اور فلاں کو یہ سارا کچھ بنا مانگے ہی مل گیا ہے۔" اپنے مخصوص میٹھے نرم لہجے میں وہ بہت سکون سے اسے سمجھا رہی تھیں اور بلال خاموشی سے سن رہا تھا۔

"تم اپنے آپ کو ہی دیکھو تمہیں اللہ نے صحت ذہانت زندگی گزارنے کے لیے تمام ضروریات بلکہ آسائشیں تک دے رکھی ہیں۔ مگر جب تمہیں کوئی محرومی ملتی ہے تو تم خود پر عطا ہوئی اس کی تمام نعمتوں کو یکسر بھول جاتے ہو۔ تم نے کبھی معاشی تنگی نہیں دیکھی۔ معمولی کھانسی' بخار کے علاوہ تمہیں کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی۔ یہ سب کس کی عطا ہے کس کا کرم ہے؟ اسی کا نا جس سے تم گلے شکوے کرتے نہیں تھکتے۔" دادی جان بول رہی تھیں۔ اور پتا نہیں کیسے ان کے الفاظ بلال پر جادو کا سا اثر کر رہے تھے۔ اس کا ٹوٹا ہوا بوجھل دل پرسکون سا ہوتا جا رہا تھا۔ زندگی میں شاید پہلی بار وہ ان نعمتوں کا حساب لگا رہا تھا جو اسے ملی ہوئی تھیں۔ ہر طرح کا آرام' آسائش' دادی جان کا بے لوث پیار' ڈھیر سارے پرخلوص دوست' آگے بڑھنے کے مواقع ہر چیز ہی تو اس کے پاس موجود تھی۔ پہلی بار وہ ایمانداری سے ملنے اور نہ ملنے والی چیزوں کا موازنہ کر رہا تھا اور اس کا دل شرم سے بوجھل سا ہونے لگا تھا۔

"اگر ہر محرومی پر اللہ سے گلہ' شکوہ کرنا اپنی عادت بنالو گے تو چھوٹی سے چھوٹی آزمائش بھی تمہیں سزا لگنے لگے گی۔ لیکن اگر تم نے اللہ کی رحمتوں کو نظر میں رکھا' اس کی عنایتوں پر شکر کیا تو بڑے سے بڑے امتحان میں بھی سرخرو رہو گے۔"

اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر دادی جان نے گویا آخری ضرب لگائی۔ بلال نے اس لمحے کے طلسم کو پوری شدت سے محسوس کیا کوئی ایسی بات تھی اس لمحے میں جس نے اس کی سوچ کا دھارا ہمیشہ کے لیے موڑ دیا تھا۔ حالانکہ صبر اور شکر کرنے کی تلقین دادی جان اسے اس کے بچپن سے ہی کرتی آئی تھیں۔ اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ان کی کہی ہوئی باتیں بھی وہی تھیں جنہیں وہ بچپن سے سنتا آیا تھا۔ مگر پھر بھی آج کچھ نیا ضرور ہوا تھا۔ کوئی گرہ تھی جو بہت آہستگی سے کھلی تھی اور اس کے سامنے کئی حقیقتوں کو روشن کر گئی تھی۔ وہ بہت دیر تک اس خاص لمحے کے طلسم میں جکڑا وہیں بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

اسے نیلم کا ساتھ نہیں ملا تھا۔ تایا جان نے چند ہی ماہ کے بعد نیلم کی شادی اپنے کسی دوست کے بھتیجے سے کر دی۔ بلال کو ان کے اس قدم سے دکھ پہنچا تھا۔ انہوں نے محض اس کی ضد میں نیلم کی شادی میں اتنی جلدی کی تھی۔ وہ ابھی صرف اکیس سال کی تھی اور اسے پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ مگر اپنی انا اور ضد کے آگے تایا جان کو کچھ بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ بلال کو دکھ جتنا بھی پہنچا ہو مگر اس بار وہ ٹوٹ کر بکھرا تھا اور نہ ہی اس نے اپنی قسمت کو کوسا تھا۔ اس کی زبان پر اس بار کوئی شکوہ بھی نہیں آیا۔ نیلم بے شک اس سے چھن گئی تھی اس کا معصوم حسن' اس کی اجلی آنکھیں اب کسی اور کے نام لکھی جا چکی تھیں مگر زندگی گزارنے کا بڑا سنہری راز اس کے ہاتھ لگا تھا اس نے یہ جان لیا تھا کہ اسے جو کچھ بھی ملے گا وہی دراصل اس کی قسمت اور اس کے رب کا فیصلہ ہو گا اور وہ اپنے اللہ کی رضا پر راضی رہنا چاہتا تھا۔

اس کے بعد بھی زندگی میں جتنے بھی مشکل مراحل آئے اسے کوئی بھی ناکامی ملی۔ وہ کہیں بھی دلبرداشتہ ہوا تو اس نے خود کو ہی باور کروایا کہ اللہ نے مجھے اس قدر نعمتیں بھی تو عطا کر رکھی ہیں۔ اب اگر اس نے تھوڑا سا آزما لیا تو کیا ہوا۔ اپنی اس سوچ کی بدولت وہ مایوسی سے ہمیشہ کے لیے دور ہو گیا بلکہ اپنے دوستوں اور اپنے سے متعلقہ لوگوں کے لیے وہ ایک ایسے مسیحا کا روپ بھی دھار گیا جو ہر مشکل کے وقت دوسروں کو مطمئن کرنا جانتا تھا۔

ہاؤس جاب کے بعد وہ ایف' آر' سی' ایس کرنے امریکہ چلا گیا وہاں سے واپس آ کر اس نے کچھ عرصہ جاب کی۔ پھر دادی جان سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے تقریباً" ساری جائیداد فروخت کر کے ایک چھوٹا مگر جدید طرز کا ہسپتال بنا لیا۔ جو اب اچھی خاصی ترقی کر چکا تھا۔ اب وہ ایک بے حد مطمئن پرسکون اور خوشگوار زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کی کامیابیوں اور اس کی ہر دم مطمئن رہنے والی شخصیت کو دیکھ کر کوئی بھی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی وہ جذباتی توڑ پھوڑ

www.Paksociety.com

کا شکار بھی رہ چکا ہے۔ البتہ اتنا سب کرلینے کے بعد بھی اس کی زندگی میں محبت کا خانہ ابھی تک خالی تھا۔ نیلم برسوں پہلے جو جگہ چھوڑ گئی تھی۔ وہ جوں کی توں خالی پڑی تھی۔ دادی جان اسے کئی بار شادی کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کرچکی تھیں مگر وہ ہر بار ہی یہ بات ٹال جایا کرتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے نیلم کی جگہ کسی اور کو دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بہت کوشش کی تھی مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی وہ اپنی پہلی محبت کو اب تک دل سے نکال نہیں پایا تھا۔ یہ وہ واحد مقام تھا۔ جہاں آکر وہ اپنے آپ سے ہار جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں' یہ نہیں ہو سکتا' یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

اگلے روز بلال دس بجے کے قریب ایمرجنسی وارڈ میں پہنچا تو اس نے اس لڑکی کو زور زور سے چلاتے سنا اونچی آواز سے چیختے ہوئے وہ ایک تسلسل کے ساتھ یہی الفاظ کہے جارہی تھی اور تکیے پر زور زور سے سر پٹخ رہی تھی۔ اس کے قریب اس وقت کئی ڈاکٹرز اور نرسیں موجود تھیں جو اسے سنبھالنے کی سر توڑ کوشش کررہی تھیں۔ ڈاکٹر زکی جو اس ہسپتال کے سب سے سینئر اور تجربہ کار ڈاکٹر تھے۔ ہاتھ میں ایک انجکشن لیے تشویش سے اس لڑکی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ بلال کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے اس لڑکی سے عجیب سی انسیت محسوس ہورہی تھی اور اس کا یوں چلانا اسے بے حد تکلیف دے رہا تھا۔ پتا نہیں وہ چھوٹی سی لڑکی اذیت کے کس احساس میں گھری ہوئی تھی۔ جس نے اسے یوں ہوش و خرد سے بے گانہ کردیا تھا۔ بلال کا دل اس کے لیے اس قدر گداز ہورہا تھا کہ اگر اسے اپنی پوزیشن کا احساس نہ ہوتا تو شاید وہ اس کے لیے رو ہی پڑتا۔

"یہ STRESS DISORDER POST TRAUMATIC کا SEVER اٹیک ہے۔ ان کو کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے جسے ان کا ذہن قبول نہیں کرپارہا۔"

کئی منٹ کی جدوجہد کے بعد ڈاکٹرز آخر کار اسے انجکشن لگانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ جس کے لگنے کے چند منٹ بعد ہی وہ گہری نیند میں جاچکی تھی۔ اور اب ڈاکٹرز وہاں موجود اس سفید داڑھی والے شخص کو اس لڑکی کی کنڈیشن کے بارے میں بتارہے تھے۔ جس کی موجودگی کا بلال پہلے اس لیے نوٹس نہیں لے سکا تھا کیونکہ پہلے اس نے اس لڑکی کے سوا کسی طرف بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"یہ اس لڑکی کے چچا ہیں۔ آج صبح ہی ملتان سے آئے ہیں۔" وہاں موجود ایک نرس سرگوشی میں دوسری نرس کو بتارہی تھی۔

"شکر ہے کسی کو اس بے چاری کا خیال تو آیا ورنہ اس کے بھائی اور بھابھی تو بہت ہی بے حس لوگ ہیں۔" دوسری نرس نے بھی سرگوشی میں تبصرہ کیا۔ بلال کا دل بوجھل ہونے لگا وہ اس وقت وہاں کھڑا بہت توجہ سے اس لڑکی کی رپورٹس دیکھ رہا تھا۔ اس کا نام سارہ حیات تھا اور اس کی عمر اکیس سال تھی۔ اکیس سال کی عمر میں کسی انسان کے اعصاب کتنے کمزور ہوسکتے ہیں وہ دل ہی دل میں اندازہ لگارہا تھا۔ یا پھر اس کو پہنچنے والا صدمہ ہی اتنا شدید رہا ہوگا جس نے اس کے اعصابی نظام کو یوں توڑ پھوڑ ڈالا۔ وہ خود ہی وہاں کھڑا سوچے جارہا تھا۔ اور اس کی نظریں سارہ کے بے حد حسین چہرے کا طواف کررہی تھیں جس پر اس وقت بھی کل کی طرح کرب اور دکھ کے گہرے تاثرات ثبت تھے۔

اگلے دو روز تک سارہ کی یہی حالت رہی وہ جب بھی ہوش میں آتی بری طرح سے چلانے لگتی اور اپنے جسم سے منسلک مختلف نالیوں کو کھینچ کر الگ کرنے کی کوشش کرتی۔ اسے دوبارہ نیند کا انجکشن لگانا پڑتا۔ اور وہ ایک مرتبہ پھر ہوش کی دنیا سے بے گانہ ہوجاتی۔ دو روز گزر جانے کے بعد اس کی حالت میں تبدیلی آنے لگی اب اس کا چیخنا چلانا کم ہوگیا۔ مگر اس کے انداز میں اب بھی ایسی بے یقینی ہوتی جیسے یہ ساری صورت حال اس کے تصور سے بھی کوئی بہت آگے کی چیز ہو۔ سارہ ابھی ایمرجنسی وارڈ میں تھی جب بلال کو بالکل اچانک کراچی جانا پڑ گیا۔

دو روز کے بعد وہ واپس لوٹا تو سارہ کمرے میں شفٹ ہوچکی تھی اور اس کی حالت اب کافی بہتر تھی۔ بلال نے بے اختیار ہی سکھ کا سانس لیا اس روز تھکا ہوا ہونے کے باوجود اس نے وارڈز کے ساتھ ساتھ تمام کمروں کا بھی راؤنڈ لیا تاکہ سارہ کو ایک بار دیکھ سکے۔ وہ اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ کمبل اوڑھے سو رہی تھی۔ اس کے جسم سے منسلک تمام نالیاں اور نلکیاں ہٹادی گئی تھیں۔ صرف ایک گلوکوز کی ڈرپ اسے لگی ہوئی تھی۔ بلال نے پہلی بار اس کا چہرہ گہرے دکھ اور کرب کے بغیر دیکھا اور اسے وہ بے حد اچھی لگی۔ اس کے چہرے کی جلد بے حد شفاف اور ملائم تھی۔ اس کی گھنی سیاہ پلکیں باہم پیوست تھیں۔ اور روشنی اس کے چہرے پر کچھ ایسے زاویے سے پڑ رہی تھی کہ اس کی لمبی پلکوں کا سیاہ اس کے شفاف رخساروں پر پڑ رہا تھا اور ایسے میں اس کا چہرہ بہت خوبصورت اور پیارا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن بلال کے اس کے ساتھ لگاؤ کی وجہ اس کی خوبصورتی سے زیادہ وہ یاسیت تھی جو وہ پہلے لمحے سے اس کے لیے محسوس کررہا تھا۔

اگلے روز اتوار تھا۔ وہ عام طور پر اتوار کو چھٹی کیا کرتا تھا۔ مگر اس روز اسے ایک آپریشن کرنا تھا اس لیے اسے ہسپتال جانا پڑا۔ آپریشن کے بعد اس نے ایمرجنسی وارڈ کا راؤنڈ لگایا اور سیدھا سارہ کے کمرے میں چلا آیا۔ سارہ جاگ رہی تھی اور اپنے ہاتھ سے مائع خوراک لے رہی تھی اس نے گلابی رنگ کا ڈھیلا ڈھالا اور بے حد سادہ لباس پہن رکھا تھا اور شاید یہ گلابی رنگ کا ہی عکس تھا جو آج اس کا چہرہ ہمیشہ جتنا سفید نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ جو بے حد گہری اور حسین تھیں۔ چہرے کے نقوش تیکھے اور بے حد جاذب نظر تھے اسے سامنے بیٹھے دیکھ کر بلال کو نہ جانے کیوں نیلم کی یاد آئی تھی۔ اس کے دل کی عجیب سی کیفیت ہونے لگی۔ وہ سر جھٹک کر سارہ کی طرف متوجہ ہوگیا جو اس کے وہاں موجود ہونے کے باوجود یوں لاتعلق بیٹھی تھی جیسے اسے احساس ہی نہ ہو کہ کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے حتیٰ کہ اس نے اس نرس کی طرف بھی دھیان نہیں دیا تھا جو اس کا کمبل ٹھیک کررہی تھی۔ اس کے حسین چہرے پر گہری اداسی دبیز دھند کی طرح چھائی ہوئی تھی اور نیلی آنکھوں میں عجیب سا خالی پن تھا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بلال کے دل کو کچھ ہونے لگا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح اس کے چہرے پر چھائی اداسی کو دور کردے اور اس کے بھینچے ہوئے سپید لبوں کو مسکراہٹ سے مالا مال کردے۔ صرف اسی خیال سے اس نے سارہ سے چند ایک باتیں بھی پوچھیں کہ خواہ ایک لمحے کے لیے ہی سہی اس کے چہرے سے اداسی دور ہوجائے مگر اسے اپنی کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ سارہ نے اس کے سوالوں کے بے حد مختصر جواب دیے تھے۔ اور اس نے ایک بار بھی بلال کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اسے تھوڑی سی مایوسی تو ضرور ہوئی مگر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہمت نہیں ہارے گا۔

اگلا پورا ہفتہ وہ باقاعدگی سے اس کے کمرے میں جاتا رہا اور سارہ کے رسپانس نہ دینے کے باوجود اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اگرچہ سارہ نے خود سے کبھی ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا مگر پھر بھی وہ اس سے کسی حد تک مانوس ہوگئی تھی۔ اور اس کی پوچھی گئی باتوں کے جواب بھی ذرا سہولت سے دینے لگی تھی۔ اور اس کی موجودگی میں سارا وقت سامنے والی دیوار کو گھورنے کی بجائے کبھی کسی وقت اس کی طرف دیکھ کر بھی بات کرلیا کرتی تھی۔ اور بلال کو اتنی سی کامیابی بھی بہت زیادہ لگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا پڑھا جارہا ہے جناب؟" وہ کمرے میں داخل ہوا تو سارہ کو ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھ کر خوشگوار سی حیرت میں گھر کر پوچھنے لگا۔ سارہ کا کسی بھی چیز میں دلچسپی لینا خوش آئند تھا۔ اس کے صحت یاب ہونے کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہر وقت سوچوں کے

www.Paksociety.com

گرداب میں پھنسے رہنے کی بجائے کسی بھی اور طرف اپنا ذہن لگائے اور آج پہلی بار یہ ہوا تھا کہ وہ سامنے والی دیوار کی بجائے کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔

سارہ نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کتاب کا ٹائٹل اس کے سامنے کر دیا تھا۔

"خطبات بہاولپور۔" بلال نے ٹائٹل پڑھا اور کچھ چونک سا گیا۔

"ارے تمہیں یہ کتاب کہاں سے ملی میں بڑے عرصے سے اسے پڑھنا چاہ رہا تھا مگر مجھے یہ ملی نہیں۔" دوستانہ انداز سے کہتے ہوئے اس نے کتاب سارہ کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے صفحے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ سارہ اس سے کافی چھوٹی تھی اس لیے وہ اسے پہلے دن سے ہی بے تکلفی سے مخاطب کر رہا تھا۔ جس پر سارہ نے کبھی برا بھی نہیں مانا تھا بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ جذبات کا معمولی سا اظہار بھی نہیں کرتی تھی۔ اس کے احساسات پر جیسے برف پڑ چکی تھی۔ اور بلال اس برف کو پگھلانے کے جتن کر رہا تھا۔

"یہ میرے ڈیڈی کی ہے انکل میرے لیے ان کی اسٹڈی سے لے کر آئے ہیں۔" سارہ نے مدھم آواز میں جواب دیا۔ بلال واحد شخص تھا جس سے وہ اتنی بات بھی کر لیا کرتی تھی۔ دس روز سے وہ ہسپتال میں داخل تھی اور ہسپتال کے اسٹاف میں گنتی کے لوگ تھے جنہوں نے اس کی آواز سنی تھی۔ اپنی عیادت کے لیے آنے والوں سے بھی وہ کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ شاید اس لیے اس کی عیادت کے لیے باقاعدگی سے آنے والوں میں صرف اس کے انکل محمود کا نام ہی رہ گیا تھا جو چوبیس گھنٹوں میں چند گھنٹے کے لیے ہی گھر جاتے تھے۔ ورنہ سارا وقت سارہ کے پاس ہی رہتے تھے حالانکہ سارہ ان سے بھی مخاطب نہیں ہوتی تھی مگر اس کے باوجود وہ بیشتر وقت اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ وہ ملتان میں رہتے تھے اور ان دنوں صرف سارہ کی خاطر لاہور آئے ہوئے تھے اور بلال کے علاوہ شاید وہ واحد شخص تھے جو شدت سے سارہ کی صحت یابی کے منتظر تھے۔

"مجھے یہ کتاب پڑھنے کے لیے مل سکتی ہے؟" بلال نے اس سے پوچھا تھا جواب دیتے ہوئے وہ ذرا سا ہچکچائی تو بلال کو اندازہ ہوا کہ کتاب اس کے لیے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

"میں اسے بہت حفاظت سے رکھوں گا اور دو دن کے بعد واپس کر دوں گا۔" اس نے سارہ کو یقین دلایا تو اس نے کچھ تذبذب کے بعد کتاب اسے دے دی۔ اور بلال حسب وعدہ دو دن میں وہ کتاب پڑھ کر ہسپتال لے بھی آیا مگر ایک اہم آپریشن کی وجہ سے وہ سارہ کے کمرے میں نہیں جا سکا تو اس نے ایک وارڈ بوائے کے ہاتھ کتاب اسے بھجوا دی مگر کتاب سارہ کو نہیں مل سکی۔ وارڈ بوائے کو یاد نہیں رہا یا اس کی سارہ سے ملاقات نہیں ہو پائی تھی۔ خود بلال کو بھی سارہ سے تصدیق کرنے کا خیال نہیں آیا تھا اسے کتاب کی گمشدگی کا اس وقت پتا چلا جب سارہ نے اس سے کتاب کے بارے میں پوچھا۔

"ارے تمہیں ملی نہیں؟ میں نے تو منگل والے دن ہی ایک وارڈ بوائے کے ہاتھ بھجوا دی تھی۔" بلال نے حیرت سے سوال کیا تھا۔ سارہ کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

"نہیں ملی اور اب ملے گی بھی نہیں۔" سامنے والی دیوار پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے وہ آزردگی سے بولی تھی۔

"میری چیزیں ایک بار کھو جائیں تو پھر کبھی نہیں ملتیں۔"

"ایسا مت کہو۔" بلال کو اس کی اس درجے مایوسی نے تکلیف پہنچائی تو وہ تیزی سے بول اٹھا مگر جب سارہ نے شکایتی نظر سے اس کی طرف دیکھا تو اس کا لہجہ اپنے آپ نرم ہو گیا۔

"وہ کتاب تم نے مجھے دی تھی اور جب تک میں وہ تمہیں واپس نہیں کر دیتا وہ تمہاری نہیں میری ملکیت ہے اور یقین رکھو کہ میری چیزیں اگر گم ہو جائیں تو واپس مل جایا کرتی ہیں۔" سارہ نے اس کی بات پر کوئی رد عمل نہیں دکھایا بس چپ چاپ اس کی طرف

دیکھتی رہی۔ اسے شاید بالکل بھی یقین نہیں تھا کہ کتاب واپس بھی مل سکتی ہے۔ اس لیے ایک گھنٹے کے بعد جب بلال سچ مچ وہ کتاب لے آیا تو وہ حیران سی ہو گئی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ میری چیزیں اگر گم ہو جائیں تو واپس مل جایا کرتی ہیں۔" بلال نے مسکرا کر اسے بتایا تھا۔ وہ مدھم سا مسکرا دی اس کی مسکراہٹ بہت پھیکی اور افسردگی کی تہہ میں لپٹی ہوئی تھی مگر بلال کو پھر بھی اس کے مسکرانے سے خوشی ہوئی تھی کم از کم وہ اس کے سامنے پہلی بار مسکرائی تھی اور اسے اس کا مسکرانا بے حد اچھا لگا تھا۔ سارہ کی حالت اب کافی بہتر ہو چکی تھی۔ اس لیے ڈاکٹرز کے بورڈ نے اسے ڈسچارج کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ البتہ کچھ دوائیاں اسے اگلے دو ماہ تک استعمال کرنا تھیں۔ کیونکہ اعصابی طور پر وہ بے حد کمزور ہو چکی تھی اور اکثر معمولی سی آہٹ سے بھی بری طرح چونک جایا کرتی تھی۔ ایسے میں اس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ جاتا اور آنکھوں میں وحشت سی بھر جایا کرتی تھی۔ مگر یہ وہ مسئلہ تھا جو وقت کے ساتھ ہی حل ہونا تھا اس لیے اب اسے مزید ہسپتال میں رکھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ بلال نے ڈاکٹرز کے بورڈ کا فیصلہ اسے سنایا تو وہ ایکدم ہی بہت پریشان نظر آنے لگی۔ حالانکہ بلال کا خیال تھا کہ یہ خبر سن کر وہ خوش ہو گی آخر وہ اتنے دن کے بعد اپنے گھر جا رہی تھی۔

"کیا ہوا سارہ! تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" اسے گم سم بیٹھا دیکھ کر بلال نے تشویش سے پوچھا تھا۔ سارہ نے پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا کچھ کہنے کو اس کے لب بھی وا ہوئے مگر پھر کچھ بھی بولے بغیر اس نے دوبارہ سے پلکیں جھکا لیں۔

"دیکھو سارہ! مجھے اپنا دوست سمجھو میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ایک مضبوط شخصیت کی مالک بنانا چاہتا ہوں۔ لیکن ایسا تبھی ہو سکتا ہے جب تم مجھ پر اعتماد کرو میں تمہیں ....."

"مت کہو ایسا ....." سارہ یکدم ہی چلائی تھی۔ بلال کی بات ادھوری رہ گئی وہ حیرت سے سارہ کی جانب دیکھ رہا تھا جو ہسٹریائی انداز سے چلا رہی تھی۔

"ایسا مت کہو ورنہ تم بھی مر جاؤ گے۔ سنا تم نے .... تم بھی مر جاؤ گے۔" وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئی چیخ رہی تھی۔ بلال شدید حیرت اور صدمے سے گنگ اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ جب ایک نرس تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی اور سارہ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ بلال بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے چلا آیا۔

اس روز رات تک بلال کے ذہن میں مستقل سارہ کا ہی خیال رہا بلکہ اگلی صبح ہسپتال پہنچنے کے بعد بھی وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا اسے سارہ سے گلہ بھی تھا اور اسے اس پر ترس بھی آ رہا تھا۔ اسے اداس آنکھوں والی اس تنہا تنہا سی لڑکی سے گہری انسیت ہو گئی تھی۔ بارہا اس کا دل چاہتا کہ کبھی سارہ زور زور سے ہنسے اور خوب تیز تیز باتیں کرے جیسا کہ اس کی عمر کی اکثر لڑکیاں کرتی ہیں۔ لیکن قہقہہ لگانا تو ایک طرف وہ تو مسکراتی بھی نہیں تھی اور خود سے تو اس نے ایک بار بھی کوئی بات نہیں کی تھی بلکہ وہ تو خود سے پوچھی گئی باتوں کے جواب بھی نہایت اختصار سے دیا کرتی تھی۔ اس روز سارہ کو ڈسچارج ہونا تھا۔ بلال اس کے لیے افسردہ بھی تھا اور اسے عجیب سی اداسی بھی ہو رہی تھی۔ اسی افسردگی اور اداسی کے پیش نظر وہ سارہ کے کمرے میں گیا تو معمول کے مطابق اس نے سارہ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی بس اس کی شیٹس دیکھیں نرس کو ایک دو ہدایات دیں اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

"ڈاکٹر صاحب!" سارہ اسے یوں جاتے دیکھ کر بے چین سی ہو کر اسے پکار اٹھی بلال کو اس کے پکارنے پہ خوشگوار سی حیرت ہوئی یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اسے خود سے مخاطب کر رہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا مگر پلٹ کر واپس نہیں آیا۔

"آپ ..... آپ مجھ سے ناراض ہیں۔؟" اپنی

www.Paksociety.com

انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ بہت جھجک کر پوچھ رہی تھی۔ بلال مبہم سا مسکرایا اور پلٹ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"تمہیں کسی کی ناراضی کی پروا ہے؟" وہ بہت نرمی سے پوچھ رہا تھا' سارہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"پتا نہیں۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"مگر مجھے آپ کا یوں ناراض ہونا اچھا نہیں لگ رہا۔"

"اچھا۔" اس بار وہ کھل کر مسکرایا۔

"تم پریشان مت ہو گڑیا میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ میں تو بس..." اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے منہ سے کل جیسی کوئی بات سن کر سارہ ایک بار پھر ویسے ہی ردعمل کا اظہار کرے۔

"میں نے شام چار بجے تک یہاں سے جانا ہے۔ جانے سے پہلے میں آپ کے آفس آؤں گی اور کوشش کروں گی کہ آپ کے سارے سوالوں کے جواب دے سکوں۔" سر جھکائے وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

بلال کو سارہ کے آنے کا زیادہ یقین نہیں تھا مگر پھر بھی اس کے کمرے سے آنے کے بعد وہ سارا وقت اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب سوا تین بج گئے تو اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ نہیں آئے گی اور اسی وقت وہ چلی آئی۔ اس وقت وہ ہسپتال کے مریضوں والے مخصوص لباس کی بجائے سادہ سی ہلکے نیلے رنگ کی شلوار قمیص پہنے ہوئے تھی۔ بلال اسے دیکھ کر بے اختیار ہی اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے لگا تھا کہ تم بھول گئی ہو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہلکا سا شکوہ کر گیا۔

"نہیں میں بھولی نہیں تھی۔ انکل آئے ہوئے تھے اب وہ بلز وغیرہ کلیئر کروا۔نے گئے ہیں تو میں ادھر آ گئی۔"

ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔ بلال نے آہستہ سے سر ہلا دیا اور خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا جو اب ساکت بیٹھی سامنے والی دیوار کو گھورے جا رہی تھی۔ یہ جیسے اس کی مستقل عادت بن چکی تھی۔ وہ پہروں خاموش بیٹھی دیواروں کو گھورتی رہتی پتا نہیں اسے وہاں کیا نظر آتا تھا۔ بلال خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ بے چین ہونے کے باوجود اس نے خود سے سارہ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے۔ خود اپنی مرضی سے کہے۔

"میری زندگی کی کہانی بڑی عجیب ہے۔" آخر کار وہ مدھم آواز میں بولنے لگی تھی۔

"قسمت جب مجھے دینے پر آئی تو ہر چیز دے ڈالی وہ سب بھی جس کی میں نے خواہش کی تھی اور وہ بھی جو میں نے مانگا بھی نہیں تھا۔ اور جب چھیننے پر آئی تو مجھ سے سب کچھ چھین لیا بالکل خالی' بالکل کنگال کر دیا مجھے... کچھ بھی نہیں چھوڑا میرے پاس... سوائے دکھ اور حسرتوں کے۔" وہ یوں بول رہی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو اور بلال بہت انہماک اور توجہ سے اس کے لبوں کی قید سے آزاد ہوتے لفظوں کو سن رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
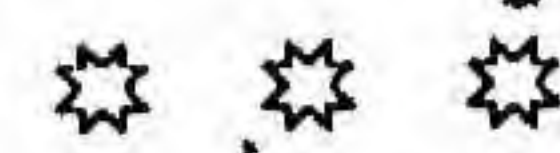
کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں نعمتوں کی تقسیم بڑے انصاف سے کی ہے۔ کسی کو حسن دیا ہے تو کسی کو ذہانت' کسی کو بے حساب دولت سے نوازا ہے تو کسی کو ایسی قابل رشک صحت دی ہے۔ جسے بہت سارے دولت اور حسن والے بھی حسرت سے دیکھتے ہیں مگر اس زمین پر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بیک وقت ہر نعمت ملتی ہے اور اتنی وافر مقدار میں ملتی ہے کہ دیکھنے والوں کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اب پتا نہیں اتنا سب کچھ ملنا کوئی انعام ہوتا ہے یا کسی آزمائش کا حصہ مگر ایسے لوگوں کو دنیا خوش قسمت ضرور گردانتی ہے۔

سارہ حیات کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

جنہیں خوش قسمت کہا ہی نہیں سمجھا بھی جاتا ہے۔ جنہیں گزرتا ہوا وقت بھی حیرت سے دیکھتا ہے کہ آخر اس بندے میں ایسی کیا بات تھی جو اسے اتنا نوازا گیا ہے۔

وہ پیدا ہوئی تو اس کے خیرہ کن حسن نے سب کو چونکا دیا اگرچہ اس کے والدین اور اکلوتا بڑا بھائی بھی خوبصورت لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ مگر وہ اتنی حسین تھی کہ ان میں سے لگتی ہی نہیں تھی۔ اس کا ایک ایک نقش گویا فرصت سے تراشا گیا تھا۔ اس کی شفاف دودھیا رنگت اور چمکدار ہلکی نیلی آنکھیں ہر دیکھنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھیں۔ اسے دیکھنے والا کوئی بھی شخص اسے پیار کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

تھوڑی بڑی ہوئی تو اس کی غیر معمولی ذہانت نے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اسے جو بھی بات ایک بار بتائی جاتی وہ اسے ہمیشہ یاد رہتی۔ ہر چیز کے بارے میں ذہانت سے لبریز سوالات کرنا اور ہر جواب کو ازبر کرنا اس نے بہت چھوٹی عمر سے ہی سیکھ لیا تھا۔ اس کی غیر معمولی ذہانت کو دیکھتے ہوئے اس کے اردگرد کے لوگوں کو مشہور زمانہ مقولے

BEAUTY WITH OUT BRAIN پر شک گزرنے لگا۔ والدین کے پاس بے حساب دولت تھی۔ جو اس کے حسن اور ذہانت کے لیے مزید نکھار کا باعث بنی۔ مگر ان سب نعمتوں کے باوجود نہ تو وہ کسی احساس برتری کا شکار ہوئی تھی اور نہ ہی اس میں کسی بھی طرح کا غرور آیا تھا۔ اس کے برعکس وہ بے حد نرم خو اور ملنسار لڑکی تھی۔ اس کے مزاج میں بلا کی اپنائیت اور سادگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گھر' خاندان اور اسکول وہ ہر جگہ بے حد ہردلعزیز سمجھی جاتی تھی۔ گھر میں تو خیر اکلوتی بیٹی' اور سب سے چھوٹی ہونا ہی اس کے لاڈلا ہونے کے لیے کافی تھا۔ مگر اسے باقی ہر جگہ پہ بھی ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔

اس کا اکلوتا بھائی فاروق اس سے دس سال بڑا تھا۔ وہ ابھی ساتویں کلاس میں تھی جب فاروق اعلا تعلیم حاصل کرنے کے ارادے سے امریکہ چلا گیا۔ اس کو اکلوتے بھائی کے اتنی دور چلے جانے پر شدید قلق ہوا تھا۔ اور وہ کئی روز تک روتی رہی۔ کیونکہ عمروں کے واضح فرق کے باوجود ان دونوں میں بہت دوستی تھی۔ خود فاروق بھی امریکہ جاتے ہوئے بے حد اداس تھا اور وہاں جانے کے بعد وہ تقریباً" روز ہی اسے فون کیا کرتا تھا۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کی بے تابی میں بھی کمی آتی گئی اور مصروفیت بھی بڑھنے لگی۔ تو فون پر باتیں کرنے کا دورانیہ کم سے کم ہوتا گیا اور فون نہ کرنے کے وقفے بھی طویل سے طویل ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ جب سارہ میٹرک میں پہنچی تو فاروق کا فون کرنا خاص خاص مواقع تک ہی محدود ہو چکا تھا۔ خود سارہ بھی اب اس دوری کو زیادہ محسوس نہیں کرتی تھی۔ اس کی اپنی مصروفیات اتنی زیادہ ہو چکی تھیں کہ اسے ہزاروں میل دور بیٹھے بھائی کا خیال کم ہی آیا کرتا تھا۔ البتہ اس کے والدین کو فاروق کا یہ رویہ تشویش میں مبتلا کرنے لگا اور وہ اس کی طرف سے فکر مند رہنے لگے تھے۔ سارہ اپنے والدین کی فاروق کے لیے تشویش دیکھتی تو۔ اسے ان کے تفکرات پر ہنسی آنے لگتی۔ کم عمری اور بے فکری کی زندگی کے باعث وہ کسی بھی طرح کی صورت حال میں وہ تاریک پہلو چھوڑ کر صرف روشن رخ دیکھنے کی ہی عادی تھی۔ اس لیے اسے فاروق کے لیے ممی اور پاپا کی تشویش بے جا ہی لگا کرتی تھی۔ مگر آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ فاروق کے لیے اس کے والدین کی تشویش کچھ ایسی بے جا بھی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

میٹرک کے امتحانات میں سارہ نے بورڈ میں پہلی پوزیشن لی تھی۔ ان دنوں وہ بہت خوش تھی۔ ایک تو پوزیشن کی خوشی تھی اور دوسرے اس عالیشان گھر کی جو پاپا پچھلے دو سال سے بہت لگن اور شوق سے تعمیر کروا رہے تھے۔ اور وہ انہی دنوں میں مکمل ہوا تھا۔ اس گھر کا نام انہوں نے سارہ پیلس رکھا تھا اور اسے ہر لحاظ سے شاندار بنانے کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی

www.Paksociety.com

تھی۔ سارہ یہاں آکر بے حد خوش تھی۔ حالانکہ جس گھر میں وہ بچپن سے رہتی آئی تھی وہ بھی کم خوبصورت نہیں تھا۔ مگر سارہ پیلس کی بات ہی الگ تھی۔ اس شاندار گھر کو جو بھی دیکھتا۔ تعریف کیے بغیر نہ رہ سکتا۔

اتفاق سے اس کی سالگرہ بھی انہی دنوں میں آرہی تھی۔ اس لیے پاپا نے نئے گھر اور سارہ کی کامیابی کی پارٹی اس کی سالگرہ والے دن دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ پارٹی بے حد پر تکلف اور وسیع پیمانے پر دی جارہی تھی۔ اس لیے اس میں شرکت کرنے کے لیے ملتان سے انکل محمود اپنی اکلوتی بیٹی ہانیہ کے ساتھ آئے تھے۔ وہ پاپا کے کزن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بچپن کے دوست بھی تھے اور ان کی بیٹی ہانیہ فاروق کی منگیتر بھی تھی اور سارہ کی بہت اچھی دوست بھی۔ حالانکہ وہ سارہ سے پانچ سال بڑی تھی۔ مگر اس کے باوجود دونوں میں بہت دوستی تھی۔ ہانیہ بہت کم ان کے یہاں آیا کرتی تھی اکثر سارہ ہی کو اس سے ملنے ملتان جانا پڑتا تھا۔ مگر اس بار جب سارہ کو معلوم ہوا کہ فاروق بھی پارٹی میں شرکت کے لیے نہیں آرہا تھا تو اس نے باقاعدہ ضد کرکے ہانیہ کو لاہور بلوایا تھا۔ ہانیہ نے گو کہ کبھی اپنی زبان سے فاروق کے لیے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ مگر سارہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ وہ فاروق کو دل ہی دل میں بے حد چاہتی ہے۔ اور یہ کوئی حیرت والی بات بھی نہیں تھی۔ فاروق کے ساتھ اس کی منگنی کو کئی سال ہوچکے تھے اور اتنے سالوں سے وہی ہانیہ کی تمام تر سوچوں کا مرکز تھا۔

ہانیہ کو سارہ کے ساتھ ساتھ اس کے ممی' پاپا بھی بے حد پسند کرتے تھے۔ اور وہ تینوں اسی انتظار میں تھے کہ کب فاروق واپس پاکستان آئے اور کب ہانیہ اس کی دلہن بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے گھر آجائے۔

☼ ☼ ☼

پارٹی کا انتظام سارہ پیلس کے وسیع و عریض لان میں کیا گیا تھا جو اس وقت ان کے رشتہ داروں اور دوستوں سے بھرا پڑا تھا سارہ اور ہانیہ گلابی اور سفید کنٹراسٹ کے ایک جیسے لباس پہنے خوش رنگ تتلیوں کی طرح اڑتی پھر رہی تھیں۔ سارہ کی تقریباً" تمام ہی فرینڈز اس پارٹی میں شریک تھیں۔ اور وہ بے حد خوشی کے عالم میں ہانیہ کو اپنی ہونے والی بھابھی کی حیثیت سے ان سے ملوا رہی تھی۔ جب اس نے فاروق کو لان میں داخل ہوتے دیکھا۔ ایک پل کے لیے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ ابھی ہفتہ بھر پہلے ہی کی تو بات تھی جب فاروق نے اپنی مصروفیات کا کہہ کر اس پارٹی میں شریک ہونے سے معذرت کرلی تھی۔ تب وہ کس قدر دلبرداشتہ ہوئی تھی۔ اور اب اس کا اکلوتا بھائی بالکل اچانک اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے خوشی کے عالم میں بے ساختہ چیخ ماری اور بھاگتی ہوئی جاکر فاروق کے سینے سے لگ گئی۔

"کتنے برے ہیں بھائی آپ! پہلے صاف منع کردیا اور اب یوں اچانک چلے آئے۔" وہ لاڈ بھرے انداز میں شکایت کررہی تھی جب اس کی نظر فاروق کے برابر کھڑی بے حد خوبصورت سی لڑکی پر پڑی۔ جس کے سنہری بال اس کے شانوں پر لہرارہے تھے اور بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں عجیب سرد سا تاثر تھا۔ سارہ کو اس کا یہ تاثر بڑا عجیب اور پر اسرار سا لگا۔ وہ بے اختیار ہی فاروق سے الگ ہوکر اس دراز قد لڑکی کو دیکھنے لگی جو اب فاروق کے شانے سے شانہ ملائے بڑے استحقاق سے کھڑی تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں سارہ کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے اپنی نظریں اس پری وش کے چہرے سے چھڑا کر اپنے بھائی کی طرف سراسیمہ سے انداز میں دیکھا۔

"سارہ! یہ تمہاری بھابھی ہیں۔ صدف" فاروق نے اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔ ایک پل کے لیے سارہ کے حواس منجمد سے ہوگئے۔ جو بات فاروق کہہ رہا تھا وہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔ اس نے تو جب بھی اپنی بھابھی کے متعلق کوئی تصور کیا تو اس کے سامنے ہمیشہ ہانیہ کا چہرہ ہی آیا تھا۔

"بھائی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" حیرت' بے یقینی اور دکھ کے احساس نے اس کی آواز کو خود اسی کے لیے اجنبی بنادیا تھا۔ مگر فاروق اب اس کی طرف متوجہ نہیں رہا تھا۔ تب تک وہاں ممی' پاپا اور کچھ دوسرے لوگ آچکے تھے اور وہ بے حد سکون کے ساتھ ان سے اپنی بیوی کا تعارف کروا رہا تھا۔ اسے گویا اس چیز کا کوئی احساس ہی نہیں تھا کہ اس نے اپنے والدین اور بہن کو کتنا بڑا شاک دیا ہے۔ اپنی مرضی کی شادی وہ بھی والدین کو مکمل اندھیرے میں رکھ کر کرنے کے بعد وہ کس دھڑلے سے اپنی بیوی کو لے کر اس محفل میں چلا آیا جہاں اس کے دور اور نزدیک کے تقریباً" سب ہی رشتہ دار اور جاننے والے موجود تھے۔ حتیٰ کہ اس کی منگیتر بھی وہاں تھی۔ فاروق نے یقیناً" اپنی بیوی کو متعارف کرانے کے لیے بہت اچھا موقع چنا تھا۔ اس کے گھر کے لوگ اب چاہتے یا نہ چاہتے انہیں صدف کو اپنی بہو کے طور پر قبول کرنا ہی پڑتا۔ کم سے کم اس خبر کو وہ اب کسی سے بھی چھپا نہیں سکتے تھے۔ سارہ نے بے دلی سے ممی اور پاپا کے بے یقین چہروں کی طرف دیکھا پھر اسے یکایک ہی ہانیہ کا خیال آیا اس نے بے اختیار ہی اسے ادھر ادھر ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ مگر ہانیہ اسے کہیں دکھائی نہیں دی۔ حالانکہ چند منٹ پہلے وہ اس کے ساتھ ہی موجود تھی۔ محمود انکل البتہ دھواں دھواں چہرے اور ویران آنکھوں کے ساتھ وہاں کھڑے تھے۔ سارہ سے ان کے چہرے کا کرب نہ دیکھا گیا تو وہ وہاں سے پلٹی اور بھاگتی ہوئی اندر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ مگر وہ دروازے سے اندر داخل نہ ہوسکی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا اور اندر سے ہانیہ کی دبی دبی سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ سارہ خود میں اس کا سامنا کرنے کی سکت نہیں پارہی تھی۔ اس لیے وہ اندر نہ جاسکی۔ ادھ کھلے دروازے سے اس نے اندر جھانکا اور اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ اندر ہانیہ بیڈ کے کراؤن کے ساتھ لپٹی رو رہی تھی۔ اور وہ گلابی چوڑیاں جو چند منٹ پہلے اس کی گوری کلائیوں میں سجی ہوئی تھیں' اب ٹکڑوں میں تقسیم کچھ بیڈ پر اور کچھ قالین پر بکھری ہوئی تھیں۔ اور اس کی کلائیوں پر پڑی خراشوں سے رستا خون سارہ کو دور کھڑے بھی نظر آرہا تھا۔ اس کی ہمت بالکل ہی ٹوٹ گئی۔ وہ تھکے تھکے نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی ٹیرس پر آئی اور وہاں پڑے کاؤچ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

شام ڈھل چکی تھی مگر اس کا اندر جانے کو دل نہیں کررہا تھا۔ اس نے بے دلی سے آسمان کی گہری ہوتی ہوئی رنگت کو دیکھا اور سبز گھاس کے تنکے نوچنے لگی۔ اس کی کتابیں اور نوٹس اس کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے۔ مگر دو گھنٹوں کی کوشش کے باوجود وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ پائی تھی حالانکہ اس کے فرسٹ ایئر کے ایگزام شروع ہونے میں چند ہی دن رہ گئے تھے۔ اور آج کل وہ دن رات پڑھنے کے علاوہ کسی طرف بھی توجہ نہیں دے رہی تھی۔ مگر آج کی بات دوسری تھی۔ آج صبح ہی سے اس کا دل بے حد اداس ہورہا تھا۔ آج ہانیہ کی سالگرہ تھی۔ اور اس سے پہلے وہ اس کی ہر سالگرہ پر ملتان جایا کرتی تھی۔ مگر آج وہاں جانا تو ایک طرف ہانیہ سے فون پر بات کرنا بھی اسے مشکل ترین کام لگا تھا۔ پھر بھی سہ پہر کے وقت ہمت کرکے اس نے اسے فون کرہی لیا ہانیہ بھی اس کی طرح اداس تھی۔ اس نے اداسی کے عالم میں ہی سارہ کو اپنی منگنی کے بارے میں بتایا تھا۔ جو دو روز پہلے ہی محمود انکل کے کسی دوست کے بیٹے کے ساتھ بہت سادگی سے ہوئی تھی۔ اگرچہ پچھلے کئی ماہ سے وہ خود کو یہ یقین دلانے کی ہر طرح سے سعی کرتی رہی تھی کہ اب ہانیہ اس کی بھابھی نہیں بن سکتی مگر پھر بھی اس کی کسی اور سے منگنی ہوجانے کی خبر سن کر اس کے دل کو دھچکا سا لگا اور فون بند کرنے کے بعد وہ دیر تک روتی بھی رہی۔ یہ ایسا دکھ تھا جو وہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ ممی' پاپا بادل ناخواستہ ہی سہی صدف کو بہو کے روپ میں قبول کرچکے تھے۔ کیونکہ انہیں اس چیز کا اندازہ ہوگیا تھا۔ کہ جلد یا بدیر انہیں ایسا کرنا ہی ہوگا۔

www.Paksociety.com

فاروق ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ زیادہ دنوں تک اس سے ناراض نہیں رہ سکتے تھے۔ پھر محمود انکل نے بھی جانے سے پہلے پاپا کو یہی سمجھایا تھا۔

"میری بیٹی کا خیال کر کے فاروق سے ناراض نہ ہونا۔ ہانیہ کا جہاں نصیب ہوگا اس کی شادی وہیں ہوگی۔ لیکن تم فاروق کو خود سے دور نہ کرنا۔" انہوں نے پورے خلوص اور دل سوزی سے پاپا کو سمجھایا تھا اور پاپا خود بھی اس نہج پر سوچ رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے صدف کو فاروق کی بیوی کی حیثیت سے قبول کرلیا تھا اور ممی نے بھی زندگی کے ہر معاملے کی طرح یہاں بھی ان کی تقلید کی تھی۔ البتہ سارہ' صدف کو وہ جگہ نہیں دے پائی تھی جو اس کے خیال کے مطابق ہمیشہ سے ہانیہ کی تھی۔ اور صدف یا فاروق کو اس بات کی پروا بھی نہیں تھی کہ سارہ کیا چاہتی یا کیا سوچتی ہے۔ صدف بے حد مغرور اور خود پسند لڑکی تھی۔ اسے اپنے حسن کا ضرورت سے زیادہ ہی احساس تھا۔ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھنے کی عادی نہیں تھی اور فاروق مکمل طور پر اس کا دیوانہ بن چکا تھا۔ وہ اسی کی آنکھوں سے دیکھتا اسی کے کانوں سے سنتا اور اسی کے ذہن سے سوچتا تھا۔ کبھی کبھی تو سارہ فاروق کا رویہ دیکھ کر حیران رہ جایا کرتی تھی اسے گویا صدف کے علاوہ دنیا میں کسی کی پرواہی نہیں رہی تھی۔ اگرچہ اس نے پاپا کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانا شروع کردیا تھا مگر وہ بس لنچ ٹائم تک ہی آفس میں رکتا تھا اور سیدھا گھر چلا آتا۔ اس کے بعد روز ہی وہ اور صدف کہیں گھومنے نکل جایا کرتے تھے۔

✡ ✡ ✡

"سارہ! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ اندر کیوں نہیں گئیں یہاں اتنے مچھر ہیں؟" وہ اپنے خیالوں میں پوری طرح سے گم تھی جب فاروق نے اسے مخاطب کیا۔ وہ بری طرح سے چونکی تھی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اپنے دھیان میں مگن اسے فاروق کے وہاں آنے کا بالکل بھی پتا نہیں چلا تھا اور دوسرے اس لیے بھی کہ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود فاروق نے نہ جانے کتنے دنوں کے بعد اسے مخاطب کیا تھا۔ سارہ کا دل بھر آیا یہی بھائی تھا جو چند سال پہلے اس پر جان چھڑکا کرتا تھا۔ اب کیسا اجنبی بن کر رہ گیا تھا۔

"سارہ! ذرا رکو مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" کتابیں اور نوٹس اٹھا کر اس نے اندر کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے جب فاروق نے اسے دوبارہ پکارا۔ وہ رک گئی اور سوالیہ نظروں سے فاروق کی طرف دیکھنے لگی۔

"سارہ! تم صدف سے ٹھیک طرح بات کیوں نہیں کرتی ہو۔ وہ تمہاری وجہ سے بہت اپ سیٹ رہتی ہے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد فاروق نے گوہر افشانی کی۔ سارہ نے تحیر کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔ مگر چاہ کر بھی کچھ بول نہ سکی۔

"دیکھو سارہ! صدف ہمیشہ سے امریکہ میں رہی ہے۔ وہ یہاں کے ماحول اور طرز زندگی کی عادی نہیں ہے۔ وہ تو یہاں آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ صرف اور صرف میری خاطر اس نے یہاں رہنا قبول کیا ہے۔ اب اس کو یہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ ہونے میں وقت تو لگے گا ہی مگر ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہم لوگ اس کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھیں اور اس کی دل آزاری نہ کریں۔" فاروق پوری توجہ سے صدف نامہ پڑھنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ سارہ کچھ دیر تو اس کی باتیں سنتی رہی مگر پھر اس کی برداشت جواب دے گئی۔

"بس کریں فاروق بھائی! آپ کی بیگم کو کسی دلجوئی' کسی توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں ہیں انہیں کسی کی پروا نہیں ہے سوائے آپ کے اور نہ ہی وہ آپ کے علاوہ یہاں کسی کو اپنا سمجھتی ہیں۔" اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تیز ہو گیا تھا۔

"یہ تم مجھ سے کس طرح بات کر رہی ہو' میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔" فاروق سے وہ زندگی میں پہلی بار اونچی آواز میں بولی تھی اس لیے وہ برداشت نہ کر پایا۔

"بڑا بھائی ہونے کا دعوا کرتے آپ تب اچھے لگتے اگر آپ نے کبھی اپنا کوئی فرض نبھایا ہوتا ابھی آپ نے مجھ سے جواب طلبی کرنے سے پہلے اپنی بیگم سے پوچھا تھا کہ وہ آپ کی اکلوتی بہن کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔"

فاروق کے غصے کو اگر وہ خاطر میں نہیں لا رہی تھی تو اس کے پیچھے اس کا کئی مہینوں کا غصہ اور کرب چھپا ہوا تھا اور اوپر سے ہانیہ کی منگنی کی خبر' جس نے پچھلے کئی گھنٹوں سے اسے کرب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس لیے فاروق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے نہایت بے خوفی سے اپنی بات مکمل کی تھی اور اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی جبکہ فاروق وہیں کھڑا کتنی ہی دیر تک غصے میں کھولتا رہا۔ اسے سارہ سے ایسی امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر بے رخی اور گستاخی کا مظاہرہ کرے گی۔ اس وقت سارہ کے رویے کو غصے سے سوچتے ہوئے اس نے ایک بار بھی اپنا تجزیہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ اس کے حساب سے اس نے جو کچھ بھی کہا اور جو کچھ بھی وہ اب کر رہا تھا وہ سب اس کا حق تھا۔ اور اگر جواب میں سارہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اس کے حساب سے یہ گستاخی تھی اس دن سے فاروق کے دل میں سارہ کے لیے گرہ سی پڑ گئی جو آنے والے ہر دن کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ کیونکہ یہاں سارہ کے مقابلے میں صدف تھی۔ فاروق کی چہیتی بیوی' جس نے اس گرہ کو کھلنے تو کیا دینا تھا بلکہ اسے مضبوط کرنے کے لیے اس نے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتی تھی۔

اگلے چند ماہ میں صدف کے زیر اثر فاروق گھر کے باقی لوگوں سے بالکل ہی لاتعلق ہو گیا۔ سارہ کے ساتھ ساتھ ممی اور پاپا کو بھی اس کے رویے پر دکھ کا سامنا تھا۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کی لاتعلقی ان کی برداشت سے باہر تھی۔ گھر کا ماحول اس ساری صورت حال کی وجہ سے شدید تناؤ اور اداسی کا شکار ہو رہا تھا۔ اور یہ اداسی سارہ کے اعصاب کو دھیرے دھیرے شل کر رہی تھی وہ اب زیادہ تر خاموش اور اپنے کمرے تک ہی محدود رہنے لگی۔ اور ایک سال پہلے والی سارہ سے بالکل مختلف نظر آتی تھی۔ سارہ کے سیکنڈ ایئر کے پیپرز ہونے والے تھے۔ جب فاروق اور صدف کو پتا چلا کہ سارہ پیلس پاپا نے سارہ کے نام کیا ہوا ہے۔ فاروق اس وقت تک مکمل طور پر صدف کے زیر اثر آجانے کے بعد ممی اور پاپا سے بھی کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا۔ اور سوائے ضرورت کے ان دونوں سے بھی بات نہیں کرتا تھا۔ سارہ سے بات کرنا تو اس نے تقریباً ترک ہی کر دیا تھا اور اب جب سے اسے گھر سارہ کے نام ہونے والی بات معلوم ہوئی تھی اس کا مزاج کچھ اور برہم ہو گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"میں آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ آپ کو مجھے نظر انداز کر کے یہ گھر سارہ کے نام نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اس صبح ناشتے کی میز پر وہ ایک بار پھر اسی موضوع پر بول رہا تھا۔ جو ان دنوں اس کا پسندیدہ ترین موضوع بنا ہوا تھا۔ سارہ نے ایک دکھ بھری نظر فاروق پر ڈالی اور سر جھکا کر بے دلی سے ناشتا کرنے لگی۔ کبھی کبھی تو فاروق اسے اس قدر عجیب اور مختلف سا لگنے لگتا تھا کہ جیسے وہ اس کا اپنا بھائی نہیں کوئی اجنبی آدمی ہو۔ جسے وہ بالکل بھی نہیں جانتی۔ فاروق کو شاید اندازہ بھی نہیں تھا کہ اپنی انا ضد کے باعث وہ اپنی سطح سے کس قدر نیچے آکر باتیں کرنے لگا ہے اگر وہ سارہ پیلس کو اپنی ضد نہ بناتا۔ اور سارہ کو اپنی چھوٹی بہن مان کر اس سے پیلس مانگتا تو وہ شاید اس کی بات مان بھی لیتی مگر اب اسے فاروق کے رویے کے باعث چڑ سی ہو گئی تھی اور اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سارہ پیلس ہرگز بھی فاروق کے نام نہیں کرے گی۔

"یہ گھر میں نے بنایا ہی سارہ کے لیے تھا۔ اس لیے اس کے نام کیا ہے۔" پاپا نے تحمل سے کئی بار کی بتائی ہوئی بات ایک بار پھر اسے بتائی تھی۔

"لیکن یہ ناانصافی ہے۔ آپ نے میری حق تلفی کی

www.paksociety.com

ہے۔" پاپا کی نرمی کے باوجود وہ بھڑک اٹھا تھا۔ شاید صدف سے تازہ تازہ ڈوز لے کر آیا تھا۔ جو اس وقت نہایت لاتعلقی سے ناشتا کرنے میں معروف تھی۔ جیسے وہاں ہونے والی گفتگو سے اسے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

"میں نے تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی۔ جتنی مالیت کا یہ گھر ہے اتنی جائیداد میں تمہیں سارہ سے زیادہ دوں گا۔ تمہیں تمہارا پورا پورا شرعی اور قانونی حق ملے گا۔" فاروق کے انداز پر پاپا کو بھی غصہ آگیا تھا۔ اس لیے اس بار ان کا لہجہ بھی تلخی لیے ہوئے تھا۔

"میں باقی جائیداد کی نہیں اس پیلس کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے یہ چاہیے۔" وہ اپنی بات پر پوری طرح سے ڈٹا ہوا تھا۔

"یہ تمہیں ہرگز ہرگز نہیں ملے گا۔" پاپا کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اور آئندہ میں اس موضوع پر تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔" انہوں نے اپنی طرف سے بات ختم کر کے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ فاروق چند لمحے لب بھینچے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ پھر میں یہاں نہیں رہوں گا۔ کسی اور گھر میں شفٹ ہو جاؤں گا۔" اس کے لہجے میں واضح دھمکی تھی۔ ممی نے بے اختیار دہل کر اکلوتے بیٹے کی طرف دیکھا۔ مگر کچھ کہہ نہ پائیں کیونکہ اس وقت پاپا بول اٹھے تھے۔

"تمہاری مرضی ہے۔ تم شوق سے دوسرے گھر میں شفٹ ہو سکتے ہو۔" انہوں نے بہت سکون سے کہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ میں بہت جلد یہاں سے چلا جاؤں گا۔" ناشتا ادھورا چھوڑ کر وہ غصے سے دھم دھم کرتا وہاں سے چلا گیا۔ اور اس کے پیچھے ہی صدف بھی ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئی۔ جبکہ وہ تینوں وہاں خاموش بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

"پاپا! آپ یہ پیلس بھائی کو ہی دے دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" آخر سارہ نے ہی خاموشی کو توڑا تھا۔ اسے سارہ پیلس اتنا بھی عزیز نہیں تھا کہ وہ اس کی خاطر اپنے ماں باپ کو دکھی ہونے دیتی اور نہ ہی وہ فاروق جتنی ضدی اور انا پرست تھی۔

"ہرگز نہیں۔" پاپا نے سختی سے انکار کر دیا۔

"فاروق صرف اور صرف ضد کے باعث یہ گھر اپنے نام کروانا چاہتا ہے اور میں اسے اس چیز کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔"

"لیکن پاپا! وہ گھر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔" سارہ نے بے چارگی سے کہا۔

"وہ تو ویسے بھی ایک نہ ایک دن ہونا ہی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے۔ کہ اگر یہ گھر اس کے نام کر دیا جائے تو وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا ہرگز نہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں یہاں سے شفٹ ہونے دیا جائے۔" پاپا نے دھیمی آواز میں اپنی بات مکمل کی اور دوبارہ سے چائے پینے لگے۔ سارہ کو دکھ ہو رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر اپنے بچپن اور لڑکپن کے وہ دن یاد آ رہے تھے جب فاروق اس پر جان چھڑکا کرتا تھا۔ اور اب وہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے جا رہے ہیں۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ سرد آہ بھر کر اس نے سوچا تھا۔ اور تقدیر اس لمحے اس کی غلط فہمی پر مسکرا رہی تھی۔ یہ ٹھیک تھا۔ کہ اس عالیشان گھر سے دو لوگوں کے جانے کا وقت آگیا تھا۔ مگر وہ دو لوگ فاروق اور صدف بہرحال نہیں تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی۔ جب کسی نے اس کا کندھا زور سے ہلایا۔ اس نے بمشکل تمام اپنی نیند سے بھری ہوئی آنکھوں کو کھولا۔ سامنے ان کی گھریلو ملازمہ شادو کھڑی تھی۔ سارہ کو بے اختیار ہی کوفت ہوئی۔ وہ ابھی بہت دیر تک سونا چاہتی تھی۔ جب سے اس کے پیپرز ختم ہوئے تھے۔ وہ یونہی وقت بے وقت سوئی پائی جاتی تھی کیونکہ پیپرز کے دنوں میں ایک تو اس نے محنت بہت کی تھی اور دوسرے اپنی نیند کو بھی مسلسل قربان کیا تھا۔ جس کی کسر وہ ان دنوں نکال رہی تھی۔

"کیا ہے۔ شادو! ابھی تو سوئی ہوں میں، مجھے تنگ نہ کرو۔" کوفت سے کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ سے نیند کی میٹھی آغوش تک پہنچتی۔ اس کے کانوں نے کچھ نامانوس سی آواز سنی اور اس کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں اس کے عین سامنے شادو کا چہرہ تھا۔ جس پر آنسو بہتے صاف دکھائی دے رہے تھے اور اس نے جس آواز کو سن کر آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ بھی شادو کے سسکنے کی آواز ہی تھی۔

"شادو! کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو۔؟" اس نے بستر سے اترتے ہوئے نرمی سے سوال کیا تھا۔ شادو کے آنسوؤں میں مزید شدت آگئی۔ سارہ کا دل اب زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اور کسی انہونی کے احساس نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس لیے اس بار اس نے چیخ کر سوال کیا تھا۔

"بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اور۔۔۔ اور وہ۔۔۔ وہ دونوں۔" شادو سے فقرہ پورا نہیں ہو سکا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی سارہ نے حیرت اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ ممی اور پاپا سے وہ ابھی سونے کے لیے آنے سے پہلے تو مل کر آئی تھی۔ وہ دونوں کہیں جانے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے سارہ کو بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ مگر وہ سونا چاہتی تھی۔ اس لیے معذرت کر کے اپنے کمرے میں آگئی۔ ابھی اس بات کو دو ہی گھنٹے تو ہوئے تھے اور اب شادو کہہ رہی تھی کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ دونوں۔۔۔ اس نے بے اختیار ہی شادو کو پرے دھکیلا اور ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔

نیچے لاؤنج میں کئی لوگ جمع تھے۔ ان کے کئی رشتہ دار، ملنے والے، ممی کی سہیلیاں، پاپا کے دوست، اس نے کسی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ وہ بس دیوانگی کے عالم میں ــــ باہر کی طرف بھاگ رہی تھی۔ حالانکہ کئی لوگوں نے اس کا وہاں روکنا چاہا تھا۔ مگر وہ نہ کسی کی آواز سن رہی تھی اور نہ ہی کسی کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے کوئی غیبی طاقت تھی جو اس کو باہر کی طرف کھینچ رہی تھی۔ باہر لان خالی تھا۔ اور آسمان کا رنگ سیاہی مائل ہو رہا تھا۔ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ وہ داخلی دروازے کے قریب ٹھہر گئی وہاں ہر طرف خاموشی تھی اور ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے کوئی بڑا طوفان آنے والا ہو۔ اسے اس خوفناک سناٹے پر غور کرنے کا وقت چند لمحوں سے زیادہ نہیں ملا تھا۔ کیونکہ اس کے وہاں آنے کے چند لمحے بعد ہی شور مچاتی ہوئی ایمبولینس سارہ پیلس کے عالیشان گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔ ایمبولینس کے سائرن کی تیز آواز نے اسے بری طرح سے دہلا دیا۔ اسی وقت اندر سے کئی لوگ باہر آئے اور اس کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ مگر وہ ان کی موجودگی سے بے نیاز پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایمبولینس کو دیکھے جا رہی تھی۔ جس میں سے پہلے فاروق اترا۔ اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے۔ اور آنکھوں میں وحشت اتری ہوئی تھی۔ سارہ نے خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اب اس کے پاس کھڑے لوگوں میں سے کچھ فاروق کے پاس چلے گئے تھے۔ اور اب ایمبولینس سے اسٹریچر نیچے اتارے جا رہے تھے۔ پھر وہ ان اسٹریچرز کو روش پر لے آئے۔ اور سارہ سے تھوڑی دور لان میں وہ دونوں اسٹریچرز رکھ دیے گئے۔ وہ چند لمحے خالی خالی آنکھوں سے ان اسٹریچرز کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر جیسے کسی بھیانک خواب کے زیر اثر ان کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکن اس وقت جیسے رک سی گئی تھی۔ اور گرد و پیش کے سارے منظر اس کے لیے گم ہو گئے تھے۔ وہاں بس وہ تھی سناٹا تھا اور دو سفید چادروں سے ڈھکے ہوئے اسٹریچر تھے دس قدم کا فاصلہ اس نے جیسے دس صدیوں میں طے کیا تھا اب وہ دونوں برابر برابر رکھے اسٹریچر کے بالکل پاس کھڑی تھی پھر پتا نہیں کس نے سفید چادریں سرکائی تھیں۔ اب اس کے سامنے، ممی، پاپا کے بے جان خون آلود چہرے تھے۔ اس کے ماں باپ کے چہرے جن پر اس کے لیے ہمیشہ شفقت بھری مسکراہٹیں ہوا کرتی تھیں۔ آج ان کے چہرے اسے سامنے دیکھ کر بھی مسکراہٹ سے عاری تھے۔

www.Paksociety.com

ان کی آنکھیں آج اسے نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں اسے بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ کر اکٹھے ہی چلے گئے تھے۔ اس بھیانک خواب کا طلسم پوری طرح سے سارہ کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آوازیں برآمد ہوئیں۔ پھر اس نے ایک درد بھری چیخ ماری اور لہراتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ اسے گرتے دیکھ کر کئی لوگ اس کی جانب لپکے تھے۔ مگر ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ ہوش و خرد کی دنیا سے بے گانہ ہو چکی تھی۔

اس کو ہوش آیا تو وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اور ہانیہ اس کے قریب بیٹھی تھی۔ چند لمحوں تک وہ خالی خالی نظروں سے کمرے کی چھت کو دیکھتی رہی۔ پھر جیسے ہی اس کی یادداشت میں بے ہوش ہونے سے پہلے والا منظر تازہ ہوا۔ اس کے حلق سے بے اختیار ہی چیخیں نکلنے لگیں۔ اسے یوں چیختے دیکھ کر ہانیہ بری طرح سے گھبرا گئی۔ اور اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی جبکہ دروازے کے قریب موجود شادو بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی ایک منٹ کے بعد ہی کمرے میں ایک ڈاکٹر اور ایک نرس داخل ہوئے نرس نے ہانیہ کے ساتھ مل کر اس کے مچلتے تڑپتے وجود کو قابو کیا اور ڈاکٹر نے اسے ایک انجکشن لگانا شروع کردیا۔ جس کے لگتے ہی وہ ایک بار پھر دنیا مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔

بہت سارے دن افسردگی کی تہہ میں لپٹے ہوئے چپ چاپ گزر گئے۔ ہانیہ اور محمود انکل ڈیڑھ ماہ تک سارہ کی وجہ سے وہاں رکے رہے مگر آخر کب تک ایک نہ ایک دن تو انہیں اپنے گھر جانا ہی تھا اور ابھی بھی وہ جتنا عرصہ یہاں رہے تھے۔ صرف سارہ کی خاطر خود پر جبر کر کے رہے تھے۔ ورنہ صدف اور فاروق کو ان دونوں کی ضرورت تھی اور نہ ہی پروا بلکہ صدف تو انہیں بے حد ناپسند کرتی تھی۔ اور فاروق وہی کرتا تھا اور کہتا تھا جو صدف چاہتی تھی۔

ممی پاپا کی حادثاتی موت کے بعد کچھ دنوں تک تو فاروق نے سارہ کا بہت خیال رکھا۔ وہ ایک بار پھر اس کے لیے ایک چاہنے والا اور جان چھڑکنے والا بھائی بن گیا تھا۔ مگر یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکا۔ صدف نے کچھ ہی دنوں کے بعد اس کی برین واشنگ شروع کر کے اسے ایک بار پھر سارہ سے بدظن کرنا شروع کردیا تھا۔ اور اس کی اس کوشش کو سارہ کے رویے کی وجہ سے بھی کامیابی جلدی ملنا شروع ہو گئی تھی۔ جو ان دنوں اپنی ابتر دماغی حالت کی وجہ سے کسی بھی بات کا نہ تو جواب دیتی تھی۔ اور نہ ہی کسی محبت بھرے رویے کے لیے کوئی ریسپانس اس کے پاس بچا تھا۔ وہ بس ہر وقت گم سم اور خاموش بیٹھی رہتی۔ کوئی کچھ کھانے کو کہتا تو کھا لیتی ورنہ خود سے اسے پہروں کھانے کا خیال نہ آتا۔ کوئی بات کرنے کی کوشش کرتا تو چند لفظوں سے زیادہ نہ بولتی۔ اس کی اس کیفیت کو صدف نے بڑی چالاکی سے اس کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیا تھا۔ ”آخر آپ کے بھی تو وہ والدین تھے۔ کیا آپ کو ان کے جانے کا دکھ نہیں ہے۔ لیکن کسی کو اس بات کا احساس ہو تب نا۔ یہاں تو ایسا ماحول بنا ہوا ہے۔ کہ جیسے ان کے جانے کا صرف سارہ کو دکھ ہوا ہے۔ اور آپ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔“ وہ بڑے طریقے سے فاروق کے دل میں سارہ کے لیے اور اس سے ہمدردی کرنے والوں کے لیے نفرت کے بیج بو رہی تھی۔ اور ہمیشہ کی طرح اسے توقع سے بڑھ کر کامیابی ہو رہی تھی۔ ایک تو فاروق کے دل میں پہلے ہی سارہ کے لیے بہت سارے گلے تھے۔ جن میں سب سے بڑا گلہ یہی تھا کہ پاپا نے نا صرف سارہ پیلس اس کے نام کردیا تھا بلکہ فاروق کے یہاں سے چلے جانے کی دھمکی کا کوئی اثر لینے کی بجائے اسے یہاں سے کہیں اور شفٹ ہو جانے کا بھی کہہ دیا تھا۔ اگرچہ والدین کی اچانک اور حادثاتی موت کے بعد کچھ دنوں کے لیے اس کے تمام گلے اور شکوے پس پشت چلے گئے تھے مگر وہ بہرحال اس کے دل میں موجود رہے تھے جن کو نئے سرے سے صدف نے اسے یاد دلانا شروع کردیا تھا۔ اس کی ایسی باتوں اور اپنی منفی سوچوں کے زیر اثر فاروق ایک بار پھر سارہ سے دور

ہونے لگا اور ہر گزرتا دن اس فاصلے کو بڑھا ہی رہا تھا۔ حتیٰ کہ ممی پاپا کے چالیسویں کے اگلے ہی دن اس نے اعلان کردیا۔ کہ وہ اور صدف چند ہی روز بعد اپنے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔

”مگر بیٹا! تم ایسا کیسے کرسکتے ہو۔ یہ گھر تمہارے پاپا نے بڑے شوق اور ارمانوں سے بنوایا تھا۔“ محمود انکل کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس معاملے میں بولنا پڑا تھا۔ ورنہ ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ صدف اور فاروق سے مخاطب نہ ہی ہوں۔

”جی بالکل بنوایا تھا۔ پاپا نے یہ گھر بہت شوق سے بنوایا تھا۔ مگر میرے لیے نہیں۔ سارہ کے لیے اور وہی اب یہاں رہے گی۔“ فاروق نے رکھائی سے جواب دیا۔

”لیکن بیٹا! وہ اکیلی یہاں کس طرح رہ سکتی ہے۔ تم کم سے کم اس کی شادی ہونے تک یہاں رہو۔ پھر اگر تمہارا دل چاہے تو تم کہیں اور شفٹ کر جانا۔“

”کیوں ہم کیا اس کے چوکیدار ہیں۔ جو نگرانی کے لیے یہاں رہیں۔“ اس بار فاروق کے کچھ بولنے سے پہلے ہی صدف ترخ کر بولی تھی محمود انکل چپ کے چپ رہ گئے۔ سارہ بھی وہیں موجود تھی اور خوف زدہ سی نظروں سے کبھی محمود انکل کبھی فاروق اور کبھی صدف کے چہرے دیکھ رہی تھی۔

”بھائی میں یہ گھر آپ کے نام کرنے کو تیار ہوں مگر آپ یہاں سے نہ جائیں۔“ آخر اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں التجا کی تھی۔

”ہرگز نہیں۔ اب ہمیں یہ بھیک نہیں چاہیے۔ اور نہ ہی ہم یہاں رہیں گے۔ اور تمہیں کبھی اگر ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہنا ہے تو یہ صرف اسی صورت میں ہوگا۔ جب سارہ پیلس کو تالا لگایا جائے۔ یہاں کوئی نہیں رہے۔ کوئی ملازم بھی نہیں اور اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں ہے تو تم شوق سے یہاں رہو۔“

صدف کے لہجے میں نفرت کی جو آنچ تھی وہ کسی سے بھی چھپی نہیں تھی۔ مگر وہاں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کو پلٹ کر جواب دے سکتا۔ اس لیے وہ سب کے سب چپ بیٹھے رہ گئے اور صدف فاروق کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”لیکن صدف یہ بھی تو سوچو نا اتنا شاندار گھر اگر یونہی بند پڑا رہا تو کچھ ہی سالوں میں کھنڈر ہونے لگے گا۔“ کمرے میں آکر فاروق نے دبی آواز میں اس سے اختلاف کیا تھا۔

”ہو جائے کھنڈر۔“ وہ بے اعتنائی سے بولی۔

”یہی تو میں چاہتی ہوں۔ تمہیں یاد ہے نا پاپا نے کس کروفر سے ہمیں یہاں سے جانے کو کہا تھا۔ میں آج تک اس اذیت کو نہیں بھولی ہوں۔ جو مجھے اس وقت ہوئی تھی اور اب میں یہی چاہتی ہوں کہ سارہ پیلس ویران ہو جائے یہاں کتے بلیاں لوٹتے پھریں۔ کھنڈر ہو جائیں یہ شاندار در و دیوار۔“ اس کے لہجے میں دیوانگی کی جھلک تھی۔ فاروق نے مزید کچھ نہیں کہا کیونکہ اسے اچھی طرح سے پتا تھا کہ اب اس معاملے میں صدف کو کچھ بھی کہنا بے کار ہے۔ ایک ہفتے بعد وہ لوگ دوسرے گھر میں شفٹ ہوئے تو سارہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ کیونکہ تنہا رہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اور ایسا کوئی تھا نہیں جو فاروق اور صدف کے جانے کے بعد وہاں اس کے ساتھ رہتا۔ چند ایک بار اس کا دل بھی چاہا کہ وہ ہانیہ اور محمود انکل کو اپنے ساتھ رہنے کا کہہ دے مگر وہ جانتی تھی کہ اس بات پر بھی صدف ایک ہنگامہ کھڑا کردے گی کہ محمود انکل نے پاپا کی جائیداد ہتھیانے کے لیے وہاں رکنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے اس نے یہ بات زبان پر آنے سے پہلے ہی اپنے دل میں دفن کرلی۔ اور سارہ پیلس کو ویران چھوڑ کر فاروق اور صدف کے ساتھ رہنے لگی۔

نئے گھر میں شفٹ ہونے کے بعد سارہ کی ذہنی حالت مزید ابتر ہو گئی پہلے جو چند فقرے وہ ہانیہ کی وجہ سے بول لیا کرتی تھی۔ اب ان سے بھی جاتی رہی۔ اوپر سے صدف کا رویہ اس کے ساتھ ہر گزرتے دن کے ساتھ برے سے برا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ شروع دن ہی سے سارہ کو ناپسند کرتی تھی اور بعد میں یکے بعد

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at

0336-5557121

دیگرے ہونے والے واقعات نے اس کی اس ناپسندیدگی کو نفرت میں تبدیل کردیا تھا۔

سارہ اپنی ممی پاپا کی بے حد لاڈلی اور چہیتی بیٹی تھی۔ جب تک وہ زندہ رہے انہوں نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ان دونوں کی اچانک اور ایک ساتھ ہونے والی موت نے اسے بری طرح سے توڑ دیا تھا۔ ایسے میں اگر اسے کوئی جذباتی سہارا مل جاتا تو وہ کچھ عرصے بعد ہی سہی مگر سنبھل ضرور جاتی مگر اسے سہارا تو کیا ملنا تھا' بھائی کی بے رخی اور بھابھی کی کھلی دشمنی نے اس کا رہا سہا اعتماد بھی چھین لیا۔ وہ ہر چیز سے ڈرنے لگی۔ ذرا سی آہٹ بھی ہوتی تو چونک جاتی کہیں چار لوگوں کو اکٹھا دیکھ لیتی تو اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگتے۔ سب کی دل دکھانے والی باتوں سے بچنے کے لیے وہ سارا سارا دن اپنے کمرے میں بند رہتی۔ کئی مرتبہ پورا پورا دن کھانا نہ کھاتی مگر وہاں اس کی پروا کرنے والا کون تھا۔ جو اس کا خیال رکھتا وہ ہر طرح سے مایوس اور بے مقصد زندگی گزارنے لگی تھی انہی دنوں میں اس کا ایف ایس سی کا رزلٹ آیا۔ میٹرک کی طرح اس نے اس بار بھی بورڈ میں پوزیشن لی تھی مگر اس بار اسے کوئی خوشی ہوئی تھی۔ نہ اس کے دل میں کوئی امنگ جاگی تھی۔ وہ پوزیشن ہولڈرز کی کسی بھی تقریب میں شریک نہیں ہوئی۔ متعدد بار اس کے نام بورڈ سے لیٹر آئے کالج سے اس کے لیے فون کیے گئے مگر اس نے کسی سے بھی بات نہیں کی۔ اپنی کسی کلاس فیلو کسی دوست کا فون وہ اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ صرف ایک ہانیہ تھی جس سے وہ فون پر تھوڑی بہت بات کرلیا کرتی تھی۔

ایف ایس سی میں پوزیشن لینے کے باوجود اس کا آگے ایڈمیشن لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ اس کا گھر سے باہر نکلنے کو دل ہی نہیں کرتا تھا۔ لوگوں کا سامنا کرنے کا تصور ہی اسے خوف زدہ کردیتا تھا۔ اسی لیے ہانیہ کے بار بار اصرار کرنے کے باوجود وہ میڈیکل کے انٹری ٹیسٹ کے لیے فارم جمع کروانے پر رضامند نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ چند مہینے پہلے تک اسے ڈاکٹر بننے کا جنون ہوا کرتا تھا۔

"تم یہ سب کیوں کررہی ہو اپنے ساتھ اس طرح تو تم مرجاؤ گی سارہ۔" اس روز فون پر بات کرتے کرتے ہانیہ اس پر برس پڑی۔

"اچھا ہے نا مرجاؤں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تھا۔

"ہرگز نہیں میں اب تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی۔ تم نے میڈیکل میں ایڈمیشن کا چانس مس کردیا مگر اب میں تمہیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوا کر ہی رہوں گی۔ میں پرسوں ہی لاہور آرہی ہوں۔"

ہانیہ کو بہت کم غصہ آیا کرتا تھا مگر آج وہ اتنے غصے میں آگئی تھی کہ اس نے سارہ کی کوئی بات ہی نہیں سنی اور فون بند کردیا۔ سارہ کا خیال تھا کہ وہ لاہور آنے کا یونہی کہہ رہی ہے۔ مگر وہ اپنے کہے کے عین مطابق دو روز بعد ہی لاہور آگئی۔ اس بار وہ اور محمود انکل فاروق کے گھر کی بجائے ہانیہ کے ایک رشتے کے ماموں کے گھر ٹھہرے تھے۔ ہانیہ کی کزن مونا نے اس سال فارمیسی میں آنرز کیا۔ اور اسی کے مشورے سے ہانیہ نے سارہ کو بھی فارمیسی میں ہی ایڈمیشن دلوانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ سارہ شروع میں کسی طرح بھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے پر راضی نہیں تھی۔ مگر ہانیہ نے رو دھو کے منتیں کرکے اور دھمکیاں دے دے کر اسے منا ہی لیا۔ اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی داخلے کے لیے اپلائی کردیا۔ اس کے نمبر اتنے اچھے تھے کہ پہلی لسٹ میں سب سے پہلے نمبر پر ہی اس کا نام میرٹ پر آگیا اور ہانیہ نے بغیر وقت ضائع کیے اس کی فیس جمع کروادی تھی اور دیگر ضروری امور نبٹا دیے تھے۔ ہر کام کے لیے مونا تو اس کے ساتھ پیش پیش رہی تھی مگر ہانیہ نے زبردستی ہی سارہ کو بھی ہر جگہ گھسیٹے رکھا۔ سارہ بے دلی سے اس کے ساتھ یونیورسٹی جاتی تو رہی تھی مگر وہ دل سے ابھی بھی پڑھنے کے لیے راضی نہیں تھی۔ اس کا دل تو کسی سے بات تک کرنے کو نہیں چاہتا تھا کجا یہ کہ وہ یونیورسٹی جاکر پڑھنے لگے۔ وہ پچھلے پانچ ماہ سے جس طرح کے حالات میں رہ رہی تھی۔ انہوں نے اس کی ہر امنگ چھین لی تھی۔ اور اس کی شخصیت

www.Paksociety.com

کا سارا اعتماد ختم کردیا تھا۔ وہ اب مکمل طور پر ایک مایوس شخصیت بن چکی تھی۔ اس نے اپنی شکست مان کر تقدیر کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اور خود کو یہ باور کروادیا تھا کہ اس کے حصے کی خوشیاں اور مسکراہٹیں تمام ہو چکی ہیں اور اب مایوسی اور دکھ کے اندھیرے ہی اس کا مقدر ہیں۔ تب تک اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ قسمت نے ابھی بھی اس کے حصے کی کچھ خوشیاں اور کچھ مسکراہٹیں سنبھال کر رکھی ہیں۔

☼ ☼ ☼

الیکٹریکل کولر سے پانی پی کر وہ بڑی تیزی سے پلٹی تھی۔ جب پیچھے سے آتے اس دراز قد لڑکے سے ٹکرا گئی۔ نتیجتاً" اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل اور اس لڑکے کے ہاتھوں میں پکڑا موبائل' چابیاں اور خاکی رنگ کا لفافہ سبھی کچھ ماربل کے فرش پر بکھر گیا۔

"دیکھ کر نہیں چلا جاتا؟" لڑکا اپنی چیزوں کو دیکھتے ہوئے پھٹ پڑنے والے انداز میں بولا تھا سارہ بری طرح سے گھبرا گئی اور اس کی نیلی آنکھیں جھٹ پٹ شفاف پانیوں سے بھر گئیں حالانکہ اس لڑکے کا لہجہ سخت ضرور تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ مدمقابل رو ہی پڑے مگر مدمقابل کوئی نارمل لڑکی تو تھی نہیں۔ وہ سارہ حیات تھی جو ہر وقت خود ترسی اور خوف کا شکار رہتی تھی جسے اپنے جیسے انسانوں سے ہی ڈر لگتا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ کبھی کسی کا سامنا نہ کرتی وہ آج بھی یونیورسٹی نہیں آنا چاہتی تھی مگر ہانیہ اور مونا زبردستی ہی اسے وہاں لے آئی تھیں۔ آج اس کی فیس جمع ہونا تھی اور ہانیہ چاہتی تھی کہ سارہ ایک مرتبہ اپنا ڈیپارٹمنٹ بھی دیکھ لے تاکہ بعد میں اس کو کوئی مسئلہ نہ ہو۔

وہ لوگ ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر بینک کی طرف جارہی تھیں جب سارہ کو شدید پیاس کا احساس ہوا اور وہ کاریڈور میں لگے کولر سے پانی پینے کے لیے رک گئی۔ اسی دوران مونا اور ہانیہ باتیں کرتی ہوئی چند قدم آگے چلی گئی تھیں اور سارہ کے تیزی دکھانے کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ ان کے ساتھ جلدی سے شامل ہو جائے مگر اسی تیزی کی وجہ سے وہ اس لڑکے کے ساتھ ٹکرا گئی تھی۔

"ارے آپ رو کیوں رہی ہیں۔ میں نے آپ سے ایسا کیا کہہ دیا؟" سارہ کی فائل فرش سے اٹھا کر اسے پکڑاتے ہوئے وہ لڑکا بے حد حیرت سے اس کے گالوں پر پھسلتے آنسوؤں کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔ سارہ کچھ نہیں بولی بلکہ اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی اس وقت مونا اور ہانیہ بھی پلٹ کر ان کے قریب چلی آئیں۔

"سارہ! کیا ہوا کیوں رو رہی ہو؟" ہانیہ نے پریشانی سے اسے اپنے ساتھ لگالیا جبکہ وہ لڑکا مونا کو ساری بات بتانے لگا۔ وہ اس کا ڈیپارٹمنٹ فیلو رہا تھا اور مونا اسے اچھی طرح سے جانتی تھی اور سارہ کی ذہنی حالت کا بھی اسے اچھی طرح سے اندازہ ہو چکا تھا۔ کہ اسے رونے یا پریشان ہونے کے لیے ان دنوں کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے اس نے حارث کی وضاحت سنی ان سنی کردی اور اس کو سارہ کے متعلق بتانے لگی۔

"یہ میری کزن ہے سارہ! اس نے اس سال فارمیسی میں ایڈمیشن لیا ہے۔ اب تم نے اس کا پورا پورا خیال رکھنا ہے اور سارہ یہ حارث ہے تم سے دو سال سینئر ہے مگر تمہاری بہت ہیلپ کرسکتا ہے۔"

مونا نے دو طرفہ تعارف کروایا تھا۔ جس پر سارہ نے تو کوئی رد عمل نہیں دکھایا مگر حارث نے بہت دھیان اور توجہ سے سارہ کے روئے روئے گلابی چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اب رو نہیں رہی تھی مگر اس کی نیلی آنکھیں ابھی بھی بھیگی بھیگی سی تھیں۔ اور اتنا سارونے سے ہی گلابی ہو چکی تھیں۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے حارث کے دل کو کچھ ہوا تھا اسے وہ بہت پیاری بہت اپنی سی لگی۔ اس لیے وہ اپنے سارے ضروری کام چھوڑ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔

"حارث تمہیں سارہ کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔ وہ بہت دکھی لڑکی ہے۔" بینک کی طرف جاتے ہوئے جب ہانیہ اور سارہ دو قدم آگے چل رہی تھیں مونا دھیرے دھیرے حارث کو سارہ کے بارے میں بتانے لگی۔ اسے سارہ سے ہمدردی تھی اور وہ دل سے چاہتی تھی کہ ڈیپارٹمنٹ آکر اسے کوئی پرابلم نہ ہو۔ حارث کے بارے میں مونا کی رائے بہت اچھی تھی۔ اس لیے اس نے حارث کو سارہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

حارث کا کئی بار دل چاہا کہ وہ مونا کو بتادے کہ سارہ کا خیال رکھنے کے لیے اب اسے کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکا اور نہ ہی تب تک وہاں سے جاسکا جب تک وہ تینوں یونیورسٹی میں رہیں۔ ان کے جانے کے بعد بھی وہ دیر تک اکیلا ادھر ادھر پھرتا رہا۔ اور سارہ کے بارے میں سوچتا رہا وہ چینی گڑیا جیسے ایک مختصر ملاقات میں ہی اس کے دل پر گہرے نقش چھوڑ گئی تھی۔ اب اسے اس دن کا انتظار کرنا تھا جب فرسٹ سمسٹر کی کلاسز شروع ہوں اور سارہ ڈیپارٹمنٹ کو رونق بخشے۔

فرسٹ سمسٹر کی کلاسز شروع ہوئے چھ دن ہو چکے تھے مگر سارہ ابھی تک یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ حارث ہر روز اس کا انتظار کرتا مگر وہ تو جیسے ایڈمیشن لے کر ہی بھول گئی تھی۔

"اب شاید وہ نہ ہی آئے۔ آنا ہوتا تو اب تک آگئی ہوتی۔" مایوسی کے عالم میں سوچتے ہوئے وہ ڈاکٹر ثناء کے آفس کی طرف جارہا تھا جب وہ اسے کاریڈور میں ایک کھڑکی کے پاس نظر آئی بالکل سادہ سفید لباس پہنے وہ کندھے پر براؤن بیگ ڈالے اپنی فائل کو سینے سے لگائے کھڑی تھی اور کھڑکی کے پار پتا نہیں کس چیز کو اس قدر انہماک سے دیکھ رہی تھی کہ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھی۔ حارث چند منٹ تک سرخوشی اور سرشاری کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر اس کے قریب چلا آیا۔

"ہیلو! مس سارہ کیسی ہیں آپ؟" اس نے بڑی گرمجوشی سے سارہ کو مخاطب کیا تھا۔ سارہ بری طرح سے چونکی اور حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں واضح اجنبیت تھی۔ یقیناً" اس نے حارث کو نہیں پہچانا تھا۔ اسے تھوڑی سی مایوسی ہوئی مگر پھر اس نے اپنے دل کو سمجھالیا۔ سارہ جس طرح کے حالات کا شکار تھی۔ ان کو جانتے ہوئے اس سے کسی اچھے اور نارمل طرز عمل کی توقع کی بھی نہیں جاسکتی تھی۔

"میں حارث ہوں۔ مونا نے آپ سے میرا تعارف کروایا تھا جس روز آپ لوگ فیس جمع کروانے آئے تھے۔"

"اوہ۔ اچھا۔" سارہ کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی انسانوں کے اس جم غفیر میں کوئی تو تھا جس کو اس سے شناسائی کا دعوا تھا۔ اس کے دل کو عجیب سی تسلی ہوئی تھی مگر اس نے زبان سے اس بات کا اظہار نہیں کیا۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ کلاس کیوں نہیں لے رہیں؟" حارث کے لیے ان نیلی آنکھوں کی ایک لمحے کی چمک بھی بہت تھی۔

"جی میں وہ..." سارہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اب وہ اس سے کیا کہتی کہ اس میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی کلاس اٹینڈ کرسکے۔ اس لیے تو وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے یہاں کھڑی تھی۔ وہ تو یونیورسٹی آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو ہانیہ نے بار بار اصرار کرکے اسے اس وعدے پر یہاں بھیجا تھا کہ وہ اس کی خاطر صرف پندرہ روز یونیورسٹی چلی جائے تب تک اگر وہ وہاں سیٹ نہ ہوسکے تو پھر بے شک جانا چھوڑ دے اور سارہ کو اس کی یہ بات نہ چاہتے ہوئے بھی ماننا پڑی تھی اور آج وہ یونیورسٹی چلی آئی تھی۔

"چلیں میں آپ کو آپ کی کلاس تک چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے نرمی اور اپنائیت سے کہا تھا۔ سارہ بغیر کچھ کہے اس کے ساتھ چل پڑی۔ مگر جب وہ دونوں پورے سات منٹ کے بعد تھرڈ فلور پر اس کی بائیو کیمسٹری کی کلاس کے سامنے پہنچے تو وہ اندر جانے کی بجائے دروازے کے قریب رک کر اپنی مخروطی انگلیاں مروڑتے ہوئے کہنے لگی۔

www.Paksociety.com

"اگر میں آج کلاس نہ لوں تو۔۔۔؟" حارث ایک لمحے کے لیے ہکابکا رہ گیا۔ یہ بات وہ نیچے گراؤنڈ فلور پر بھی کہہ سکتی تھی۔ وہ چند لمحوں تک کچھ نہیں بولا تو سارہ نے ڈرتے ڈرتے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"ٹھیک ہے کل لے لینا۔" اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ آرام سے بولا تھا۔

"آؤ میں تمہیں لائبریری اور کینٹین دکھادوں۔ اور تمہارا ٹائم ٹیبل بھی لے دوں۔" اس کے لہجے کی نرمی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ سارہ کا دل یکدم ہی کچھ پرسکون سا ہوگیا۔ اور وہ سرہلا کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

وہ پورا دن اس نے حارث کے ساتھ ہی گزارا۔ حارث نے اس کا ٹائم ٹیبل اسے لے کر دینے کے علاوہ اسے ایک ایک کلاس روم بھی دکھادیا تھا۔ جہاں اس کی کلاسز ہونا تھیں۔ پھر اس نے اسے کینٹین اور لائبریری بھی دکھائی اور اس کا لائبریری کارڈ بھی بنوا کر دیا۔ وہ ساری باتیں جن کو سوچ سوچ کر وہ پریشان ہوتی رہی تھی۔ حارث کے ساتھ اسے ان کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ نہ اسے لوگوں کے ہجوم دیکھ کر وحشت ہوئی تھی۔ نہ کسی کو فیس کرنے کی پریشانی نے گھیرا تھا۔ اسی لیے جب ایک بجے ڈرائیور اسے لینے آیا تو وہ صبح کی نسبت کافی مطمئن اور پرسکون نظر آرہی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اگلے روز ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے حارث کو ہی تلاش کیا تھا۔ وہ اسے لائبریری کے سامنے کچھ لڑکوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا مگر سارہ پر نظر پڑتے ہی وہ ان لڑکوں کو چھوڑ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ سارہ سے چند رسمی باتیں کرنے کے بعد اس نے سارہ کو اس کے کلاس روم تک چھوڑا اور کہنے لگا۔

"آج تمہاری تین کلاسز اکٹھی ہیں۔ میں لائبریری میں ہوں گا۔ تم کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد وہیں آجانا۔ یا مجھے مس کال دینا میں آکر تمہیں لے جاؤں گا۔"

سارہ کو ہدایات دے کر وہ خود لائبریری میں چلا آیا۔ آج اس کی کوئی کلاس نہیں تھی۔ البتہ اسے کچھ ضروری نوٹس تیار کرنا تھے۔ اگلے تین گھنٹے تک وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ پھر بکس بند کرکے سارہ کا انتظار کرنے لگا مگر جب کافی دیر تک بھی وہ نہیں آئی تو وہ خود اٹھ کر فرسٹ فلور پر چلا آیا جہاں سارہ کی کلاسز ہوئی تھیں۔ سارہ اسے ٹیرس پر نظر آئی وہ وہاں اکیلی کھڑی پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ کاریڈورز میں ہر طرف لوگوں کا رش تھا اور وہ اسی رش سے پریشان ہو رہی تھی۔ حارث پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے کی پریشانی یوں غائب ہوئی جیسے میلے میں بچھڑ جانے والے بچے کو کوئی اپنا نظر آگیا ہو۔

"میں موبائل گھر بھول آئی تھی اور۔۔۔" حارث کے قریب آتے ہی اس نے وضاحت دینا شروع کی تھی مگر حارث نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کوئی بات نہیں۔ چلو۔" اس نے لاشعوری طور پر سارہ کا ہاتھ پکڑلیا۔ مونا نے اسے بتایا تھا کہ سارہ اگر کسی جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھ لے تو اس کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ اور اس وقت بھی حارث کو اس کا چہرہ دیکھ کر ہی لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر جائے گی۔ اس لیے اس نے بغیر کسی خاص جذبے کے بے اختیار ہی اس کا ہاتھ پکڑلیا تھا۔ جس پر سارہ نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔ اس کا ہاتھ بے حد ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ حارث کو اس پر ترس آنے لگا۔

"تم نے صبح کا ناشتا کیا تھا۔" سیڑھیاں اتر کر اس نے سارہ سے سوال کیا۔ اس نے آہستگی سے نفی میں سرہلادیا۔

"ناشتا ٹھیک طرح سے کرکے آیا کرو۔ اگر تم خود اپنا خیال نہیں رکھوگی تو کون رکھے گا۔" اس کا ہاتھ تھام کر کینٹین کی طرف جاتے ہوئے حارث نے اسے نصیحت کی تھی۔

"آپ رکھیں گے۔" سارہ کے اندر بے اختیار ہی جواب گونجا تھا۔ وہ حیرت زدہ سی رہ گئی۔ اسے حارث سے باقاعدہ بات کرتے ابھی دوسرا دن تھا اور وہ اس سے ایسی اپنائیت محسوس کرنے لگی تھی۔ جیسی اپنائیت کو لوگوں میں ڈھونڈتا اس نے بہت دنوں سے چھوڑ دیا تھا۔ اس نے عقیدت سے حارث کے پرخلوص اور بے ریا چہرے کی طرف دیکھا اور لاشعوری طور پر حارث کے ہاتھ پر اس کی گرفت تھوڑی سی مضبوط ہوگئی۔

حارث کی وجہ سے سارہ کسی حد تک یونیورسٹی میں ایڈجسٹ تو ہوگئی تھی۔ مگر پڑھائی میں اب بھی اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ جب بھی وہ کوئی کتاب کھول کر پڑھنے کی کوشش کرتی۔ غائب دماغی اور ہر وقت منتشر رہنے والے خیالات کی بنا پر اس کی توجہ کسی بھی ٹاپک پر مرکوز نہ ہوپاتی اور وہ تھک کر کتاب بند کردیتی اپنی کلاس میں وہ سب سے PASSIVE اسٹوڈنٹ تھی۔ اور اسے دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس نے بورڈ میں کوئی پوزیشن لی ہوگی۔ گھر میں تو خیر کسی کو اس کی ذات سے دلچسپی ہی نہیں تھی رہے ہانیہ اور محمود انکل تو ان کے لیے یہی کافی تھا۔ کہ سارہ نے یونیورسٹی جانا شروع تو کیا۔ ورنہ ہر وقت کمرے میں بند رہ رہ کر اور متضاد سوچوں میں گھرے رہنے سے شاید وہ پاگل ہی ہوجاتی۔ خود سارہ کو بھی اب ہانیہ کا اصرار اپنے حق میں بہتر لگ رہا تھا۔ کیونکہ دن میں چھ گھنٹے گھر سے باہر کھلی فضا میں گزارنے کے باعث اس کا ذہن تھوڑا بہت تو بٹ گیا تھا۔

اسے کلاسز اٹینڈ کرتے ہوئے ایک ماہ ہوچکا تھا۔ جب فزیکل فارمیسی کی کلاس میں اس کی پریزنٹیشن کی باری آئی۔ جو اسے چار روز بعد دینا تھی۔ ٹاپک سنتے ہی اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے تو ابھی تک کوئی ایک بھی چیز تیار نہیں کی تھی پھر پریزنٹیشن کیسے دیتی۔ گھبراہٹ اور پریشانی میں اس نے اپنی اگلی کلاس بھی نہیں لی اور لائبریری چلی آئی مگر ایک گھنٹے تک سر کھپانے کے باوجود اسے اپنا مطلوبہ میٹر نہیں مل پایا۔ دراصل وہ پریشان ہی اتنی تھی۔ کہ سکون سے کسی بھی کتاب کو پڑھ نہیں پارہی تھی اور جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آخر اس نے تھک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کرلیں اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اونچا اونچا روئے کہ اس سے اتنا سا کام بھی نہیں ہو رہا۔

"کیا ہوا تمہارے منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" حارث اسے ہی ڈھونڈتا ہوا لائبریری میں آیا تھا۔

"چار دن بعد میری پریزنٹیشن ہے۔ اور میری بالکل بھی تیاری نہیں ہے۔ کلاس بھی اسی لیے نہیں لی تھی کہ کچھ میٹر ہی ڈھونڈ لوں گی مگر مجھ سے یہ بھی نہیں ہوا۔ ان فیکٹ میں کچھ بھی نہیں کرسکتی۔" وہ شدید قسم کی خودترسی کا شکار ہو رہی تھی۔ حارث ہلکے سے مسکرادیا۔

"فضول باتیں نہ کیا کرو۔ لاؤ ٹاپک دکھاؤ میں تمہیں میٹر ڈھونڈ دیتا ہوں۔" ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اس کا مسئلہ حل کرنے کے لیے حاضر تھا۔ سارہ نے بغیر کچھ کہے ٹاپک اس کو لکھ دیا اور حارث نے اگلے آدھے گھنٹے میں مطلوبہ میٹر مختلف کتابوں سے تلاش کرکے نا صرف اسے فوٹو کاپی کروا دیا بلکہ اس ٹاپک کو پریزنٹ کرنے کے لیے ضروری ٹپس بھی اسے دے دیں اور اس کی اس حد تک تیاری کروادی۔ کہ ایک بجے جب وہ گھر جانے کے لیے روانہ ہوئی تو خود کو ذہنی طور پر بے حد ہلکا پھلکا اور مطمئن محسوس کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سارہ! تم ڈیپارٹمنٹ کے اینول ڈنر میں آؤگی۔" اس روز پارکنگ والے گیٹ کی طرف جاتے ہوئے حارث نے اس سے سوال کیا تھا۔ جہاں تک وہ روز ہی اسے چھوڑنے آیا کرتا تھا۔ ان کی دوستی کو اب آٹھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزرچکا تھا اور وہ ایک دوسرے کے کافی قریب آچکے تھے۔ سارہ اب اس سے بلا جھجک اپنی ہر بات اور ہر سوچ کو شیئر کرنے لگی تھی۔ وہ دونوں صرف اپنی اپنی کلاسز لینے کے لیے الگ ہوا کرتے تھے ورنہ کینٹین، کمپیوٹر لیب اور لائبریری میں ہر جگہ انہیں ایک ساتھ ہی دیکھا جاتا تھا۔ حارث کی دوستی کی وجہ سے سارہ میں کافی ساری مثبت تبدیلیاں آئی تھیں۔ اب وہ کسی سے بات کرتے ہوئے پہلے کی

www.Paksociety.com

طرح گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوتی تھی۔ اگرچہ اب بھی اس کی دوستی حارث کے علاوہ کسی سے نہیں تھی۔ مگر وہ کچھ کلاس فیلوز سے رسمی علیک سلیک کرنے لگی تھی۔

"نہیں حارث! میں نہیں آؤں گی۔" سر جھکا کر چلتے ہوئے اس نے وہی جواب دیا تھا۔ جو حارث کے پہلے ہی امکان میں تھا۔ سارہ کسی بھی گیدرنگ میں شرکت نہیں کرتی تھی اب تک اس کی اپنی کلاس کے تین ایسے فنکشن ہوچکے تھے جن میں اس کی کلاس کے ہر اسٹوڈنٹ نے شرکت کی تھی۔ مگر وہ کسی ایک میں بھی نہیں گئی تھی۔

"کیوں؟" وہ چلتے چلتے رک گیا تو سارہ کو بھی رکنا پڑا۔

"میں فنکشن میں آکر کیا کروں گی وہاں اتنے زیادہ لوگ ہوں گے اور تمہیں پتا ہے' میں زیادہ لوگوں میں ایزی فیل نہیں کرتی۔" سارہ نے بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھ کر التجا کی۔ مگر حارث پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"تمہیں لوگوں سے کیا؟ تم تو میرے ساتھ رہو گی اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بالکل بور نہیں ہونے دوں گا۔"

"میں بوریت سے تھوڑا ہی ڈرتی ہوں۔" وہ پھیکے پن سے مسکرائی۔

"بس میں نے کہہ دیا تمہیں آنا ہی ہوگا۔ کیا تم دوستی کی خاطر اتنا بھی نہیں کرسکتیں۔" حارث نے مصنوعی خفگی سے منہ پھلایا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر سارہ ہنس پڑی۔

"اچھا بابا! ٹھیک ہے میں آجاؤں گی اور کچھ۔" اس بار اس کے لہجے میں بشاشت تھی۔ جو حارث کو بہت اچھی لگی وہ بے اختیار ہی خوش ہوگیا۔

"اور یہ کہ تم کوئی گہرے رنگ کا خوبصورت سا لباس پہن کر آنا قسم سے یار میں تمہیں ان سفید اور مرے مرے رنگوں کے ملبوسات میں دیکھ دیکھ کر تھک گیا ہوں۔" اس نے زمانے بھر کی بے چارگی اپنے چہرے پر طاری کرکے بڑی عاجزی سے کہا تھا۔ سارہ کا منہ بن گیا حالانکہ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا ممی پاپا کے بعد سے سارہ نے سفید یا نہایت ہلکے رنگ کے سادہ ترین لباس ہی پہنے تھے۔

"اچھا پہن آؤں گی اور کچھ۔" اس کے انداز میں اس بار ہلکی سی چڑچڑاہٹ تھی۔ حارث کو اسے چھیڑنے میں مزا آنے لگا۔

"اور یہ کہ اپنی دونوں کلائیوں میں تھوڑی تھوڑی کانچ کی چوڑیاں پہن آنا۔" اس نے اگلی فرمائش کی تھی۔ سارہ کی چڑچڑاہٹ میں اضافہ ہوگیا۔

"حارث تم۔۔۔" وہ اسے مارنے کو لپکی تو حارث نے ہنستے ہوئے اس کی فائل پکڑلی تو وہ بھی ہنس پڑی۔ اور سر جھٹک کر دوبارہ سے گیٹ کی طرف چلنے لگی۔ اگلے چند منٹ کے بعد جب وہ اپنی کار میں بیٹھی گھر جارہی تھی تو اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھری ہوئی تھی اور اس کا دل ہمک ہمک کر حارث کی ہر فرمائش کو پورا کرنے پر اصرار کررہا تھا۔

☆ ☆ ☆

گہرے گلابی رنگ کا ہلکی ہلکی سلور کڑھائی والا بے حد خوب صورت اور اسٹائلش لباس پہن کر اس نے آئینہ دیکھا' تو ایک عرصے کے بعد اسے اپنا آپ بے حد خوب صورت لگا۔ بے اختیار ہی اس کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ آگئی۔ اپنے لمبے سنہری بالوں کو اس نے پنک کیچر لگا کر کھلا چھوڑ دیا اور گنگناتے ہوئے کانوں میں ننھے ننھے سلور ایئر رنگز پہننے لگی۔ اس کے بعد کچھ سوچ کر اس نے اپنی دونوں کلائیوں میں تھوڑی تھوڑی کانچ کی گلابی چوڑیاں بھی پہن لیں۔ سلور سینڈل پہن کر اس نے اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی' مگر پھر بھی اس کا دل چاہا کہ وہ جتنی حسین لگ رہی ہے' اس سے بھی کچھ زیادہ لگے' اس لیے دراز کھول کر اس نے لائٹ پنک لپ اسٹک نکالی اور اپنے تراشیدہ ہونٹوں پر بڑے سلیقے سے لگانے لگی۔ اس کا خوب صورت چہرہ مزید چمک اٹھا۔ مطمئن ہو کر اس نے اپنا پرس اٹھایا اور کمرے

سے باہر نکل آئی۔ فاروق اور صدف حسب معمول باہر گئے ہوئے تھے۔ گھر میں ہر طرف ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تو ایک بار پھر اس کے خیالات کی رو حارث کی طرف مڑ گئی۔ اور اس کا موڈ اپنے آپ ہی خوشگوار ہوگیا۔ پندرہ منٹ کا راستہ مسلسل حارث کو سوچتے ہوئے ہی کٹا۔

حارث پارکنگ میں موجود تھا اور اس کے انتظار میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ وہ کار سے اتر کر اس کے سامنے آئی تو وہ اسے دیکھ کر مبہوت سا ہوگیا۔ اس نے اپنے تصور میں سیکڑوں بار سارہ کا سجا سنورا روپ دیکھا تھا۔ مگر حقیقت میں وہ پہلی بار یوں اس کے سامنے آئی تھی اور اتنی حسین لگ رہی تھی کہ اس کا ہر تصور اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ گیا تھا۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے بت کی طرح ساکت کھڑا اسے دیکھے جارہا تھا۔ اور سارہ کو اس کا یوں دیکھنا بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ وقت ان دونوں کے لیے تھم سا گیا تھا۔ ڈوبتی شام کا سارا فسوں گویا ان دونوں کے قرب میں ہی سمٹ آیا تھا۔

"سارہ! یہ تم ہو؟" نہ جانے کتنے لمحوں کے بعد حارث کے لبوں نے حرکت کی تھی۔

"یہ واقعی تم ہو؟ اتنی حسین' اتنی پیاری میری سارہ۔" وہ عالم بے خودی میں بول رہا تھا۔ سارہ کا گلابی چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ وہ کچھ بولے بغیر ہلکے سے مسکرا دی۔

"سارہ!" حارث کسی ٹرانس میں اس کے مزید قریب چلا آیا اور اس نے سارہ کا نازک ہاتھ تھام لیا۔ یہ ہاتھ اس نے پہلے بھی کئی بار پکڑا تھا۔ مگر آج اس کے پکڑنے میں کچھ خاص بات تھی' سارہ کا ہاتھ ایک پل کے لیے اس کے گرم مضبوط ہاتھ میں کپکپا سا گیا۔

"سارہ تم ہمیشہ میرے قریب رہو گی نا۔" وہ اس کی آنکھوں میں بہت اپنائیت اور محبت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سارہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"جانتی ہو میں نے جس دن اور جس لمحے سے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے' اسی لمحے سے میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوں۔ تم میرا جہان ہو سارہ! تم میری دنیا ہو' تم میرا سب کچھ ہو۔" وہ پہلی بار سارہ کے سامنے اس محبت کا اظہار کررہا تھا۔ جس کو اتنے عرصے سے اس نے اپنے دل میں چھپائے رکھا تھا۔ سارہ مبہوت سے اس کا چہرہ دیکھے گئی۔

"حارث تم۔۔۔" اس نے کچھ بولنا چاہا' مگر حارث نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اور نرمی سے بولا۔

"سارہ تم کچھ نہ کہو' سارہ تم کچھ نہ کہو بس مجھے سنو' میں آج تم سے وہ سب کچھ کہنا چاہتا ہوں جو آج تک صرف تمہارے تصور سے کہتا آیا ہوں' سارہ تم۔۔۔ تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

"حارث۔۔۔؟" سارہ کے لب بے آواز ہلے تھے۔ اسے لگا کہ حارث جو کچھ کہہ رہا ہے۔ صدیوں سے اس کی سماعتیں یہی سب کچھ سننے کے لیے بے قرار ہیں۔ اس کی پلکیں نم ہوگئیں' اور بے اختیار ہی اس کا سر اثبات میں ہل گیا۔ حارث کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

"او سارہ! آئی لو یو' آئی ریئلی لو یو۔" وہ خوشی سے اونچی آواز میں چہکا تھا۔ سارہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور ہلکے سے ہنس کر اپنا ہاتھ نرمی سے اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

"اندر چلو فنکشن شروع ہوگیا ہوگا۔" سارہ نے مصنوعی خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔ اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ آج بڑے عرصے کے بعد اسے اپنی چال میں وہ اعتماد محسوس ہورہا تھا۔ جس سے کئی ماہ پہلے وہ محروم ہوچکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ہانیہ کی شادی ہورہی ہے۔" اس روز کینٹین میں بیٹھتے ہوئے سارہ نے دل گرفتگی سے حارث کو بتایا۔ حارث سارہ کے جذبات سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لیے دھیرے سے اپنا ہاتھ سارہ کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب تقدیر کے فیصلے ہیں ہانیہ کی شادی اس

www.Paksociety.com

سے ہورہی ہے۔ جس کے ساتھ اللہ نے اس کا جوڑ بنایا تھا۔ ہم لوگ تو صرف پلاننگ کرسکتے ہیں کہ ایسا کریں گے ویسا کریں گے۔ اصل میں کیا ہونا ہے کیا ہونا چاہیے یہ تو صرف اللہ ہی جانتا ہے اور اس کا ہر فیصلہ یقیناً تمہاری پلاننگ سے بہت بہتر ہوتا ہے۔

"شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" پھیکی سی مسکراہٹ نے سارہ کے اداس چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

"اداس مت ہوا کرو یار! مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا جب تم اداس یا پریشان نظر آتی ہو۔" وہ بہت بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔ سارہ نے پلکیں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ جس پر اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ یکبارگی اداسی کے بادل اس کے چہرے سے ہٹ گئے اور نیلی آنکھیں چمک سی اٹھیں۔ حارث خوش ہوگیا۔

"یہ بتاؤ تم ہانیہ کی شادی میں جاؤ گی؟"

"نہیں بس فون پر ہی وش کردوں گی۔" اس نے خفگی سے حارث کو گھورا تھا۔ "آف کورس جاؤں گی یار! ایک وہی تو میری دوست ہے، کتنا ساتھ دیا ہے اس نے ہر مشکل میں میرا۔" اس کے لہجے میں ہانیہ کے لیے محبت تھی۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ہانیہ ہمیشہ اس کے کام آئی تھی۔ ممی پاپا کی وفات کے بعد وہی تو تھی جو سارہ کو زندگی کی طرف واپس لانے کے جتن کرتی رہی تھی اور اس کی وجہ سے سارہ نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ ورنہ تو شاید وہ گھٹ گھٹ کر ہی مر جاتی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے چلی جانا، لیکچر تو مت دو، کتنا بولنے لگی ہو تم سارہ۔" حارث نے شرارت سے اسے ٹوکا تھا۔

"تم نے ہی سکھایا ہے۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ حارث ہنس پڑا۔

"اچھی لگتی ہو ایسے باتیں کرتی ہوئی۔" اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پیار سمٹ آیا۔ سارہ کا چہرہ گلابی ہوگیا۔ وہ واقعی پچھلے چند ماہ سے کافی بولنے لگی تھی۔ حارث کی قربت اور اس کی توجہ نے اس کے وجود پر برف کی طرح جمی اداسی کو جیسے کہیں غائب ہی کردیا تھا۔ اس کے ساتھ گزرا ہوا یہ ڈیڑھ برس کا عرصہ سارہ کو کسی حسین خواب کی مانند لگتا تھا۔ اور اس کا دل چاہتا تھا کہ یہ خواب کبھی ختم نہ ہو۔ مگر خواب کو کبھی نہ کبھی تو ختم ہونا ہی ہوتا ہے۔

ہانیہ کی شادی میں اپنے گھر سے صرف وہ شریک ہوئی تھی۔ اور یہ بات اگرچہ وہ پہلے سے ہی جانتی تھی اور ذہنی طور پر اس کے لیے تیار بھی تھی کہ فاروق اور صدف کو ہانیہ اور محمود انکل میں نہ تو کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی پاپا اور محمود انکل کی چالیس سالہ دوستی کا کوئی پاس ہے، پھر بھی اس کا دل بے طرح اداس ہورہا تھا اور آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ ہانیہ اس کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی، مگر اس نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی، اس نے پہلے ہی بڑی مشکل سے اپنے دل کو سمجھایا تھا اور اپنے ڈیڈی کی خاطر خود کو اس شادی کے لیے تیار کیا تھا، ورنہ اس کے دل و دماغ پر تو کچی عمر سے ہی فاروق کی شبیہہ نقش تھی۔ وہ تو پہلے ہی بڑی کوششوں سے اس شبیہہ کو مٹا کر وہاں نیا نام لکھنے کی سعی کررہی تھی۔ ایسے میں سارہ سے اس طرح کی کوئی بات کرنا اپنے زخموں کو ہرا کرنے والی ہی بات تھی۔ اس لیے ہانیہ پوری کوشش کرکے اس کے سامنے خود کو مطمئن ظاہر کررہی تھی اور بڑی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہی تھی۔ اس لیے اس کی شادی کے دن تک سارہ کافی حد تک بہل بھی گئی تھی۔ مہندی کی رات ہی فنکشن کے بعد سونے سے پہلے اس نے اور ہانیہ نے جب ڈھیروں باتیں کیں تو سارہ نے اسے حارث کے متعلق بھی بتادیا۔ ہانیہ یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑی۔ اور باقی کا سارا وقت نا صرف اس سے حارث کے بارے میں پوچھتی رہی، بلکہ اس نے سارہ کے موبائل سے حارث سے بات بھی کی تھی۔

"اب میں مطمئن ہوگئی ہوں سارہ! اب پاکستان سے باہر جاتے ہوئے دل پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ ورنہ پہلے تو مجھے بھی زیادہ تمہارا خیال تھا کہ تم اکیلی ہوجاؤ گی، مگر اب میں بہت خوش ہوں کہ تمہیں ایک خیال

رکھنے والا ساتھی مل گیا ہے۔" اپنی رخصتی کے وقت سارہ سے گلے ملتے ہوئے ہانیہ نے اس کے کان میں کہا تھا۔ اپنے لیے اس کا اتنا پیار دیکھ کر سارہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں اور ساتھ ہی اسے حارث بھی شدت سے یاد آنے لگا تھا۔ ورنہ پچھلے تین دن سے تو وہ ہانیہ کی شادی کے ہنگاموں میں کھوئی ہوئی تھی اور حارث کو تقریباً بھلائے بیٹھی تھی، اس نے فون پر بھی اس سے بہت کم بات کی تھی، مگر اب دلہن کی رخصتی کے بعد جب گھر کے درودیوار مخصوص قسم کی اداسی کی لپیٹ میں آئے تو اسے حارث شدت سے یاد آنے لگا۔

اگرچہ پہلے اس کا پلان ہانیہ کی شادی کے بعد وہاں دو روز مزید رکنے کا تھا تاکہ محمود انکل کو ہانیہ کی کمی محسوس نہ ہو، مگر اب اس کے لیے وہاں ایک ایک لمحہ کاٹنا دشوار ہورہا تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے اگلے دن تک صبر کیا تھا اور اگلی سہ پہر جب ہانیہ اپنے شوہر کے ساتھ آئی تو وہ مشکل سے گھنٹہ بھر ہی اس کے پاس بیٹھی تھی اور شام سے پہلے واپسی کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔ حالانکہ ہانیہ اور محمود انکل نے اسے کتنا روکا تھا کہ وہ صبح چلی جائے، مگر اب اس سے وہاں رکا نہیں جارہا تھا۔ اس لیے سو طرح کے بہانے کرکے وہ اسی شام لاہور کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔

اگلی صبح وہ یونیورسٹی پہنچی تو حارث اسے پارکنگ کے قریب ہی مل گیا۔ سارہ کو یوں اچانک سامنے پاکر وہ مبہوت سا ہوگیا، کیونکہ پروگرام کے مطابق تو اسے ابھی دو روز بعد یونیورسٹی آنا تھا، مگر وہ دو دن پہلے ہی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ شاکنگ پنک اور گرے کلر کے جدید تراش خراش کے لباس میں وہ بے حد ترو تازہ اور حسین نظر آرہی تھی۔ جبکہ اس کے برعکس حارث ملگجی سی جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر چار روز کی بڑھی ہوئی شیو تھی اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ سارہ اس کا حلیہ دیکھ کر پریشان سی ہوگئی، کیونکہ وہ تو ہمیشہ بہت ٹک سک سے درست ہوکر یونیورسٹی آیا کرتا تھا۔

"حارث! تم ٹھیک تو ہو؟" بے حد پریشانی سے اس نے حارث کا بازو ہلکے سے چھوا تھا۔ جواب میں وہ بشاشت سے مسکرادیا۔

"اب بالکل ٹھیک ہوں۔" سارہ کے حسین چہرے پر نظریں جمائے وہ بڑے جذب سے بولا تھا۔ سیاہ حلقوں میں قید اس کی سنہری آنکھیں اب جگر جگر کررہی تھیں۔

"یہ تم نے اپنا حلیہ کیا بنا رکھا ہے۔ لگتا ہے اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھا۔" سارہ کی پریشانی نہ تو اس کی مسکراہٹ نے دور کی تھی اور نہ ہی اس کی آنکھوں کی لوٹ آنے والی چمک نے، وہ ہنوز ہراساں سی کھڑی اس کا چہرہ دیکھے جارہی تھی۔

"یار! تم جو یہاں نہیں تھیں، تمہارے بغیر مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ تم مجھے چھوڑ کر نہ جایا کرو سارہ! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" اس کا ہاتھ تھام کر وہ بہت بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ سارہ گنگ سی رہ گئی۔

"لیکن حارث! میں تم سے پوچھ کر ہی تو گئی تھی۔" کئی لمحوں کے بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔

"تم مجھ سے پوچھا بھی نہ کرو۔" حارث کے انداز میں بچوں جیسی ضد تھی۔

"میں تمہیں کسی چیز سے منع نہیں کرسکتا اور تمہارے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔" جواب میں سارہ کچھ بھی نہ بول سکی، بس سحر زدہ سی کھڑی اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"سارہ! میں نے کل زین کو تمہارے بارے میں بتا دیا۔ وہ بہت ایکسائٹڈ ہورہا تھا تم سے ملنے کے لیے۔"

"اچھا۔" وہ مدھم سروں میں ہنسی۔

"کب آئیں گے وہ پاکستان۔"

زین، حارث کا جڑواں بھائی تھا، جو امریکہ میں اپنے ماموں کے پاس رہ کر وہاں سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کررہا تھا۔

"چھ ماہ تک آنے کا کہہ رہا تھا۔ مجھ سے جھگڑ رہا تھا

www.Paksociety.com

کہ جب ڈیڑھ سال پہلے وہ پاکستان آیا تھا تب میں نے اسے تمہارے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ میں نے کہا مجھے تم پر اعتبار نہیں تھا۔ اس لیے تمہیں سارہ سے ملوانے کا رسک نہیں لیا پتا ہے سارہ! بچپن ہی سے ہم دونوں کی پسند' ناپسند ایک جیسی ہے۔ جو چیز مجھے پسند آتی ہے وہی اسے پسند آجاتی ہے اور جسے وہ ریجیکٹ کردے میرا اس کو پسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ سارہ بھی اگرچہ چہرے پر مسکراہٹ لیے اس کی باتیں سن رہی تھی' مگر حارث کو یہ جاننے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ وہ کہیں کھوئی ہوئی ہے۔ کسی گہری سوچ کا عکس اس کی نیلی آنکھوں میں پھیلا ہوا صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو سارہ' مجھے نہیں بتاؤ گی؟" بہت اپنائیت سے اس نے سوال کیا تھا۔ سارہ نے تذبذب سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"حارث! میں کئی روز سے تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں' مگر ڈرتی ہوں کہ کہیں تم برا نہ مان جاؤ۔" آخر کار اس نے کہہ ہی دیا' مگر اس کے لہجے میں واضح ہچکچاہٹ تھی۔

"میں نے آج تک تمہاری کسی بات کا برا مانا ہے جو اب مانوں گا' تم نے جو بھی کہنا ہے بلا جھجک کہو۔" وہ محبت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اپنے ازلی نرم لہجے میں بولا اور یہ حقیقت بھی تھی۔ ان کی دوستی کو تین سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور اس تمام عرصے میں حارث نے ایک بار بھی اس سے اونچی آواز یا تلخ لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ خواہ سارہ سے کتنی ہی بڑی گڑبڑ کیوں نہ ہو جائے' وہ کبھی ایسی بات نہیں کرتا تھا جس سے سارہ کا دل دکھے۔

"وہ میں سوچ رہی تھی کہ اگر شادی کے بعد ہم سارہ پیلس میں جا کر رہیں۔" اپنی بات کہہ کر اس نے ڈرتے ڈرتے حارث کا چہرہ دیکھا۔ جس کے تاثرات میں رتی بھر فرق نہیں آیا تھا۔

"ٹھیک ہے سارہ پیلس میں جا کر رہیں گے۔" ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر وہ سکون سے بولا۔ سارہ حیران سی ہو گئی' جس بات کو صرف اس کے سامنے کہنے کے لیے اسے اتنا ڈھیر سارا ٹائم لگا تھا' وہ اس بات کو لمحہ بھر سوچے بغیر ہی مان گیا تھا۔

"واقعی۔" اس نے مشکوک نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "بعد میں مکر تو نہیں جاؤ گے؟"

"بالکل بھی نہیں میری جان! ایسا کبھی ہو سکتا ہے کہ میں تم سے کوئی وعدہ کروں اور پھر اسے پورا نہ کروں' میں شادی سے پہلے ہی مما سے یہ بات کرلوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات مان لیں گی' آخر بڑے بھیا بھی تو اپنی شادی کے بعد سے الگ رہ رہے ہیں۔ مما نے ایک روز بھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا۔ بس تم بے فکر ہو جاؤ' میں اس معاملے کو خود ہی ہینڈل کرلوں گا۔"

"حارث! تم نہیں جانتے سارہ پیلس میرے لیے کیا ہے۔ پاپا نے وہ گھر خاص طور پر میرے لیے بنوایا تھا' مگر میرے لیے وہ صرف ایک گھر نہیں ہے' ایک خواب ہے' ایک ایسا خواب جو مجھے بہت پیارا ہے۔ اس گھر کی ایک ایک چیز نقشے سے لے کر انٹیریئر ڈیکوریشن تک' پاپا نے ہر چیز میں میری پسند کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔ ان کا خواب تھا کہ میں اس گھر میں ہمیشہ رہوں' اپنی شادی کے بعد بھی خود تو ان کا ارادہ میری شادی کے بعد دوسرے گھر میں شفٹ ہو جانے کا تھا۔ اور یہی سب چیزیں ہیں جو بھابھی کو بری لگتی ہیں' انہوں نے دانستہ صرف مجھے اذیت دینے کے لیے سارہ پیلس کو ویران کر رکھا ہے۔"

"سارہ! تم یہ سب باتیں نہ سوچا کرو' تمہارے چہرے پر مجھے دکھ اچھا نہیں لگتا' تم صرف مسکرایا کرو' تم صرف مسکرانے کے لیے بنی ہو۔" وہ اس کا مومی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت لگاوٹ سے کہہ رہا تھا۔ سارہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلا اور ہلکے سے مسکرا دی۔ اس وقت تک وہ دونوں ہی نہیں جانتے تھے کہ دنیا میں کوئی بھی انسان صرف مسکرانے کے لیے نہیں بنا۔

سارہ کا ساتواں سمسٹر ختم ہونے والا تھا جب حارث کا رزلٹ آؤٹ ہوا' اگر وہ اپنے پہلے سے سوچے ہوئے پلان پر عمل کرتا تو اسے یا تو کوئی جاب کرنا تھی یا آگے پڑھنے کے لیے امریکہ جانا تھا۔ مگر اس نے سارہ کے سامنے ان دونوں آپشنز کا سرسری سا ذکر ہی کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ گے تو میں یونیورسٹی میں کیسے رہوں گی؟" وہ پہلے دن سے اس کی عادی ہو گئی تھی۔ اور آج تک ایک بھی دن ایسا نہیں گزرا تھا کہ وہ یونیورسٹی آئے اور حارث نہ آئے۔ اس لیے قدرتی طور پر اس کے بغیر وہاں رہنے کا تصور ہی سارہ کو سوہانِ روح لگ رہا تھا اور حارث اس کے معاملے میں ہمیشہ سے ہی ایسا تھا کہ اس کی مذاق میں کہی بات بھی نہیں ٹالتا تھا۔ اس لیے بجائے اس کے کہ وہ سارہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا اس نے اپنا پلان ہی بدل دیا اور پنجاب یونیورسٹی میں ہی ایم فل میں داخلہ لے لیا۔

سارہ اس کے وہاں داخلہ لینے پر بے حد خوش تھی' اگرچہ اس کی ٹائمنگ بدل گئی' اس کی کلاسز ایوننگ میں ہوتی تھیں' مگر سارہ کی خاطر وہ روز دوپہر ہی سے یونیورسٹی آجایا کرتا تھا۔ سارہ کی کلاسز ختم ہونے کے بعد وہ دونوں اپنی کسی بھی پسندیدہ جگہ پر بیٹھ جاتے اور ڈھیر ساری باتیں کرتے۔ حارث ان دنوں اپنی مما سے بات کرنے کے لیے بہت سیریس ہو رہا تھا اور ہر ایک ڈیڑھ ہفتے بعد سارہ کے پوچھے بغیر ہی اسے بتاتا رہتا تھا کہ وہ فلاں موقع پر مما سے بات کرے گا۔ یا فلاں مسئلے کی وجہ سے وہ بات نہیں کر پایا۔ سارہ اس کی ایسی باتوں کو سن کر ہنس دیا کرتی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے حارث! ابھی تو میری تعلیم مکمل ہونے میں بھی دو سال لگ جائیں گے' تم موقع دیکھ کر آرام سے بات کرنا۔" وہ جب بھی کوئی موقع ضائع ہونے پر افسوس کا اظہار کرتا سارہ ہمیشہ اسے اس طرح تسلی دیا کرتی تھی۔ اگرچہ وہ خود بھی شدت سے متمنی تھی کہ حارث کا نام باضابطہ طور پر اس کے نام سے جڑ جائے' مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس معاملے میں حارث کسی ذہنی دباؤ کا شکار ہو۔

☆ ☆ ☆

وہ آخری کلاس لے کر نکلی تھی اور روز کی طرح اب اس کا رخ لائبریری کی طرف تھا۔ حارث اس وقت وہیں ملتا تھا۔ مگر آج وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ کافی دیر وہ اپنا کام کرتے ہوئے اس کا انتظار کرتی رہی' مگر جب وہ معمول سے پورا گھنٹہ لیٹ ہو گیا تو سارہ نے اس کے موبائل پر کال کردی۔

"یار! میں بس گھر سے نکل آیا ہوں پندرہ منٹ تک تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔" اس کی کال ریسیو کرتے ہی وہ چہکنے کے انداز میں بولا۔

"اب گھر سے نکل رہے ہو اتنی دیر سے' تمہیں اچھی طرح سے پتا تھا کہ میں یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں۔" وہ کوفت بھرے انداز میں بولی' جواب دینے سے پہلے حارث نے بلاوجہ قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا۔

"میں بھی یہاں کوئی فارغ نہیں بیٹھا تھا بہت بڑا معرکہ سر کر کے آیا ہوں' تم سنو گی تو خوشی سے اچھل پڑو گی۔"

"ایسی کیا بات ہے کہ میں خوشی سے اچھل ہی پڑوں؟" سارہ کا دل زور' زور سے دھڑکنے لگا' اس لیے اسے تجاہل عارفانہ برتنے میں بھی دقت ہوئی تھی۔

"ایسی ہی بات ہے جناب!" وہ خوشی سے چہکا۔

"میں نے مما سے بات کرلی ہے۔"

"ہیں سچ...." وہ واقعی خوشی سے اچھل پڑی تھی۔

"پھر کیا کہا انہوں نے؟"

"صبر میری جان صبر! سارا کچھ فون پر ہی پوچھ لو گی تو میں وہاں آکر کیا کروں گا۔ میرا انتظار کرو میں بس پندرہ منٹ میں پہنچتا ہوں' اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" سارہ نے زیر لب کہا' پھر مسکرا کر موبائل کو دیکھا اور موبائل بیگ میں ڈال کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔ کتابوں اور نوٹس میں اب اس کی دلچسپی صفر ہو گئی تھی حارث نے پندرہ منٹ بعد آنے کو کہا تھا اور اس کی آنکھیں ابھی سے دروازے پر

www.Paksociety.com

چپک کررہ گئی تھیں۔

بیس منٹ تک اس نے بہت صبر سے حارث کا انتظار کیا تھا۔ مگر جب آدھا گھنٹہ گزر گیا تو اس کو عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا اس نے حارث کو کال ملائی مگر دوسری جانب سے اس کی کال ریسیو نہیں کی جارہی تھی۔

"بائیک چلا رہا ہوگا۔" اس نے خود کو تسلی دی اور ایک بار پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں سے اب بیک وقت کئی لڑکے اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہ لائبریری تھی' وہاں اسٹوڈنٹس کا آنا جانا لگا ہی رہتا تھا' مگر ان لڑکوں کے چہرے کے تاثرات اور ان کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ ان کے اندر آتے ہی وہاں عجیب سا شور مچ گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اسٹوڈنٹس کو لائبریری سے باہر نکالنا شروع کردیا۔ وہ اب لائبریری بند کروا رہے تھے۔

"کیا ہوا آپ لائبریری بند کیوں کروا رہے ہیں؟" ہراساں ہو کر اس نے ان میں سے ایک لڑکے سے پوچھا۔

"ہماری تنظیم کے ناظم کو کسی نے یونیورسٹی گیٹ کے اندر قتل کردیا ہے۔ اس لیے ہم ہڑتال کروا رہے ہیں۔" لڑکے کو شاید اس کی ہراساں صورت پر ترس آگیا تھا۔ اس لیے اس نے اسے تفصیلی جواب دے دیا تھا۔ سارہ نے مزید کچھ نہیں کہا اور لائبریری سے باہر نکل آئی' اسے یک دم ہی بہت خوف محسوس ہونے لگا تھا اور دل عجیب انداز سے دھڑکنے لگا۔ یونیورسٹی میں ہڑتال' ہنگامے' لڑائی جھگڑا کچھ بھی اس کے لیے نیا نہیں تھا' مگر آج جیسا خوف اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے جب بھی کبھی اسے ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو حارث ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا تھا اور آج وہ وہاں نہیں تھا' اس لیے اسے یوں ڈر لگ رہا تھا۔ لائبریری سے باہر آتے ہی اس نے ایک بار پھر حارث کا نمبر ٹرائی کیا' مگر اب کی بار بھی اس کی کال ریسیو نہیں ہوئی تھی' پریشانی سے اس کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ وہاں اس کے اردگرد سینکڑوں لوگ تھے۔ مگر وہ خود کو بے حد تنہا اور بے یارو مددگار محسوس کر رہی تھی۔ اسے خود میں اتنی ہمت بھی نہیں محسوس ہو رہی تھی کہ وہ پارکنگ لاٹ تک ہی پہنچ جاتی' تھک کر وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"سارہ! سارہ۔" کوئی اونچی آواز میں اسے پکار رہا تھا' اس نے چونک کر سر اٹھایا' وہ احمد تھا' حارث کا قریبی دوست' اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' سارہ اسے دیکھتے ہی تیزی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"احمد بھائی! آپ نے حارث کو دیکھا ہے' اس نے ایک گھنٹہ پہلے مجھے کال کی تھی۔ وہ پندرہ منٹ میں یہاں پہنچنے والا تھا' مگر ابھی تک نہیں آیا۔" خوف زدہ اور ہراساں وہ اپنی عادت کے خلاف تیز تیز بول رہی تھی' احمد کی آنکھیں بھر آئیں۔

"سارہ! حارث کو گولی لگ گئی ہے۔ وہ۔۔۔ وہ مظہر کے ساتھ تھا۔"

یہ دو فقرے بولنے کے لیے احمد جن امتحانوں سے گزرا تھا یہ وہی جانتا تھا۔ وہ سارہ اور حارث کی محبت سے اچھی طرح واقف تھا اور سارہ کی زندگی میں حارث کی اہمیت کا بھی اسے اچھی طرح سے اندازہ تھا' اس لیے اس سے سارہ کو کچھ بتایا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"کیا کیا کہا آپ نے؟" سارہ کا چہرہ سفید پڑ گیا اور آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

"وہ اسپتال میں ہے' میں آپ کو لینے آیا ہوں' میرے ساتھ چلیں۔" بے حد بوجھل اور دکھی لہجے میں احمد بمشکل بول رہا تھا اور سارہ تو جیسے اس کی بات سن ہی نہیں رہی تھی یا سن رہی تھی تو اس کے الفاظ کا مفہوم سمجھ نہیں رہی تھی۔ سپید چہرہ لیے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے احمد کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی' اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے احمد نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کیا اور اس کا بازو پکڑ کر پارکنگ کی طرف چل پڑا' سارہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی' بے جان بت کی طرح وہ اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔

اسپتال یونیورسٹی کے قریب ہی تھا' احمد کی کار میں وہ لوگ پانچ منٹ میں وہاں پہنچ گئے تھے۔ اس پانچ منٹ کے راستے میں سارہ نے نہ تو منہ سے کوئی آواز نکالی تھی' نہ ہی اپنی نظروں کا زاویہ لمحہ بھر کے لیے بھی تبدیل کیا تھا' بلکہ اس نے تو شاید پلکیں بھی نہیں جھپکی تھیں۔

احمد نے ہی سہارا دے کر اسے کار سے باہر نکالا اور اس کا بازو پکڑ کر مختلف راستوں سے ہوتا ہوا ایک بند دروازے کے پاس رک گیا۔ دروازے کا آدھے سے زیادہ حصہ شیشے کا بنا ہوا تھا اور اس پر لٹکے ہوئے پردے ایک طرف کھینچے ہوئے تھے۔ احمد نے اس سے کچھ کہا تھا نہ سارہ نے اس سے کچھ پوچھا تھا۔ میکانکی سے انداز سے اس کی آنکھوں کا زاویہ تبدیل ہوا۔ اب وہ شیشے کے دروازے کے پار موجود کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ پہلی نظر نے ہی اس کا پورا وجود سن کردیا۔ اندر کا جو منظر تھا وہ اس کے اندیشوں سے بڑھ کر تکلیف دہ تھا۔ وہاں حارث تھا۔ مگر اس حال میں کہ اس کا پورا وجود اس کے اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد کئی لوگ تھے اور ان سب کے چہروں پر مایوسی کی تحریر بہت واضح تھی۔ وہاں کھڑی نرسوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سارہ کے لبوں سے اب بھی کوئی آواز نہیں نکلی۔ وہ مجسمے کی طرح ساکت تھی۔ اور پوری آنکھیں کھولے حارث کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ حارث بھی اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اور اس کی سنہری آنکھوں میں شدید کرب اور بے چینی ہے۔ اپنی تمام تر اذیت کے باوجود اسے حارث کی آنکھوں کا کرب اور بے چینی صاف محسوس ہوئے تھے۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے ان آنکھوں سے بے چینی اور کرب کو غائب ہوتے دیکھا۔ اس کی کشادہ آنکھوں میں پھیلی بے بسی بھی جیسے کہیں تحلیل ہوگئی تھی اور بے بسی کی جگہ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا سکون اتر آیا تھا۔ اس کی خوب صورت آنکھیں سارہ کے چہرے پر مرکوز تھیں اور ان میں وہ مخصوص نرمی تھی جو سارہ کے ساتھ بات کرتے ہوئے اور اسے دیکھتے ہوئے ہوا کرتی تھی' مگر یہ تاثر بھی بس ایک لمحے کا ہی تھا' اگلے ہی پل اس کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوگئیں۔

سارہ کی آنکھوں سے کوئی آنسو نکلا' نہ ہی کوئی سسکی اس کے جامد لبوں کی قید سے آزاد ہوئی تھی' وہ بغیر پلکیں جھپکائے بغیر کوئی آواز نکالے مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی' اس کے اردگرد ایسا سناٹا پھیلا ہوا تھا جس میں کوئی آواز نہیں تھی' ہلکی سی بھی نہیں۔ پھر اس کے اردگرد کا منظر غائب ہونے لگا۔ ایک گہرے سرمئی اندھیرے کی چادر تھی جو اس کی طرف بڑھ رہی تھی' اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی' جس لمحے اس سرمئی چادر نے سارہ کے وجود کو مکمل طور پر اپنے حصار میں لیا اس لمحے اندر موجود کسی ڈاکٹر نے حارث کے چہرے کو سفید چادر سے ڈھانپ دیا تھا۔ سارہ حیات نے اپنے وجود کی تمام تر قوت سے اس چادر کو ہٹا کر حارث کا چہرہ دیکھنے کی خواہش کی تھی' مگر اندھیرا اب اسے مہلت دینے کو تیار نہیں تھا۔ اس کا سانس جیسے سینے کے اندر ہی گھٹ گیا تھا۔ جسے باہر نکالنے کی اس نے انتہائی کوشش کی' مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی اور وہ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر گر گئی۔

✵ ✵ ✵

اس کے ذہن پر چھایا ہوا مہیب اندھیرا چھٹا تھا یا شاید ہلکا ہوا تھا۔ جب اس نے اپنے اردگرد کچھ سایوں کو محسوس کیا۔ اسے ان سایوں سے بے حد خوف محسوس ہوا تھا' بے اختیار ہی اس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تھی' مگر پھر نہ جانے کس نے اسے دبوچ لیا' وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی اور اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے اس نے ہاتھ پاؤں بھی مارے تھے' مگر اسے اپنی کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی' پھر اسے اپنے دائیں بازو پر ہلکی سی چبھن محسوس ہوئی اور اس کا ذہن پھر سے اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔ بعد میں بھی دو یا تین بار ایسا ہی ہوا تھا۔ ہر بار اسے اپنے بازو پر چبھن محسوس ہوتی اور اس کے ذہن پر تاریکی چھا جاتی۔

تیسری یا پھر چوتھی بار جب اندھیرا مدھم ہوا تو ہر بار کی طرح اس کے دل میں اٹھ کر بھاگ جانے کی خواہش پیدا نہیں ہوئی تھی' وہ ساکت لیٹی رہی اور پھر وہ اندھیرا بھی مدھم ہوتے ہوتے مکمل طور پر چھٹ گیا۔ اس نے خود کو اسپتال کے بستر پر دیکھا۔ وہ مکمل طور پر ہوش میں آگئی تھی' مگر اس کا ذہن ماؤف سا ہو رہا تھا۔ وہ اپنے اردگرد کے ماحول کو واضح طور پر دیکھ سکتی تھی' مگر وہ وہاں کیوں تھی' یہ اسے یاد نہیں آرہا تھا' اس نے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی کہ ابھی اس بند دروازے کو کون کھول کر اندر آئے گا۔ اس کے تصور کے پردے پر دو سنہری آنکھیں لہرائیں جن میں اس کے لیے نرمی اور اپنائیت تھی' پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان آنکھوں کی جوت مدھم ہونے لگی بے اختیار ہی اس نے اپنا سر تکیے پر پٹخا تھا۔

"جانتی ہو میں نے جس دن اور جس لمحے سے تمہیں پہلی بار دیکھا ہے' اس لمحے سے میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوں' تم میرا جہان ہو سارہ! تم میری دنیا ہو' تم میرا سب کچھ ہو۔" کوئی بہت دھیمے لہجے میں اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہا تھا۔ وہ دو سنہری آنکھیں ایک بار پھر اس کے سامنے تھیں' اسے چاہت اور محبت سے دیکھتی ہوئی ان آنکھوں میں بلا کی چمک تھی' جیسے ان میں ستارے بھرے ہوئے ہوں' پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک بار پھر ان آنکھوں کی چمک مدھم پڑنے لگی' اس بار وہ اس کے تصور کے پردے سے غائب نہیں ہوئی تھیں' بلکہ ان کی چمک مدھم پڑتے پڑتے ختم ہوگئی تھی' وہ جگر جگر کرتی ہوئی آنکھیں بے جان ہوگئی تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھنا چاہتی تھی' مگر اسے اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی' وہ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ خود سے بیٹھ بھی نہیں سکتی تھی' البتہ اس کوشش کے نتیجے میں اس کے بازو پر لگی ہوئی ڈرپ کی سوئی ہل گئی تھی اور اس کے بازو پر خون کا ایک قطرہ ابھر آیا تھا۔ اس قطرے کو دیکھتے ہی اسے حارث کا خون میں نہایا ہوا وجود یاد آیا' اس کا دل چاہا کہ وہ زور زور سے چلائے' بہت سارا روئے' مگر اس نے چلایا گیا۔ نہ ہی آنسوؤں نے اس کا دکھ بٹانے کی کوشش کی۔ وہ ساکت و صامت لیٹی تھی اور اس کا پورا وجود ناقابل بیان اذیت سے دوچار تھا۔ اس کا وجود گویا بھاگتی دوڑتی ہلچل مچاتی زندگی کا حصہ ہی نہیں رہا تھا۔ اور لوگ بھی آخر کب تک اس کا سپاٹ چہرہ اور اجنبی نظریں دیکھتے' دھیرے دھیرے محمود انکل کے سوا سب نے اس کے پاس آنا چھوڑ دیا۔ اسے ان کے چھوڑ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا' جیسے اسے ان کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

☼ ☼ ☼
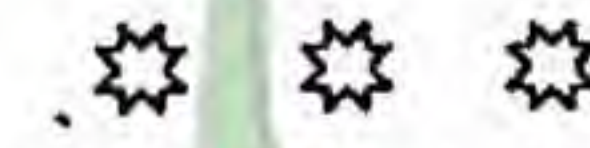
سارہ کمرے سے جا چکی تھی' مگر اس کی موجودگی کا احساس ابھی بھی وہاں بہت گہرا تھا۔ بلال کو ابھی بھی وہاں اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے وجود کے ساتھ لپٹی ہوئی اداسی جیسے کمرے میں ہی رہ گئی تھی۔ بلال کا دل بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس معصوم چہرے والی پیاری سی لڑکی کی زندگی سے دکھ اور بے بسی کے احساس کو بالکل غائب کر دیتا۔ اور اس کی نیلی جھیل جیسی آنکھوں کو مسکراہٹوں سے منور کر دیتا' مگر یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا۔ ماں' باپ کی حادثاتی موت' بھائی کی بے رخی اور بھابھی کے ناروا سلوک نے اس کی شخصیت میں جو توڑ پھوڑ کی تھی۔ وہ اگرچہ حارث کی محبت بھری قربت سے کافی حد تک ٹھیک ہوگئی تھی۔ مگر پھر بھی وہ پہلے جیسی سارہ نہیں بن پائی تھی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ اس کا ہنسنا بولنا خوش رہنا سب حارث کا مرہون منت تھا۔ وہ مکمل طور پر حارث پر انحصار کرنے لگی تھی اور اب جب وہ نہیں رہا تھا تو وہ پہلے سے بھی بڑھ کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ اس کی شخصیت اس حد تک ریزہ ریزہ ہو چکی تھی کہ اسے جوڑنے کا تصور ہی محال تھا۔ مگر بلال پھر بھی اسے جوڑنا چاہتا تھا۔ اسے زندگی کی طرف لانا چاہتا تھا۔ یہ کام مشکل ضرور تھا' مگر وہ اسے ہر حال میں کرنا چاہتا تھا۔ سارہ کو جب اس نے پہلی بار دیکھا تھا اس وقت اسے اس سے ایک عجیب سی انسیت محسوس ہوئی تھی اور پھر یہ انسیت ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ گئی تھی وہ اسے بہت اپنی سی لگی تھی وہ تب بھی اس کے چہرے پر چھائی ہوئی بے حسی اور اس کی آنکھوں میں جمے کرب کو دور کرنا چاہتا تھا اور اب جب وہ اس کے سارے حالات سن چکا تھا اس کی ذات کے تمام پہلوؤں سے آشنا ہو چکا تھا تو اس کی اس خواہش میں کئی گنا شدت آچکی تھی۔

"میں اسے زندگی کی طرف ضرور لے کر آؤں گا۔ چاہے مجھے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

اس روز اس نے اپنے دل میں عزم کیا تھا اور اپنے اس عزم کو پورا کرنے کے لیے وہ اسی روز سے سرگرم ہو گیا۔ سارہ کی نگہداشت کے لیے فی الحال ایک نرس کی ضرورت تھی اور یہ نرس بلال کے ریفرنس سے ہی سارہ کے گھر گئی تھی۔ بلال کا اس سے رابطہ تھا اور وہ اس سے سارہ کے بارے میں چھوٹی سی چھوٹی بات بھی فون پر پوچھا کرتا تھا۔ زرمینہ کے ہی ذریعے اس نے سارہ کا موبائل نمبر لیا تھا اور اس سے بات کرنا شروع کی تھی۔ وہ اپنے مزاج کے خلاف ہر رات اسے کال کرتا تھا اور ادھر ادھر کی بے ضرر باتیں کر کے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کیا کرتا۔ سارہ زیادہ تر اس کی باتیں سنا کرتی تھی۔ اور دل چاہتا تو کسی بات کا جواب دیتی دل نہ چاہتا تو چپ رہتی۔ بعض اوقات وہ بلال کی کال ریسیو ہی نہ کرتی یا کال ریسیو کر لیتی تو چند منٹ بعد ہی فون بند کر دیتی۔ مگر بلال ان ساری چیزوں سے دلبرداشتہ نہیں ہوتا تھا۔ سارہ کے علاوہ وہ زرمینہ سے بھی ہر روز بات کرتا اور پوری تفصیل سے سارہ کے پورے دن کی روداد معلوم کیا کرتا۔

زرمینہ نے ہی بلال کو بتایا تھا کہ سارہ' محمود انکل کے سوا ہر کسی سے ملنے سے انکار کر دیتی ہے۔ محمود انکل ابھی تک لاہور میں تھے' مگر وہ فاروق کے گھر نہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ البتہ سارہ سے ملنے کے لیے وہ ہر روز آتے تھے اور کافی دیر اس کے پاس بیٹھے بھی رہتے تھے۔ البتہ ان دونوں کے درمیان گفتگو نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔ اس کا بھائی صرف ایک بار پانچ منٹ کے لیے اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اور بھابھی ایک بار بھی نہیں آئی تھی۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی بلال مایوس نہیں ہوا تھا۔ وہ زرمینہ کو سارہ کا اچھی طرح سے خیال رکھنے کی ہدایت کرتا' اس کا ڈائٹ چارٹ بھی وہ خود ہی بنا کر زرمینہ کو دیتا تھا۔

تین ماہ بعد ڈاکٹرز نے سارہ کو چیک اپ کے بعد صحت یاب قرار دے دیا' کم از کم اب وہ اس حد تک صحت یاب ضرور ہو چکی تھی کہ اسے کوئی دوا کھانے کی ضرورت نہیں رہی تھی اور نہ ہی اب اسے ہر ہفتے چیک اپ کے لیے اسپتال آنا تھا۔ بلال کے کہنے پر زرمینہ کو بھی چھٹی دے دی گئی تھی۔ اگرچہ یہ بات وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ سارہ کے کھانے پینے کا خیال زرمینہ ہی رکھتی ہے۔ خود سے تو اسے شاید کبھی بھی خیال نہ آتا کہ اسے کھانا کھانا ہے یا لباس تبدیل کرنا ہے۔ مگر بلال چاہتا تھا کہ سارہ اب خود اپنا خیال رکھے۔ اگرچہ فوری طور پر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا' مگر اسے یقین تھا کہ کچھ وقت گزر جانے کے بعد سارہ اپنا کچھ نہ کچھ خیال ضرور رکھنے لگے گی۔ آخر وہ اپنی فطری ضروریات سے تو منہ نہیں موڑ سکتی تھی۔ اسے بھوک محسوس ہوتی اور کوئی دوسرا شخص کھانا لا کر اس کے سامنے نہ رکھتا تو چار و ناچار اسے خود ہی کھانے کے لیے اٹھنا پڑتا۔

اب وہ اسے روز فون بھی نہیں کیا کرتا تھا۔ اور اکثر یہ ہونے لگا کہ جس روز وہ اسے فون نہ کرتا۔ اسی دن یا اس سے اگلی صبح تک سارہ خود اسے فون کر لیتی۔ وہ اس کی باتوں کی عادی ہو چکی تھی اور لاشعوری طور پر اس کے فون کا انتظار کرتی۔ محمود انکل واپس جا چکے تھے۔ ان کے اور زرمینہ کے چلے جانے کے بعد بلال ہی وہ واحد شخص تھا جس سے وہ کچھ نہ کچھ بات کر لیتی تھی۔ شاید اس لیے بھی اس کی زندگی میں بلال کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ اب وہ پہلے کی طرح بلال کی باتیں سنتی ہی نہیں تھی' بلکہ خود بھی تھوڑا بہت بولنے لگی تھی اور یہ تبدیلی بلال کے لیے کافی خوشی کا باعث تھی۔

دوسری تبدیلی اس میں یہ آئی تھی کہ اب وہ کبھی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at
0336-5557121

کبھی اپنی مرضی سے بلال سے ملنے کے لیے اسپتال آنے لگی۔ بلال کے حساب سے دوسری تبدیلی زیادہ خوش آئند تھی، سارہ کا اپنی مرضی سے گھر سے باہر نکلنا اس بات کی علامت تھا کہ اب وہ خود بھی اپنے اندر کی گھٹن سے گھبرانے لگی ہے۔ وہ جب بھی اسپتال آتی بلال اس کو ساتھ لے کر اسپتال کے راؤنڈ پر نکل جاتا، خواہ اس کے آنے سے پہلے وہ راؤنڈ لگا ہی چکا ہوتا۔ مختلف مریضوں سے ملنے اور ان کے بارے میں جاننے سے اس کے وجود سے لپٹی بے حسی اور لاتعلقی کی برف آہستہ آہستہ پگھلنے لگی تھی۔

اس روز بھی وہ بلال کے ساتھ راؤنڈ پر نکلی ہوئی تھی، جب ایمرجنسی وارڈ کے باہر بینچ پر بیٹھی ایک عمر رسیدہ عورت بلال کو دیکھتے ہی لپک کر اس کی طرف آئی اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے اونچی آواز سے رونے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب میرے بیٹے کو بچالیں، میرا ایک ہی بیٹا ہے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں بہت غریب ہوں، میرے پاس اس کے علاج کے لیے رقم نہیں ہے، مگر میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ ساری عمر آپ کے اسپتال میں نوکرانی بن کر رہوں گی۔ بغیر تنخواہ کے کام کروں گی، مگر میرے بیٹے کو بچالیں۔"

آنسو اس کے جھریوں زدہ چہرے پر اٹک اٹک کر بہہ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی اور مجبوری کی تحریر اتنی واضح تھی کہ ان آنکھوں میں ایک نظر دیکھ کر ہی سارہ کا وجود لرزنے لگا۔

"بلال صاحب! ان کے بیٹے کے علاج پر جتنا بھی خرچہ آئے گا، وہ سب میں اٹھاؤں گی۔" بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا، بلال نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا، جس پر اس وقت بے حسی کا کوئی نشان تک نہیں تھا، وہ بہت ہمدردی اور محبت سے اس بوڑھی عورت کو اپنے ساتھ لگائے تسلی دے رہی تھی، بلال فاتحانہ انداز سے مسکرا دیا۔ اس نے سارہ کو یہ نہیں بتایا کہ ان کے اسپتال میں نادار مریضوں کے مفت علاج کا انتظام موجود ہے۔ اس کی بجائے اس نے بڑے آرام سے سارہ کی آفر قبول کرلی تھی۔

☆ ☆ ☆

"دیکھو بیٹا! جب تک کوئی بھی حادثہ یا واقعہ پیش نہیں آتا ہم اس کو روکنے کے لیے تدبیر یا دعا کا سہارا لیتے ہیں اور لینا بھی چاہیے۔ مگر جب کچھ پیش آچکا ہو تو اسے تقدیر سمجھ کر قبول کرلینا چاہیے۔ اگر ہم پچھتائیں گے، روئیں گے تب بھی جو کچھ ہوچکا ہے وہ بدل تو نہیں سکتا، بس یہ ہوگا کہ چیخنے سے، رونے سے اور ہر وقت اس کے بارے میں سوچتے رہنے سے ہماری تکلیف میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس کی بجائے اگر ہم کسی دکھ کو اللہ کی رضا جان کر صبر سے برداشت کرلیں تو اللہ ہمیں اس پر اجر دے گا۔"

بلال اس روز سارہ کو دادی جان سے ملوانے کے لیے لے کر آیا تھا۔ دادی جان سارہ کے بارے میں سب کچھ جانتی تھیں۔ اس لیے ان کے انداز میں سارہ کے لیے ڈھیر ساری شفقت اور محبت تھی۔ انہیں یہ اداس اور خاموش سی لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔ بلال نے ٹھیک کہا تھا اس لڑکی میں ان کی لاڈلی پوتی نیلم کی جھلک تھی، خاص طور پر اس کی نیلی آنکھیں اور لمبے بال انہیں نیلم کی یاد دلا رہے تھے۔ سارہ نے ان سے بہت کم باتیں کی تھیں، پھر بھی انہیں اس کے ساتھ باتیں کرنا اور بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔ چائے کے بعد جب وہ ان کے پاس ان کے کمرے میں بیٹھی تھی تو انہوں نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بہت محبت سے اسے سمجھانا شروع کردیا۔

"مگر دادی جان! صبر کرنا اتنا آسان کب ہوتا ہے یہ بہت مشکل کام ہے۔ کم از کم مجھ سے تو صبر نہیں ہورہا، میں بہت کمزور ہوں دادی جان! اللہ تعالیٰ کو تو یہ بات معلوم تھی نا کہ میرا حوصلہ کتنا کم ہے، پھر اس نے مجھ پر اتنی بڑی آزمائش کیوں ڈالی۔"

دادی جان کے شفقت بھرے انداز کا اثر تھا یا خاموش رہ رہ کر اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر تھک چکی

www.Paksociety.com

تھی کہ اس کی چپ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بول رہی تھی اپنے احساسات بیان کر رہی تھی۔ وہ سب کچھ کہہ رہی تھی جو وہ دن رات سوچا کرتی تھی۔ دادی جان خاموش بیٹھی اس کے لبوں سے نکلنے والے لفظوں کو سن رہی تھیں اور آنسوؤں سے دھلے اس کے گلابی چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے نہ تو اسے ٹوکا تھا اور نہ ہی اس کی باتوں کے بیچ میں کچھ بولنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بول بول کر خود ہی خاموش ہو گئی تو انہوں نے نرمی سے کہا۔

"دیکھو بیٹا! یہ فیصلہ ہم خود نہیں کر سکتے کہ ہم کسی آزمائش کے قابل ہیں یا نہیں، یہ سب کچھ تو اس کو پتا ہے جو دلوں کے اندر تک جھانک سکتا ہے اور پھر بیٹا' وہ آزمائش میں انہی لوگوں کو ڈالتا ہے جو اس کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ جنہیں کندن بنانا چاہتا ہے۔" دادی جان اسے بہت رسان سے سمجھا رہی تھیں' ان کی آواز دھیمی اور لہجہ بے حد نرم تھا' پھر بھی نہ جانے کیوں سارہ کو غصہ آگیا۔

"میں ہی کیوں دادی جان! ہر بار میں ہی کیوں آزمائش میں مبتلا ہوتی ہوں۔ ماں' باپ بھی مجھے چھوڑ کر ایک ساتھ دنیا سے چلے گئے۔ اکلوتے بھائی نے مجھ سے یوں منہ موڑا کہ میری شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں رہا اور اب حارث بھی..." اس کے انداز میں غصہ بھی تھا اور ایک عجیب سی ضد بھی۔

"دنیا دارالامتحان ہے میرے بچے! یہ جنت نہیں ہے کہ یہاں سب کچھ اچھا ہی اچھا ہو۔ یہ تو آزمائش کی جگہ ہے۔ وہ دینے والا کبھی دے کر آزماتا ہے' کبھی واپس لے کر پرکھتا ہے۔ مگر ہم کج فہم لوگ... ہم ملنے والی ہر نعمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں اور اگر کوئی نعمت ہم سے واپس لے لی جاتی ہے تو ہمیں لگتا ہے کہ ہمارے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی گئی ہے۔ اب تم خود کو ہی دیکھ لو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ملکوتی حسن اور ذہانت کی فراوانی کے ساتھ ایک دولت مند گھرانے میں پیدا کیا جہاں تمہیں بہت چاہا بھی جاتا تھا تو تم نے کبھی ایک بار بھی سوچا کہ میں ہی کیوں؟ مجھے ہی یہ سب کچھ کیوں دیا گیا ہے؟" دادی جان زور دے کر پوچھ رہی تھیں سارہ گنگ سی ہو گئی' اس پہلو سے تو اس نے آج تک نہیں سوچا تھا۔ وہ تو واقعی آج تک ملنے والی ہر نعمت اپنا حق سمجھتی آئی تھی۔ اس نے بے اختیار ہی دادی جان کی سوالیہ نظروں سے اپنی نظر چرائی تھی۔ ان کے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"میں یہ نہیں کہتی کہ تم پر جو مشکلیں آئیں جن تکلیفوں سے تم گزری' وہ معمولی نوعیت کی تھیں مگر بیٹا! دنیا میں تم واحد نہیں ہو جو دکھی ہو۔ باہر نکل کر دیکھو اور لوگوں سے ملو تو تمہیں پتا چلے گا کہ ہر دل میں کچھ زخم ہیں۔ دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کرو۔ تم خود دیکھو گی کہ تمہارے دل کو کس طرح قرار آتا ہے۔ اوروں کا درد بٹاؤ گی تو تمہارا اپنا درد کم ہو گا۔" دادی جان محبت سے سمجھا رہی تھیں اور سارہ سوچ میں ڈوبی ہوئی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے دلاسے تو آج تک بہت لوگوں نے دیے تھے مگر دادی جان کی طرح کا حوصلہ کسی نے اس کے دل میں نہیں ڈالا تھا۔ ان کی باتوں نے اور ہی طرح سے اس کے دل پر اثر چھوڑا تھا۔

"دادی جان! میں کبھی کبھی آپ سے ملنے کے لیے آجایا کروں؟" بہت دیر بعد وہ جانے کے لیے اٹھی تو جھجکتے ہوئے پوچھنے لگی۔ دادی جان نے مسکرا کر اس کا ماتھا چوما اور پیار سے بولیں۔

"کبھی کبھی کیوں بیٹا! آپ بے شک روز آیا کرنا۔"
ان کے محبت بھرے لمس نے سارہ کے اندر ٹھنڈک سی اتار دی تھی۔ بے اختیار ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بلال نے اندر آتے ہوئے اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھا تو اس کے دل میں پھول سے کھل گئے۔

✡ ✡ ✡

"بی بی! میرا آدمی تو چارپائی پر پڑا ہے۔ چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر آپ نے مجھے نوکری سے نکال دیا تو ان کا کیا ہو گا' مجھ پر رحم کریں بی بی۔" کوئی عورت

بہت ہی منت بھرے انداز سے بول رہی تھی۔ سارہ کے قدم ٹھٹک گئے۔ سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ کپڑے دھونے اور استری کرنے والی ملازمہ تھی جو صدف کے پاؤں کے پاس قالین پر بیٹھی بول رہی تھی۔ اس کے سانولے چہرے پر التجائیہ تاثرات تھے کہ سارہ چاہتے ہوئے بھی قدم آگے نہ بڑھا سکی' وہ اس عورت کو پہلے بھی کئی بار گھر میں دیکھ چکی تھی' مگر اس کے بارے میں اسے زیادہ علم نہیں تھا اور اب تو وہ اسے کئی ماہ کے بعد دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب تم لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ کام ٹھیک سے کرنا نہیں اور تنخواہ پوری چاہیے' پورے چھ دن تم مجھے بتائے بغیر غائب رہی ہو' میں کیا تمہیں شکل سے بے وقوف نظر آتی ہوں جو ابھی بھی تمہیں کام پر رکھوں گی' اٹھ کر دفع ہو جاؤ اور دوبارہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔" صدف بھابھی کی آواز اونچی نہیں تھی' مگر اس کے لہجے کا تنفر... سارہ کے لیے سانس لینا مشکل ہونے لگا۔ ملازمہ اب روتے ہوئے صدف کو اپنا فیصلہ واپس لینے کو کہہ رہی تھی' مگر صدف نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی اور اونہہ کہتے ہوئے صوفے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی' اندر جاتے ہوئے ایک نظر سیڑھیوں پر کھڑی سارہ پر بھی پڑی تھی' مگر اس کے لیے قالین پر بیٹھ کر روتی ہوئی ملازمہ اور سارہ میں صرف یہ فرق تھا کہ سارہ خود صاحب حیثیت تھی' اسے صدف کے سامنے روپوں کے لیے گڑگڑانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے سارہ پر بس ایک سرد نگاہ ڈالی تھی اور بغیر اسے مخاطب کیے وہاں سے چلی گئی تھی۔

سارہ نے اس ملازمہ کی طرف دیکھا' وہ اب گھٹنوں میں سر دیے بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس کا جسم ہچکیوں سے ہل رہا تھا۔ وہ بے اختیار ہی اس کے قریب چلی آئی۔

"سنو کیا ہوا ہے تمہارے شوہر کو۔" وہ مدھم آواز میں اسے اپنے شوہر کی بیماری کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کا شوہر شوگر کا پرانا مریض تھا اور اب اس کے دونوں گردے ختم ہو چکے تھے۔ چار بچے تھے جن میں سے سب سے بڑا بچہ ابھی تیرہ سال کا تھا۔ اس لیے گھر کا تمام خرچہ وہ خود محنت مزدوری کر کے چلاتی تھی۔ سارہ کو اس پر ترس آنے لگا۔ اسے یاد آیا کہ کس طرح وہ عورت صدف کے پیروں کے پاس بیٹھی نوکری برقرار رکھنے کی بھیک مانگ رہی تھی۔ اسے اپنے بچوں کی بھوک کے آگے اپنی عزت نفس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سارہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی' پھر اس نے اپنے پرس سے کچھ روپے اور ڈاکٹر بلال کا کارڈ نکالا اور اس عورت کو دیتے ہوئے بولی۔

"یہ رقم اپنے خرچ کے لیے رکھ لو اور یہ کارڈ بھی رکھو اپنے شوہر کو اس اسپتال میں لے جانا اور ڈاکٹر بلال کو میرا حوالہ دینا' وہ تمہارے شوہر کے علاج کے لیے جو کچھ بھی ممکن ہوا کریں گے اور تمہاری دوسری جگہ نوکری کا بندوبست بھی کر دیں گے۔ میں فون پر ان سے بات کر لوں گی۔"

"جی بی جی۔" ملازمہ روپے اور کارڈ پکڑتے ہوئے فرط جذبات سے دوبارہ رو پڑی۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو سدا خوش رکھے میرے بچے صبح کے بھوکے بیٹھے ہیں۔ آپ نے میری اتنی مدد کر دی ورنہ مجھے تو کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ ہم غریبوں پر ترس کھایا اللہ آپ کو دونوں جہان کی خوشیاں دے۔" وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بہت خلوص سے سارہ کو دعائیں دیتی ہوئی وہاں سے رخصت ہو گئی۔ سارہ نے گہری سانس لی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اپنا وجود حیرت انگیز طور پر بے حد ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

"سارہ! تم سوشل ورک کا کوئی پروجیکٹ کیوں نہیں شروع کر دیتی۔" اس روز وہ بلال کے ہسپتال آئی ہوئی تھی جب بلال نے اچانک کہا۔

"میں۔" اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ

www.Paksociety.com

کیا۔ "میں یہ کام بھلا کیسے کرسکتی ہوں۔"

"اس کام کے لیے بس تین چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ دولت، رحم دلی اور دوسروں کی مشکلات دور کرنے کا جذبہ اور تم میں یہ تینوں چیزیں موجود ہیں۔" "وہ تو ٹھیک ہے مگر پروجیکٹ شروع کرنے کے لیے کوئی بیس تو ہونی چاہیے نا۔ کوئی پلیٹ فارم جس پر جاکر میں یہ کام کرسکوں۔ اب کے وہ کچھ کچھ قائل ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"کسی اور پلیٹ فارم پر جانے کی بجائے تم اپنا پلیٹ فارم بناؤ۔ کسی N.G.O کی بنیاد رکھو اور خود سارا کام کرو۔ غریب بچوں کے لیے کوئی اسکول کھول لو یا پھر کوئی ڈسپنسری۔"

"آپ کا کیا خیال ہے دونوں میں سے کون سا کام اچھا رہے گا۔" وہ سنجیدگی سے اس بات پر غور کرتے ہوئے بلال سے مشورہ طلب کررہی تھی۔

"جانتی ہو سارہ! انسان کی سب سے بنیادی ضروریات کیا ہیں۔ خوراک اور تحفظ، تعلیم اور صحت بھی اہم ہیں مگر وہ پہلی دونوں ضروریات کے بعد آتے ہیں۔ تم پہلے ان لوگوں کے لیے سوچو جو پہلی دونوں بنیادی ضروریات سے محروم ہیں۔"

"میں بے سہارا عورتوں اور بچوں کے لیے ایک گھر کی بنیاد رکھوں گی، ان لوگوں کے لیے جو بالکل بے سہارا اور تنہا ہوں۔"

"گڈ ویری گڈ بہت اچھا آئیڈیا۔ اس گھر کے اندر ہی تم وہاں رہنے والے بچوں کی تعلیم کا انتظام بھی کرسکتی ہو، ان عورتوں کے ذریعے جو پڑھنا لکھنا جانتی ہوں گی۔" بلال نے اس کے آئیڈیا کی تعریف کرنے کے ساتھ ایک نیا تصور بھی پیش کردیا۔ سارہ کے جوش میں اضافہ ہونے لگا۔

"اس کام کے لیے ایک بڑی عمارت کی ضرورت ہوگی۔ فی الحال عمارت کرائے پر لے لیتے ہیں، میں کل ہی اخبار میں اشتہار دے دوں گی۔" اپنی بہت پرانی عادت کے مطابق وہ جلد باز ہورہی تھی۔ بلال اس کے پرجوش انداز پر مسکرایا، پھر سنجیدگی سے بولا۔

"کرائے کی عمارت کی کیا ضرورت ہے۔ عمارت تو تمہارے پاس موجود ہے۔"

"میرے پاس!" اس نے غائب دماغی سے بلال کا چہرہ دیکھا۔

"ہاں سارہ پیلس تم اسے آباد کرنا چاہتی ہو نا؟"

وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جس پر سوچ کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ پھر اس کا چہرہ جوش اور مسرت سے تمتمانے لگا۔ وہ تصور ہی تصور میں سارہ پیلس کے ویران لان پر بہت سارے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ خالی پڑے کمروں میں کتنے ہی لوگ آباد ہوچکے تھے اور سنسان کوریڈورز میں بلا کی چہل پہل تھی۔

"گریٹ یہ تو بہت ہی زبردست آئیڈیا ہے، حیرت ہے میرے ذہن میں یہ خیال کیوں نہیں آیا۔" وہ مسرت سے چلائی تھی۔

"مگر میں اکیلی؟" اس کے چہرے کی خوشی ایک پل میں غائب ہوگئی اور اب وہاں سراسیمگی۔ پھیل رہی تھی۔ بلال نے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں اور آنکھوں میں اترتے خوف کو واضح طور پر دیکھا تھا۔ مگر دانستہ نظر چرا گیا۔ وہ سارہ کو زندگی کی دوڑ میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ مگر اپنے سہارے کی بیساکھیاں پکڑا کر نہیں۔ وہ اسے اس کے اپنے قدموں پر دوڑتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے علم تھا کہ ایسا کرنے سے پہلے وہ کئی بار لڑکھڑائے گی، گرے گی اور کئی بار تکلیف سے بھی گزرے گی، مگر وہ خود قدم اٹھانا سیکھ جائے گی۔ اس لیے سارہ کی خواہش محسوس کرنے کے باوجود اس نے سہارے کے لیے اپنا بازو پیش نہیں کیا تھا۔ سارہ کچھ دیر خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر بلال نے محسوس کیا کہ اس کے خوف پر جھنجلاہٹ غالب آرہی ہے اور دبا دبا غصہ بھی اس کے وجود میں سر اٹھا رہا ہے۔ وہ سکون سے بیٹھا اس کی آنکھوں کے بدلتے رنگوں کو دیکھتا رہا۔ سارہ اٹھی اور وہاں سے چلی گئی۔ مگر اس کے جانے سے پہلے ہی بلال دیکھ چکا تھا کہ وہ کچھ کرکے دکھانے کا عزم کرچکی ہے۔

☆ ☆ ☆

بلال نے اپنی کار سارہ پیلس کے شان دار گیٹ پر روکی تو ایک لمحے کے لیے مبہوت سا ہوگیا۔ سارہ پیلس اس کے اندازے سے بڑھ کر شان دار تھا۔ اس گھر کو دیکھ کر اسے سارہ کے دولت مند ہونے کا صحیح معنوں میں اندازہ ہوا تھا۔

"جی صاحب کس سے ملنا ہے؟" گیٹ پر موجود چوکیدار نے اسے اندر جانے سے روکا تھا۔

"مجھے مس سارہ سے ملنا ہے۔ میرا نام بلال ہے ڈاکٹر بلال۔"

"ٹھیک ہے آپ ذرا انتظار کریں میں میڈم سے پوچھتا ہوں۔" چوکیدار انٹرکام پر اندر بات کرنے لگا، بلال وقت گزاری کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ شام کا وقت تھا اور سارہ پیلس کے خوب صورت لان میں اس وقت بہت سارے بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ کچھ عورتیں بھی وہاں بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں ہر طرف ایک چہل پہل سی نظر آرہی تھی۔

"سر! میڈم کہہ رہی ہیں۔" انٹرکام رکھ کر چوکیدار نے اسے بتانا شروع ہی کیا تھا جب عمارت کا اندرونی دروازہ کھول کر سارہ آتی دکھائی دی۔ اس کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی۔ وہ بہت تیزی سے بلال کی طرف آرہی تھی اور اس کی چال سے صاف اندازہ ہورہا تھا کہ اگر اسے وہاں اپنی پوزیشن کا احساس نہ ہوتا وہ شاید وہ بھاگنا ہی شروع کردیتی۔

"السلام علیکم! میں بتا نہیں سکتی کہ آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہورہی ہے۔" اس کے قریب پہنچتے ہی وہ چہکنے لگی، بلال کو اس کا یہ انداز بہت اچھا لگا۔ وہ بے اختیار ہی مسکرا دیا۔ سارہ اس کو اپنے آفس میں لے آئی اور اسے سارہ پیلس کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی۔ اسے اپنا پروجیکٹ شروع کیے آٹھ ماہ ہوچکے تھے اور اس نے بہت تیزی سے سارا کام اسٹیبلش ـــــ کیا تھا۔

"مجھے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کتنے سارے لوگ ہیں جنہوں نے بغیر میرے کہے اس کام میں میری مدد کرنا شروع کردی ہے۔ آپ یقین کریں میرے پاس اتنے سارے ڈونیشنز جمع ہوچکے ہیں، میں نے جلد ہی ایک اسکول کھولنے کا بھی فیصلہ کرلیا ہے۔"

وہ پورے جوش و خروش سے بلال کو ہر چیز کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اگرچہ ان آٹھ ماہ میں اس کی بلال سے کئی بار ملاقات ہوئی تھی۔ مگر وہ سارہ پیلس پہلی بار آیا تھا اور سارہ کو اس کے وہاں آنے کی اتنی خوشی تھی کہ وہ اس کو ایسی باتیں بھی بتائے جارہی تھی جو وہ پہلے سے جانتا تھا اور بلال بھی بغیر اسے ٹوکے خوشی سے سب کچھ سن رہا تھا۔ وہ ڈیڑھ برس پہلے والی سارہ سے کس قدر مختلف نظر آرہی تھی۔ جسے اس نے اپنے اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں دیکھا تھا اور جس کے وجود میں سوائے سانسوں کے آنے جانے کے زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آتی تھی۔ آج کی سارہ جتنی پراعتماد اور زندگی سے بھرپور نظر آرہی تھی۔ ڈیڑھ برس پہلے کی سارہ اسی قدر مایوس اور بے اعتماد تھی۔ اندھیرے سے روشنی تک یہ سفر اگرچہ اس نے بہت اذیتیں اٹھا کر طے کیا تھا۔ مگر کرلیا تھا۔

"میں کل یونیورسٹی بھی گئی تھی، میں نے VC صاحب کو درخواست دی ہے کہ مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنے کی اجازت دی جائے۔" شام ڈھل چکی تھی، جب بلال جانے کے لیے اٹھا تھا، سارہ اسے چھوڑنے گیٹ کی طرف جارہی تھی، جب اس نے یاد آنے پر بلال کو بتایا، بلال چلتے چلتے رک گیا۔

"واقعی؟ تم سچ کہہ رہی ہو؟" وہ حیرت اور بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی کتنی خواہش تھی کہ سارہ اپنی تعلیم مکمل کرلے، مگر وہ اس سے یہ کہہ نہیں سکا تھا کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ سارہ یونیورسٹی جانے پر راضی نہیں ہوگی۔ وہاں وہ پہلے دن سے لے کر آخر دن تک حارث کے ساتھ رہی تھی اور ایسا ناممکن تھا کہ وہاں جاکر اسے حارث یاد نہ آتا اور وہ اذیت میں مبتلا نہ ہوتی۔

"جی۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

www.Paksociety.com

"اور پتا ہے میں اپنے ڈپارٹمنٹ بھی گئی تھی۔ لائبریری اور کینٹین بھی۔ پہلے میرا خیال تھا کہ وہاں جاکر مجھے بہت تکلیف ہوگی' ہر قدم پر حارث یاد آئے گا۔ مگر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ مجھے یاد تو آیا بہت یاد آیا' مگر اس یاد میں اب اذیت نہیں تھی' بس یہ ہوا کہ جب بھی وہ مجھے یاد آنے لگتا' میں اس کے لیے دعائیں کرنے لگتی اور میرا دل حیرت انگیز طور پر پرسکون ہوجاتا تھا۔" وہ کہیں کھو کر بول رہی تھی اور بلال کو اس کا پرسکون چہرہ دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"سارہ! مجھے واقعی بے حد خوشی ہو رہی ہے اور شاید زندگی میں پہلی بار ایسا ہو رہا ہے کہ مجھے اپنی خوشی کو ظاہر کرنے والے لفظ نہیں مل رہے۔" بلال پوری سچائی سے کہہ رہا تھا۔

"آنکھیں سب کچھ کہہ رہی ہیں۔" سارہ ہنس کر بولی۔

☼ ☼ ☼

"سارہ! تم مجھ سے شادی کرو گی؟" اس شام وہ دادی جان سے ملنے آئی ہوئی تھی اور گھنٹہ بھر سے لان میں ان کے ساتھ بیٹھی باتیں کیے جا رہی تھی۔ بلال بھی وہیں موجود تھا اور ایک طرف خاموش بیٹھا اسے دادی جان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کھلتے ہوئے گلابی رنگ کے لباس میں اپنے لمبے سنہری بالوں کو کلپ میں مقید کیے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ سونے جیسے بالوں کی چند لٹیں اس کے گلابی چہرے کے اردگرد لہرا رہی تھیں' اس نے اپنے کانوں میں چھوٹے چھوٹے سنہری جھمکے پہن رکھے تھے اور جب وہ سر ہلاتی تو ان جھمکوں میں لگے گلابی نگینوں کا عکس اس کے چہرے پر پڑ کر اسے اور حسین بنا دیتا تھا۔ بلال مسلسل اس کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا۔ سارہ کے لیے اپنے دل میں کچھ مختلف سے جذبات تو وہ پچھلے کئی دنوں سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ اسے بہت اپنی اپنی سی لگنے لگی تھی اور اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ اس سے باتیں کرے' اسے اپنے سامنے دیکھے' مگر جذبات میں ایسی شدت اسے پہلی بار محسوس ہو رہی تھی کہ اس کا دل سارہ کے چہرے سے نظر ہٹانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ دادی جان اور خود سارہ نے بھی کئی بار اسے اپنی گفتگو میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس نے ہوں ہاں سے زیادہ بات نہیں کی۔ اس کا باتیں کرنے کی بجائے صرف سارہ کو دیکھنے کو دل کر رہا تھا۔ سارہ کو بھی شاید اس کی نظروں کے بدلے ہوئے انداز کا احساس ہوگیا تھا۔ اسی لیے جب دادی جان عصر کی نماز کے لیے اٹھیں تو بلال کے وہاں بیٹھے ہونے کے باوجود وہ بھی ساتھ ہی اٹھ گئی۔

"سارہ! ایک منٹ رکو' ذرا مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اسے اٹھتے دیکھ کر بلال نے لمحے بھر میں ہی اس سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ سارہ دوبارہ بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"سارہ! تم مجھ سے شادی کرو گی؟" اس نے بلا تمہید بڑے سکون اور سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔ سارہ کے چہرے پر شدید حیرت پھیل گئی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں' ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟؟" وہ حیرت کے پہلے جھٹکے سے تو سنبھل گئی تھی' مگر اس کے لہجے میں بلا کی بے یقینی تھی۔

"ہو کیوں نہیں سکتا' اس میں حرج کیا ہے؟" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"آپ کو سب کچھ اچھی طرح سے معلوم ہے' پھر بھی آپ ایسا کہہ رہے ہیں' میں حارث کو کبھی نہیں بھول سکتی۔" اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے وہ کچھ رنجیدگی سے بولی۔ بلال نے بغور اس کے افسردگی کی تہ میں لپٹے چہرے کو دیکھا' پھر نرمی سے بولا۔

"میں تمہیں حارث کو بھلانے کو کب کہہ رہا ہوں۔ میں تمہاری زندگی میں اس کی جگہ لینا نہیں چاہتا' کیونکہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ پہلی محبت کا نقش دل پر کتنا گہرا ہوتا ہے جو کبھی نہیں مٹتا۔ وقت کی دھول پڑنے سے یا دل میں نئی محبتوں کے آجانے سے یہ نقش دھندلا کتنا بھی کیوں نہ ہوجائے مٹتا نہیں ہے۔" بلال کی آنکھوں کے سامنے نیلم کا

صبیح چہرہ لہرا رہا تھا۔ جو اتنے سالوں کی گرد پڑنے کے باوجود روز اول کی طرح اس کے تصور کی دنیا میں تر و تازہ اور روشن تھا۔ وہ اسے آج تک نہیں بھولا تھا اور شاید اس محبت کی وجہ سے وہ سارہ کی حارث کے لیے فیلنگز کو زیادہ اچھی طرح سے سمجھتا تھا۔

"حارث اب اس دنیا میں نہیں ہے سارہ! مگر تم ہو' اور تم ساری زندگی تنہا رہ کر نہیں گزار سکتیں۔ تمہیں کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی ہوگی تو پھر وہ کسی نہ کسی میں کیوں نہیں ہوسکتا؟ ہم دونوں اچھے دوست ہیں۔ ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں' ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں' ہم یقیناً "بہت خوش رہیں گے۔" وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا اور اس کا سمجھانا ہمیشہ کی طرح سارہ پر اثر کر رہا تھا' اس کے چہرے پر اب حیرت تھی' نہ رنجیدگی' بلکہ سوچ کا مہیب جال بچھا ہوا تھا۔

"مجھے کچھ وقت دیں' میں سوچ کر آپ کو بتاؤں گی۔" اس نے کہا تھا' بلال مسکرا دیا۔

"تم جتنا مرضی وقت لے لو اور اچھی طرح سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو اور ایک بات کا یقین رکھنا کہ اگر اس نئے تعلق پر تمہارا دل راضی نہ بھی ہوا' تب بھی ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے' تمہارے انکار سے ہماری دوستی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" بلال نے نرمی سے اس کا سر تھپتھپایا اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلا گیا' سارہ تادیر وہیں بیٹھی زندگی کے اس نئے موڑ کے بارے میں سوچتی رہی۔

☼ ☼ ☼

گولڈن کلیوں والے فراک اور چوڑی دار پاجامہ میں ملبوس سونے کا ہلکا سا سیٹ پہنے سارہ کسی پری کی طرح حسین اور منفرد لگ رہی تھی' زندگی میں پہلی بار اس کے چہرے کا سنگھار بیوٹیشن کے ماہرانہ ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچا تھا۔ اور وہ اس قدر دلکش لگ رہی تھی کہ نظر بھر کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ آج ڈاکٹر بلال سے اس کی منگنی ہو رہی تھی۔ دو دن تک سوچ بچار کرنے کے بعد اس کے دل نے بلال کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ کیونکہ یہ تو طے تھا کہ اسے اب نہیں تو چند سال بعد کسی نہ کسی سے شادی کرنا ہی تھی تو' پھر بہتر نہیں تھا کہ وہ اس شخص کو اپنی زندگی کا ہم سفر بنا لیتی جو اس کی ذات کے تمام پہلوؤں سے آگاہ تھا اور اسے اچھی طرح سے سمجھتا تھا۔ جو اس کا مسیحا تھا۔ جس نے اس کے ریزہ ریزہ وجود کو اکٹھا کرنے اور ایک مکمل شخصیت کے قالب میں ڈھالنے کے لیے بغیر کسی غرض کے ہر ممکن کوشش کی تھی۔

دادی جان اس فیصلے سے بے حد خوش ہوئی تھیں' پھر انہوں نے خود جاکر فاروق اور صدف سے بات کی تھی اور سارہ کو حیرت ہوئی تھی کہ فاروق نے فون پر اس سے بات کرکے نا صرف دادی جان کو اپنی رضامندی دی تھی' بلکہ منگنی کا فنکشن بھی اس کے ایما پر رکھا گیا تھا۔ شاید سارہ کے اپنے گھر سے چلے جانے کے بعد اس کو اپنی زیادتیوں کا احساس ہو رہا تھا یا پھر دنیا دکھاوے کو وہ یہ سب کرنا چاہتا تھا۔ سارہ نے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔ اس کی سوچوں کے بہت سے زاویے بدل چکے تھے۔ ایک عرصے سے اس نے ہر چیز کے منفی پہلو کو سوچنا بالکل ترک کردیا تھا۔ وہ صرف مثبت پہلو کے بارے میں سوچنے لگی تھی اور اس کو حقیقت سمجھتی تھی' شاید یہی وجہ تھی کہ اب دکھ اور غم کے بادل کم ہی اس کے وجود کو لپیٹ میں لیا کرتے تھے اور زیادہ تر وہ خوش اور مطمئن نظر آتی تھی۔

منگنی کا فنکشن سارہ پیلس میں ہو رہا تھا اور سارہ کی طرف سے اس گھر میں رہنے والی تمام عورتوں اور بچوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس لیے وہاں خوب رونق نظر آرہی تھی۔ رات آٹھ بجے کا وقت رسم کے لیے طے ہوا تھا۔ بلال اپنی دادی جان اور کچھ دوستوں کے ساتھ ساڑھے سات بجے ہی سارہ پیلس کے سجے ہوئے ہال میں پہنچ گیا تھا۔ بلیک ڈنر سوٹ میں اپنی چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں اور پرمسرت چہرے کے ساتھ وہ بے حد اچھا لگ رہا تھا اور وہاں موجود لوگوں کی نظریں بار بار اس

WWW.Paksociety.com

کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ مگر پندرہ منٹ کے بعد جب سارہ کو ہال میں لایا گیا تو بلال سمیت سبھی کے چراغ گل ہوگئے۔ وہ اتنی ہی حسین دکھائی دے رہی تھی کہ اس کے چراغ کے آگے کوئی چراغ نہ جلتا۔

"یار تم سارہ ہی ہو نا۔" اسے بلال کے برابر بٹھایا گیا تو وہ اس کی طرف جھک کر سرگوشی میں پوچھنے لگا۔ وہ شرما کر ہنس دی اور شرارت سے بولی۔

"آپ کو کیا لگ رہا ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"مجھے تو ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے کوئی پری بلکہ نہیں پریوں کی شہزادی راستہ بھول کر عام لوگوں کے بیچ آبیٹھی ہے۔ سچ کہوں سارہ! تم دنیا کی ہر لڑکی سے زیادہ خوب صورت ہو۔" وہ بہت توجہ اور محبت سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کا یہ روپ سارہ کے لیے بالکل نیا اور مختلف تھا۔ اس کا دل خوامخواہ ہی ایک نئی لے پر دھڑکنے لگا وہ سر جھکا کر مسکرادی۔

اسے دادی جان نے انگوٹھی پہنائی اور بلال کو فاروق نے گھڑی پہنائی تھی۔ پھر اس روز منگنی کا فنکشن ختم ہونے کے بعد فاروق اور دادی جان نے بات چیت کرکے ایک سال بعد ان دونوں کی شادی کردینے کا فیصلہ بھی کردیا۔ یہ فیصلہ بھی سارہ کے کہنے پر ہوا تھا۔ ورنہ بلال سمیت باقی سب لوگ تو جلدی شادی کرنے کے حق میں تھے۔ مگر سارہ ان دنوں اپنا ادویات کا بزنس شروع کررہی تھی اور اس کام میں بے حد مصروف تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اسے تھوڑا سا وقت مل جائے، تاکہ وہ اپنا کام اسٹیبلش کرلے۔ اس کی خواہش جان کر بلال نے بھی اسی کا ساتھ دیا تھا اور ویسے بھی وہ چاہتا تھا کہ سارہ کو کچھ وقت مل جائے، تاکہ وہ اپنے اور اس کے نئے رشتے کو دلی طور پر قبول کرلے۔

زندگی ایک نئی ڈگر پر چل نکلی تھی، سبھی کچھ بے حد پرسکون نظر آتا تھا۔ مگر زندگی کا راستہ شاید کبھی بھی زیادہ دنوں تک سیدھا نہیں رہتا، ان کی زندگی میں بھی ایک نیا موڑ اچانک ہی آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بلال! تمہارے تایا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ اسپتال میں داخل ہیں تم فوراً وہاں پہنچو میں بھی تھوڑی دیر میں آرہی ہوں۔" اس روز وہ ایک آپریشن کرکے اپنے آفس آکر بیٹھا ہی تھا جب دادی جان نے اسے فون کرکے بتایا۔ اس نے فوراً ہی ڈاکٹرز کو بلا کر کچھ ضروری ہدایات دیں اور خود سروسز اسپتال جانے کے لیے نکل آیا۔ تایا جان کی فیملی سے ان کے تعلقات نہ ہونے کے برابر تھے، بس کبھی کبھار کسی عزیز رشتہ دار کے گھر سامنا ہوجایا کرتا تھا۔ دادی جان سے تو وہ پھر بھی رسمی علیک سلیک کرلیا کرتے تھے، مگر بلال کو انہوں نے کبھی بھی درخور اعتنا نہیں جانا تھا۔ خود بلال بھی ان سے فاصلے پر ہی رہتا تھا۔ مگر اب تایا جان کو ہارٹ اٹیک ہوجانے کا سن کر وہ اگر چاہتا بھی تو خود کو ان کے پاس جانے سے نہیں روک سکتا تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ جیسا بھی سلوک کیا ہو، مگر وہ اپنے ضمیر کو نہیں سلا سکتا تھا۔

تایا جان I.C.C.U میں تھے اور باہر کوریڈور میں تائی جان بینچ پر اکیلی بیٹھی رو رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بلا کی ویرانی تھی۔ اور آنکھوں میں وحشت چھائی ہوئی تھی۔ بلال نے ان کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ ورنہ اس نے تو آج تک تائی جان کو گردن اکڑائے اور آنکھوں میں غرور لیے ہی دیکھا تھا، نہ جانے کیوں ان کا شکست خوردہ چہرہ دیکھ کر اسے دکھ ہونے لگا۔

"تائی جان! آپ حوصلہ رکھیں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ شاید زندگی میں پہلی بار تائی جان کے اتنا قریب ہوا تھا کہ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھے انہیں تسلیاں دے رہا تھا اور عجیب بات تھی کہ جتنا وہ ان کو تسلی دیتا اتنا ہی تائی جان کے رونے میں شدت آجاتی۔

"ہم نے تمہارے ساتھ ہمیشہ بہت برا سلوک کیا ہے بلال! اور اس کی سزا ہے جو ہم لوگ بھگت رہے ہیں۔ پہلے تمہارے تایا کا بزنس ٹھپ ہوا پھر توقیر اور

نادر امریکہ جا کر بس گئے اور پلٹ کر ہمیں پوچھنا تک چھوڑ دیا اور اب یہ نیلم....."

تائی جان روانی سے بولتے بولتے اچانک رک گئی تھیں۔ ان کی نظریں سامنے سے آتی نیلم پر جم گئی تھیں۔ بلال نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا اور مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اسے کئی سال کے بعد دکھائی دی تھی۔ اس کا چہرہ بہت بدل گیا تھا۔ جب بلال نے اسے آج سے پہلے آخری بار دیکھا تھا تو وہ ہر دم ہنسنے مسکرانے والی شرارتی سی نیلم ہوا کرتی تھی، جس کی نیلی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور اس کے چہرے کی رعنائی پھولوں کو مات کیا کرتی تھی۔ مگر آج وہ اس نیلم کا سایہ بھی نہیں لگ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں اداسی تھی اور چہرے پر تھکن کے بہت واضح آثار۔ ملگجے لباس میں الجھے الجھے بالوں کے ساتھ وہ بے حد ناآسودہ دکھائی دے رہی تھی۔ مگر بلال کے لیے آج بھی اس کے چہرے سے نظر ہٹانا دنیا کا مشکل ترین کام تھا، وہ ایک ٹک بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھے جارہا تھا۔

"السلام علیکم!" قریب آکر نیلم نے مدھم آواز میں اسے سلام کیا تھا۔ اور اس کے صرف سلام کرنے سے ہی بلال کو اندازہ ہوگیا کہ اس کی آواز سے وہ مخصوص کھنک اور شوخی بھی غائب ہے، جو اس کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو نیلم؟" وہ بہت محبت اور توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا، بیچ میں آئے چھ سال جیسے دھواں بن کر غائب ہوگئے تھے۔ اس کے سامنے نیلم کھڑی تھی۔ اس کی محبت، اس کی اولین چاہت، جسے وہ آج تک نہیں بھول سکا تھا، بے شک شعوری کوشش کرکے اس نے نیلم کے بارے میں کچھ بھی سوچنا کئی سال سے ترک کردیا تھا۔ مگر دل کے نہاں خانوں میں اس محبت کا احساس ابھی تک اتنا ہی گہرا تھا، جتنا چھ برس پہلے ہوا کرتا تھا۔ اس لمحے اسے احساس ہورہا تھا کہ اس کے دل کا کوئی گوشہ ایسا بھی تھا جس تک نیلم کے سوا کسی کے قدم نہیں پہنچے تھے۔ حتی کہ سارہ کے بھی نہیں جس سے ___ چند ماہ تک اس کی شادی ہورہی تھی۔

ساری کا خیال آیا تو لاشعوری طور پر وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے اپنی نظریں نیلم کے چہرے سے ہٹائیں اور اپنی سوچوں کو اس کے اثر سے نکالنے کی جدوجہد کرنے لگا۔ نیلم کو اس کے لیے شجر ممنوعہ بنے چھ سال ہوچکے تھے۔ اور اب وہ بھی سارہ کا ہوچکا تھا۔ اس نے اپنے دل و ذہن کی پوری آمادگی کے ساتھ آٹھ ماہ پہلے سارہ سے منگنی کی تھی اور وہ اس منگنی سے بہت خوش بھی تھا نا صرف وہ بلکہ سارہ بھی بہت خوش تھی۔ وہ دونوں اس آٹھ ماہ کے عرصے میں ایک دوسرے سے بہت قریب آچکے تھے۔

"نہیں میں سارہ کو دھوکا نہیں دے سکتا، مجھے کسی اور لڑکی کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے، خواہ وہ لڑکی نیلم ہی کیوں نہ ہو۔"

اضطراب اور بے چینی کی لمحات میں وہ یہ بھی فراموش کرچکا تھا کہ اسپتال میں کھڑا ہے اور وہاں تایا جان کی عیادت کے لیے آیا ہے اور شاید وہ اسی خود فراموشی کی کیفیت میں ہی رہتا، اگر اندر سے آنے والی نرس نیلم کو دوائیوں کا وہ نسخہ نہ پکڑاتی جو اس وقت تایا جان کے لیے مطلوب تھیں۔ "مجھے دکھاؤ، میں لے کر آتا ہوں۔" اس نے نیلم کے ہاتھ سے وہ نسخہ لے لیا۔

☆ ☆ ☆

"نیلم کا شوہر اچھا آدمی نہیں تھا، جوا کھیلتا تھا اور کئی دوسری عورتوں سے اس کے تعلقات تھے۔ باپ کے مرتے ہی ساری دولت، جائیداد اس نے اپنی عیاشیوں کی نذر کردی، نیلم کو تو وہ کسی گنتی میں ہی نہیں رکھتا تھا، ہر مہینے دو مہینے کے بعد اسے میکے بھجوا دیتا تھا کہ باپ سے رقم لے کر آؤ۔ اس کے ابا سے جتنا ہوسکتا تھا۔ اس کا منہ بھرتے رہے، مگر پچھلے دو سال سے جب ان کے اپنے کاروباری حالات خراب ہوگئے تو ان کے لیے نیلم کو رقم دینا مشکل ہوگیا۔ خالی ہاتھ گھر جانے پر وہ نیلم کو مارتا پیٹتا تھا، مگر نیلم پھر بھی اس سے طلاق لینے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے اس کا ہر ظلم سہتی

www.paksociety.com

رہی۔ مگر اس کمینے نے پھر بھی اس کا لحاظ نہ کیا اور پچھلے ہفتے اسے طلاق دے دی۔"

تائی جان بہت دھیمی آواز میں دادی جان کو بتا رہی تھیں جو گھنٹہ بھر پہلے ہی وہاں آئی تھیں اور اب تائی جان کے قریب بیٹھی مسلسل انہیں دلاسے دے رہی تھیں۔ تائی جان نے بلال کی طرح ان سے بھی معافی مانگی تھی اور دادی جان نے جواب میں انہیں گلے لگالیا تھا۔ ان کا ظرف بہت بڑا تھا۔ اس لیے انہوں نے بیٹے اور بہو کی کسی گستاخی کا تذکرہ تک نہیں کیا اور دانستہ تائی جان کا دھیان دوسری باتوں میں لگانے لگیں۔ نیلم بھی تب وہیں بیٹھی تھی، مگر اس نے ان کی گفتگو میں کسی قسم کا حصہ نہیں لیا، بس خاموش بیٹھی اپنی انگلیاں مروڑے جا رہی تھی، حتیٰ کہ جب تائی جان نے اس کا تذکرہ شروع کیا، وہ تب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئی، مگر جیسے ہی بلال ڈاکٹر سے مل کر وہاں آیا تو اسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے اٹھی اور باہر چلی گئی۔ بلال نے کچھ حیرت سے اسے یوں جاتے دیکھا، مگر کچھ کہہ نہیں سکا۔

دادی جان اور تائی جان اپنی باتوں میں لگی تھیں، اس لیے انہوں نے بھی نیلم کے جانے کا نوٹس نہیں لیا۔ بلال خاموشی سے نیلم کی خالی کی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا، جہاں تائی جان کی مدھم آواز بھی اس تک بخوبی پہنچ رہی تھی، نیلم کی طلاق کا سن کر اسے ایک پل کے لیے یوں لگا کہ جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔ اب اسے نیلم کے اجڑے سوگوار روپ کی وجہ اچھی طرح سے سمجھ میں آرہی تھی۔ اس کے لاشعور میں تو یہ احساس پہلے بھی تھا کہ نیلم جو اس قدر ویران اور اداس نظر آرہی ہے تو ایسا صرف تایا جان کی سیریس حالت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کچھ اور بھی ہے جس نے اس کے چہرے کی تازگی چھین لی ہے۔ اور اب تائی جان کی زبانی نیلم کے حالات معلوم ہوئے تھے تو دکھ سے اس کا دل بوجھل ہو رہا تھا۔ نیلم وہ ہستی تھی جسے اس نے بے حد و حساب چاہا تھا۔ اسے پانے کی شدت سے آرزو کی تھی اور اس کے باوجود کہ وہ کسی اور سے منسوب کردی گئی تھی، بلال کا دل ہمیشہ اس کی خوشی کے لیے دعاگو رہا تھا، اس نے تو کبھی تصور بھی نہیں تھا کہ نیلم ایسی اذیت بھری زندگی گزارنے پر مجبور ہوگی۔

دکھ اور بے بسی کا شدید احساس تھا، جس نے اسے وہاں سے اٹھنے پر مجبور کردیا، وہ نیلم کے بارے میں مز کچھ سننے کا حوصلہ خود میں نہیں پا رہا تھا، اس لیے خاموشی سے اٹھ کر باہر آگیا۔

لان کے گرد بنی چھوٹی سی منڈیر پر اسے نیلم بیٹھی نظر آئی، وہ وہاں تنہا بیٹھی تھی اور کم روشنی ہونے کے باوجود بلال کو اس کے چہرے کی نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یقیناً" وہ باہر آکر روتی رہی تھی، بلال کے رنج میں اضافہ ہوگیا، وہ خاموشی سے اس کے قریب جاکر بیٹھ گیا، نیلم نے ایک بار گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا اور بلال کو لگا کہ ایک لمحے کے لیے اس کی بجھی ہوئی نیلی آنکھوں میں مدھم سی چمک لہرائی ہے، مگر ایسا صرف ایک پل کے لیے ہوا تھا، اگلے ہی پل وہ مدھم سی چمک غائب ہوگئی اور نیلم نے اپنا سر جھکالیا۔ دونوں تا دیر اس منڈیر پر خاموش بیٹھے رہے، بولنے کے لیے بلال کے پاس کچھ تھا اور نہ ہی نیلم کے پاس۔

☼ ☼ ☼

"بلال بیٹا! مجھے معاف کردو، میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا وہ تو شاید کوئی اجنبی انسان بھی کسی یتیم بچے کے ساتھ نہ کرتا، مگر میں نے تایا ہو کر بھی کبھی تمہارا خیال نہیں کیا، الٹا تمہیں اذیتیں ہی دیں، مگر بیٹا میں نے اپنے کیے کی بہت سزا بھگتی ہے۔ پچھلے چھ سال سے میں پل پل مرا ہوں، اب تو مجھے معاف کردو، اگر تم نے مجھے معاف نہ کیا تو شاید قبر میں بھی مجھے سکون نہ ملے۔"

تایا جان روتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ انہیں دو دن کے بعد آج صبح ہی ہوش آیا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے پہلے دادی جان سے معافی مانگی تھی اور اب بلال آیا تھا تو اس کے سامنے اپنے کیے پر نادم

ہو رہے تھے۔ بلال کی آنکھوں کے سامنے ایک پل کے لیے بچپن کے اور لڑکپن کے کئی ایسے مناظر لہرا گئے جب تایا جان کی سردمہری اور لاتعلقی کے باعث وہ پہروں اذیت کا شکار رہا تھا۔ مگر وہ سب کچھ ماضی کا حصہ تھا اور بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ایک عرصے سے اس نے ان تکلیف دہ دنوں کے بارے میں سوچنا ترک کردیا تھا۔ اس لیے تایا جان کے یوں بے بسی سے معافی مانگنے سے اس کی کسی حس کی تسکین ہوئی تھی اور نہ ہی اسے کسی فتح کا احساس ہوا تھا، الٹا ان کی بے بسی پر اس کا دل کڑھ کر رہ گیا تھا۔

"تایا جان! پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے، میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔" تایا جان کا ہاتھ تھام کر اس نے پورے خلوص سے کہا تھا تایا جان کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"تم بالکل اپنے باپ جیسے ہو، وہ بھی ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ اعلا ظرف بڑے دل والا کبھی کسی زیادتی کی شکایت نہیں کرتا تھا۔"

وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو کر بولے تھے۔

بلال نے اس پر کچھ نہیں کہا، اسے اپنے باپ سے محبت ضرور تھی، مگر وہ ان کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا تھا۔ وہ ان کے بارے میں اتنا ہی جانتا تھا جتنا دادی جان یا دوسرے رشتہ داروں کی زبانی سنا تھا، خود تو اسے اپنے باپ کے ساتھ رہنا نصیب ہی نہیں ہوا تھا۔

"تایا جان! آپ زیادہ باتیں نہ کریں، آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" اس نے تایا جان کا دھیان بٹانے کے لیے نرمی سے ٹوکا تھا تایا جان نے مزید کچھ نہیں کہا، بس ایک حسرت بھری نظر اس کے خوبرو چہرے پر ڈالی اور گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ اسی رات ان کو دوسرا ہارٹ اٹیک ہوا تھا جو پہلے سے بھی زیادہ شدید تھا۔ ان کا پہلے سے دریدہ دل یہ جھٹکا برداشت نہ کرسکا اور ہمیشہ کے لیے ساکت ہوگیا۔

☼ ☼

تایا جان کی وفات کی خبر ان کے دونوں بیٹوں کو دے دی گئی تھی، مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی تدفین کے موقع پر نہیں آیا۔ سیما آپی کراچی میں مقیم تھیں، وہ اگرچہ تدفین پر آگئی تھیں مگر صرف ایک روز ٹھہری تھیں اور اس دوران میں بھی ان کا انداز بہت لیا دیا سا تھا۔ خصوصاً" نیلم کو تو انہوں نے بالکل بھی مخاطب نہیں کیا تھا۔ ان تینوں بہن بھائیوں کے اس سرد اور بے گانہ رویے کا عقدہ بھی اگلے چند روز تک کھل گیا۔ تایا جان پچھلے چھ سال سے جو نیلم کے شوہر کی لمبی چوڑی فرمائشیں پوری کرتے آرہے تھے تو اس ضمن میں ان کی جائیداد کا ایک بڑا حصہ بک چکا تھا۔ اوپر سے ان کا کاروبار بھی مسلسل گھاٹے میں رہا تھا۔ رہی سہی کسر کاروبار کو دوبارہ جمانے کی کوششوں نے نکال دی تھی اور وہ تقریباً" کنگال ہو چکے تھے۔ بڑے تینوں بہن، بھائیوں نے دو سال پہلے تایا جان سے لڑ جھگڑ کر جائیداد میں سے اپنا اپنا حصہ وصول کرلیا تھا۔ مگر پھر بھی ان تینوں کو قلق تھا کہ انہیں ان کے حق سے بہت کم ملا ہے اور انہوں نے ماں، باپ اور بہن سے ایک طرح کا قطع تعلق ہی کرلیا تھا۔

بلال اور دادی جان اگلے کئی روز تک تایا جان والے گھر میں مقیم رہے۔ مگر ایک روز تو انہیں اپنے گھر جانا ہی تھا، بلال کو ایک رشتہ دار بزرگ کی زبانی معلوم ہوچکا تھا کہ تایا جان اپنی رہائشی کوٹھی بھی فروخت کرچکے ہیں اور انہوں نے پوری رقم وصول کرنے کے بعد نئے مالک سے تین ماہ تک اس کوٹھی میں رہنے کی اجازت لی تھی، وہ اس دوران کوئی مناسب مکان تلاش کرکے خریدنا چاہتے تھے۔ مگر موت نے ان کو مہلت ہی نہیں دی تھی، اب تائی ان نے ان بزرگ رشتہ دار سے اس سلسلے میں مدد کی درخواست کی تھی۔ جو رشتے میں تایا جان کے ماموں لگتے تھے۔ انہوں نے ہی بلال کو ساری تفصیل بتائی تھی، ان کا خیال تھا کہ بلال کے اتنے زیادہ ملنے جلنے والے ہیں، پھر وہ بارسوخ بھی ہے، اس لیے یہ کام وہ زیادہ اچھی طرح سے کرسکتا ہے۔

بلال کو یہ ساری تفصیلات جان کر دکھ ہوا تھا۔ تائی

www.Paksociety.com

جان نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی، وہ شاید بدترین حالات میں بھی اس سے کوئی مدد نہیں لینا چاہتی تھیں، یا پھر انہیں اپنے ماضی کے رویے پر اس حد تک شرمندگی تھی کہ وہ خود کو بلال یا اپنی ساس کی طرف سے کسی رعایت کا مستحق نہیں سمجھتی تھیں۔

بلال نے دادی جان کو بلا کم و کاست سب کچھ بتادیا اور دادی جان نے ہمیشہ کی طرح یہ معاملہ بھی ایک جملے میں نبٹا دیا تھا۔

"نفیسہ! تم اور نیلم ہمارے ساتھ چل کر رہو گی۔ میں تم دونوں کو دنیا کی ٹھوکریں کھانے کے لیے تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔" انہوں نے اتنے دبنگ لہجے میں کہا تھا کہ تائی جان چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بول سکیں اور سچ تو یہ تھا کہ خود ان میں بھی اتنی ہمت نہیں بچی تھی کہ وہ نیلم کے ساتھ کسی اجنبی جگہ جاکر رہیں اور زندگی کو گزارنے کی جدوجہد کریں۔ ان کا صرف غرور ہی نہیں ٹوٹا بلکہ حوصلہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے دادی جان سے کوئی بحث نہ کی، البتہ نیلم نے ضرور احتجاج کیا تھا۔ وہ کسی صورت بلال اور دادی جان کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر دادی جان نے پیار محبت سے اور کچھ دنیا کی اونچ نیچ سمجھا کر اسے قائل کر ہی لیا تھا۔ مالک مکان کی طرف سے دی گئی تین ماہ کی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی وہ دونوں بلال ہاؤس میں شفٹ ہو گئی تھیں۔

تائی جان اور نیلم کو ان کے گھر رہتے دس دن ہو چکے تھے، تائی جان تو وہاں کافی حد تک مطمئن نظر آتی تھیں۔ ان کا زیادہ تر وقت دادی جان کے ساتھ گزرتا یا پھر ٹی وی دیکھتے ہوئے مگر نیلم وہاں آکر بہت مضطرب تھی۔ وہ کسی صورت بلال کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی۔ مگر حالات نے یکایک ہی ایسا رخ بدلا تھا کہ وہ بلال کے گھر میں رہنے پر مجبور ہو گئی تھی ——

—— وہ چاہتی تھی —— بلال اور دادی جان کے علم میں لائے بغیر کوئی نوکری تلاش کرلے اور یہاں سے چلی جائے۔ بلال اور دادی جان کی عنایتیں اسے اپنی برداشت سے باہر لگتی تھیں۔ خاص طور پر بلال کی نرمی، اس کا ان دونوں کا خیال رکھنا، اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس کے گلے کے گرد کوئی پھندا پڑا ہو، اسے اپنی سانسیں گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ اتنے سال اس سے دور رہنے کے باوجود وہ اسے اب دل سے نہیں نکال پائی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ بلال کو اس محبت کے بارے میں پتا چلے۔ اس کی منگنی ہو چکی تھی اور چند ماہ بعد شادی ہو رہی تھی، ایسے میں اپنی منحوس اور خوشیوں سے عاری زندگی کا سایہ بھی اس پر نہیں ڈالنا چاہتی تھی، مگر یہ سب باتیں وہ بلال سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس لیے اندر ہی اندر پریشان اور بے چین رہتی تھی، بات بات پر اس کی آنکھوں میں آنسو آجایا کرتے تھے۔ جن کو تائی جان اور دادی جان اس کی گزشتہ زندگی کی تلخیوں کا نتیجہ سمجھتی تھیں، وہ اسے بار بار سب کچھ بھول جانے کی تاکید کرتی تھیں۔ خوش رہنے اور زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنے کا مشورہ دیتی تھیں، مگر ان دونوں کو ہی اندازہ نہیں تھا کہ نیلم کے لیے خوش رہنا تو ایک طرف زندہ رہنے کا تصور بھی محال ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ہر وقت عجیب و غریب اور متضاد کیفیات میں گھری رہتی اور جب اندر کی گھٹن سے گھبرا جاتی تو کسی کونے میں چھپ کر رونے لگتی۔

☆ ☆ ☆

اس روز وہ اسپتال سے اٹھ کر اردو بازار چلا گیا، وہ وہاں سے نیلم کے لیے کچھ اچھی کتابیں خریدنا چاہتا تھا، اسے یاد تھا کہ نیلم کو شاعری سے بہت دلچسپی ہوا کرتی تھی۔

اردو بازار سے کچھ منتخب کتابیں اور ایک ڈائری لے کر وہ گھر پہنچا تو شام ڈھل چکی تھی اور سرمئی اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ دادی جان اور تائی جان لاؤنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، انہیں سلام کرکے وہ کچن میں چلا آیا، مگر نیلم وہاں بھی نہیں تھی، کچھ سوچ کر اس نے لان کا رخ کیا، اس کی توقع کے عین مطابق وہ لان کے دور دراز گوشے میں تنہا بیٹھی تھی، کچھ سوچ

اس کی طرف چلا آیا۔ اور اس کے پیچھے جاکر کھڑا گیا۔ نیلم کے لمبے سنہری بالوں کی چٹیا الجھی سی تھی۔ ہر روز کی طرح اڑے اڑے پرنٹ کا ملگجا سا لباس پہنے ہوئے تھی۔ بلال کی طرف اس کی پشت تھی۔ مگر پھر بھی جان گیا تھا کہ نیلم وہاں بیٹھی رو رہی ہے۔ اس نازک بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ بلال کا دل تڑپ اٹھا۔ وہ تو کسی کو بھی یوں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا اور پھر وہ تو نیلم تھی جسے اس نے ساری دنیا سے بڑھ کر چاہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ نیلم کے قریب جائے اور اس کی آنکھوں سے بہتے موتیوں کو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لے۔ اس کے پتے کی طرح لرزتے بدن کو اپنی مضبوط بانہوں میں بھر لے اور اس کے گرد اپنی محبت کا اتنا مضبوط حصار کھینچ دے کہ پھر کبھی کسی دکھ کو تک پہنچنے کا راستہ نہ مل سکے۔ جذبات کی رو میں بہتے ہوئے وہ بے اختیار ہی اس کی طرف بڑھا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب! کدھر جا رہے ہیں؟" ایک چہکتی ہوئی آواز نے پورے استحقاق سے اسے روکا تھا۔ وہ ٹھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ دوبارہ قدم نہیں بڑھا سکا۔ اس کا چہرہ مرجھا گیا اور سینے پر جیسے کسی نے منوں وزنی سل رکھ دی تھی۔ وہ سارہ کو دکھ نہیں دے سکتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چمک چھین کر نیلم کی آنکھوں میں نہیں سجا سکتا تھا۔ وہ اس معصوم لڑکی سے اتنا بڑا دھوکہ نہیں کر سکتا تھا۔ پتھر کی سل کا وزن بڑھتا ہی جا رہا تھا، اسے سانس لینے میں دشواری ہونے لگی تھی، وہ پلٹا اور سر جھکا کر وہاں سے دور جانے لگا۔

نیلم نے گردن موڑ کر اسے دور جاتے دیکھا اور اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے پر پھیکا سا تبسم بکھر گیا۔ جس میں اذیت بھی تھی، ہار بھی اور ایک عجیب سی فتح کا نشان بھی۔ اس نے اپنا چہرہ گھٹنوں پر ٹکا لیا اور آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

☆ ☆ ☆

شام کا وقت تھا اور موسم بے حد خوشگوار ہو رہا تھا۔ دادی جان اور تائی جان عصر کی نماز کے بعد لان میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ ہلکی ہلکی نرم ہوا بے حد معطر اور تازگی بخش لگ رہی تھی۔ ان دونوں کو وہاں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی جب سارہ چلی آئی، وہ بہت دنوں کے بعد دادی جان سے ملنے آئی تھی۔ دادی جان نے اسے دیکھ کر مصنوعی خفگی سے منہ پھیرا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اپنی بانہیں دادی جان کے گلے میں ڈال دیں۔ تائی جان ایک طرف خاموش بیٹھی ان دونوں کا لاڈ پیار دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے سارہ کو پہلی بار روبرو دیکھا تھا۔ مگر پہلی نظر میں ہی اسے پہچان لیا تھا۔ انہوں نے ابھی کچھ دن پہلے ہی بلال اور سارہ کی منگنی کی تصویریں دیکھی تھیں۔ وہ اپنی تصویروں سے بڑھ کر خوب صورت تھی، انہیں اپنے دل میں ہلکی سی چبھن کا احساس ہوا تو وہ چونک سی گئیں۔ نیلم سے شادی کرنے کی آرزو بلال کی تھی یا پھر نیلم اسے زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی تھی۔ مگر انہوں نے تو کبھی بھی بلال کو اپنے داماد کے روپ میں نہیں دیکھا تھا۔ پھر اب کیوں کسی دوسری لڑکی کو بلال کی ہم سفر کے روپ میں دیکھ کر دل دکھ رہا تھا۔ شاید نیلم کی اجڑی اور بے کیف زندگی کا خیال تھا یا پھر بلال کی اتنے دنوں کی خدمت گزاری تھی۔ جو کچھ بھی تھا مگر انہوں نے زندگی میں پہلی بار بلال کو اپنی آنکھوں سے نفرت کی عینک اتار کر دیکھا تھا تو اس کی ڈھیروں خوبیاں ان پر آشکار ہو رہی تھیں۔

دادی جان اب اس سے سارہ کا تعارف کرا رہی تھیں، انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے ذہن سے ان خیالات کو جھٹکا جو ان کے پورے وجود کو سن کیے دے رہے تھے اور سارہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ جو تعارف کی رسم ادا ہوتے ہی بہت گھل مل کر ان سے باتیں کرنے لگی۔ وہ خوب صورت ہی نہیں ملنسار اور خوش اخلاق بھی تھی۔

نیلم چائے کی ٹرے لے کر آئی تو سارہ کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹک سی گئی۔ تائی جان کی طرح وہ بھی سارہ کو بس غائبانہ جانتی تھی اور تصویروں سے پہچانتی تھی۔ اگرچہ اس نے سارہ کی بس دو تین تصویریں ہی

www.Paksociety.com

دیکھی تھیں اور وہ بھی بے حد سرسری انداز سے کہ اس سے زیادہ حوصلے کا مظاہرہ وہ کر نہیں پائی تھی، مگر پھر بھی اس نے سارہ کو پہلی نظر میں ہی پہچان لیا تھا۔ گہرے سبز رنگ کے لباس میں اس کی اجلی رنگت دمک رہی تھی۔ کانوں میں ہیرے جڑے ٹاپس تھے، جن کی چمک اس کے چہرے کو مزید منور کر رہی تھی۔ سونے جیسے بال کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بات بات پر ہنس رہی تھی۔ نیلم کو اس چمکتی دمکتی لڑکی پر بے تحاشا رشک آیا۔ اور شاید پہلی بار اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ شکن آلود لباس اور مرجھائے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ سارہ حیات جیسے تراشیدہ ہیرے کے سامنے کیا لگ رہی ہوگی۔ لاشعوری طور پر اس نے اپنی قمیص کی شکنیں ہاتھ سے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

"آپ نیلم ہیں نا؟" سارہ نے اسے دیکھتے ہی چہک کر کہا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے اس نے حیرت سے سارہ کی طرف دیکھا جواب میں وہ پراسرار سے انداز میں مسکرا کر بولی۔

"بس چل گیا پتا۔" نیلم نے چور نظروں سے اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود ہیرے کی انگوٹھی کو دیکھا اور دل میں اٹھتی ہوک کو دباتے ہوئے چائے بنانے لگی۔ وہ اس شخص کے نام کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھی جو نیلم کی اولین چاہت تھا۔ جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ پہروں انتظار کیا کرتی تھی اور جب وہ سامنے آتا تھا تو اس کا دل پھول کی طرح کھل جاتا تھا۔ اور اب وہ کسی اور کا ہونے جا رہا تھا۔ میرا اور سارہ کا بھلا کیا مقابلہ، وہ بلال کا آج ہے، اس کا آنے والا کل ہے اور میں ماضی کا ایسا بھولا بسرا خواب جس کا اب اسے خیال بھی نہیں آتا ہوگا۔ دل میں ابھرتے عجیب و غریب جذبات سے گھبرا کر اس نے خود کو سختی سے باور کروایا تھا۔

وہ لوگ چائے پی ہی رہے تھے جب بلال بھی آگیا۔

"یہاں تو بڑی محفل جمی ہوئی ہے بھئی۔" سارہ کے برابر پڑی خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے بہ خوشگوار لہجے میں کہا تھا۔ نیلم کو یہ خوشگواریت سارہ کی وہاں موجودگی کا نتیجہ ہی لگی تھی۔ اس نے پلکیں اٹھا کر بلال اور سارہ کی طرف دیکھا، دونوں ساتھ ساتھ کتنے اچھے لگ رہے تھے، جیسے چاند اور سورج کی جوڑی ہو۔ اس سے زیادہ دیر دیکھا نہ گیا، وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" اس کو اٹھتے دیکھ کر بلال نے ٹوکا۔

"میں آپ کے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں۔" اس نے بات بنائی۔

"میں ابھی چائے پی کر آیا ہوں، تم بیٹھ جاؤ۔" اس کا لہجہ ہمیشہ جیسا نرم تھا۔ مگر پھر بھی اس میں ایسا ضرور تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دوبارہ بیٹھ گئی۔ مگر وہاں بس بیٹھی ہی تھی، ان لوگوں کی گفتگو میں حصہ لینے کی اس نے کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور چہرے پر ہمیشہ کی طرح اداسی کی چھاپ تھی۔ سارہ سے باتیں کرتے ہوئے بلال کا دھیان بار بار اس کے چہرے پر چھائی اداسی کی وجہ سے ٹوٹ رہا تھا اور بار بار اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا، اس بات سے بے خبر کہ ہر بار جب اس کا دھیان نیلم کی طرف ہوتا ہے اور وہ بہت توجہ سے اس کے اداس چہرے کو دیکھ رہا ہوتا ہے تو اس کے پہلو میں بیٹھی سارہ کی نظریں اس کے چہرے پر ہوتی ہیں اور اس کی نیلی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیں بہت واضح نظر آنے لگتی ہیں۔

☼ ☼ ☼

"ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو یہ انگوٹھی واپس کرنے آئی ہوں۔" دو دن بعد وہ بلال کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھی یوں سرسری انداز میں کہہ رہی تھی جیسے کوئی مستعار لی ہوئی چیز شکریے کے ساتھ واپس کرتا ہے۔

"سارہ! یہ کیسا مذاق ہے؟" بلال نے خفگی سے منگنی کی انگوٹھی پر نظر ڈالی جو سارہ نے اتار کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ انگوٹھی میں لگا ہیرا جگر جگر

"یہ مذاق نہیں ہے، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی، بلال پریشان ہوگیا۔

"مگر کیوں؟ کیا ہوا ہے تمہیں، مجھ سے کوئی شکایت ہے؟"

"نہیں بالکل بھی نہیں۔" اس نے شدت سے نفی میں سرہلایا۔

"آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ اور میری آپ سے شادی ہو جاتی تو یقیناً میں آپ کے ساتھ بہت خوش رہتی۔"

"تو پھر کیوں کر رہی ہو ایسا؟" وہ کچھ زچ ہوا تھا۔

"تاکہ آپ نیلم سے شادی کر سکیں۔" کرسی کی بیک سے سر ٹکاتے ہوئے اس نے بے حد سکون سے دھماکہ کیا تھا۔

"کیا!" بلال کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو، تمہیں کس نے کہا کہ میں ایسا چاہتا ہوں۔" وہ شاید پہلی بار سارہ کے ساتھ اتنے غصے سے بات کر رہا تھا، مگر سارہ ذرا بھی خائف نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اس میں پاگل پن والی کیا بات ہے۔ نیلم وہ لڑکی ہے جس سے آپ محبت کرتے ہیں اور وہ آپ سے.... پھر اس سے شادی کرنے میں کیا قباحت ہے۔"

"سارہ بچوں جیسی باتیں نہ کرو اور یہ انگوٹھی اٹھا کر پہن لو۔ میں نے ایسا کبھی بھی نہیں سوچا کہ میں تمہیں چھوڑ کر نیلم سے شادی کرلوں۔"

"جانتی ہوں، کیونکہ آپ کمٹ منٹ نبھانے والے آدمی ہیں، جذباتی نہیں ہوتے بار بار فیصلے بھی نہیں بدلتے اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ مجھ سے شادی ہو جانے کے بعد آپ میرا بہت خیال بھی رکھیں گے۔ کبھی کسی پچھتاوے کا اظہار نہیں کریں گے۔ مگر میں آپ کو اس امتحان میں کیوں ڈالوں؟ مجھے اچھی طرح سے پتا ہے کہ آپ کو آج بھی نیلم سے اتنی ہی محبت ہے جتنی آج سے چھ برس پہلے ہوا کرتی تھی۔ اگر وہ اداس رہے گی ناخوش ہوگی تو سکون سے آپ بھی نہیں رہ سکیں گے، اسے آپ کی ضرورت ہے بلال! آپ کے سوا اسے کوئی بھی اس کی کھوئی ہوئی مسکراہٹ نہیں دلا سکتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ۔ آپ کو مجھ سے محبت ہے نہ مجھے آپ سے۔ ہم اچھے دوست ہیں، ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھتے بھی ہیں، مگر محبت.... محبت نہیں ہے ہمارے بیچ، آپ کی محبت نیلم ہے اور میری محبت حارث تھا۔ حارث میری زندگی میں کبھی لوٹ کر نہیں آسکتا۔ مگر آپ کی زندگی میں نیلم آسکتی ہے تو پھر میں خود غرض کیسے ہو جاؤں، کیسے دو محبت کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا کر دوں، صرف اس لیے کہ آپ کی منگنی مجھ سے ہوئی ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتی، کبھی نہیں۔"

اس کی آنکھوں میں نمی آگئی اور گلا رندھ گیا، بلال ہمدردانہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں سارہ! مگر ایسا کرنا میرے بس میں نہیں ہے زندگی کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہے کہ ہم بات بات پر اپنے فیصلے تبدیل کرتے رہیں۔" اس نے بہت نرمی سے اسے سمجھایا تھا اور میز پر پڑی انگوٹھی اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی تھی۔ سارہ نے انگوٹھی لینے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"زندگی واقعی بچوں کا کھیل نہیں بلال! اس لیے میں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ آپ میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ میرے مسیحا ہیں، میرے لیے آپ نے بہت کچھ کیا ہے اور میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ آپ اپنے دل پر کسی بھی طرح کا بوجھ لے کر جئیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر نیلم کی زندگی ویران رہے گی تو آپ کا دل ہمیشہ اس کے لیے دکھی رہے گا۔" وہ کتنی سچی بات کر رہی تھی، بلال اسے جھٹلا نہیں سکا۔

"مگر سارہ! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔" اس کے انداز میں پسپائی کی جھلک بہت واضح تھی، سارہ مسکرا دی۔

www.Paksociety.com

"زندگی میں آسان ہوتا بھی کیا ہے بلال! آپ کا نفرتوں کے سائے میں رہنا آسان تھا؟ نیلم کو کھو دینا آسان تھا؟ میری ریزہ ریزہ ہوئی شخصیت کا جڑنا آسان تھا؟ سب کچھ مشکل تھا' بہت مشکل تھا' مگر ہم نے ہمت کی کوشش کی تو سب کچھ ہو گیا نا۔ ابھی بھی سب اچھا ہی ہوگا' ان شاء اللہ بس نیت اچھی ہو اور ارادہ مضبوط ہو تو مشکل سے مشکل کام بھی آسانی سے ہو جاتا ہے۔"

وہ بلال کو اسی انداز سے سمجھا رہی تھی' جیسے کبھی وہ اسے سمجھایا کرتا تھا۔ بلال نے مزید کچھ نہیں کہا' بس غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ اس کے چہرے پر ملال کے کسی رنگ کو ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر اسے ملال نظر آیا اور نہ ہی کسی پچھتاوے کا' خوف کا' ہلکا سا احساس بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ بے حد پرسکون اور مطمئن نظر آ رہی تھی اور اس کی نیلی آنکھوں میں خیرہ کن چمک تھی۔ بلال کا دل یک دم ہی مطمئن سا ہو گیا' ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھری اور اس نے انگوٹھی والے ہاتھ کی مٹھی بند کر لی۔

☼ ☼ ☼

سارہ کو دادی جان نے فون کر کے بلوایا تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ اس بلاوے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ بلال کے بعد اب یقیناً" دادی جان اسے سمجھا بجھا کر اس کے ارادے سے باز رکھنا چاہتی تھیں۔ ان کی نظر میں وہ ایک ناسمجھی تھی جو آج جذبات میں آ کر اپنے دامن کی خوشیاں نیلم کی جھولی میں ڈال تو رہی تھی' مگر آنے والے کل میں شاید اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہوتا۔ اور دادی جان اسے اسی آنے والے کل سے بچانا چاہتی تھیں۔ نیلم ان کی لاڈلی ہوتی تھی۔ اس کے چہرے کی اداس آنکھوں میں مستقل ٹھہری نمی وہ روز دیکھا کرتی تھیں اور روز ہی افسردہ ہوتی تھیں' مگر پھر بھی وہ یہ نہیں چاہتی تھیں کہ سارہ اپنے حصے کی مسکراہٹیں نیلم کے ہونٹوں پر سجا کر خود خالی ہاتھ رہ جائے۔

"دادی جان! آپ ہی نے تو مجھے سمجھایا تھا کہ ا دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھو گی تو تمہارا اپنا درد ہو گا۔ اپنے دل کو راحت ملے گی' پھر اب خود ہی کیوں مجھے ایسا کرنے سے روک رہی ہیں۔ مجھے مت روک دادی جان پلیز! آپ تو مت روکیں۔" دادی جان ڈھیر ساری باتوں کے جواب میں اس نے صرف ایک بات کہی تھی اور قالین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہو اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تھا جو جنگ وہ لڑ رہی تھی اتنی آسان بھی نہیں تھی۔

دادی جان اس کی بات سن کر ساکت سی بیٹھی گئیں۔

"سارہ! تم پچھتاؤ گی تو نہیں؟" کئی منٹ کی خامو کے بعد دادی جان نے اس سے سوال کیا تو ان کا ل پہلے سے بہت مختلف تھا۔ سارہ نے ان کی گود سے سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھا اور مضبوط لہجے میں بولی۔

"کبھی بھی نہیں دادی جان!"

"ٹھیک ہے بیٹا! پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" دادی جان نے نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"مگر مجھے اعتراض ہے۔"

کھلے دروازے سے نیلم کی آواز آئی' سارہ نے مڑ اس کا چہرہ دیکھا جو اس وقت سرخ ہو رہا تھا اور اس آنکھوں میں نمی صاف دکھائی دے رہی تھی' وہ یقینا اس کی اور دادی جان کی ساری گفتگو سن چکی تھی۔ دادی جان کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"آپ کو کیا اعتراض ہے؟" سارہ آہستگی سے ا کر نیلم کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے کسی کی بھی ہمدردی نہیں چاہیے۔" جانے کیوں سارہ سے نظریں چرا کر بولی تھی۔

"آپ کی شادی ہم میں سے کسی سے نہیں ڈاکٹر بلال سے ہو رہی ہے اور وہ آپ سے محبت کرتے ہیں' آج سے نہیں پچھلے کئی سالوں سے... اور یہ با آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں۔" اس کا لہجہ مضبوط اور بے لچک تھا۔

"وہ مجھ سے محبت کرتے ضرور تھے' مگر یہ بہت پرانی بات ہے' وہ زمانہ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اب انہیں مجھ سے محبت نہیں' صرف ہمدردی ہے' بھلا تم جیسی حسین اور دولت مند لڑکی کو چھوڑ کر وہ مجھ سے کیسے محبت کر سکتے ہیں۔" وہ بے حد آزردہ ہو رہی تھی' سارہ کو اس کے فقرے نے دکھ پہنچایا تھا' مگر وہ اس کی بے یقینی کو بھی سمجھ رہی تھی۔

"محبت حسن سے ہوتی ہے نہ ہی دولت سے۔ یہ تو کوئی اور ہی چیز ہوتی ہے۔ جو بس عطا ہوتی ہے۔ کوشش کر کے آپ کسی سے محبت کر سکتے ہیں نہ ہی اپنی مرضی سے کسی کی محبت کو اپنے دل سے نکال کر پھینک سکتے ہیں اور جس سے ایک بار محبت ہو جائے پھر پوری کائنات میں کوئی اس کے مقابلے کا نہیں لگتا۔" اپنی نیلی آنکھوں میں بیتے لمحوں کے عکس اور نمی لیے وہ کھوئے لہجے میں بول رہی تھی۔ نیلم کئی لمحوں تک کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"اپنے دل سے ہر خدشہ نکال دیں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ اور کم از کم بلال کے لیے آپ دنیا کی سب سے حسین اور دلکش شخصیت ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ دونوں بہت خوش رہیں گے۔"

نیلم کے ہاتھوں کو محبت سے تھام کر وہ بہت اپنائیت سے کہہ رہی تھی' نیلم کو اس پر بے اختیار ہی پیار آنے لگا۔ وہ اس کی کچھ نہیں لگتی تھی۔ پھر بھی اس کی زندگی کے راستے کو آسان بنانے کے لیے اتنا کچھ کر رہی تھی۔

"سارہ! تم بہت اچھی ہو۔" اس نے بڑی بہنوں کے انداز میں سارہ کا ماتھا چوما تھا۔

"مگر سارہ! مجھے بہت گلٹی فیل ہو رہی ہے۔ دو ماہ بعد تمہاری شادی ہے۔ گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں' پھر میں کس طرح' نہیں سارہ! یہ بہت مشکل ہے مجھ سے ایسا نہیں کیا جائے گا۔"

بے چارگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ اس سے سارہ کا سامنا کرنا مشکل ہو رہا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سارہ اس موضوع کو خود ہی ختم کر کے وہاں سے چلی جائے' مگر سارہ کا اسے قائل کیے بغیر وہاں سے جانے کا ارادہ ہرگز بھی نہیں تھا۔ وہ بڑے آرام سے اس کے پہلو میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ میں حسین اور دولت مند ہوں' پھر مجھے بھلا رشتوں کی کیا کمی۔ آپ خوامخواہ ہی گلٹی فیل کر رہی ہیں۔ آپ دیکھیے گا میری شادی آپ کے ڈاکٹر صاحب سے زیادہ اچھے شخص سے ہو گی۔ کسی ایسے شخص سے جو صرف مجھ سے محبت کرتا ہو آپ کے ڈاکٹر صاحب کی طرح پچھلی محبت کو یاد کر کے آہیں نہ بھرتا ہو۔" نیلم جانتی تھی کہ وہ اسے قائل کرنے کے لیے ایسی باتیں کر رہی ہے' مگر اسے یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ سارہ کو اس کے موقف سے ہٹانا ممکن نہیں ہے' پھر اس کا اپنا دل بھی تو تھا جو پہلے لمحے سے ہمک ہمک کر سارہ کی بات مان لینے کی ضد کیے جا رہا تھا۔ بلال احمد اس کی محبت تھا۔ اس کا اولین خواب اور اب اس خواب کی تعبیر کی بشارت اسے ایسے وقت میں دی جا رہی تھی جب وہ مایوسی کے اندھیروں میں مکمل طور پر ڈوبنے ہی والی تھی۔ اسے یک دم ہی خوف سا محسوس ہونے لگا کہ کہیں بار بار انکار کر کے وہ ناشکری تو نہیں کر رہی' ویسے بھی اس روزن کو اپنے ہاتھوں سے بند کرنا آسان نہیں تھا جو اس کی مایوسی کے اندھیروں میں ڈوبی زندگی کے لیے روشنی کا واحد ذریعہ بن رہا تھا۔

"ٹھیک ہے' مگر میری ایک شرط ہے۔" اس نے آخر ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"میری شادی تب تک نہیں ہو گی جب تک تمہاری شادی یا کم از کم منگنی نہیں ہو جاتی۔"

"مجھے منظور ہے۔" سارہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مگر آپ سوچ لیں' یہ نہ ہو کہ میرے مسٹر رائٹ کا انتظار آپ کو اکتاہٹ میں مبتلا کر دے اور آپ خود ہی اپنے الفاظ واپس لینے پر مجبور ہو جائیں۔" وہ اب شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ نیلم کا چہرہ بھی صبح کی

www.Paksociety.com

نرم دھوپ جیسی مسکراہٹ سے منور ہونے لگا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا' میں انتظار کروں گی' خواہ کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو۔" اس نے عزم سے کہا۔ اور قسمت پتا نہیں نیلم پر زیادہ مہربان ہو رہی تھی یا سارہ کو اس کی قربانی کا صلہ ملا تھا کہ اس کا مسٹر رائٹ صرف تین روز بعد اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میڈم! ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے وجہ نہیں بتائی' کہتی ہیں کہ پرسنل معاملہ ہے۔" لنچ بریک کے بعد ابھی سارہ نے کام شروع نہیں کیا تھا۔ جب انٹر کام پر اس کی سیکریٹری نے بتایا۔

"ٹھیک ہے انہیں اندر بھیج دیں۔" ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا اور انٹر کام کا ریسیور رکھ کر سامنے پڑی فائل کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ابھی اس نے فائل میں لگے لیٹر کا سبجیکٹ بھی پورا نہیں پڑھا تھا جب دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر انگوری رنگ کی ساڑھی میں ملبوس وہ بے حد شان دار سی خاتون اندر داخل ہوئیں ان کی پرسنالٹی اتنی زبردستی اور بارعب تھی کہ سارہ انہیں دیکھ کر بے اختیار ہی کھڑی ہوگئی۔

"مجھے مسز آفاق کہتے ہیں بیٹا اور میں حارث کی ماں ہوں۔" آدھے سفید اور آدھے براؤن بالوں والی شان دار خاتون نے اس کے عین سر پر دھماکہ کیا تھا۔ سارہ گنگ سی رہ گئی۔

"حارث۔" اس کا ساتھ اس سے وابستہ یادیں اسے وہ سب کچھ بھولا تو نہیں تھا۔ مگر وہ دانستہ کوشش کرتی تھی کہ خود کو بیتے لمحوں کے جال میں الجھنے سے بچائے رکھے اور اب حارث کی ماں اس کے سامنے کھڑی تھیں' ایک پل کے لیے اس کا چہرہ ویران سا ہوا۔ حارث کو بھول جانا اس کے اختیار سے باہر کی بات تھی۔ مگر گزرے ہوئے ساڑھے تین سالوں نے اسے خود کو سنبھالنا سکھا دیا تھا' اس لیے اگلے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پالیا۔

"آپ پلیز بیٹھیں۔" وہ ٹیبل کے پیچھے سے نکل کر ان کے قریب آکر بولی تھی۔ مسز آفاق نے بے حد محبت سے گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی اور اپنے برابر کھڑے نوجوان کی طرف اشارہ کرکے بولیں۔

"یہ زین ہے' حارث کا بھائی۔"

"زین۔" سارہ نے زیر لب دہرا کر پہلی بار اس کی طرف توجہ سے دیکھا تھا' وہ حارث کا جڑواں بھائی تھا اور حارث کی سب سے زیادہ دوستی اسی کے ساتھ ہوا کرتی تھی اور اس کی باتوں میں زین کا اس قدر ذکر ہوتا تھا کہ سارہ بغیر ملے ہی اس کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔

"میں بہت عرصے سے تم سے ملنا چاہتی تھی بیٹا! مگر حارث کی اچانک وفات کے بعد میں چھ ماہ تک تو سخت بیمار رہی۔ پھر کچھ طبیعت سنبھلی تو تم سے ملنے کی دو' تین بار کوشش بھی کی' مگر جب بھی پتا کیا یہی معلوم ہوا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور تم کسی سے بھی نہیں ملتی ہو۔ پھر زین مجھے اپنے ساتھ امریکہ لے گیا۔ ڈھائی سال میں وہاں رہی اور اب جب سے واپس آئی ہوں تب سے ہی تم سے ملنا چاہتی تھی۔ آخر زین نے ہی تمہارے آفس کا پتا کیا اور آج مجھے یہاں لے آیا۔" صوفے پر سارہ کے برابر بیٹھتے ہوئے حارث کی مما بہت محبت سے اسے بتا رہی تھیں۔ سارہ کی آنکھیں بھر آئیں' اسے بے اختیار ہی وہ خونی سہ پہر یاد آئی تھی' جب حارث اسے اپنی مما کے مان جانے کی خوشخبری سنانے یونیورسٹی آرہا تھا اور سارہ تک پہنچنے سے پہلے ہی موت اسے اچک کر لے گئی تھی۔

"مس سارہ! آپ کے ہاں مہمانوں کو چائے پلانے کا رواج نہیں ہے۔" قدرے فاصلے پر بیٹھے زین نے اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ لیے تھے' شاید اسی لیے موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ پہلی بار بولا تھا۔ اس کی آواز حارث جیسی نہیں تھی' پھر بھی سارہ کو اس کی آواز پر حارث کا دھوکہ ہوا تھا شاید یہ اس کے لہجے کا کمال تھا جو ہو بہو حارث جیسا تھا' سارہ نے پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھیں ڈارک براؤن رنگ کی تھیں اور ان آنکھوں کا تاثر اس قدر مانوس تھا کہ وہ اپنی پلکیں تک نہ جھپک سکی۔ اس کی براؤن آنکھوں میں ویسی ہی نرمی اور اپنائیت تھی جیسی حارث کی آنکھوں میں سارہ کے لیے ہوا کرتی تھی۔ اس کے دیکھنے کا انداز' اس کا والہانہ پن' سب کچھ بے حد مانوس تھا۔ سارہ کو اردگرد کی چیزیں منظر سے غائب ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

وہ حارث سے محبت کرتی تھی۔ اتنی زیادہ محبت کہ وہ دنیا سے چلا گیا تو اسے اپنی آتی جاتی سانسیں بوجھ لگنے لگی تھیں۔ اس کی دنیا اجڑ گئی تھی اور اس کا وجود مایوسی کے اندھیروں میں ڈوب گیا تھا' مگر اس نازک وقت میں بھی اس نے کبھی اپنے اردگرد موجود لوگوں میں حارث کی شباہت نہیں ڈھونڈی تھی۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر بلال سے منگنی ہوجانے کے بعد بھی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ بلال میں حارث کی شبیہ کو تلاش کرنے کی کوشش کرے' اس کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ جو چھن گیا' اس کی کوئی جھلک دوبارہ بھی دکھائی دے سکتی ہے اور اب جو شخص اس کے سامنے بیٹھا تھا شکل و صورت میں حارث سے مختلف ہونے کے باوجود اسی جیسا لگ رہا تھا۔ اس کی شخصیت میں حارث کی بہت ہی غیر محسوس سی شباہت تھی۔ جو دکھائی نہیں دیتی تھی' مگر محسوس ہوتی تھی اور سارہ کو تو بہت ہی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے جتنی بار بھی زین کی طرف دیکھا' اتنی بار ہی اسے حارث کا خیال آیا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ آج حارث کا یوں بار بار خیال آنا اسے تکلیف نہیں پہنچا رہا تھا' بلکہ ایک عجیب سی مسرت کا باعث بن رہا تھا۔

وہ لوگ ایک گھنٹے کے بعد رخصت ہوگئے' مگر سارہ ان کے چلے جانے کے بعد بھی خود کو عجیب سے طلسم میں جکڑا ہوا محسوس کرتی رہی' حتیٰ کہ رات کو سونے کے لیے لیٹی تو تھکن کے باوجود اس کی آنکھوں سے نیند دور رہی اور بار بار اس کے تصور میں کبھی سنہری اور کبھی ڈارک براؤن آنکھیں جگمگاتی رہیں۔

"آخر ان دونوں آنکھوں میں ایک جیسا کیا ہے۔" رات کے نہ جانے کون سے پہر اس نے جھنجلا کر سوچا تھا۔

"ان سے چھلکتی محبت اور اپنا پن جو صرف اور صرف تمہارے لیے مخصوص ہے۔" جواب فوراً" ہی موصول ہوگیا' اس کی رہی سہی نیند بھی اڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

"سارہ! میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اگلی صبح ناشتے سے بھی پہلے زین کا فون آگیا تھا اور اس نے تمہید باندھنے میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کہہ دیا تھا۔

"جی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" سارہ کے لاشعور میں پہلے سے ہی یہ خیال موجود تھا کہ زین اس سے کچھ نہ کچھ ایسا ہی کہے گا' مگر زین نے اتنی جلدی کہہ دیا تھا کہ وہ صحیح معنوں میں حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

"میں خود نہیں جانتا کہ میں ایسا کیوں کہہ رہا ہوں' مگر آپ یقین کریں کہ میں کل ساری رات سو نہیں سکا۔ سارا وقت آپ کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے رہا ہے۔ حارث زندہ ہوتا تو میں کبھی آپ کے بارے میں ایسا سوچنے کا تصور بھی نہ کرتا' مگر اب۔۔۔ سارہ! مجھے لگتا ہے میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں پہلی نظر کی محبت پر یقین نہ رکھنے کے باوجود خود اس کا شکار ہوگیا ہوں۔" وہ بہت بے چارگی سے کہہ رہا تھا' سارہ گنگ سی کھڑی تھی۔

"پتا ہے سارہ! بچپن ہی سے میری اور زین کی پسند' ناپسند ایک جیسی ہے' جو چیز مجھے پسند آتی ہے وہی اس کو بھی اچھی لگنے لگتی ہے اور جسے وہ ریجیکٹ کردے' میرا اس کو پسند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

ہوا کے دوش پر بہت جانی پہچانی سی آواز لہرائی تھی۔ سارہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ حارث بھی تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی محبت کا شکار ہوگیا تھا۔ وہ بھی تو یہی کہا کرتا تھا۔

"سارہ! تمہیں دیکھنے سے پہلے مجھے بھی اس بات پر

یقین نہیں ہوا کرتا تھا کہ پہلی نظر کی محبت کا واقعی کوئی وجود ہے' مگر جب میں نے تمہیں اپنے سامنے دیکھا تو میرے تمام نظریات دھرے کے دھرے رہ گئے۔

سارہ! پلیز آپ کچھ تو بولیں۔" سارہ کی مسلسل خاموشی سے زین پریشان سا ہو گیا تھا۔

"میں آپ کو سوچ کر جواب دوں گی۔" اس نے نرمی سے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ حالانکہ اسے اپنا جواب اچھی طرح سے معلوم تھا۔ اسے کچھ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے ایک رات میں ہی پتا چل گیا تھا کہ وہ زین کو نہ کہہ ہی نہیں سکتی۔

☼ ☼ ☼

شام کے سائے کب کے ڈھل چکے تھے' مگر سارہ کے گھر کا وسیع لان برقی قمقموں اور روشنیوں سے یوں جگمگا رہا تھا کہ رات میں بھی دن کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ آج سارہ کے سب سے چھوٹے بیٹے کی پہلی سالگرہ تھی اور اس نے اپنے تمام ہی قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو اس تقریب میں مدعو کر رکھا تھا' ہر طرف چہل پہل اور رونق تھی۔ گہرے سرخ رنگ کے جدید تراش خراش کے لباس میں سجی سنوری سارہ بار بار سب کی نگاہوں کا مرکز بن رہی تھی۔ شادی شدہ زندگی کے چھ برس گزارنے اور تین بچوں کی ماں بن جانے کے باوجود اس کے حسن میں رتی بھر بھی کمی نہیں آئی تھی۔ بلکہ اندرونی اطمینان مسرت اور سرخوشی نے اس کے ملکوتی حسن میں اضافہ ہی کیا تھا۔ زین بے حد چاہنے اور خیال رکھنے والا شوہر تھا۔ شادی کے بعد چھ سالوں میں اسے ایک بار بھی زین سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔

"ممی.... ممی! بھائی کو دیکھیں' مجھے تنگ کر رہا ہے۔"

وہ نیلم کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مشغول تھی' جب تین سالہ دانیہ نے چلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا' وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی اور پانچ سالہ حسن اس کے پیچھے تھا۔

"ارے کیوں تنگ کر رہا ہے بھائی میرے بیٹے کو۔" سارہ سے پہلے نیلم نے اسے گود میں بھر لیا۔ دانیہ اس کی بہت لاڈلی تھی۔ اس کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی' بس تین بیٹے ہی تھے' اس لیے وہ دانیہ کو کچھ زیادہ ہی عزیز رکھا کرتی تھی۔

"بھائی مجھ سے میری گڑیا چھین رہا تھا۔" نیلم کی گود کا تحفظ ملتے ہی وہ سکون سے شکایتیں کرنے لگی۔

"بری بات حسن! بہنوں سے چیزیں چھینتے نہیں بلکہ انہیں دیا کرتے ہیں۔" سارہ نے پیار سے حسن کو سمجھایا تھا۔ ان سے اگلی ٹیبل پر بیٹھے فاروق کا چہرہ اس کا یہ فقرہ سن کر ایک پل کے لیے تاریک ہو گیا' اس نے ذرا سی گردن موڑ کر سارہ کی طرف دیکھا۔ اس کی اکلوتی چھوٹی بہن جو کبھی اسے بے حد عزیز ہوا کرتی تھی' عمروں میں کئی برس کا فرق ہونے کے باوجود ان میں کس قدر دوستی ہوا کرتی تھی اور اب ان کے درمیان اتنے فاصلے پیدا ہو چکے تھے کہ وہ چاہتا بھی تو ان کو پاٹ نہیں سکتا تھا۔ ہر منظر کو صدف کی آنکھوں سے دیکھنے اور ہر چیز کو اسی کے نقطہ نظر سے سوچتے رہنے کے باعث اس نے اپنی بہن کو تقریباً" کھو ہی دیا تھا۔ یہ تو سارہ کا ظرف تھا کہ اس نے کبھی فاروق کو کوئی پرانی بات نہیں بتائی تھی' مگر خود فاروق کے لیے کبھی کبھی اپنے ضمیر کا بوجھ ناقابل برداشت بن جایا کرتا تھا۔ خاص طور پر جب سے اسے یہ پتا چلا تھا کہ صدف کبھی ماں نہیں بن سکتی' تب سے اسے سارہ پر کی گئی زیادتیوں کا زیادہ ہی شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔

سارہ کی طرف سے رخ موڑ کر اس نے اپنے سامنے بیٹھی صدف کو دیکھا' وہ آج بھی بے حد حسین اور طرح دار تھی' مگر اس کی آنکھوں میں پچھلے کچھ عرصے سے جو ویرانی جھلکنے لگی تھی وہ اس کو دوسروں کی نظروں سے چھپانے پر قادر نہیں تھی۔ اگرچہ اسے کبھی بھی بچوں سے لگاؤ نہیں رہا تھا' مگر جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ اس کے اپنے بچے نہیں ہو سکتے تب سے اسے مسلسل ڈپریشن رہنے لگا تھا۔ اور وہ چھوٹے بچوں میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس کرنے

لگی تھی۔ بارہا اس نے فاروق سے کوئی بچہ گود لینے پر اصرار بھی کیا تھا' مگر یہ شاید واحد بات تھی جس پر فاروق نے اس سے اختلاف کیا تھا اور اتنی شدت سے کیا تھا کہ وہ اس سے اپنی بات منوانے کی ہمت ہی نہیں کر پائی تھی۔

"میں کسی انجان بچے کو اپنا بچہ کیسے سمجھ سکتا ہوں' کیا خبر وہ کل کو کیسا نکلے۔" اس نے دوٹوک انکار کیا تھا اور صدف مزید کچھ بھی نہیں بول سکی تھی۔ شاید اس کے اپنے دل کے کسی کونے میں بھی وہی ڈر موجود تھا جس کا اظہار فاروق نے کیا تھا۔ البتہ جب سے سارہ کا دوسرا بیٹا پیدا ہوا تھا' تب سے فاروق کا بارہا دل چاہا تھا کہ وہ اس بچے کو سارہ سے مانگ لے' مگر سارہ کے سامنے یہ خواہش ظاہر کرنے کا اسے حوصلہ نہیں ہوا تھا۔ سارہ کتنی ہی اعلا ظرف سہی' مگر صدف جیسی عورت کی گود میں اپنا بچہ ڈالنا شاید اس کے لیے ممکن نہ ہوتا اور اس کے سامنے اپنی بات منوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے تاحال وہ اپنی خواہش کو اپنے دل میں ہی دبائے بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں سارہ ہوں۔ سارہ زین العابدین' میری زندگی میں تین مرد آئے اور تینوں نے اپنے اپنے حساب سے میرا بے حد خیال رکھا۔ حارث احمد وہ شخص ہے جسے میں نے چاہا اور بہت شدت سے چاہا۔ وہ میری زندگی میں اس وقت داخل ہوا جب میں اپنی دانست میں اپنی زندگی کی تمام خوشیوں اور تمام آرزوؤں کو گنوا کر بالکل تنہا ہو چکی تھی۔ حارث نے مجھے دوبارہ سے رنگوں' خوشبوؤں اور زندگی سے پیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے ہر اس مقام پر جہاں میرے قدم ذرا سے بھی لرزے یا لڑکھڑائے میرے کہے بغیر مجھے سہارا دیا اور مجھے اپنے وجود کا اس حد تک عادی بنا دیا کہ جب وہ اچانک دنیا سے رخصت ہو گیا تو میرے لیے سب کچھ ہی ختم ہو گیا۔ زندگی اس کے آنے سے پہلے جتنی ویران اور تکلیف دہ تھی' اس کے جانے کے بعد کئی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سوہنی ہیئر آئل

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

www.Paksociety.com

گنا زیادہ تکلیف دہ اور ویران ہو گئی اور اس قدر تنہا اور اکیلی ہو گئی کہ زندہ رہنے کی میری خواہش ہی دم توڑ گئی۔ پھر ڈاکٹر بلال میری زندگی میں آئے۔ ڈیسنٹ' ذہین اور بے حد مضبوط شخصیت کے مالک ڈاکٹر بلال۔ انہوں نے بھی مجھے سہارا دیا اور زندگی کی طرف مائل کرنے کی کوشش شروع کی' مگر حارث سے بالکل مختلف انداز میں حارث نے میری ٹوٹی ہوئی شخصیت کو اپنی محبت کے حصار میں کچھ اس طرح سے سمیٹ لیا تھا کہ جب تک وہ زندہ رہا اس نے کسی پریشانی' کسی فکر کو اس حصار سے اندر داخل ہو کر مجھ تک پہنچنے نہیں دیا۔ مگر اس کے دنیا سے چلے جانے سے جب یہ حصار ٹوٹا تو میں پہلے سے بھی زیادہ ریزہ ریزہ ہو گئی۔

حارث کے برعکس ڈاکٹر بلال نے مجھے سمیٹا ضرور' مگر انہوں نے مجھے کسی حصار میں محفوظ نہیں کیا۔ انہوں نے مجھے سہاروں کے بغیر جینا سکھایا اور میری اپنی شخصیت کی تعمیر مضبوط بنیادوں پر کی' اس تعمیر کے عمل کے درمیان اگرچہ میں نے بہت تکلیف اٹھائی' بار بار گری' بار بار لڑکھڑائی' مگر بالآخر میں ویسی ہی بن گئی جیسی وہ مجھے بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک ٹوٹی پھوٹی مایوسی اور تنہا سارہ سے ایک پر اعتماد مضبوط اور زندہ دل سارہ بنا دیا۔ مگر مجھے ان سے محبت نہیں تھی اور نہ ہی آخر تک ہوئی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ انہیں بھی مجھ سے محبت نہیں تھی۔ ہم دونوں کے بیچ دوستی تھی' ہم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ مگر محبت ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے سے نہیں ہو سکتی تھی۔ کم از کم ویسی محبت نہیں ہو سکتی تھی جیسی انہیں نیلم اور مجھے حارث سے تھی۔ شاید اسی لیے جب حالات نے رخ موڑا تو میں نے دل کی پوری رضامندی سے انہیں نیلم کی جھولی میں ڈال دیا۔

ڈاکٹر بلال کے جانے کے بعد وہ شخص میری زندگی میں آیا جو واقعی میرا تھا' جسے میرے اللہ نے میری زندگی کے ساتھی کے طور پر چنا تھا۔ زین العابدین' حارث کا جڑواں بھائی' جس میں حارث کی بہت ہی غیر محسوس سی مشابہت تھی اور حارث وہ شخص تھا جو میری محبت تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے بہت ہی مختلف اور خاص جذبات تھے' شاید اسی لیے مجھے زین کے قریب ہونے میں بہت ہی کم وقت لگا۔ حارث سے اس کی مشابہت نے مجھے کبھی بھی تکلیف نہیں پہنچائی' بلکہ اس سے باتیں کر کے اس کے ساتھ رہ کے مجھے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہونے لگی۔ وہ مجھے حارث کی طرح ٹوٹ کر چاہتا ہے۔ مگر اس نے مجھے اپنی محبت کے حصار میں قید کرنے کی کوشش نہیں کی' بلکہ ہمیشہ بلال کی طرح مجھے اپنی شخصیت کو مضبوط بنانے اور اپنے تمام مسائل کو خود حل کرنے کی ترغیب دی۔ اس لیے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زین میرے لیے بہترین ساتھی ہے۔

آج میری زندگی ہر طرح سے خوشگوار اور پرسکون ہے۔ مجھے اللہ نے ہر وہ چیز عطا کر دی ہے جس کی میں نے کبھی بھی تمنا کی تھی۔

دادی جان کہا کرتی تھیں اور وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں کہ یہ دنیا تو دارالامتحان ہے۔ جہاں انسان کو کبھی دے کر اور کبھی لے کر آزمایا جاتا ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ اپنے رب کا کتنا فرماں بردار ہے اور جب ہم کسی آزمائش پر پورے اترتے ہیں تو اللہ کی طرف سے ہمیں بے شمار انعامات بھی حاصل ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ زندگی نہ تو پوری سفید ہو سکتی ہے اور نہ ہی ساری کی ساری سیاہ' بلکہ اس میں ہر طرح کے رنگ آتے ہیں' کبھی دھوپ جلاتی ہے' تو کبھی گھنا سایہ اچانک ہی مل جاتا ہے۔ دھوپ بھی ہمیں آزمانے کے لیے راستے میں آتی ہے اور سایہ بھی ہماری کسی آزمائش کا ذریعہ ہی ہوتا ہے۔ زندگی نہ تو اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے جتنے ہم خواب دیکھتے ہیں اور نہ ہی یہ اتنی بدصورت ہوتی ہے جتنا ہم اس سے ڈرتے ہیں۔

✡ ✡

میرے مہرباں

بشریٰ سیال

www.Paksociety.com

"ہیلو! مجھے ایس پی ہارون آفندی سے بات کرنی ہے۔" کئی دنوں سے کی جانے والی پلاننگ پر آخر کار عمل کر ہی ڈالا۔

مگر دل سینے کے پنجرے میں کسی بے بس پرندے کی مانند پھڑپھڑا رہا تھا۔ علینہ نے اس کا ہاتھ دبا کر حوصلہ بڑھایا' خود اسے تو ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔

"جی! میں ایس پی ہارون ہی بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے انتہائی سنجیدگی سے کہا گیا اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے' گھبرا کر فون بند کر دیا۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے یار! تم نے بات کیوں نہیں کی؟ اتنا مزا آرہا تھا۔" علینہ چٹکی بجا کر بولتی اسے حیران کر گئی۔

"مزا؟ ادھر میری جان پہ بنی ہے اور تمہیں مزے آرہے ہیں۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"تم میری بہت پیاری دوست ہو یار' میں تو تمہارا بھلا چاہتی ہوں۔" وہ لگاوٹ سے بولی۔

"علینہ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ اگر اس نے امی بابا کو سب کچھ بتا دیا تو سوچو کتنا برا ہوگا میرے ساتھ۔" اس کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

"اچھا تو اس طرح بھی نہیں ہوگا تمہارے ساتھ۔ یو نو یہ پولیس کی جاب کرنے والے کتنے ظالم ہوتے ہیں۔ میرے ماموں ہی کی مثال لے لو تین دفعہ شادی کی اور تینوں بیویاں ان کے ظلم سے تنگ آکر گھر چھوڑ گئیں۔" وہ اسے متوقع خوفناک صورتحال سے آگاہ کر رہی تھی۔

"لیکن یہ بھی تو دیکھو علینہ کہ سب لوگ تو ایک جیسے نہیں ہوتے۔ پھر ہارون کی مدر بھی بہت نائس ہیں۔" اس نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"چھوڑو یار! مجھے لگتا ہے تمہارے نصیب میں دکھ لکھے ہیں' اسی لیے تم ایسی باتیں کر رہی ہو۔ میں تو دوست ہونے کے ناتے مشورہ ہی دے سکتی تھی' سو دے دیا۔ عمل کرنا نہ کرنا تمہاری مرضی ہے۔" وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"علینہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"حوریہ! میری جان' تم ایک دفعہ فون کر کے اس ایس پی کے بچے کو منع کر دو' باقی اللہ اور مجھ پر چھوڑ دو۔" علینہ ایک بار پھر اسے سمجھانے لگی۔ دوبارہ فون کرتے ہوئے پہلی بار سے زیادہ ڈر لگ رہا تھا۔ علینہ نے نمبر ڈائل کر کے موبائل اسے تھما دیا۔

"ہیلو! وہ دراصل مجھے...." اس نے تھوک نگلا تھا۔ علینہ اس کا کندھا تھپک کر ہمت بڑھا رہی تھی۔

"مجھے.... وہ ہارون سے بات کرنی ہے۔" آخر بات مکمل کر ہی ڈالی۔

"دیکھیں بی بی! آپ جو کوئی بھی ہیں' بات ذرا جلدی مکمل کریں۔" اتنا سرد اور برفیلا لب ولہجہ' اسے علینہ کی بات درست لگنے لگی۔

"م.... مجھے.... آپ سے کام ہے۔" کہنا کچھ تھا' مگر منہ سے کچھ اور ادا ہو رہا تھا۔

"دیکھیں بی بی! آپ تھانے فون کیجیے گا' کام کی بات تو وہیں ہوگی۔" حد درجہ رکھائی سے بولتا اسے مزید پریشان کر گیا۔

"مجھے آپ سے.... ایک پرسنل بات کرنی ہے۔" علینہ نے سر پکڑ کر لیا۔

"کون ہیں آپ؟" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پوچھ گیا۔

"میں.... حوریہ بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف ایک لمبی سانس خارج ہوئی تھی۔ ہارون نے موبائل فون ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے نظر وال کلاک پر ڈالی' جو رات کے ڈھائی بجا رہا تھا۔

"اوہ! آپ مجھے پہلے بتا دیتیں کہ یہ آپ ہیں۔ بٹ اینی ویز' کام کیا ہے مجھ سے؟" لہجے کی سنجیدگی ہنوز برقرار تھی' مگر انداز گفتگو یکسر بدل گیا تھا۔

"وہ مجھے آپ سے یہ کہنا تھا۔" اس کی آنکھیں علینہ کی طرف اٹھی تھیں۔ جو اسے مزید بولنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ دوسری طرف ہارون بھی الجھ گیا۔

"میں.... میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"واٹ؟" ہارون کو گویا سو والٹ کا کرنٹ چھو گیا۔

"ہوش میں تو ہیں آپ محترمہ؟ اب جبکہ مہندی کا فنکشن ہو چکا' کل بارات ہے۔ اس اچانک ڈرامہ بازی کا مقصد پوچھ سکتا ہوں؟" زہر خند لہجہ اسے خوف زدہ کر گیا تھا۔

"آپ میرے بابا کو کال کر کے منع کر دیں بس۔" وہ مریل سی آواز میں بولی۔

"سوری مس یہ سب میں نہیں کر سکتا' بس۔" وہ اسی کے انداز میں بولا تھا۔

"اپنے اور آپ کے پیرنٹس کو اتنا شدید صدمہ وہ بھی شادی سے ایک رات پہلے.... یہ میں کبھی نہیں کر سکتا۔" انتہائی سرد لہجے میں کہا گیا۔ گفتگو کے آغاز میں جو تھوڑی سے نرمی لہجے میں تھی' اب مفقود ہو چکی تھی۔

"مگر میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ زچ ہوئی۔

"مگر میں آپ ہی سے شادی کروں گا۔" یہ کہہ کر اس نے سیل آف کر دیا۔ اسے تو دانتوں پسینہ آگیا۔

"علینہ وہ میرے ساتھ بہت برا کرے گا۔"

"کچھ نہیں ہونے والا یار! میں نے ایک مووی دیکھی تھی' اس میں لڑکی...." وہ جانے کیا بول رہی تھی۔ مگر یہ اس کی بات سن کہاں رہی تھی۔ دل تھا کہ کسی طور سنبھلنے میں نہیں آرہا تھا۔

"اوہ گاڈ! یہ میں نے کیا کر دیا؟ مجھے ہارون کو فون نہیں کرنا چاہیے تھا۔" مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ڈھولک کی تھاپ اور گیتوں کی آواز اسے مزید پریشان کر گئی۔

"تجھ کو دلیس پیا کا بھائے' تیرا پیا تیرے گن گائے"

✡ ✡ ✡

"حور جوس پی لو۔" زرینہ خالہ کی بیٹی صوفیہ آپی اسے گلاس تھما کر گئی تھیں۔ اس نے بے دلی سے سائیڈ پہ رکھ دیا۔ اتنے اپنے لوگوں کے درمیان وہ خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی۔ بارات آچکی تھی۔

"حور! کم آن یار' کچھ نہیں ہونے والا۔" اس کے سرد پڑتے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے علینہ اسے تسلی دے رہی تھی۔

"سنبھالو خود کو' اینڈ بی بریو۔" نکاح نامے پر سائن کرتے اس کے ہاتھ' چند ساعتوں کے لیے رکے تھے۔

ہر طرف مبارک' سلامت کا شور اٹھا تھا۔ اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ علینہ اور صوفیہ آپی اسے اسٹیج کی طرف لے کر جا رہی تھیں۔ اس کی نظریں بس ایک پل کو اٹھی تھیں' یونانی دیوتاؤں جیسی آن بان لیے' وہ شخص اس کے احترام میں کھڑا تھا۔ مگر نگاہوں کی سرد مہری اس کے غصے کا پتا دے رہی تھی۔

"کاش میں نے اسے فون نہ کیا ہوتا۔" وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

"ثانی ٹھیک کہتی ہے' ہے تو یہ بہت حسین اور مغرور بھی لگ رہی ہے۔ محترمہ کو اچھا سبق سکھاؤں گا۔" دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ پھر دودھ پلائی کی رسم ہوئی اور ہارون نے منہ مانگی رقم دی تھی۔ حالانکہ علینہ نے تو اچھا خاصا جھگڑا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"بھئی میں دلہن کی اکلوتی بہن ہوں' آپ یہ رقم مجھے دیں۔" اس کی بات پہ حور کی سب کزنز حیران ہوئیں۔

"ہماری انفارمیشن کے مطابق تو دلہن اکلوتی بہن ہیں۔" ہارون نے فوراً کہا۔

"میں حور کی بیسٹ فرینڈ ہوں۔" علینہ ناک بھوں چڑھا کر بولی۔ جبکہ حوریہ کو اس پہ غصہ آرہا تھا۔

"پہلے ہی کتنا غلط کر چکے ہیں ہم' یہ مزید بات بڑھا رہی ہے۔" وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"ارے آپ ان کی دوست ہیں' پھر تو یقیناً" آپ بھی بہت بہادر ہوں گی۔ چلیں آپ کو آپ کی بہادری کا انعام دیتے ہیں۔" اس کی بات اور تو کسی کے پلے نہ پڑی' ان دونوں کو خوب سمجھ آرہی تھی۔ پھر اس نے واقعی علینہ کو بھی پیسے دیے تھے۔ حوریہ کو بہت برا محسوس ہوا تھا۔ مگر وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ علینہ

www.Paksociety.com

البتہ بہت خوش تھی۔
رخصتی کے وقت وہ خوب روئی تھی اور اپنے ساتھ باقی سب کو بھی رلا رہی تھی۔
"بابا... مجھے آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا۔" وہ ان کے گلے لگی روئے چلی جا رہی تھی۔ کچھ فاصلے پہ کھڑا ہارون نظریں پھیر کر ان سب کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے موبائل کی ٹون آن ہوئی تھی' وہ کال ریسیو کر کے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس' خوب صورت ٹائی' کف لنکس اور اپنی بھرپور مردانہ وجاہت کے ساتھ ہلکا سا مسکراتے ہوئے فون پہ جانے کیا بات کر رہا تھا۔ سب لوگ حور کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔ جبکہ علینہ بھی اس کی ڈیشنگ پرسنالٹی سے امپریس ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

تھکا دینے والی رسموں کے بعد ثانیہ (ہارون کی بہن) اور ماموں زاد شہلا اسے ہارون کے بیڈ روم میں پہنچا گئی تھیں۔ اندر قدم دھرتے ہی اسے اداسی نے گھیر لیا۔ کارپٹ پر پھولوں کی پتیاں بچھائی گئی تھیں۔ بیڈ پر خوب صورت پھولوں سے دل شیپ بنی ہوئی تھی۔ ایک ایک چیز اپنے مالک کی نفاست پسند طبیعت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ سامنے دیوار پر ہارون کی تصویر لگی ہوئی تھی۔
"علینہ نے بتایا تھا خوب صورت مرد بہت ظالم ہوتے ہیں۔" ہارون کی تصویر دیکھ کر وہ آنے والے وقت کے متعلق سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ دروازے پر کھٹکا ہوا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی' سر مزید جھک گیا۔ وہ دھیرے دھیرے اس کی جانب بڑھا تھا۔ اسے اپنے حواس گم ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ آخر کار وہ بیڈ پر عین اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل ہاتھوں' پیروں میں دھڑکنے لگا۔ ہارون نے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر اونچا کیا۔ اس نے خوف سے آنکھیں موند لیں۔ ہارون نے دوسرے ہاتھ سے بازو پکڑ کر جھٹکا دیا تھا۔ جھٹ سے آنکھیں کھل گئی تھیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں جس سرد مہری سے دیکھ رہا تھا' خوف کی ایک لہر حور کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔
"آپ تو بہت بہادر ہیں' بڑا دل گردہ ہے آپ کا۔ کمزور تو میں ہوں کہ جس کو لڑکی نے ٹھکرایا' مگر پھر بھی اسی سے شادی کیے بیٹھا ہوں۔ کس سے خوف زدہ ہیں آپ؟ ریلیکس۔" وہ طنز کے تیر چھوڑ رہا تھا۔
"ذرا سوچیں! اگر میں شادی سے انکار کرتا تو کیا حال ہوتا آپ کے پیرنٹس کا؟ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔" ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ مگر یہ بات اسے اب سمجھ آئی تھی۔ اس کا تو خیال تھا کہ ہارون اس کا برا حشر کر دے گا' مگر یہاں وہ کچھ اور ہی کر رہا تھا۔ اسے شرمندگی اور دکھ نے آن گھیرا۔
"کیا تعلیم نے آپ کو یہی شعور و آگہی عطا کی ہے کہ اپنے سے جڑے دوسرے تمام رشتوں کا احترام و لحاظ بھول جائیں۔"
"وہ... میں تو یہ سب اپنی..." وہ اٹک اٹک کر بولنے لگی۔
"مجھے اب آپ کی کوئی بات نہیں سننی' آپ پلیز خاموش ہو جائیں۔" اس نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔ اسے رونا آنے لگا' آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ اسے پچھتاووں نے گھیر لیا۔ وہ باہر نکلا تو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے زار و قطار رو رہی تھی۔
"یہ شوق پھر کبھی پورا کر لیجیے گا' ابھی اٹھ کر چینج کر لیں۔" اس کی آواز سن کر وہ فوراً سیدھی ہوئی۔ دونوں ہاتھوں سے رخساروں پر پھسلنے والے آنسوؤں کو رگڑتے وہ بیڈ سے اٹھ گئی۔ لباس تبدیل کر کے آئی تو ہارون کو کسی گہری سوچ میں مستغرق پایا۔ وہ کترا کر دوسری طرف جانے لگی کہ اس نے کلائی تھام لی۔
"بیٹھو یہاں۔" اسے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا' وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کا ہاتھ تھام کر ڈائمنڈ رنگ پہنادی' وہ ششدر رہ گئی۔
"مجھے آپ سے..."
"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی' میں اس رشتے

کو اپنی پوری ایمانداری سے نبھاؤں گا' مگر تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" یہ کہتے ہی اس نے تمام لائٹس آف کر دی تھیں۔

☆ ☆ ☆

ریسپشن پر اس کی فیملی کے ساتھ علینہ بھی آئی تھی۔
"کیا ہے اتنی بجھی ہوئی کیوں ہو؟" وہ ایسے پوچھ رہی تھی جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہو۔
"یار! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی' وہ کسی طور مجھے معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں۔" علینہ کو بتاتے ہوئے وہ رو دی۔
"دفع کرو تم' بس زیادہ سر پر مت چڑھانا اسے۔ مردوں کی تو عادت ہوتی ہے عورت پر حکمرانی کرنے کی' عورت کا کانفیڈنس انہیں کہاں اچھا لگتا ہے۔"
"نہیں علینہ مجھے نہیں لگتا کہ وہ ایسے ہیں' میرا خیال ہے اگر کل میں انہیں فون نہ کرتی تو حالات میرے لیے اچھے ہوتے۔" اس کی آواز میں پچھتاوے بول رہے تھے۔
"اونہہ... یہ سب تمہاری خام خیالی ہے۔ ابھی کچھ دن اس کے ساتھ گزارو۔ پھر تم کو اندازہ ہو گا میں غلط نہیں کہہ رہی تھی۔"
"انہوں نے میری کوئی بات نہیں سنی۔" وہ بہت افسردگی سے کہہ رہی تھی۔
"نہیں سنتا تو زور زور سے چیخو چلاؤ' خود ہی سن لے گا۔" ایک نیا مشورہ دیا۔
"انہوں نے میری بات سننے سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ میں تو ایکسکیوز کرنا چاہتی تھی۔" وہ مزید گویا ہوئی۔
"تو تم کو کہا کس نے تھا یہ حماقت کرو۔ بس کوئی ضرورت نہیں ہے معافیاں مانگنے کی۔" اسی وقت ہارون کی ممی وہاں آ گئیں تو علینہ خاموش ہو گئی۔
"بیٹا آپ کو کچھ چاہیے تو بتائیں۔" وہ حوریہ سے مخاطب تھیں۔ جس کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پڑے تھے۔ مگر اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ تھا۔
"نو تھینکس آنٹی۔" وہ دھیرے سے بولی۔
"آنٹی کوئی کام ہے تو مجھے بتائیں۔" علینہ لگاوٹ سے بولی۔
"نہیں بیٹا! تھینکس ہال میں کام تو کچھ بھی نہیں ہے کرنے کو' آپ بس حور سے باتیں کرو۔" وہ وہاں سے چلی گئیں۔
"بیٹا آپ کو کچھ چاہیے تو بتائیں۔" علینہ ان کے جاتے ہی نقل اتار کر بولی۔
"اونہہ... ڈرامہ باز عورت۔" جانے اسے اتنا غصہ کس بات پر آ رہا تھا۔
"علینہ کیا ہو گیا ہے' انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تم اس طرح بات کر رہی ہو؟"
"یار یہ جو ساس ٹائپ چیزیں ہوتی ہیں نا' ان کو زیادہ سر پہ نہیں چڑھاتے۔" وہ اپنے نادر مشوروں سے نواز رہی تھی' وہ خاموش بیٹھی رہی۔

☆ ☆ ☆

رسم کے مطابق دو دن امی کے گھر رہ کر آج وہ واپس آ گئی تھی۔ ہارون اسے گھر ڈراپ کر کے اپنے ضروری کام سے چلا گیا تھا۔ دونوں کا سامنا رات کے کھانے پر ہوا تھا۔
"ہارون' ہنی مون کا کیا پلان ہے آپ کا؟" ممی کے سوال پر اس نے نظریں اٹھا کر ہارون کو دیکھا۔ وہ پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا چکا تھا۔
"ممی! ابھی تو میں بہت بزی ہوں۔" گلاس واپس رکھتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔
"بیٹا' کام تو ساری زندگی ہوتے رہیں گے اور پھر ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ آپ کام میں الجھ جاؤ۔" انہوں نے ایک نظر حور کو دیکھا جو بالکل خاموش تھی۔
"آپ کی بات بھی ٹھیک ہے' مگر آج کل ایک بہت امپورٹنٹ کیس چل رہا ہے۔ اسے چھوڑ کر جانا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" اپنی بات کہہ کر وہ کھانے میں مصروف ہو گیا۔

www.Paksociety.com

"حور بیٹا آپ کیا کہتی ہیں اس بارے میں؟" انہوں نے اچانک سوال کیا تو وہ گھبرا گئی۔

"میں..... ممی' میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ یہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔"

"ارے! تم کیوں نہیں کچھ کہہ سکتیں؟ بھئی تم دھونس جماؤ' ضد کرو' اس سے اپنی بات منوانے کے لیے۔" وہ اس وقت ساس سے زیادہ اس کی اپنی ماں لگی تھیں۔

"جی ممی۔" وہ بس اتنا کہہ سکی۔

"ہاں... وہ ہارون آپ کی پھپھو دعوت کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں تو کچھ ٹائم دو۔"

"ممی ابھی تو بہت تھک گیا ہوں' اس ٹاپک پہ پھر بات ہو گی۔ ثانی ایک کپ کافی میرے کمرے میں دے جاؤ۔" بہن کو مخاطب کر کے کہا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

"واہ! لوگ بھائی کی دعوت کرنے کے لیے ٹائم بھی ان سے لیتے ہیں۔" ثانی ہنس رہی تھی۔ حور کچھ دیر بیٹھی ممی سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی' پھر روم میں آ گئی۔

ہارون لیپ ٹاپ آن کیے کوئی ضروری کام کر رہا تھا۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور میگزین اٹھا لیا۔ مگر دھیان مسلسل اسی کی طرف تھا۔ جبکہ وہ اسے مسلسل نظرانداز کر رہا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ کمرے میں کوئی نہیں ہے۔

"سنیں۔" وہ اس کی طرف مڑی۔

"میری خالہ جان' ہمیں دعوت پہ....."

"مجھے کسی دعوت میں نہیں جانا۔" اس نے بات مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دی تھی۔

"مگر میں کیا کہوں گی انہیں؟"

"یہ تمہارا ہیڈک ہے۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"میرا اور آپ کا ہیڈک کیا الگ ہے؟" اسے شدید صدمہ پہنچا تھا۔

"اسے تم نے الگ کیا ہے۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" اسی وقت ثانیہ ناک کر کے اندر آئی۔

"لیجیے جناب گرما گرم کافی۔" اس نے دونوں کو کپ پکڑائے اور واپس چلی گئی۔

"اور پلیز۔" اس نے لیپ ٹاپ سے نظریں اٹھائیں۔

"ممی کے سامنے مظلوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ظالم میں نہیں' ظالم آپ ہیں۔" وہ کسی طور معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"میں نے کیا مظلومیت دکھائی ہے ممی کو؟" اسے ہارون کی بات بری لگی۔

"ہنی مون کی بات پر آپ کہہ سکتی تھیں کہ ابھی ہمارا ارادہ نہیں ہے یا کچھ بھی اور....."

"میں کیوں جھوٹ بولتی؟ جبکہ میری اس ٹاپک پہ آپ سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔"

"جن کی ساری زندگی ہی جھوٹ پر عبارت ہو' وہ ایک جھوٹ بولتے ہوئے اتنا گھبراتے ہیں' مجھے معلوم نہ تھا۔"

"میں نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا' پھر بھی آپ جو کہہ رہے ہیں میں سن رہی ہوں۔ کیونکہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور اسی لیے....."

"واٹ۔" وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

"اسے آپ غلطی کہتی ہیں؟ یہ بہت بڑی زیادتی ہے' ظلم ہے' وس از سوان فیر۔" غصے سے اس نے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کر دیا۔

"میں آپ سے معافی....."

"اسٹاپ اٹ۔" وہ سخت طیش میں آ گیا۔ غصے میں آ کر تمام لائٹس آف کر کے وہ لیٹ گیا۔ اس نے کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ دوسری طرف ہارون کی کافی بھی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"علینہ میں بہت ٹینشن میں ہوں۔" آج کافی دن بعد وہ اس سے بات کر رہی تھی۔

"میں نے کہا تھا تمہیں' سر پر مت چڑھاؤ اسے۔ یقیناً تم نے کوئی گڑبڑ کی ہو گی۔"

"میں کیا کروں؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا' بات سنوارنے کی کوشش کرتی ہوں تو مزید بگڑ جاتی ہے۔" وہ مایوسیت سے بولی۔

"تم اس سے بات کرنا چھوڑ دو' خود ہی عقل ٹھکانے آ جائے گی موصوف کی۔"

"مگر ایسے تو میرے گناہوں میں اضافہ ہو گا اور تو کچھ حاصل نہیں ہے۔"

"تو پھر ثواب کمانے کا ایک طریقہ ہے' آج جب وہ آفس سے آئے تو اس کے پاؤں میں گر پڑنا' معافی مانگنا' ہاتھ بھی جوڑ دینا' یار! قسم سے بہت ثواب ملے گا تمہیں۔" اس کا انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔ چند ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

ثانیہ کو شاپنگ کرنی تھی۔ وہ اسے بھی ساتھ لے گئی۔

"چلیں بھابی آپ بھی میرے ساتھ' مزا آئے گا۔" وہ انکار نہ کر سکی' سو خاموشی سے تیار ہو گئی۔ ڈرائیور کی بیوی بیمار تھی' وہ چھٹی لے کر گیا ہوا تھا۔ ہارون آج اتوار کی چھٹی کی وجہ سے گھر پر تھا۔ اس لیے ان دونوں کو شاپنگ کے لیے لے گیا۔ یہاں آ کر حوریہ کو اندازہ ہوا کہ وہ بہن سے کتنی محبت کرتا ہے۔ وہ جس چیز پر ہاتھ رکھ رہی تھی ہارون وہ چیز فوراً خرید رہا تھا۔

"ثانی یہ سوٹ دیکھو کتنا زبردست ہے۔ مجھے لگتا ہے تمہیں یہ لے لینا چاہیے۔" ثانی جو کہ بڑے ذوق و شوق سے ایک کے بعد دوسرا سوٹ دیکھ رہی تھی۔ حوریہ کی آواز پر مڑی۔

"ارے! زبردست بھابی' بس یہ آپ کے لیے پیک کروا لیتے ہیں۔" ڈیپ ریڈ کلر کا فراک اور چوڑی دار پاجامہ' ثانی نے ہارون کو کہہ کر اس کے لیے پیک کروا لیا۔ ایک سوٹ وہ اپنی پسند سے اس کے لیے خرید چکا تھا۔ اسے عجیب سا محسوس ہوا۔

"بھابی اب آئس کریم کھائیں؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے ہارون کی سمت دیکھا تھا۔ وہ انہیں لیے قریبی آئس کریم پارلر تک آ گیا۔

"بھائی' بھابی بہت کم بولتی ہیں۔" آئس کریم کھاتے ہوئے اس نے اچانک سوال کیا۔

"ہوں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"بھائی اب تو مجھے لگتا ہے آپ بھی بولنا بھولتے جا رہے ہیں۔" وہ شرارت سے بولی۔

"ثانی! جلدی سے آئس کریم ختم کرو' ممی گھر پر اکیلی ہوں گی۔" ہارون نے اسے خاموش کروا دیا۔

گھر آتے ہی ہارون تو ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔ ثانی ممی کو شاپنگ دکھا رہی تھی۔

"حور نے بس یہ دو سوٹ خریدے ہیں؟" ہارون نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر ادھر دیکھا' جہاں ثانی سب کچھ پھیلا کر بیٹھی تھی۔

"یہ بھی میں نے اور ثانی نے لے کر دیے ہیں۔ خود یہ تو کچھ نہیں لے رہی تھی۔" ہارون نے انہیں بتایا۔

"اس نے نہیں کہا تو آپ خود شاپنگ کروا دیتے۔" ممی الٹا اسی کو کہنے لگیں۔

"نہیں ممی اتنا سب کچھ تو ہے میرے پاس' جب کچھ چاہیے ہو گا میں ان سے کہہ دوں گی۔" اس نے ہارون سے خائف ہو کر کہا۔ جانتی تھی وہ ناراض ہو گا۔

"ہارون آپ کل جلدی آنے کی کوشش کرنا اور حور کو شاپنگ کے لیے لے جانا۔"

"جی ممی۔" وہ سنجیدگی سے کہتا وہاں سے اٹھ گیا۔ مگر ثانیہ کی آواز اسے صاف سنائی دے گئی تھی۔

"بھابی آپ یہ دو سوٹ بھی رکھ لیں۔" مگر اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد اٹھ کر روم میں آ گئی۔

"دیکھا میرے گھر والوں کو۔" وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"ہم اپنے سے جڑے رشتوں کا یوں ہی خیال رکھتے ہیں۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اپنا رویہ درست کرو' میں نہیں چاہتا ممی یا ثانی کو ہمارے درمیان کسی قسم کے تناؤ یا ناراضی کا اندازہ

www.Paksociety.com

ہو۔"

"اوکے۔" اس نے بات ہی ختم کرڈالی۔

☼ ☼ ☼

دن بہت روکھے پھیکے گزر رہے تھے۔ علینہ کی شادی حیدر آباد میں ہوئی تھی۔ وہ بھی دور جاچکی تھی۔ حور خرابی طبع کے باعث شادی میں شرکت نہ کرسکی۔ ہارون یوں تو ہر طرح سے اس کا خیال رکھتا تھا۔ مگر وہ صرف رشتہ نبھا رہا تھا۔ حوریہ کو تو یوں ہی لگ رہا تھا۔

"انہیں میری کوئی پروا نہیں ہے۔" یہ بات اسے اندر سے ختم کررہی تھی۔ آج شام سے طبیعت بہت بوجھل اور اداس تھی۔ رات وہ دیر سے گھر آیا۔ اس کا ضبط جواب دے گیا۔

"ایسا کب تک چلے گا آخر؟" اسے دیکھتے ہی بولنا شروع ہوگئی اس کا ضبط جواب دے چکا تھا۔

"سوال 'جواب مت کیا کرو۔" وہ صوفے پر بیٹھا شوز اتار رہا تھا۔

"آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ پاگل کردیں گے مجھے' اب اور برداشت نہیں ہوتا مجھ سے۔" اس کی آواز مزید اونچی ہوگئی۔

"سب کچھ نارمل ہے ہمارے درمیان' فضول کی سوچوں سے دماغ مت خراب کرو اپنا' تمہاری صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔"

"آپ کو کب سے فکر ہونے لگی میری؟" اس کا انداز استہزائیہ تھا۔

"آپ کی بلا سے میں جہنم میں جاؤں۔" وہ رونے لگی۔

"یہ تمہاری سوچ ہے' میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا صوفے سے اٹھ گیا۔

"آپ اتنے ظالم کیوں ہیں؟ میرا جرم اتنا بڑا تو نہیں ہے۔ ہزار بار معافی مانگ چکی ہوں۔ اب اور اس کے علاوہ کیا کروں؟" وہ بے بسی کی انتہاؤں پر تھی۔

"کیا ظلم کیا ہے تم پر؟ کون سی ضرورت — پوری نہیں کرتا؟ مارتا ہوں' گھر کے کام کرواتا ہوں؟ بتاؤ۔"

"آپ... آپ نے مجھے بے سکون کردیا ہے۔ میری زندگی کو عذاب بنا دیا ہے۔ مزید برداشت نہیں کرسکتی میں' دم گھٹنے لگا ہے میرا۔" وہ ہانپنے لگی تھی۔ شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے وہ فوراً" مڑا۔ پھر تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"یہ پانی پی لو۔" گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"مجھے امی کی طرف جانا ہے۔" پانی کے گلاس کو یکسر نظرانداز کردیا۔

ہارون تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"ابھی نہیں' ڈلیوری کے بعد چلی جانا۔"

"مجھے ابھی جانا ہے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"ایمرجنسی کی صورت میں اسپتال کیسے جاؤ گی؟"

"یہ آپ کا ہیڈک نہیں ہے۔" اس کا انداز سپاٹ تھا۔

"کیا میرے اور تمہارے ہیڈک الگ ہیں۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ آپ ہی نے کہا تھا۔" اس کے جواب پر وہ لب بھینچ کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن وہ ممی کو ساتھ لے کر بابا کے گھر آگئی۔ ممی کو یہ کہہ کر مطمئن کردیا کہ ہارون کہہ رہے تھے۔ "ممی کے ساتھ چلی جانا" امی' بابا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"ہارون بیٹا نہیں آیا؟" بابا پوچھ رہے تھے۔

"وہ مصروف تھے' اسی لیے تو میں ممی کے ساتھ آئی ہوں۔" انہیں مطمئن کرنے کے لیے جھوٹ بولنا پڑا۔ رات کھانے کے بعد امی' بابا سے باتیں کرتی رہی۔ پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ امی نے ہر چیز کو ویسے ہی سلیقے سے رکھا ہوا تھا جیسے اس کی شادی سے پہلے تھی۔ "علینہ کو کال کرتی ہوں۔" وہ موبائل فون لے کر بیڈ پر آبیٹھی۔

"کیسی ہو علینہ؟" اداسی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"ایک دم فرسٹ کلاس' اور تم سناؤ' تمہارا ایس پی کیسا ہے؟" شرارت سے پوچھا۔

"میں اس کا گھر چھوڑ آئی ہوں۔" اس نے گویا بم پھوڑا' مگر وہ پرسکون رہی۔

"ویری گڈ' وہ بندہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ تم جیسی لڑکی اس کے ساتھ رہے۔"

"میں کیا کروں؟ دل اتنا اداس ہورہا ہے۔"

"یار! تم سیدھے سبھاؤ اسے کہو۔ مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔ بچے کی محبت میں فوراً" معافی مانگنے بھاگا نہ آیا تو کہنا۔"

"اوکے حور! پھر بات کروں گی' باسط بلا رہے ہیں۔" فون بند ہوچکا تھا۔ اسی وقت ہارون کی کال آگئی۔

"منع کیا تھا میں نے تمہیں کہ ابھی مت جاؤ' مگر تم پر تو کسی بات کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔" وہ بہت غصے میں تھا۔

"آپ کو میرے ادھر رہنے یا ادھر ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ خود بھی کچھ دن سکون سے گزاریں اور مجھے بھی چین سے رہنے دیں۔"

"اب تم سکون سے گزارو اپنی زندگی' میں تم کو کبھی بھی لینے نہیں آؤں گا۔"

"اور میں دوبارہ وہاں آؤں گی بھی نہیں' آپ آیئے گا بھی مت مجھے لینے۔"

"اوکے۔" وہ چند ثانیے کو رکا۔

"ایسا چاہتی ہو تم؟ تو ٹھیک ہے مس حوریہ' ایک دفعہ پہلے تم یوں ہی میری تذلیل کرچکی ہو۔ تم نے شادی سے انکار کیا' مگر دو گھروں کی عزت بچانے کی خاطر میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرلیا۔ تمہاری نفرت اور بے زاری کے باوجود تمہیں اپنی زندگی اور گھر میں اہم مقام دیا۔ مگر اب کی بار ایسا نہیں کروں گا۔ چند دن لگیں گے مجھے طلاق کے کاغذات بنوانے میں اور..." اس سے آگے وہ سن نہ پائی تھی۔ موبائل فون ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جاگرا۔

"طلاق؟؟؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہارون مجھے... نہیں... نہیں..." اس کا دل گھبرایا تھا۔ جلدی سے دروازے تک آئی تھی کہ چکرا کر گر گئی۔ اس کی دلدوز چیخوں نے گھر کے درودیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

غصے میں آکر حوریہ سے وہ سب کہہ دیا تھا جو کہنے کا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ دل کو اب پچھتاوے گھیر رہے تھے۔

"کیوں کہا تم نے ایسا حور؟ تم کیوں میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں... ایک طرف تو تم مجھ سے معافی مانگتی تھیں اور اب یوں اچانک..." سوچ سوچ کر دماغ پھٹا جارہا تھا۔ بوجھل دل لیے وہ اگلے روز اسلام آباد کے لیے گھر سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"حوریہ کے بابا' ہارون کو اطلاع کردیں۔" رات اس کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ امی تو اسی وقت ہارون کو بلانا چاہتی تھیں۔ مگر بابا نے انہیں زحمت دینا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ بابا کوریڈور میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہے تھے۔ امی بینچ پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ جب ہارون کے گھر فون کیا۔ ممی تو فوراً" اسپتال پہنچ گئیں۔

"آپا میری بچی۔" وہ ان کے گلے لگ کر رو پڑی تھیں۔

"آپ اللہ سے دعا کریں' وہ سب کی سنتا ہے۔ ان شاء اللہ وہ اپنے پاؤں پر چل کر گھر جائے گی۔" انہیں تسلی دیتے ہوئے خود ان کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔

شدید ذہنی دباؤ کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ شام تک زندگی اور موت کی جنگ لڑتے ہوئے اس نے بچی کو جنم دیا تھا۔ مگر خود ہوش میں نہیں آرہی تھی۔

☼ ☼ ☼

www.Paksociety.com

اسلام آباد آتے ہوئے ممی اس پر خفا ہوئی تھیں۔

"ہارون تمہیں اس وقت حور کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ تمہیں معلوم ہے اس کی طبیعت کیسی ہے؟" ممی ناراضی سے بولیں۔

"ممی مجھے احساس ہے۔ مگر میں بھی مجبور ہوں۔"

"آپ اسے فون کرتے رہنا' جتنے دن وہاں رہو۔" ممی نے سمجھایا۔

"بہت برا کیا ہے تم نے میری ساری فیملی کے ساتھ۔ میری ماں اور بہن کے خلوص کی قدر نہیں کی تم نے' میں تمہیں۔۔۔" موبائل پہ بیپ ہوئی تھی۔ ممی کی کال تھی۔

"مبارک ہو ہارون! اللہ نے تمہیں بیٹی دی ہے۔" وہ بتا رہی تھیں ٹھنڈی ہوا کا لطیف جھونکا اسے چھو کر گزر گیا۔

"ممی۔۔۔ حور کیسی ہے؟" اسے سب سے پہلے اسی کا خیال آیا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی ناراضی دل و دماغ سے محو ہو گئی تھی۔

"بیٹا اس کی طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے۔ دعا کرو اس کے لیے۔" اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"حور کے والدین کو نہیں معلوم' میں ڈاکٹر سے اکیلے میں ملی تھی۔ اس نے بتایا ہے کہ اسے کوئی بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ وہ مینٹلی اپ سیٹ ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کس بات نے اسے اتنا پریشان کیا کہ اس کی حالت اتنی خراب ہو گئی۔" وہ بہت فکرمند تھیں۔

"ممی آپ پریشان مت ہوں۔ میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ آپ مجھے اس کی طبیعت کا بتاتی رہیے گا۔" انہیں تسلی دے کر فون بند کر دیا۔ مگر خود کو کسی پل چین نہیں تھا۔

"کیا میری باتوں نے اس کی طبیعت خراب کی ہے؟" ہر چیز سے دل اچاٹ ہو رہا تھا۔ ذہن میں ایک ہی بات آ رہی تھی۔

"اگر اسے کچھ ہو گیا۔"

☆ ☆ ☆

اگلے دن اسے ہوش آ گیا تھا۔ بابا فوراً اس کا صدقہ دینے چلے گئے۔ امی اس کے پاس بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے ممی کو دیکھ رہی تھی' جو گلابی کمبل میں لپٹے ننھے سے وجود کو پیار کر رہی تھیں۔

"ہارون بس کل پرسوں تک آ جائیں گے' تمہاری طبیعت کی خرابی کا ___ معلوم نہ تھا۔ وہ پہلے ہی اسلام آباد جا چکے تھے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

"آپ کو کیا معلوم ممی' آپ کا بیٹا اب میری موت کا پروانہ لے کر ہی آئے گا۔" اس نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر تکیہ بھگونے لگے۔

☆ ☆ ☆

اسے گھر آئے دو دن ہو چکے تھے۔ وہ خود آیا نہ فون کیا۔ البتہ ثانیہ اور ممی اسے اور پری کو دیکھنے باقاعدگی سے آ رہی تھیں۔ اس کی بیٹی کو پری بھی ثانیہ نے کہنا شروع کیا تھا۔

"بھابھی یہ کتنی پیاری ہے۔" وہ جب سے آئی تھی اسے گود میں اٹھا کر بیٹھی تھی۔

"میں نے تو اس کا نام بھی سوچ لیا ہے' پری۔" اس کی بات پر حور دھیما سا مسکرا دی۔

"ویسے بھائی تو کہہ رہے تھے وہ خود اس کا نام رکھیں گے۔ ان کے آنے تک ہم اسی نام سے کام چلاتے ہیں۔"

"کب بات ہوئی تمہاری ان سے؟" وہ سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"تقریباً" ڈیلی ہوتی ہے۔ آپ کے لیے تو بہت پریشان ہیں' کہہ رہے تھے کل' پرسوں تک آنے کی کوشش تو کریں گے۔ آپ کی بات نہیں ہوتی بھائی سے؟" اسی وقت پری نے رونا شروع کر دیا۔ ثانی اپنا سوال بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"پری' مت رو' آپ کے پاپا ابھی آ جائیں گے۔"

نی اسے یوں تسلیاں دے رہی تھی جیسے کہ وہ اس کی ت سمجھ بھی رہی ہے اور شاید رو بھی اپنے پاپا کے لیے ہی ہے۔ اس کی بات پر حوریہ کا دل بھر آیا۔

"ظالم شخص! بیٹی کی محبت میں ہی چلا آتا۔ مجھ سے راضی ہے' بیٹی سے کیا لڑائی ہے؟ لیکن اسے تو شاید کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ بیٹی کا سن کر ہی دل میں تھوڑی سی گنجائش پیدا کر لیتا۔" ممی اور ثانیہ جا چکی تھیں۔

"آخر کب تک چلے گا یہ ڈرامہ؟ کبھی نہ کبھی تو سب کے سامنے حقیقت آئے گی۔" سوچ سوچ کر ماغ شل ہو رہا تھا۔ امی' بابا' ممی اور ثانیہ سب اس کا بے حد خیال رکھ رہے تھے۔ مگر وہ اندر سے ٹوٹ رہی تھی۔

"اتنی محبت کرنے والے لوگوں کو جب اس رشتے کی اصلیت اور حقیقت معلوم ہو گی تو کیا حشر ہو گا سب کا۔" وہ جا کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی۔ شام کے سائے صحن کی دیواروں پر پر پھیلا رہے تھے۔ دل بہت اداس رہا تھا۔ سامنے کچھ پتے ٹوٹ کر درختوں سے گر رہے تھے۔ وہ علینہ کو کال کرنے لگی۔

"ہیلو! ہائے حور' کیسی ہو؟" علینہ بشاشت سے لی۔

"علینہ۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ارے۔۔۔ رے۔۔۔ کیا ہوا؟" وہ تھوڑی سی پریشان ہوئی۔

"ایوری تھنگ از اوکے نا؟" وہ تشویش سے پوچھنے لگی۔

"وہ اپنی بیٹی کی پیدائش پر بھی نہیں آئے۔" وہ شروع سے ہی اپنی ہر بات علینہ سے شیئر کرتی تھی۔ والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ بہن' بھائی کی کمی' کبھی علینہ نے محسوس نہیں ہونے دی۔ دونوں کی دوستی سکول میں ہوئی تھی۔ پھر کالج اور یونیورسٹی میں اکٹھے ہنے کے بعد بھی دونوں کا ایک دوسرے کی طرف جانا معمول ہی بن گیا تھا۔

"یار! تمہاری بیٹی آ گئی' تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ تمہیں چاہیے تھا سب سے پہلے مجھے بتاتیں۔ آخر کو ماہ دولت اکلوتی خالہ ہیں۔" وہ شوخی اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"بس یار تمہیں ہی بتا رہی ہوں اور تو کسی کو میں نے خود نہیں بتایا۔ ایکچوئلی میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔" افسردگی سے کہا۔

"سنو! حور جانو میں تم کو ابھی کال بیک کرتی ہوں' باسط آ گئے ہیں۔"

"علینہ سنو تو۔" مگر وہ فون بند کر چکی تھی۔ اس نے کھڑکی کے پٹ سے پیشانی ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اس وقت وہ بہت زیادہ ٹینشن میں تھی۔ کوئی کندھا نہیں تھا جس پر سر ٹکا کر کب کے ضبط کیے ہوئے آنسو بہا لیتی۔

"یہ علینہ کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟ جب بھی اس کو فون کرتی ہوں ٹھیک سے بات نہیں کرتی ہے۔ باسط بھائی شاید اسے مجھ سے بات کرنے سے منع کرتے ہیں' جبھی تو ان کے آنے پر فوراً" فون بند کر دیتی ہے۔" وہ شدید قنوطیت کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ تو علینہ سے اپنا دکھ کہنا چاہتی تھی' مگر اس نے تو اس کی بات کو اہمیت دینا گوارہ نہ کیا تھا۔ آرام سے فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"یاہو! بھیا آ گئے۔" ثانیہ نے اسے دیکھ کر نعرہ لگایا۔

"کیسی ہو ثانی؟" وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دم زبردست' آخر کو ماہ دولت پھپھو بن گئی ہیں۔" وہ جوش سے بولی' ہارون مسکرا دیا۔ ثانی بھائی کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔

"السلام علیکم ممی۔" انہیں سامنے سے آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو۔" وہ محبت پاش نظروں سے بیٹے کو دیکھے گئیں۔

"بھائی' پری کو لینے چلیں؟" ثانیہ تو اس ننھی گڑیا

www.Paksociety.com

کو گھر لانے کے لیے بے چین تھی۔

"ثانی ابھی بھائی تھک کر آئے ہیں' آرام تو کرنے دو۔" ممی نے اسے ٹوک دیا۔

"بیٹا آپ فریش ہو جائیں' میں چائے بنواتی ہوں۔" ممی کچن میں جا چکی تھیں۔ ثانی منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"ابھی ہم اپنی پری کو گھر لے آئیں گے ثانی' ڈونٹ وری۔" وہ اس کے سر پر پیار دے کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور جب وہ فریش ہو کر ہاتھ میں گاڑی کی چابی گھماتا باہر جا رہا تھا' ممی پریشان ہو گئیں۔

"آتے ہی کہاں چل دیے؟"

"ممی' میں بس ابھی کچھ دیر میں آ رہا ہوں۔"

"مگر جا کہاں رہے ہو؟" انہیں تشویش ہوئی۔

"ڈونٹ وری' پرسنل کام سے جا رہا ہوں۔ ابھی آ کر آپ کو بتاتا ہوں۔" وہ خاموش ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل اپنی بیٹی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"کیسی ہو گی وہ ننھی گڑیا؟" بیٹی کے نام سے ہی دل میں ایک نرم احساس بے دار ہوا تھا۔ حوریہ کو معاف تو وہ بیٹی کی پیدائش کا سن کر ہی کر چکا تھا۔ مگر آج اپنے اور اس کے مابین تمام رنجشوں کو ختم کر کے اسے گھر لے آنا چاہتا تھا۔ اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی۔" حوریہ کی امی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

"بہت دن لگا دیے آنے میں۔" سلام کا جواب دے کر وہ عام سے انداز میں کہتی اسے شرمندہ کر گئیں۔

"معذرت چاہتا ہوں آنٹی۔ میرا جانا بہت ضروری تھا۔ لیکن اگر مجھے حوریہ کی کنڈیشن کا پہلے معلوم ہو جاتا تو میں ادھر رکنے کی پوری کوشش کرتا۔" وہ وضاحت دینے لگا۔

"چلو' اب تو آ ہی گئے ہو۔" وہ اس کی شرمندگی کو بھانپ گئی تھیں۔

"کدھر ہے حوریہ؟" اس نے پوچھا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہے' میں بلاتی ہوں۔"

"نہیں میں وہیں جا رہا ہوں۔" وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ہارون کی چال میں مستی تھی۔ کوریڈور میں مدھم روشنی تھی۔ اس نے کمرے کی ناب کو پکڑ کر گھمایا تھا۔ اس نے اندر قدم رکھنا ہی چاہا تھا کہ اندر سے آواز نے اس کے قدموں کو وہیں روک دیا۔ وہ دم بخود کھڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

بہت دیر سے وہ یوں ہی کھڑکی سے سر ٹکائے کھڑی رہی تھی۔ اسے علینہ کے رویے نے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ اسی وقت علینہ کی کال آ گئی۔

"ہاں' اب بتاؤ تم کیا کہہ رہی تھیں؟" وہ فرصت سے بولی۔

"باسط بھائی کہاں ہیں؟" اس کے غیر متوقع سوال پہ علینہ حیران ہوئی۔

"اپنے دوست کی طرف گئے ہیں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہ الجھی تھی۔

"اوہ۔" اس نے لمبا سانس خارج کیا۔

"تو اسی لیے تم مجھے فون کر رہی ہو۔"

"یار! ایکچوئیلی باسط میرے لیے سنسیٹو ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مجھے کسی سے بات کرتے دیکھیں تو ناراض ہو جاتے ہیں۔" آخر میں فخریہ انداز سے بولی۔

"تم کو غصہ نہیں آتا؟" حور طنز سے بولتی اسے حیران کر گئی۔

"اب شوہر کی اتنی بات بھی نہ مانوں؟ اور پھر وہ غلط بھی نہیں کہتے۔"

"نہیں یار! میرا تو خیال ہے وہ غلط کہتے ہیں' تم انہیں سمجھایا کرو' ایسے ہی جیسے تم مجھے سمجھاتی ہو ہر بات۔" حور کے انداز اسے چونکا کر رکھ گئے۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ ذرا کھل کے کہو۔" وہ تیکھے سے بولی۔

"علینہ تم نے مجھے شادی سے پہلے ہارون کو فون کرنے کے لیے کیوں کہا؟" اسی وقت ہارون کے بڑھتے قدم وہیں رک گئے تھے۔

"اب سوچتی ہوں تو سب قصور اپنا ہی لگتا ہے۔ اگر میں تمہارے مشورے پر عمل نہ کرتی تو آج میں اور میری بیٹی یوں تنہا نہ ہوتیں۔" اس کی بات نے علینہ کو آگ لگا دی۔

"میری بات سنو حوریہ! میں نے تو صرف مشورہ دیا تھا' تمہاری عقل کہیں گھاس چرنے گئی ہوئی تھی۔ تم نہ کرتیں اسے منع اور جب وہ تم پر ظلم کرتا تو...."

"کون سے ظلم علینہ؟" وہ درشتی سے اس کی بات کاٹ گئی۔

"ہارون نے آج تک مجھ سے سخت لہجے میں بات نہیں کی' تم کس ظلم و تشدد کا ذکر کر رہی ہو؟ ان کا ظرف بڑا ہے جو مجھ سے شادی کر لی' اپنے گھر میں اتنا اہم مقام دیا' ان کی ممی اور بہن...."

"بس!" علینہ زور سے چلائی۔

"اگر اتنا ہی اچھا ہے تو پھر تم کو ٹینشن کس بات کی ہے؟ شادی کے بعد تم نے جب جب فون کیا رونے ہی دیتی ہو۔" وہ دوستی کے تقدس کو بھلائے بول رہی تھی۔

"ٹینشن اس بات کی ہے کہ تم نے کہا ان سے کہو۔ مجھے آپ کے ساتھ اب نہیں رہنا اور میرے کہنے پر انہوں نے کہہ دیا میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ دوسری طرف ہارون سب سمجھ گیا تھا۔

"تو کبھی کہتی ہو وہ بہت اچھا ہے' کبھی کہتی ہو تم کو طلاق.... تمہیں تو خود کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا قصوروار کون ہے؟ مجھے کیا کہتی ہو؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"میں نے سب کچھ تمہارے کہنے پر کیا تھا۔ مجھے گر انکار کرنا ہوتا تو پہلے کرتی۔ میرے پیرنٹس نے رشتہ مجھ سے پوچھ کر طے کیا تھا۔ میں تو اب.... ہارون سے محبت کرنے لگی ہوں۔ مگر تمہارے مشوروں نے...."

"شٹ اپ حوریہ۔" وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"انتہائی خود غرض ہو تم۔ میں نے ہمیشہ تمہارا ساتھ دیا۔ اس کا یہ صلہ دے رہی ہو' مجھ پر الزام لگا کر۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم اس قابل ہی نہیں تھیں تمہارے ساتھ جو ہو رہا ہے تمہاری کم عقلی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" اس کو ایک دم چکر آیا۔ وہ پیچھے مڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ گر پڑتی وہ کسی کی محفوظ پناہوں میں آ گئی تھی۔ ہارون نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلا کر سہارا دیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس سے موبائل پکڑ کر کان کو لگا لیا۔ دوسری طرف وہ مسلسل بول رہی تھی۔

"تمہارے لیے میرا یہی مشورہ ہے کہ اس اسٹوپڈ ایس پی سے ڈائیورس لے لو۔ تم اچھی خاصی ہو' کسی اچھی جگہ تمہاری شادی ہو سکتی ہے۔" ہارون کی برداشت جواب دے گئی۔

"حد ہے ڈھٹائی کی کہ آپ ابھی بھی مشورہ دینے سے باز نہیں آئیں۔ بہرحال بہت شکریہ آپ کے قیمتی مشوروں کا۔ مگر میرا حور کو ڈائیورس دینے کا اب یا پھر کبھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں کل بھی اس سے محبت کرتا تھا' آج بھی اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ آپ کے لیے میرا مشورہ ہے کہ فلمیں ذرا کم دیکھا کریں۔ اگر کرنے کو آپ کے پاس اور کچھ نہیں ہے تو چلیں دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر ان کو دوسروں کی زندگیوں میں اپلائی کرنے سے پرہیز کریں اور آخری بات۔" وہ کچھ دیر کے لیے رکا تھا۔ حور اس کے کندھے پر سر رکھے آنسو بہائے چلی جا رہی تھی۔ وہ ہاتھ سے اس کا سر تھپکنے لگا۔

"حور کی تو شاید کہیں اچھی جگہ شادی ہو سکتی ہے۔ مگر میرے لیے اس جیسی کوئی دوسری لڑکی نہیں ہو سکتی۔" اس کے ساتھ ہی اس نے موبائل آف کر دیا۔ حوریہ کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

"بس کرو حور۔" اس نے آہستگی سے اسے الگ کیا

www.Paksociety.com

تھا۔

"کیوں کیا اس نے میرے ساتھ ایسا؟" وہ روئے جارہی تھی۔

"میں تو اس کو سگی بہنوں کی طرح چاہتی تھی۔ اتنا غلط مشورہ دیا' زبردستی عمل بھی کروایا اور اب آرام سے کہہ دیا سب کچھ تمہاری کم عقلی کی وجہ سے ہوا۔" وہ آنسو رگڑتے ہوئے بولی۔ وہ اسے شانوں سے تھام کر بیڈ کی طرف لے آیا تھا۔ اسے بٹھا کر خود بھی سامنے بیٹھ گیا۔

"اس لڑکی کو شاید کوئی کومپلیکس ہے یا وہ خیالی دنیا میں رہتی ہے۔ جو مشورہ اس نے تمہیں دیا وہ کوئی ہوش مند انسان نہیں دے سکتا کسی کو۔ اگر میں بھی تم دونوں کی طرح امیچور ہوتا تو اسی رات شادی سے انکار کردیتا' یا اگر خود کو کسی افسانے کا ہیرو سمجھتا تو تمہیں مارتا پیٹتا' اپنے سے دور رکھتا۔ مگر حوریہ ڈیئر۔" وہ اس کے لیے پانی لے آیا تھا۔

"یہ ہماری زندگی ہے' اسے جینے کا ہنر بھی ہمیں خود سیکھنا چاہیے۔ یہاں ایک بات میں تمہیں یہ بھی کہوں گا کہ اپنا ریموٹ کبھی کسی دوسرے کے ہاتھ میں مت دو۔ وہ جیسے چاہے آپ کو کنٹرول کرتا پھرے' یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟" اس نے خالی گلاس سائیڈ پہ رکھ دیا۔

"یہ کیا کہ دوسرے آپ کو مشورہ دے رہے ہیں اور آپ اندھا دھند عمل بھی کرتے جارہے ہیں۔" وہ بہت سلیقے سے اس کی غلطی کی نشاندہی بھی کررہا تھا۔

"وہ میرے ساتھ اتنا برا کرے گی' میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔" اتنے برسوں کی دوستی اور علینہ پر اندھے اعتماد نے آج اسے بہت رلایا تھا۔ وہ ابھی تک شاک میں تھی۔ علینہ جیسی اچھی دوست اس کے ساتھ ایسا کرے گی' یہ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

"تمہیں یہ بہرحال سوچنا چاہیے تھا کہ دوست' تمہارے پیرنٹس سے زیادہ تم سے محبت نہیں کرسکتی۔ تمہیں علینہ کی بات سنے زیادہ اللہ اور اپنے پیرنٹس کی محبت پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔" اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامے اپنی محبت اور بھرپور ساتھ کا مان دیتا وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ اسی وقت پری نے رونا شروع کردیا۔ وہ [illegible] کی سی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس گیا۔ اس کے اس انداز اور بے قراری نے حوریہ کو طمانیت کا احساس بخشا تھا۔ وہ والہانہ انداز سے بیٹی کو پیار کررہا تھا۔

حوریہ کے سیل پر کال آرہی تھی۔ اسکرین پر علینہ کالنگ جگمگاتا دیکھ کر اس کے اعصاب غصے سے تن گئے۔ اس نے موبائل فون دیوار میں دے مارا۔ وہ جو بیٹی کو گود میں اٹھائے دنیا جہان سے بے خبر بیٹھا تھا جلدی سے اس کے پاس آیا۔

"واٹ ہیپنڈ؟" وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"علینہ کال کررہی تھی۔ میں اب کبھی بھی اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ تیزی سے بولی تھی۔

"تو یار! اس میں موبائل کا کیا قصور تھا؟" اس نے ادھر ادھر بکھرے موبائل فون کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھ کر کہا۔

"فون توڑنے کا کیا فائدہ؟ کال تو سم پر آتی ہے۔ وہ تو ابھی بھی ٹھیک ہے۔"

"آپ اس میں سے سم نکال کر ضائع کردیں۔" اسے علینہ کے رویے نے توڑ پھوڑ دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی اب دوبارہ علینہ اسے کال کرے۔

"کل ہی اچھا سا موبائل بھی لے لیں گے۔" وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہا تھا پھر اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولا۔

"تمہاری بیٹی کتنی خوب صورت ہے' بالکل مجھ پر گئی ہے۔" آخر میں انداز تھوڑا شرارتی تھا۔

"اللہ کرے سمجھ دار اور عقل مند بھی آپ کے جیسی ہو۔ مجھ جیسی بے وقوف تو کبھی نہ ہو' جسے دوست اور دشمن کی بھی پہچان نہیں۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"حور! اداس ہونے کی نہیں ہورہی ہے اور یہ جو اچھا سیل فون توڑا ہے یہ بھی امیچور حرکت تھی۔"

"صاف بات کریں نا کہ ڈرامائی حرکت تھی۔" منہ پھلا کر بولی۔

"ہاہاہا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

"کافی ٹھیک سمجھنے لگی ہو مجھے۔"

امی' بابا سے مل کر گھر سے نکلتے ہوئے وہ اللہ کا شکر ادا کررہی تھی۔ اگر ہارون اس وقت نہ آتے تو اس کا تو شاید نروس بریک ڈاؤن ہوجاتا۔

"ویسے تم کافی بے وقوف ہو۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"میں تو اول روز سے تم سے محبت کرتا ہوں۔ اچھی تو مجھے تم تب ہی لگی تھیں جب ممی نے تمہاری تصویر دکھائی تھی۔"

"اچھی محبت تھی' اتنا ستایا ہے آپ نے مجھے۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"یار! اتنا تو میرا حق تھا۔ بلیوی اس رات جب تم نے مجھے فون کیا میں تو بہت پریشان ہوگیا تھا۔ مگر پھر اللہ پر یقین نے مجھے مطمئن کردیا۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا لڑکی کوئی مووی دیکھ کر بیٹھی ہے۔" آخر میں اسے تنگ کرنے کے لیے کہا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ حوریہ کے لیے یہ بات ہی کافی تھی۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ مسلسل بول رہا تھا۔ اسے اس کی خوشی کا اندازہ ہورہا تھا۔

"اپنی طرف سے میں نے پوری کوشش کی ہے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ کروں۔ لیکن پھر بھی اگر تمہارا دل دکھا ہو میری کسی بات سے تو مجھے معاف کردو۔"

"ہارون آپ۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ اس نے گردن موڑ کر اس کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"غلطی تو ساری میری ہے۔ آپ کس بات کی معافی مانگ رہے ہیں؟ بلکہ مجھے۔۔۔"

"میں تمہیں معاف کرچکا ہوں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں اب جب ہم دونوں اپنی بیٹی کے ساتھ اپنے گھر میں قدم رکھیں تو تمہارے دل میں کوئی خوف ہو نہ میرے دل میں اندیشہ۔"

"میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔" وہ طمانیت سے بولتی اسے اندر تک سرشار کرگئی۔

"ابھی ہمیں اپنی بیٹی کا نام بھی رکھنا ہے۔ ویسے ثانی اسے پری کہتی ہے۔" اس نے ہارون کو بتایا' وہ سن کر ہنس دیا۔

"حور کی بیٹی پری! کیا حسین و جمیل مخلوق رہتی ہے میرے گھر میں۔" وہ اسے دیکھ کر ہنسا تھا۔

"وہ تو ہم ہیں' آپ کو کوئی شک ہے؟" وہ تھوڑی شوخی سے بولی۔ ہارون اس کا موڈ بہتر کرنے میں کامیاب ہورہا تھا۔

"ویسے وہ تم فون پر کیا کہہ رہی تھیں۔ میں ہارون سے محبت۔۔۔" وہ اسے صاف چھیڑ رہا تھا۔

"خوش فہم مت ہوں ایس پی صاحب' وہ تو میں ایکٹنگ کررہی تھی۔"

"ہاہاہا۔۔۔" ہارون کا قہقہہ جان دار تھا۔ اس کی بات نے اسے مزا دیا تھا۔

"ایسی ایکٹنگ کبھی کبھی میرے سامنے بھی کرلیا کرو' کوئی حرج نہیں۔"

"اب آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

"ارے نہیں بائے گاڈ! میں تو تعریف کررہا ہوں۔" اس کی بات پر دونوں ہنس دیے۔ ہارون کے سنگ زندگی حسین گزرنی تھی۔ ہارون نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی' ثانی کو سرپرائز بھی تو دینا تھا۔

☆ ☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آسیہ سلیم قریشی کے 3 دلکش ناول

کتاب کا نام	قیمت
وہ خبطی سی دیوانی سی	500/- روپے
آرزو نکھر آئی	450/- روپے
تھوڑی دور ساتھ چلو	400/- روپے

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.Paksociety.com

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ لیکن وہ اس سے بات نہیں کرتی' جبکہ زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو کالج میں اس کے ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ زوبیہ اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے۔۔۔۔ وہ روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رومیلہ' سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور اسی خوشی میں نمل ان دونوں کو لنچ کی دعوت دیتی ہے۔۔۔۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم' ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے' اور انہیں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے جبکہ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے؟ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کردیتا ہے۔

۲۵
پچیسویں قسط

www.Paksociety.com

کچھ لمحوں کے لیے تو رومیلہ بھی گھبرا گئی۔ سب کو اپنی جانب اس طرح دیکھتا پا کر۔
کیونکہ نانی اماں کے سوال پر سب الیان کو دیکھنے لگے تھے۔ جس پر صرف ایک لمحہ لگا تھا الیان کو سنبھلنے میں اور اس کے بعد وہ خود رومیلہ کو ایسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولا کہ سب کی نظریں رومیلہ پر ٹک گئیں۔
"ملوایا تو تھا تمہیں بریرہ سے۔ یاد نہیں کیا؟" شادی والے دن ایسے بہت سارے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جن کا نام اور چہرہ بالکل محو ہو جاتا ہے۔ لیکن رومیلہ کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس سے سرے سے کوئی بات ہی نہیں کی گئی کسی سے ملوانا یا اپنے خاندان کے متعلق کچھ بتانا تو بہت دور کی بات تھی۔
مگر الیان نے اتنے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ رومیلہ سٹپٹا کر رہ گئی اتنے لوگوں کے بیچ اسے الیان کو جھٹلانا اچھا نہیں لگا تھا پھر نانی اماں بھی اس کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے کہنے لگیں۔
"ایسے موقعوں پر ایک دفعہ ملنے سے چہرے یاد نہیں رہتے۔ بریرہ سے صرف ایک بار ملاقات ہوئی ہوگی اس لیے اس کے ذہن میں نہیں آرہا۔ یہ بے چاری بھی تو صبح صبح تیار ہو کر یہاں آگئی روایتی طریقے سے اگر صبح اٹھتی اور آرام سے کمرے سے نکل کر ناشتا کرتی تو سب سے تفصیلی ملاقات ہو جاتی۔"
"ارے تم لوگوں نے ناشتا بھی کیا ہے یا نہیں۔" ماموں جان ایک دم چونکتے ہوئے بولے پھر ان کا جواب سننے سے پہلے ہی ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگے۔
"صبح صبح تو میں نے فون کر کے پریشان کر دیا ناشتے کا ہوش ہی کہاں ہوگا خیر میں سب کے لیے منگواتا ہوں۔"
"نہیں ماموں جان، ہم اب چلیں گے مجھے ایک ضروری کام ہے۔" الیان فوراً بولا۔
"ٹھیک ہے تمہاری شادی بالکل اچانک ہوئی ہے لیکن اب تم ایک دن کے دولہا ہو لہٰذا سارے کام وغیرہ چھوڑ کر شرافت سے شرمانے لجانے کی ڈیوٹی انجام دو۔" ماموں جان کی بات پر نانی اماں کے علاوہ کوئی نہ ہنس سکا۔
مگر نانی اماں فوراً ہی سنجیدگی سے بولیں۔
"ناشتا تو ہم لوگوں نے بھی نہیں کیا ہے لیکن پہلے اس بچی سے پوچھو یہ کیا چاہ رہی ہے اگر تم چاہ رہی ہو کہ رواج کے مطابق تمہارے گھر سے ناشتا آئے تو تم لوگ چلے جاؤ ورنہ ابھی ہمارے ساتھ ہلکا پھلکا لے لو پھر دس بجے تک میکے سے آیا ناشتا کر لینا۔" نانی اماں بڑے نرم لہجے میں بولیں تو رومیلہ کو ان کے نرم اور سلجھے ہوئے مزاج کا اندازہ ہو گیا۔
اتنی بڑی بات پر انہوں نے کتنی آسانی سے دل سے سارے شکوے شکایت نکال کر اسے بہو کی حیثیت سے قبول کر لیا اور اب بھی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم سب کے لیے تمہارے میکے سے ناشتا منگوا لیا جائے تو ہم سب ساتھ کر لیں۔
کیونکہ اتنے سارے لوگوں کا ناشتا منگوانا اول تو بہت غیر مناسب تھا دوئم کیا جانے اس کے گھر والے اتنے اخراجات برداشت کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے روایتی سسرال والوں کی طرح کسی قسم کا بوجھ ڈالنے کو اپنا حق سمجھنے کی بجائے بڑے سبھاؤ سے بات کی تھی کہ جیسے رومیلہ کی خواہش ہو ویسے کیا جائے۔
رومیلہ کی آنکھوں میں ان کے لیے ستائش چھپی تھی جبکہ الیان اسے خاموش دیکھ کر یہ سمجھا کہ اس سے فیصلہ نہیں ہو پا رہا تب ہی جلدی سے اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ سنا دیا مگر اس انداز میں کہ نانی اماں کو یہ نہ لگے کہ وہ یہاں سے فوراً جانا چاہ رہا ہے بلکہ یہ لگے کہ اس نے رومیلہ کی مرضی کے مطابق بات کی ہے۔
"آف کورس اس کا دل چاہ رہا ہوگا کہ ناشتا اس کے میکے سے آئے اور وہی سب کھائیں۔ آپ فی الحال ہمیں اجازت دیں۔ ساتھ کھانا پینا تو ہوتا ہی رہے گا۔"
"ان شاء اللہ۔" نانی اماں فوراً بولیں تو الیان نے شکر کا کلمہ پڑھا پھر محض پانچ منٹ میں ہی وہ تینوں وہاں سے

اٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ پانچ منٹ بھی اس لیے لگے تھے کہ نانی اماں کے اشارے پر ماموں جان نے ایک لفافہ لا کر رومیلہ کو دیا تھا جسے رومیلہ نے تھوڑے سے پس و پیش کے بعد قبول کر لیا تو نانی اماں نے ڈھیر ساری دعاؤں میں اسے رخصت کر دیا۔
ایک پل کو الیان کو وہم ہوا جیسے وہاں سے نکلتے وقت رومیلہ کی پلکیں بھیگ گئی ہوں مگر اس کے پاس اس وہم پر غور کرنے کا وقت نہیں تھا اسے جلد از جلد ابرار سے مل کر بریرہ کی واپسی کا مطالبہ کرنا تھا۔
نانی اماں نے چلتے وقت کہا بھی کہ شگفتہ سے کہو مجھے فون کرے۔ الیان نے ان کی بات تو سنی مگر مفہوم سمجھے بغیر محض سر ہلا دیا جیسے بس جان چھڑانا مقصود ہو۔
پھر وہ واقعی بڑی رش ڈرائیونگ کر کے پہنچا تو گھر میں قدم رکھتے ہی اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہو گیا۔
اس نے بے اختیار ریاض غفار کی جانب دیکھا جو خود بھی چونک کر اسے دیکھ رہے تھے۔
ان کا کمرہ دوسری منزل پر تھا مگر شگفتہ غفار کی آواز نیچے تک سنائی دے رہی تھی وہ بہت چیخ چیخ کر بول رہی تھیں اور شاید رو بھی رہی تھیں۔
الیان ایک نظر ریاض غفار پر ڈال کر تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا اوپری منزل پر چڑھ گیا ریاض غفار بھی اس کے پیچھے لپکے البتہ رومیلہ جوں کی توں کھڑی رہی۔
آوازوں کے شور اور ان دونوں کے رویوں سے اسے کسی انہونی کا اندازہ تو ہو گیا تھا مگر ان کے پیچھے جانے کی اس میں ہمت نہیں ہوئی اتنی بے تکلفی جو نہیں تھی پھر دوسری طرف ان سب کا رویہ بھی ایسا تھا کہ وہ فوری طور پر اجنبیت کی دیوار گرا کر گھل مل نہیں سکتی تھی۔
چنانچہ آگے بڑھنے کی خواہش ہونے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں البتہ اس کی نظریں اوپری منزل پر بنے اس بند دروازے پر جمی تھیں جسے کھول کر الیان تیزی سے اس میں داخل ہوا اور ریاض غفار داخل ہونے سے پہلے باہر ہی بری طرح چونکے تھے پھر پلٹ کر ایک نظر انہوں نے رومیلہ پر ڈالی اور اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔
رومیلہ کو ان کا رویہ خاصا عجیب لگا ہر چند وہ ابھی اس گھر میں بالکل نئی تھی مگر ریاض غفار کا اسے دیکھ کر دروازہ بند کر لینا اسے ہلکے سے ملال میں مبتلا کر گیا تھا۔
وہ محض ہونٹ کاٹ کر رہ گئی کچھ دیر اسی حالت میں کھڑے رہنے کے بعد وہ گیسٹ روم کی طرف بڑھ گئی کیونکہ بند کمرے کے کھلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے اور آتے بھی کیسے شگفتہ غفار کا یہ رونا دھونا ایسے ہی نہیں تھا۔

✡ ✡ ✡

ریاض غفار اور الیان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں کچھ سوئے اور کچھ جاگے کی کیفیت میں پڑی تھیں جب کافی دیر بعد انہیں اپنے دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔
پہلے تو انہوں نے یہی سوچا کہ شاید ریاض غفار اور الیان واپس آگئے ہیں تبھی وہ کسلمندی سے پڑی رہیں انہیں کوئی خواہش نہیں تھی ریاض غفار کے منہ سے سب کے تبصرے اور شکوے شکایت سننے کی خاص طور پر اپنی ماں کے تاثرات سننے کا ان میں بالکل حوصلہ نہیں تھا۔
مگر ان کے جواب نہ دینے پر دستک دینے والی خود ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔
شگفتہ غفار نے سرسری انداز میں دروازے کی جانب دیکھا مگر وہاں بریرہ کو کھڑا دیکھ کر وہ چیخ مارتی بستر سے اٹھنے

www.Paksociety.com

لگیں۔

"بریرہ۔۔۔ بریرہ میری بچی۔" بریرہ نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ وہ برقی رفتار سے اس تک پہنچ گئیں اور اسے خود سے لگا کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں بجائے اس کے کہ وہ بریرہ کی خیر خیریت پوچھتیں بریرہ کو انہیں سنبھالنا پڑ رہا تھا۔

"ممی۔ ممی میں ٹھیک ہوں۔ ممی آئی ایم فائن" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی ضرور تھی مگر اس کا چہرہ بالکل مطمئن تھا۔ شگفتہ غفار ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگیں۔

کل اس کی شادی ہونی تھی اور آج اس کی کیا حالت بنی ہوئی تھی کتنی کمزور لگ رہی تھی وہ۔ چند دن میں ہی نیند اور غذا کی کمی اس کے چہرے پر آشکار ہو گئی تھی۔ شگفتہ غفار اسے زور سے بھینچتے ہوئے ایک بار پھر رونے لگیں جانے یہ سلسلہ کب تک چلتا رہتا کہ آخر الیان اور ریاض غفار کے آنے پر یہ تسلسل ٹوٹ گیا۔

پہلے تو ان پر نظر پڑتے ہی شگفتہ غفار اور بریرہ دونوں کے ہی رونے میں شدت آ گئی مگر ان کے چہروں پر پھیلی بے چینی دیکھ کر بریرہ کو خود کو سنبھالتے ہوئے ساری تفصیل بتانی پڑی۔

"میں نے صرف ایک ہی آدمی کو دیکھا جو حلیے سے ہی ملازم لگتا تھا وہ کس کی ہدایت پر یہ سب کر رہا تھا اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں۔ اس کے پاس بس ایک فون آتا تھا جس پر وہ جی صاحب' جی صاحب' کرتا رہتا تھا۔"

"اس کا حلیہ کیسا تھا کیا تم اسے پہچان سکتی ہو؟" الیان نے بے صبری سے پوچھا۔

"میں نے اسے زیادہ نہیں دیکھا وہ ایک بہت صاف ستھرا سا کمرہ تھا جہاں اس نے مجھے رکھا تھا لیکن وہ خود اس کمرے میں بہت کم آتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے قد کا کچھ بھاری جسم کا آدمی تھا اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور آنکھیں بہت چھوٹی چھوٹی سی تھیں۔ وہ باہر والے کمرے میں میز پر کھانا رکھنے کے بعد میرے کمرے کا دروازہ کھول دیتا اور آواز لگا کر کہتا کہ کھانا کھا لو پھر خود کمرے سے نکل جاتا۔

ایک دو گھنٹے بعد میں نے کھانا کھایا ہو یا نہ کھایا ہو وہ آ کر برتن اٹھا کر لے جاتا باقی اس کے علاوہ اس نے کبھی نہ کوئی بات کی نہ کوئی سوال کیا بلکہ میں بھی اگر کچھ پوچھتی تو وہ اس کا بھی جواب نہیں دیتا تھا۔" بریرہ تفصیل سے بتانے لگی۔

اس کی بات سن کر ان تینوں کو ہی اپنی اپنی جگہ اطمینان ہوا تھا حالانکہ بریرہ پر نظر پڑتے ہی الیان کو یقین ہو گیا کہ ابرار نے اس کی بہن کو جیسے اغوا کیا تھا ویسے ہی بھیج دیا ہے۔

لیکن اب بریرہ کی بات سن کر اس کے یقین میں اضافہ ہوا تھا جو کہ اس کی روح تک کو پر سکون کر گیا تھا۔

مگر اس اطمینان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کی ابرار سے نفرت میں کمی آ گئی تھی بلکہ بریرہ کے منہ سے یہ ساری تفصیل سن کر اس کے غصے میں اضافہ ہو رہا تھا کہ کیسے اس شخص نے اس کی پھول جیسی بہن کو ایک اجنبی کے رحم و کرم پر ایک کمرے میں بند کر دیا۔

اگر اس شخص کی نیت میں فتور آ جاتا تو ابرار کے منع کرنے کے باوجود وہ بریرہ کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت کر سکتا تھا بعد میں خبر ہونے پر ابرار صرف اس پر بگڑ ہی سکتا تھا ان کے نقصان کی تلافی تو نہیں کر سکتا تھا۔

"تو کہاں رکھا تھا انہوں نے تمہیں۔ کچھ اندازہ ہے؟" ریاض غفار نے پوچھا۔

"نہیں ڈیڈی ان دونوں کمروں میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا جو مجھے جگہ کا کوئی اندازہ ہوتا مجھے تو دن اور رات کا بھی پتا نہیں چلتا تھا کتنے دن رہی ہوں' میں وہاں۔۔۔" بریرہ نے استفہامیہ نظروں سے ان تینوں کو دیکھا۔

"دن؟ مجھے تو وہ ایک صدی لگتی ہے۔" شگفتہ غفار گہرے تاسف کے ساتھ بولیں۔

"مگر مجھے اغوا کیوں کیا گیا تھا۔ کیا کسی نے آپ سے پیسے مانگے تھے۔" بریرہ کے اچانک پوچھنے پر وہ تینوں ایک

دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا بتائیں نا میرے اغوا کے پیچھے کوئی تو وجہ ہو گی کتنی رقم مانگی تھی کڈنیپر نے۔" بریرہ تھکے لہجے میں بولی۔

"وہ سب باتیں بعد میں کر لیں گے پہلے تم کچھ کھا پی لو اور آرام کر لو شادی والے دن تمہیں مکمل طور پر فریش نظر آنا چاہیے۔" شگفتہ غفار کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اسے پیار سے دیکھتے ہوئے۔

"شادی۔" بریرہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"ہاں تو؟ اس میں اتنے تعجب کی کیا بات ہے تمہاری شادی اپنے مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر ہو گی ان شاء اللہ۔" الیان اس کے لہجے میں چھپے سوال پر بخوبی سمجھتے ہوئے یقین سے بولا۔

بریرہ زبان سے تو کچھ نہیں بولی مگر الیان کو دیکھ کر رہ گئی۔ اس کی نظروں میں جو شک و شبہات بھرے تھے انہیں دیکھ کر الیان کو اچانک اپنی بہن بہت بڑی بڑی سی لگی اس نے بے ساختہ اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"تمہاری کڈنیپنگ کے بارے میں ہم تینوں کے سوا کوئی کچھ نہیں جانتا اور کسی کو جاننا بھی نہیں چاہیے خاص طور سے حامد کو تو بالکل بھی نہیں۔" الیان رسانیت سے بولا۔

بریرہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں وہ کچھ کہنے کے لئے محض لب ہلا کر رہ گئی مگر بول نہ پائی تو ریاض غفار بھی اس کے قریب چلے آئے۔

"الیان ٹھیک کہہ رہا ہے کبھی بھی کسی کمزور لمحے کے زیر اثر جذباتی ہو کر حامد کو سب بتانے مت بیٹھ جانا تم جس طرح گئی تھیں ویسے ہی واپس بھی آ گئیں لیکن حامد اس بات پر کبھی یقین نہیں کرے گا۔" بریرہ سر جھکائے ہونٹ کاٹتی رہی۔

الیان کو معلوم تھا اس کے اندر ایک جنگ چل رہی ہے وہ یہی سوچ رہی ہے کہ "جو کچھ ہوا جب اس میں میرا قصور نہیں تو پھر میں کیوں ڈروں اور کیوں چھپاؤں میری تو کوئی غلطی نہیں ہے پھر میں کیوں مجرمانہ احساسات میں گرفتار رہوں۔"

الیان اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے اس کے کندھوں کو ہلکے سے دباتے ہوئے بولا۔

"ہم جو بھی کہہ رہے ہیں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ کوئی بھی مرد برداشت نہیں کر سکتا اور حامد کی تو تربیت ہی اس ماحول میں ہوئی ہے وہ ساری زندگی ایک ذہنی کرب اور جذباتی عذاب سے گزرتا رہے گا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا مگر وہ تمہاری عزت نہیں کرے گا۔

اب تم خود بتاؤ جس رشتے میں ایک دوسرے کے لیے احترام ہی نہ ہو اس رشتے کا بھلا کیا فائدہ ہے۔" الیان کہتا چلا گیا۔

بریرہ نے تیز تیز پلکیں جھپکاتے ہوئے اپنے آنسو پینے کی کوشش کی پھر ایک طرف سے موضوع بدلنے کے لیے پوچھنے لگی۔

"کتنا تاوان پیش کرنا پڑا آپ کو میری آزادی کے عوض۔" شگفتہ غفار جو پہلے ہی بمشکل ضبط کیے ہوئے تھیں۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

بریرہ کچھ حیرانی سے ماں کو دیکھنے لگی اسے اس ردعمل کی امید نہیں تھی وہ توقع کر رہی تھی اس کے سوال پر وہ رقم بتانے کی بجائے اسے ٹوکیں گے آخر پیسے بریرہ کی زندگی اور عزت سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھے۔

"کیا ہوا ممی۔ کیا بہت پیسے مانگ لیے ان لوگوں نے۔" بریرہ نے تعجب سے ان سب کو دیکھا۔

"تم بہت تھک گئی ہو گی ایسا کرو نہا دھو کر فریش ہو جاؤ تاکہ کچھ کھا کر تھوڑی دیر سو سکو۔" ریاض غفار کا انداز

www.Paksociety.com

صاف ٹالنے والا تھا۔ بریرہ مزید پریشان ہوئی۔

"بھائی آپ بتائیں کیا مانگا تھا انہوں نے بدلے میں جو آپ مجھے بتا نہیں پا رہے۔" اس سے پہلے کہ الیان کچھ کہتا شگفتہ غفار بول پڑیں۔

"اس منحوس کڈنیپر نے تمہیں چھوڑنے کی شرط میں الیان کو مانگ لیا۔"

"کیا مطلب؟" بریرہ کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا تب ریاض غفار شگفتہ غفار سے پہلے بول پڑے مبادا بہت ہی تکلیف دہ انداز میں ساری سچائی نہ بتا دیں۔

حالانکہ کوئی بھی الفاظ ایسے نہیں تھے جو اس حقیقت کو آشکار کرنے پر اس کی اذیت میں کمی کر سکتے البتہ جس لب و لہجے میں شگفتہ غفار، بریرہ کے گوش گزار کرتیں وہ اس کی تکلیف کی شدت میں کئی گنا اضافہ ضرور کر سکتے تھے لہٰذا ریاض غفار نے مختصر الفاظ میں اسے الیان کی شادی کے متعلق بتا دیا۔

بریرہ منہ کھولے سب سنتی رہی اور ریاض غفار کے چپ ہونے پر بے یقینی سے الیان کو دیکھنے لگی۔

الیان اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا وہ اس کی مشکور بھی اور اس سے شرمندہ بھی۔

وہ مجرمانہ احساسات لیے الیان کے نزدیک آگئی۔

"آ... آپ نے زندگی کا اتنا اہم فیصلہ میری وجہ سے... میری وجہ سے اس طرح... اس طرح آنکھیں بند کر کے کر ڈالا۔

ایک... ایک کڈنیپر کی بہن... ایک جرائم پیشہ فیملی کی لڑکی کو آپ نے اپنی بیوی...." بریرہ بہت رک رک کر بول رہی تھی بالآخر وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس کے ساتھ ساتھ شگفتہ غفار بھی بے آواز رونے لگیں۔

الیان نے بے ساختہ اسے خود سے لگا لیا یہ اس کی وہ بہن تو لگ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ شوخ سی لڑکی جو ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔

"تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا ہے اور نہ ہی یہ میری زندگی کا کوئی اہم فیصلہ ہے۔ یہ سب ایک ڈیل تھی جو مناسب وقت آنے پر میں ختم کر دوں گا۔

میں زندگی بھر اس کڈنیپر کی بہن کو گلے کا طوق بنا کر نہیں رکھنے والا۔ میں بہت جلد اس سے چھٹکارا حاصل کر لوں گا۔" بریرہ رونا دھونا بھول کر حیرانی سے الیان کو دیکھنے لگی۔

"لیکن ابھی ان سب باتوں کا وقت نہیں ہے تمہارے ماموں جان کو اس شادی کا علم ہو گیا ہے کل تمہاری شادی کے ساتھ ہمیں الیان کا ولیمہ کرنا ہے لہٰذا اس وقت سب اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نارمل رکھیں۔" ریاض غفار کے چہرے پر گہری سوچوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ شگفتہ غفار ان کی بات پر بپھر کر بولیں۔

"میں اپنی بیٹی کی شادی والے دن اس منحوس کو دلہن بنا کر اپنی بیٹی کے برابر میں ہرگز نہیں بٹھاؤں گی۔"

"تو پھر کیا کرو گی؟" ریاض غفار کو بھی غصہ آ گیا وہ بھی فوراً بولے۔

"اس بلیک میلر نے تمہارے بھائی کے گھر میں اگر بریرہ کے اغوا ہونے والی بات بتا دی تو بیٹی کا رشتہ تو کیا تمہارا اپنا میکا بھی چھوٹ جائے گا۔" ریاض غفار تو غصے میں کہہ گئے جبکہ بریرہ کا چہرہ فق ہو گیا جسے دیکھتے ہوئے الیان نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے رسانیت سے کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ ہم ایسی نوبت نہیں آنے دیں گے اسی لیے فی الحال اس ٹاپک پر سوچنے اور کڑھنے کی بجائے سب اپنے ذہنوں کو ٹھنڈا رکھیں۔ مجھے یقین ہے شام میں ممانی جان اور سارے کزنز سب رومیلہ سے ملنے ضرور آئیں گے۔" الیان ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شگفتہ غفار تنک کر کہنے لگیں۔

"کیوں۔ کس خوشی میں وہ سب اس چڑیل سے ملنے آئیں گی۔"

"فار گاڈ سیک شگفتہ! زبان سنبھال کر بات کرو۔ کسی کے بھی سامنے تمہیں ایسی کوئی گفتگو نہیں کرنی نوکروں کے سامنے بھی نہیں۔" ریاض غفار خاصے گرجدار لہجے میں بولے تو شگفتہ غفار خائف ہو کر بڑبڑانے لگیں۔ وہ ممی انہیں نظرانداز کر کے الیان سے مخاطب ہوئے۔

"تمہیں یہ یقین کیوں ہے کہ وہ سب رومیلہ سے ملنے آئیں گے۔"

"آپ نے سنا نہیں تھا جب چلتے چلتے وقت ممانی نے اس سے اس کے کپڑوں کے متعلق مذاق میں پوچھا تھا کہ کوئی ڈھنگ کا جوڑا نہیں ملا تھا تمہیں پہننے کو۔ تب ماموں جان فوراً بولے تھے ممانی سے۔ میں تمہیں بعد میں سب بتاتا ہوں اس بے چاری کے پاس تو پتا نہیں ولیمہ میں پہننے کے کپڑے بھی ہوں گے یا نہیں۔

اس وقت ممانی جس طرح حیرانی سے ماموں کو دیکھ رہی تھیں اس سے مجھے ہنڈریڈ پرسنٹ یقین ہے ممانی نے گھر سے نکلتے ہی سب کچھ پوچھا ہو گا۔

انہیں بھی نانی اماں کی طرح رومیلہ سے ہمدردی ہو جائے گی مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ وہ اسے ولیمہ کا جوڑا بھی لا کے دے جائیں گی۔" الیان کی بات پر شگفتہ غفار نے بڑے تجسس سے پوچھا۔

"امی جان (نانی اماں) کو اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔" تب ریاض غفار نے وہاں کا پورا احوال انہیں سنا ڈالا اور ساتھ ہی کہنے لگے۔

"اس لڑکی نے بڑی خوبصورتی اور سمجھ داری سے سچویشن کو سنبھالا ہے ورنہ تمہاری امی جان تو بہت زیادہ خفا ہونے والی تھیں۔" شگفتہ غفار کو اس کی تعریف ذرا بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ انہوں نے فوراً الیان کی طرف دیکھا مبادا شوہر کی طرح بیٹے کے بھی تاثرات اس لڑکی کے لیے ستائشی تو نہیں ہو گئے مگر انہیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ وہ بڑے کوفت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اس نے سچویشن سنبھالنے کے لیے کچھ نہیں کیا بلکہ وہ سچ کہہ رہی تھی واقعی اس کی بارات لوٹ گئی تبھی ابرار نے بدنامی سے بچنے کے لیے ہمیں قربانی کا بکرا بنا لیا۔"

"ہاں اور کیا؟" شگفتہ غفار جھٹ کر بولیں پھر بڑبڑاتے ہوئے بولیں۔

"ضرور کوئی عیب ہو گا لڑکی کے کیریکٹر میں تبھی دو دن پہلے شادی ٹوٹ گئی۔" ان کی بات پر ان تینوں کو سانپ سونگھ گیا۔

بریرہ جن حالات سے گزر رہی تھی وہ بھلے ہی اس کا قصور نہیں تھا مگر ایسی لڑکیوں کے لیے بھی معاشرہ بڑی تنگ نظری سے ہی سوچتا ہے کہ ان کا کردار اور عزت داغدار ہو گئی ہے۔

اگر بریرہ کا یہ راز کھل جاتا ہے اور اس کے سسرال والے شادی سے انکار کر دیتے ہیں تو کل کو کچھ ایسے ہی الفاظ ان کی بیٹی اور بہن کے لیے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

مگر شگفتہ غفار کو ایسا کوئی خیال نہیں آیا وہ ان سب کو چپ دیکھ کر مزید برہمی سے بولیں۔

"اگر وہ لوگ اس منحوس سے ملنے آئے تو کہہ دیں گے وہ گھر پر نہیں ہے بلکہ... ایک منٹ! رواج کے مطابق اسے آج اپنی ماں کے گھر جانا چاہیے۔ اب تک تو آجانا چاہیے تھا ان لوگوں کو اسے لینے۔ ایسا کریں ریاض آپ ڈرائیور کے ساتھ اسے اس کے گھر بھیج دیں اور اس سے کہہ دیں ولیمہ کے لیے اگر کوئی جوڑا نہیں بنا ہے تو اس کا بھی انتظام کر لے۔ ویسے تو بری میں ولیمے کا جوڑا آ چکا ہو گا یا پھر لڑکے والے شادی توڑنے پر فوراً ہی ساری بری بھی واپس لے گئے۔" شگفتہ غفار کا پارہ بدستور چڑھا ہوا تھا۔

"شگفتہ میں نے پہلے بھی کہا ہے زبان کو ذرا قابو میں رکھو اگر اسی انداز میں تم نے اس لڑکی کے سامنے گفتگو کی تو

www.Paksociety.com

خدانا خواستہ تمہاری بیٹی کی بارات بھی آتے آتے لوٹ سکتی۔۔۔"

"خدا کا خوف کریں ریاض کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" شگفتہ غفار دہل گئیں۔

"سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں تمہیں۔۔۔ کہ اپنے جذبات اور اپنی نفرت کو اس لڑکی یا اس کے گھر والوں کے سامنے ظاہر کرنے پر نقصان بھی ہمارا ہی ہوگا کیونکہ ہم عزت دار لوگ ہیں انہیں تو کوئی فرق نہیں پڑنے والا ان کی تو ذات ہی ایسی ہے۔" ریاض غفار نے دانت پیستے ہوئے حقارت سے کہا تو شگفتہ غفار کچھ پرسکون ہو گئیں۔

ورنہ وہ تو پریشان ہی ہو گئی تھیں جب ریاض غفار نے رومیلہ کی سمجھداری کی تعریف کی تھی انہیں لگا اس مکار لڑکی نے چند ہی لمحوں میں ان کے شوہر کو اپنا گرویدہ بنالیا جو ان جیسی عورت کے لیے ناقابل برداشت تھا بھلا جس لڑکی کے ذکر سے ہی انہیں کراہیت آرہی تھی، جس کے خاندان اور کردار کی طرف سے انہیں ابہام ہو رہے تھے اس لڑکی سے وہ اپنے شوہر کا متاثر ہونا کیسے ہضم کر سکتی تھیں۔

ابھی ریاض غفار نے چند لمحوں کے لیے انہیں سکون عطا کیا تھا کہ بریرہ نے لب کشائی کر کے اسے درہم برہم کر دیا۔

"مجھے اس لڑکی سے ملنا ہے کہاں ہے وہ؟"

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں اس منحوس سے ملنے کی۔" شگفتہ غفار بھڑک کر بولیں ان کے انداز پر وہ تینوں ہی پل بھر کے لیے خاموش ہو گئے آخر الیان نے ہی موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"تم گھر کیسے آئیں؟"

"جس گاڑی میں مجھے کڈنیپ کیا گیا تھا اسی گاڑی میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر مجھے بٹھا دیا اور گھر سے ذرا سے فاصلے پر اتار دیا مجھے بس اتنا اندازہ ہے کہ گاڑی بہت دیر تک چلتی رہی تھی باقی وہ جگہ کتنی دور تھی مجھے کتنا ٹائم لگا آنے میں، مجھے کچھ پتا نہیں۔" بریرہ کی بات پر ان سب کے درمیان کچھ لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی جسے بلا آخر الیان نے ہی توڑا۔

"بریرہ! تم نہا دھو کر کچھ کھا لو اور پھر سو جاؤ تم جس ذہنی ٹینشن سے گزری ہو اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے تمہارا بھرپور طریقے سے آرام کرنا سخت ضروری ہے۔" ریاض غفار اور شگفتہ غفار بھی الیان کی حمایت کرنے لگے تو آخر بریرہ کو اٹھتے ہی بنی اس کے کمرے سے نکلتے ہی ریاض غفار الیان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگے۔

"بریرہ ساتھ خیریت کے گھر آگئی ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یقیناً "اللہ تعالیٰ اس راز پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دے گا۔ لہٰذا اب تم ایسی کوئی حرکت مت کرنا کہ ٹھنڈا پڑتا معاملہ پھر زور پکڑ لے۔"

"نہیں ڈیڈی میرا فی الحال ایسا کچھ بھی کرنے کا ارادہ نہیں ہے کہ ابرار طیش میں آجائے۔ ایک بار بریرہ کی شادی خوش اسلوبی سے نبٹ جائے نانی اماں کی پوری فیملی حویلی لوٹ جائے پھر میں سوچوں گا اس سچویشن کو کیسے ہینڈل کرنا ہے؟" الیان سنجیدگی سے بولا پھر ایک دم چونکتے ہوئے کہنے لگا۔

"نانی اماں نے آپ کو فون کرنے کا کہا تھا میں آپ کو بتانا ہی بھول گیا۔"

"کیا بات کروں گی میں امی سے۔" شگفتہ غفار افسردگی سے بولیں۔

"اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ساری بات ہم کر چکے ہیں وہ تمہیں مزید کچھ نہیں کہیں گی۔ تم انہیں فون کر لو وہ تمہیں فون کر نہیں سکتیں تمہارا موبائل آف ہے۔" ریاض غفار کے کہنے پر شگفتہ غفار پژمردہ انداز میں سائیڈ ٹیبل پر سے موبائل اٹھا کر نانی اماں کو فون ملانے لگیں۔

تھوڑی دیر کے روایتی گلے شکوے اور ایک دوسرے کو اللہ کی رضا پر صبر و شکر کی تلقین کے بعد نانی اماں نے الیان کی توقع کے عین مطابق رومیلہ کے کپڑوں کے متعلق پوچھا تھا۔

شگفتہ غفار صرف دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں جبکہ نانی اماں پورا پروگرام ترتیب دینے لگیں۔ انہوں نے بھی بریرہ کی شادی والے دن الیان اور رومیلہ کا ولیمہ کر دینے کا فیصلہ کن مشورہ دیتے ہوئے آج ہی بازار جا کر اس کے لیے ولیمہ کا جوڑا لانے کی ہدایت جاری کر دی۔

"یہ لڑکیاں تو بہت خوش ہو رہی ہیں کہ میں نے تو کہہ دیا کہ یہ سب لوگ رومیلہ کے ساتھ بازار جا کر اس کی ساری خریداری کر لیں۔ انہیں یہاں کے بازاروں کا کچھ پتا نہیں انہیں شادی کی مصروفیت کے باعث یہاں گھومنے کا موقع بھی نہیں ملا اس لیے تم خود ان سب کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ رومیلہ کو بہت اچھا لگے گا بہت ہی غیر معمولی انداز میں اس کی شادی ہوئی ہے اس کا دل گھبرا رہا ہوگا سب کے ساتھ مل کر بازار جائے گی تو سب میں گھل مل بھی جائے گی اور تیاری بھی اس کی پسند کے مطابق ہو جائے گی۔

تم رومیلہ کے گھر والوں سے بات کر لو اسے آج رات میں یا کل صبح میں آکر لے جائیں اسے بازار آج ہی لے جانا ضروری ہے۔"

"امی اس کے پاس ولیمہ کا جوڑا ہوگا آپ خوامخواہ۔" شگفتہ غفار بے زاری سے کہہ رہی تھیں کہ نانی اماں نے بگڑ کر ان کی بات کاٹ دی۔

"یہ "ہوگا" سے تمہارا کیا مطلب ہے بھئی یا تو تصدیق کر کے دو ٹوک بتاؤ ورنہ پتا چلے گا عین وقت پر وہ ہماری طرف سے بریرہ کے لیے آیا جوڑا زیب تن کیے ایسے چلی آرہی ہے جیسے خود کے ولیمہ کی بجائے کسی اور کی شادی میں مدعو ہو۔"

"میں سمجھی نہیں امی؟"

"اس میں سمجھانا کیا ہے۔ ٹھیک ہے وہ بھی بریرہ کی طرح ہماری بہو ہے لیکن وہ جوڑا حامد کی پسند کا تھا جو تم نے رومیلہ کو دے دیا۔" شگفتہ غفار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت جا کر رومیلہ کا جوڑا اتروالیں جبکہ نانی اماں کہتی رہیں۔

"اگر اس کے پاس کپڑے ہیں بھی تو انہیں ولیمہ میں پہننا ٹھیک نہیں وہ جوڑا وہاں سے آیا ہوگا جہاں سے رشتہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے تمہیں خود سے اس کے لیے شادی کا جوڑا لینا چاہیے۔"

"میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے مجھ میں تو ہمت نہیں ہے بازار جا کر اتنی مغز ماری کرنے کی۔ ایسے کپڑے آرڈر پر بنتے ہیں اب ریڈی میڈ لینے کے لیے تو اس لڑکی کو ساتھ لے کر جانا ہوگا۔ جانے کیسے مزاج کی لڑکی ہے کتنا ٹہلانے کے بعد کپڑے پسند کرے گی مجھ میں تو اتنی جان نہیں ہے۔" شگفتہ غفار نے صاف انکار کر دیا تو نانی اماں نے بھی بحث نہیں کی۔

انہیں بھی اندازہ تھا اکلوتے بیٹے کی شادی اس طرح جلد بازی میں کر کے شگفتہ چڑچڑی ہو رہی ہیں چنانچہ انہوں نے بھی بیچ کی راہ نکالتے ہوئے فوراً معاملہ سلجھا دیا۔

"تو پھر ایسا کرو کسی اچھی دکان کا ڈرائیور کو پتا بتا دو تمہاری بھابھیاں ان لڑکیوں کے ساتھ رومیلہ کو لے جائیں گی۔ رومیلہ ان سے بے تکلف تو نہیں ہے مگر یہ لڑکیاں ساتھ ہوں گی تو وہ کھل کر اپنی پسند بتا دے گی۔" نانی اماں کے کہنے پر شگفتہ غفار چاہتے ہوئے بھی انکار نہ کر سکیں۔

البتہ پھر انہوں نے زیادہ بات نہیں کی اور بہانہ بنا کر فون بند کر دیا۔

ان کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر رومیلہ کو ان کے ساتھ بھیجنے کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

انہوں نے ماسی کے ہاتھ رومیلہ کو پیغام بھجوا دیا کہ کھانے کے بعد اسے بازار جانا ہے۔

رومیلہ جو ایک عجیب کشمکش سے گزر رہی تھی اس پیغام پر اس کا ذہن قدرے یکسو ہو گیا۔

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers
If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at
0336-5557121

نمل اسے دوبار فون کرچکی تھی اور بضد تھی کہ وہ کسی طرح اپنا ایڈریس پتا کرکے بتادے تو وہ رشیدہ کے ساتھ آکرابھی اسے اپنے گھر لے آئے۔

رومیلہ نے ہوٹل سے آنے کے بعد ایک بار پھر نمل کو فون کیا تھا اور اس بار اس نے کچھ نہیں چھپایا تھا اور کل رات سے لے کر اب تک کی ساری بات بتادی تھی جسے سن کر نمل خاصی متفکر ہوگئی تھی۔

نمل نے تو رومیلہ کے بابا جانی کو بھی فون کرلیا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا وہ رومیلہ پر گزری ساری روداد انہیں سنا دے مگر رومیلہ نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ یہ سب وہ صرف خود تک رکھے گی اور رشیدہ تک سے نہیں کہے گی۔

چنانچہ رومیلہ نے بابا جانی سے صرف ان کا پتا پوچھا تھا جس پر انہوں نے اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کرکے ابرار سے کچھ پوچھنا بھی عبث ظاہر کردیا تھا۔

لہٰذا اب نمل کی پریشانی 'غصے میں تبدیل ہونے لگی تھی وہ رومیلہ سے فون پر الجھ پڑی تھی اس کا اصرار تھا الیان کے گھر والوں میں سے کسی سے بھی اس کی بات کرادو وہ ایڈریس سمجھ کر خود اسے لینے آجائے گی۔

رومیلہ کو اس کی بات کچھ مناسب نہیں لگ رہی تھی اگر ابرار اسے لینے نہیں آرہا تھا تو ضرور اسی میں کوئی بہتری ہوگی اپنے خیال کا اظہار جب اس نے نمل سے کیا تو نمل بری طرح سلگ اٹھی۔

''جس طرح ابرار بھائی نے آنکھیں بند کرکے تمہاری شادی کی ہے اسے مدنظر رکھتے ہوئے بھی تم ان سے بہتری کی امید رکھتی ہو۔'' رومیلہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا البتہ وہ اس طرح منہ اٹھا کر نمل کے ساتھ یہاں سے جانا نہیں چاہ رہی تھی۔

اس کے لاشعور میں ایک عجیب سا خوف تھا جیسے اگر وہ یہاں سے گئی تو کوئی اسے لینے ہی نہیں آئے گا تب وہ واپس کیسے آئے گی۔

اپنی عزت نفس کو کچل کر خود سے منہ اٹھائے چلے آنا اسے ہرگز منظور نہیں تھا اس سے تو بہتر تھا وہ یہاں سے جاتی ہی نہیں۔ کم از کم بھرم تو رہ جاتا۔

اس لیے ملازمہ کے ہاتھوں بازار جانے کی اطلاع پاکر اس نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور فوراً" نمل کو فون کرکے اپنے نہ آنے کی مناسب اور ٹھوس وجہ بتادی۔

نمل بھی صرف گہری سانس بھر کر رہ گئی رومیلہ اسے ان سب کے رویئے کی بابت بتا ہی چکی تھی ان سے تو رومیلہ کو کوئی مسئلہ نہیں تھا پرابلم تو صرف الیان اور اس کے والدین سے تھی اور وہ تینوں تو بازار جا نہیں رہے تھے جو نمل منع کرتی۔

ویسے بھی ولیمہ الیان کی بہن کی شادی کے ساتھ ہو رہا تھا رومیلہ کو اتنے بڑے مجمع میں رہنے کے لیے دلہن کے جوڑے کی سخت ضرورت تھی چنانچہ انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں بنتا تھا۔ نمل نے اس کی خوشیوں کی دعا کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

رومیلہ نے واقعی ان سب لوگوں کے ساتھ خریداری کرتے وقت بہت خوشی اور طمانیت محسوس کی۔

وہ سب ــــ ہی اسے ہنستے' کھلکھلاتے' بالکل اپنے اپنے سے لگے۔ بس ایک بریرہ کا رویہ اسے الیان اور اس کے والدین جیسا لگا۔ روکھا پھیکا سا۔ بڑی ہی کھوجتی اور تولتی نظروں سے رومیلہ کو دیکھنے کے بعد اس نے بغیر کوئی بات کیے ہی چہرے پر نولفٹ کا بورڈ لگالیا تھا۔

الیان کی بہن ہونے کی حیثیت سے رومیلہ کو اس کے رویے سے تکلیف ہوئی تھی مگر اس نے نا صرف خوبصورتی سے چھپالیا بلکہ اس مایوسی کو خود پر حاوی بھی نہیں ہونے دیا۔

www.Paksociety.com

الیان کی ممانیوں کی رہنمائی میں اس نے فیروزی اور پنک کلر کے حسین امتزاج کا بہت نفیس اور مہنگا جوڑا اور اس کی تمام میچنگ لی اور ایک بار پھر اسی گھر کے اسی گیسٹ روم کے سناٹے میں لوٹ آئی۔
کل کی طرح آج بھی کوئی اسے پوچھنے تک نہیں آیا البتہ ماسی نے کھانا اس کے کمرے میں پہنچا دیا تو وہ خود کو "سب ٹھیک ہو جائے گا۔" کی تسلی دے کر زبردستی کھانے کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کرنے لگی۔
اگلا دن بھی کم و بیش ویسا ہی تھا البتہ آج کیونکہ وہ مصروف تھی چنانچہ اسے سوچنے کا زیادہ وقت نہیں مل رہا تھا۔
بریرہ والے پارلر میں ہی رومیلہ کی بھی بکنگ بریرہ کو ممانی جان کے لحاظ میں کرنی پڑ گئی تھی للذا وہ مقررہ وقت پر سج دھج کر ایک شاندار سے لان کے شاندار سے اسٹیج پر مورتی کی طرح بریرہ کے برابر میں بیٹھ گئی۔
ابرار وغیرہ کے آنے پر بھی اس کے انداز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی اسے اپنے آپ پر حیرت بھی ہوئی کہ اپنے والد اور بھائی بھابھی کو دیکھ کر بھی اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔
البتہ جب بھابھی نے قریب آکر بڑی جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کیسی ہو؟ سب ٹھیک تو ہے نا۔ تم پر تو بالکل روپ ہی نہیں آیا ہے عجیب ماتم زدہ سا چہرہ لگ رہا ہے۔" بھابھی کی بات اسے بڑی عجیب لگی تھی وہ ہمیشہ ایسے ہی بولتی تھیں لیکن کم از کم اس وقت کو نشتر چلانے سے باز آجاتیں۔
اس نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا البتہ خود پر جبر کرکے مسکرانے اور نارمل نظر آنے کی کوشش کرنے لگی مگر نمل اور سنبل کے آنے پر اس کا دل چاہا سارا لحاظ بالائے طاق رکھ کر ان کے گلے لگ کر رو پڑے۔
خود ان دونوں کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ سنبل اسے دیکھ کر تیزی سے پلکیں جھپکانے لگی اسے نمل نے سب بتا دیا تھا رومیلہ نے دوسروں کو بتانے سے منع کیا تھا جبکہ سنبل اور نمل میں رومیلہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں تھا۔
نمل، سنبل کی حالت دیکھ کر رومیلہ سے زیادہ بات کیے بغیر ہی سنبل کو لے کر اسٹیج سے اتر آئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ سنبل کی حالت غیر ہوتی دیکھ کر رومیلہ بھی کمزور پڑ جائے۔
"خود کو سنبھالو سنبل تم تو بالکل ہی......" نمل دانت پیس کر سرگوشیانہ انداز میں بولی۔ سنبل اپنا گلا کھنکار کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک مردکے بڑے تپاک سے۔ "ہیلو گرلز۔" کہنے پر اچھل کر نووارد کو دیکھنے لگی اس کے سامنے بلاشک و شبہ خرم کھڑا تھا وہی اپنی ڈیشنگ پرسنالٹی کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح بہت فریش اور شوخ لگ رہا تھا۔
سنبل بے یقینی سے اسے دیکھے گئی اسے خرم کی ڈھٹائی پر حیرت ہو رہی تھی جو اس دن والے تماشے کے بعد آج پھر آگیا تھا البتہ آج اس کے ساتھ پوری پلٹن نظر نہیں آرہی تھی سنبل نے شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے نمل کی طرف دیکھا تو اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔
نمل اس کی طرح حیران پریشان ہونے کی بجائے خاصی مطمئن کھڑی تھی جیسے اسے پہلے سے ہی خرم کی آمد کا یقین ہو بلکہ اس کے چہرے پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ بجی تھی۔
سنبل الجھ کر رہ گئی آخر ایسا کیا چل رہا تھا اس کے ذہن میں جو وہ اس طرح مسکرا رہی تھی۔
"کیا بات ہے آپ دونوں مجھے دیکھ کر فریز کیوں ہو گئیں۔ شاید آپ دونوں بہت دیر سے میرا انتظار کر رہی تھیں اسی لیے میرے دیر سے آنے پر آپ دونوں کچھ خفا لگ رہی ہیں۔" خرم مسکرا مسکرا کر باری باری دونوں کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ان کے تاثرات سے بڑا لطف لے رہا ہو۔
"ہاں انتظار تو واقعی آپ کا بڑی دیر سے ہو رہا تھا مگر آپ آئے بالکل صحیح وقت پر ہیں نہ ــــ جلدی نہ لیٹ۔ بالکل اون ٹائم۔" نمل کے جواباً" خرم کی ہی طرح ضرورت سے زیادہ مسکرا مسکرا کر کہنے پر سنبل تو کیا

خود خرم بھی ٹھٹک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔
اس سے پہلے کہ وہ اس کے چہرے سے کچھ اخذ کرتا یا کچھ کہتا نمل اس کے پاس سے گزرتی آگے بڑھ گئی۔
جس طرح وہ چلی تھی خرم اسے دیکھتا ہوا گھوم گیا خود سنبل بھی اپنی جگہ ساکت کھڑی نمل کو پریشان نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
اور اس وقت ان دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے سمیر کو سوٹ بوٹ میں ملبوس اندر داخل ہوتے دیکھا بلکہ وہ آچکا تھا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کسی جانے پہچانے چہرے کو تلاش کر رہا تھا۔ نمل اس کے خیر مقدم کے لیے انٹرنس کے ایک جانب آکر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی تو سمیر بھی اس کے نزدیک چلا آیا۔
"Thanks alot for coming اتنے شارٹ نوٹس پر بلایا پھر بھی ٹائم پر آگئے۔"
"Thanks for what تم نے بلایا تھا تو مجھے آنا ہی تھا۔" نمل کے نہایت خوش مزاجی سے کہے جملے پر وہ بھی بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ پھر نمل جان بوجھ کر وہیں کھڑی ہو کر اس سے مسکرا مسکرا کر بات کرتی رہی۔
حالانکہ اس کی پشت خرم کی جانب تھی پھر بھی اسے بہت اچھی طرح پتا تھا کہ خرم کی سنجیدہ اور پرسوچ نظریں ان دونوں پر ہی جمی ہیں۔
لیکن پھر بھی وہ خود پر ضبط نہ کر سکی اور آہستگی سے سمیر سے باتوں کے دوران پلٹ کر خرم کی جانب گھوم گئی اور سست روی سے چلنے لگی تو سمیر بھی اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگا۔ نمل نے چلتے ہوئے بھی باتوں کا سلسلہ جاری رکھا اور ساتھ ہی خرم کے تاثرات کا مشاہدہ بھی کرتی رہی۔
پہلے تو خرم بت بنا ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر اس کے سکتے میں دراڑیں پڑنی شروع ہوئیں تو حیرت کی جگہ خود بخود غصے نے لے لی۔
اس کے پورے وجود میں جیسے انگارے بھر گئے تھے وہ دونوں سجے سنورے ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے باتیں کرتے اور مسکراتے ہوئے خرم کو سخت زہر لگ رہے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دونوں کو زندہ جلا دے۔ سنبل بھی ششدر کھڑی تھی اسے نمل سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ رومیلہ کے ولیمے میں جہاں لڑکی والے اپنے صرف خاص خاص رشتے داروں کو لے کر جاتے ہیں وہاں نمل بغیر کسی کی اجازت کے بغیر کسی سے ذکر کیے سمیر کو بلا لے گی وہ بھی صرف خرم کو جلانے کے لیے ورنہ یہ تو اسے یقین تھا کہ نمل کو سمیر میں کوئی دلچسپی نہیں ہے ماسوائے اتنی کہ وہ خرم کا دشمن ہے اور خرم کو تپانے کے لیے سمیر سے بہتر شخص پوری یونیورسٹی میں نہیں مل سکتا تھا۔
سنبل نے ڈرتے ڈرتے خرم کی جانب دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ خرم کا چہرہ غصے کی شدت سے لال ہو گیا تھا اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا وہ بہت مشکل سے خود پر ضبط کیے ہوئے ہے ورنہ اس کا دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ دونوں کو بھون کر رکھ دے۔
نمل بھی تو اسے جلانے کی انتہا کرتے ہوئے سمیر کو عین اس کے سامنے لاکر کہنے لگی۔
"سمیر تم اسے جانتے ہو گے نا یہ خرم ہے۔" نمل کی بات سے زیادہ سمیر کے ہونٹوں پر ابھرتی مسکراہٹ خرم کو سلگا گئی۔
گویا سمیر کے تعارف کی ضرورت ہی نہیں تھی وہ تو بہت مقبول و معروف ہستی تھا یونیورسٹی کی۔ البتہ خرم کی طرف سے شبہ تھا کہ جانے سمیر اسے جانتا ہے یا نہیں۔
جتنے سرسری انداز میں نمل نے ملایا تھا اتنے ہی پرجوش انداز میں سمیر نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔

www.Paksociety.com

"ہائے خرم کیسے ہو؟" خرم نے ایک نظر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ڈالی اور دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں رکھ لیے۔

لیکن اس کے مقابل بھی سمیر تھا شرمندہ ہونا اسے بھی نہیں آتا تھا ویسے بھی اس وقت اس کی پوزیشن خرم سے زیادہ مضبوط تھی۔ خرم کی منگیتر نے "فانا" فون کر کے اسے بلایا تھا اور یہاں خرم کو دیکھ کر وہ سمجھ بھی گیا تھا کہ نمل نے اسے کیوں بلایا ہے۔

اتنا بے وقوف تو وہ نہیں تھا کہ نمل کے اچانک مہربان ہو جانے کی وجہ نہ سمجھ پاتا اسے بخوبی علم تھا وہ یہ سب خرم کو جلانے کے لیے کر رہی ہے۔

مگر اسے کون سا نمل کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں اگر نمل اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہی تھی تو وہ بھی وقت گزاری اور خرم کی خواری کے لیے اس مشن کا حصہ بننے پر خوشی خوشی راضی تھا۔

تبھی خرم کی بداخلاقی پر اس نے ایسے نمل کی طرف دیکھا جیسے نمل اس کی بے عزتی پر خرم کو سرزنش کرے گی اور واقعی نمل نے اس کے شاکی نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے پچکارنے والے انداز میں کہا۔

"کم اون سمیر۔ تمہیں معلوم تو ہے خرم کو ایٹی کیس چھو کر نہیں گزرے ہیں۔ مائنڈ مت کرنا پلیز!" خرم کا دل چاہا نمل کا سر پھاڑ دے۔

سمیر کے چہرے پر خرم کی اس بے عزتی سے، جو خوشی دوڑ گئی تھی وہ خرم کو خاک کر گئی تھی۔

"تم شادی میں کیوں نہیں آئے تھے سمیر! میں نے تمہیں کتنا مس کیا۔" نمل کا ہر جملہ خرم کے غصے کو بڑھا رہا تھا اس کا دل چاہا تڑخ کر کہہ دے "تم نے اسے بلایا کب تھا جو وہ شادی میں آتا یہ تو میرے آنے کے بعد تمہیں سمیر کو بلانے کا خیال آیا ہے۔"

مگر اس وقت وہ کچھ بھی بول کر سمیر کو خود پر ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا نمل پوری طرح اس کے ساتھ تھی وہ کچھ بھی کہتا نمل اس کی حمایت کرتی اور خرم کو اپنی مزید بکی کا احساس ہوتا چنانچہ اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ سمیر کے چہرے پر ایک پل کے لیے حیرانی پھیل گئی مگر اگلے ہی پل اس نے "فوراً" خود کو سنبھال لیا۔

"وہ... دراصل... ایکچولی میں تو آرہا تھا بس ذرا ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔ جب میں پہنچا تو فنکشن ختم ہو گیا تھا۔ ورنہ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم بلاؤ اور میں نہ آؤں۔" وہ خوامخواہ شوخ ہو کر خوشامدانہ لہجے میں کہنے لگا۔

خرم کی برداشت جواب دے گئی وہ ایک سلگتی ہوئی نظر نمل کے مسکراتے چہرے پر ڈال کر جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو خرم۔ کھانا نہیں کھاؤ گے۔ مفت کا کھانا چھوڑ کر جانا تمہیں زیب نہیں دیتا۔" نمل نے معصومیت سے کہا۔

سمیر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا خرم کا دل چاہا پلٹ کر اتنے زور سے مکا جڑ دے کہ یہیں سمیر کی لاش گر جائے مگر وہ کوئی تماشا نہیں بنانا چاہتا تھا۔

جب نمل اس کے ساتھ تھی تو اس کا کچھ بھی کہنا اور کرنا خود اپنا آپ کو ذلیل کرنے کے مترادف تھا۔

پھر یہاں اس وقت اس کے دوست یا یونیورسٹی کے دوسرے لوگ موجود نہیں تھا ورنہ ان کے سامنے اس طرح خاموشی سے چلے جانا اسے اپنی سخت بے عزتی لگتی۔

توہین کا احساس تو اسے اب بھی ہو رہا تھا۔ مگر وہاں کھڑے رہنے کی صورت میں نمل اور سمیر کے جو طنز کے نشتر برداشت کرنے پڑتے اور تمسخر بھری نظریں سہنی پڑتیں اس کے مقابلے میں خاموشی سے چلے جانا اس سے لاکھ بہتر تھا۔

یہاں سے نکل کر گھر جانے کی بجائے وہ بے مقصد گاڑی سڑک پر دوڑاتا رہا۔ اس کے اندر آگ لگی ہوئی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا نمل اور سمیر دونوں کو شوٹ کر دے۔

سمیر سے زیادہ غصہ اسے نمل پر آرہا تھا کیسا بدلہ لیا تھا اس نے، خرم کے شادی میں بغیر بلائے آجانے کا وہ بھی سارے دوستوں کو لے کر۔

یہ بھی شکر تھا کہ خرم آج تنہا آگیا تھا ورنہ سب کے سامنے سمیر کے ساتھ نمل کو برداشت کرنا اور بھی ذلت آمیز ہوتا۔

یہ بھی شکر تھا کہ کل یونیورسٹی کی چھٹی تھی اگر کل اتوار نہ ہوتا تو وہ سمیر کا سامنا کرنے کی سکت بھی اپنے اندر نہیں پا رہا تھا کس قدر گرا دیا تھا نمل نے اسے 'اس کے سب سے بڑے حریف کے سامنے۔

وہ بے ڈھنگے انداز میں ڈرائیونگ کرتا صبح کے چار بجے گھر میں داخل ہوا تو مسز حسن کو اپنے انتظار میں جاگتا دیکھ کر بری طرح تپ گیا۔

وہ اگر رات کو دیر تک باہر رہتا تھا تو انہیں مطلع کر دیا کرتا تھا جبکہ آج تو اس نے اپنا موبائل بھی آف کر دیا تھا کہ کم از کم وہ خود ہی فون کر کے خیریت پوچھ لیتیں۔ اسی لیے ان کے جائز غصے پر وہ ہمیشہ ہنس کر معذرت کر لیتا تھا جبکہ آج وہ ان کے پریشان چہرے پر چڑ کر رہ گیا۔

"کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں میں، جو کہیں کھو جاؤں گا۔"

"یہ تم کس طرح بات کر رہے ہو؟" مسز حسن اس کے رویے پر حیران رہ گئیں۔

"صبح کے چار بج رہے ہیں خرم اور تمہاری کوئی خبر نہیں۔ کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میرا تو ہول ہول کر برا حال ہو گیا جانے کیا بات ہے جو تمہارا موبائل بھی سوئچ آف ہے آخر تم تھے کہاں؟" مسز حسن نے قدرے نرمی سے کہا تو خرم کچھ چپ سا ہو گیا۔

"سوری ماما۔ ایک دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اسی وجہ سے کچھ ٹینس ہوں۔"

"Oh I see کیا ہوا ہے؟" مسز حسن ایک دم فکر مند ہو گئیں تو خرم نے کچھ جھوٹی کچھ سچی سنا کر انہیں تو مطمئن کر دیا مگر خود اپنے کمرے میں آکر اس کی الجھن میں اضافہ ہو گیا۔

اس کے کمرے کے ایک طرف باکسنگ بیگ لٹکا ہوا تھا وہ گاڑی کی چابیاں، موبائل، گھڑی سب ایک طرف پھینک کر اس بیگ پر بری طرح مکے برسانے لگا یہاں تک کہ تھک کر چور ہو گیا اس کی شرٹ پسینے میں شرابور ہو گئی۔ مگر سمیر اور نمل کا ایک ساتھ ہنسنا اور باتیں کرنا اس سے بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔

اسے اتنا غصہ کبھی نہیں آیا تھا جتنا نمل پر آیا تھا۔

اسے اتنی نفرت کبھی محسوس نہیں ہوئی جتنی سمیر سے ہو رہی تھی۔

اسے اتنی کوفت کبھی کسی سے نہیں ہوئی تھی جتنی خود سے ہو رہی تھی۔

خود اپنی نظروں میں حقیر ہو گیا تھا آج وہ۔

زندگی میں پہلی بار اپنے کسی اقدام پر اسے پچھتاوا ہو رہا تھا۔

نمل سے منگنی کر کے اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی اگر آج وہ اس کی منگیتر نہ ہوتی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کس کے ساتھ بیٹھی ہے اور کس کے ساتھ ہنس رہی ہے۔

مگر اب اس کے نام کے ساتھ خرم کا نام جڑا تھا اسے سمیر کے ساتھ دیکھ کر لوگ اس کے نام کو کسی بری طرح سے بدنام کر سکتے تھے۔

نمل اور سمیر کی وجہ سے اس کے متعلق باتیں بن سکتی تھیں۔ نمل شادی والے دن جس طرح اس کے ساتھ

پیش آئی تھی وہ بھی سب کو چونکانے کے لیے بہت تھا اور اب تو گویا پورا کا پورا افسانہ تیار ہونے والا تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نمل کو سمیر کے ساتھ پھرنے کا زیادہ موقع ملے گا اور جب وہ دونوں ہر وقت ہر جگہ ساتھ نظر آئیں گے تب ہلکی ہلکی چہ میگوئیاں باقاعدہ طعنوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ تب خرم کا دامن اس چنگاری سے کیسے محفوظ رہے گا وہ کیا کہہ کر اپنی جان چھڑائے گا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا پہلی فرصت میں نمل سے منگنی ٹوٹ جانے کا اعلان کردے لیکن یہی تو نمل چاہتی تھی۔ منگنی توڑنے کی صورت میں وہ ہار جائے گا سب کو پہلے ہی نمل کے اکھڑے اکھڑے رویے کا علم ہے اگر اس نے منگنی توڑی تو سب ہی سمجھ جائیں گے کہ خرم، نمل کے رویے سے دلبرداشتہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

اس سے بہتر تو یہ تھا کہ وہ ایک بار اس سے شادی کرلیتا اور پھر بھلے ہی اسے چھوڑ دیتا پھر جو بھی باتیں بنتیں وہ نمل کے خلاف زیادہ ہوتیں اور خرم کے حصے میں بہت کم تبصرے آتے کیونکہ طلاق کی صورت میں لڑکی کو ہی مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے اور اس کے طلب گاروں میں بھی کمی آجاتی ہے پھر سمیر کو بھی اس میں کوئی دلچسپی نہ رہتی اور اگر رہتی بھی تب بھی وہ خرم کی ٹھکرائی ہوئی ہوتی خرم کی انا کی تسکین کے لیے اتنا بہت تھا۔

مگر وہ جانتا تھا فی الحال نمل سے شادی کرنا ممکن نہیں اس کے والد فرقان حسن شادی کے ذکر پر پہلے ہی اسے بہت کچھ سنا چکے تھے وہ دوبارہ وہ ساری باتیں سننے کا روادار نہیں تھا اس لیے ایسی کسی خواہش کا اظہار کرنے کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو گیا باکسنگ بیگ پر ایک آخری پنچ مار کر وہ بستر پر ڈھیر ہو گیا اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ آخر وہ گہری نیند میں چلا گیا مگر وہ گہری نیند بھی کوئی پرسکون نیند نہیں تھی بند آنکھوں سے بھی اسے نمل، سمیر کے ساتھ ہنستی کھلکھلاتی نظر آرہی تھی۔

☼ ☼ ☼

خرم کے اس طرح میدان چھوڑ کر بھاگنے پر نمل کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اس نے بڑی فاتحانہ نظروں سے سنبل کی طرف دیکھا جو ہنوز حیران پریشان کھڑی تھی۔

نمل کو یقین تھا اسے نمل کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری ہوگی خود اس کی اصول پسندی کے مطابق کسی دوسرے کے فنکشن میں اپنے مہمان کو بغیر اجازت کے مدعو کرلینا خاصی غیر اخلاقی اور نامناسب حرکت تھی۔

لیکن خرم کو نیچا دکھانے کی کوشش میں اس نے اپنی اصول پسندی کو تھوڑی دیر کے لیے ایک طرف رکھ دیا تھا کیونکہ اسے یقین تھا خرم، سمیر کو دیکھ کر بھنا اٹھے گا اور اس کا اس طرح خاموشی سے چلے جانا چیخ چیخ کر نمل کے یقین کے صحیح ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا۔

خود سمیر کے چہرے پر بڑی جاندار مسکراہٹ جلوہ افروز تھی ایک تو نمل جیسی حسین لڑکی کے اتنے التفات پر اس کا چہرہ کھلا جا رہا تھا دوسرے یہ احساس کہ وہ اس کے حریف کی منگیتر ہو کر بھی اس پر مہربان ہے بجائے اپنے منگیتر کے۔ اس کی تو سوچ یہی تھی کہ دشمن کو ایسا کاٹو کہ وہ پانی بھی نہ مانگ سکے اور اس وقت جو کچھ نمل نے اس سے کرایا تھا وہ کم و بیش خرم کی ایسی ہی حالت کر گیا تھا۔

سمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی اور اسی وقت ساری یونیورسٹی میں اپنے اور نمل کے اسکینڈل کا پرچار کردے اس کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ اس شادی کی تصویر فیس بک میں ڈال کر اپنے انوائیٹڈ ہونے کی تفصیل لکھ دے۔

مگر اسے معلوم تھا اگر اس نے ایسا کیا تو نمل ناراض ہو جائے گی اسے فیس بک پر نمائش کرنا قطعاً "پسند نہیں

آئے گا خود سمیر کو تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ فیس بک پر کتنے لوگ سمیر وغیرہ کی تصویریں دیکھیں گے اسے فکر تھی تو صرف یہ کہ نمل پر ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ اس حد تک آزاد خیال یا دوسرے لفظوں میں کمزور کردار ہے کیونکہ اگر نمل اس کے ساتھ تھی تو اسے خرم کو یونیورسٹی میں نیچا دکھانے کے آگے کئی حسین مواقع ملنے والے تھے پھر بھلا وہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو کھو دینے والی بے وقوفی کیوں کرتا۔

ایک بس سنبل تھی جسے یہ سب ذرا اچھا نہیں لگ رہا تھا خرم کے چلے جانے کے بعد جب اس کے سکتے میں شگاف پڑا تو اس کی تیوریوں پر بھی بل پڑتے چلے گئے۔

اس نے نہایت بے زاری سے سمیر کی طرف دیکھا جو انگلیوں سے بال بناتے ہوئے خوامخواہ اسٹائل جھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور سرشاری کا احساس اس کے ہر انداز سے چھلک رہا تھا۔

"نمل یہ کوئی تمہارا فنکشن نہیں ہے، جس میں تم نے اپنی مرضی سے اپنے مہمان انوائیٹ کرلیے۔" سنبل بگڑ کر بولی، جو اس کے شدید غصے کو ظاہر کر گیا تھا۔

ورنہ کسی تیسرے شخص کے سامنے وہ تینوں ایک دوسرے کو کبھی سرزنش نہیں کرتی تھیں، لیکن سنبل کا رویہ نمل کو احساس دلا گیا تھا کہ اسے خرم کے ساتھ نمل کا سلوک سخت ناگوار گزرا ہے۔

نمل نے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ سنبل، سمیر کے سامنے اسے کوئی سخت بات کہے اور سمیر ان کی دوستی کو کوئی عام سا تعلق سمجھ بیٹھے۔ مگر سنبل اس کی خاموشی کی پروا کیے بغیر مزید گویا ہوئی۔

"اس طرح کسی ایرے غیرے کو دوسروں کی پارٹی میں انوائیٹ کرلینا نہایت گھٹیا بات ہے۔"

"کیا بات ہے، لگتا ہے آپ کو خرم کا چلے جانا برا لگا ہے۔" سمیر نے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے سنبل کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تو وہ بری طرح تپ گئی۔ سمیر کے اس عامیانہ انداز پر سنبل، نمل پر ایک کھولتی ہوئی نظر ڈال کر دوسری طرف مڑ گئی۔

نمل کچھ چپ سی ہو کر رہ گئی۔ وہ ابھی بھی اپنے فعل پر پچھتا نہیں رہی تھی۔ البتہ اسے یہ ضرور لگا تھا کہ اسے سنبل کو اطلاع کردینی چاہیے تھی کہ سمیر بھی آرہا ہے۔

"نمل کیا بات ہے؟" رشیدہ کی آواز پر نمل ایک دم چونک اٹھی۔ وہ اپنی وہیل چیئر چلاتی ہوئی اس کے نزدیک آگئی تھیں۔

نمل اور سنبل ان کی نظروں کی زد میں تب سے تھیں جب وہ رومیلہ کے پاس اسٹیج پر چڑھی تھیں۔ وہ ان کے تاثرات سے رومیلہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا اندازہ لگانا چاہ رہی تھیں۔ مگر وہ دونوں تو فوراً ہی اسٹیج سے اتر آئیں۔ رشیدہ نے تب ہی اپنی وہیل چیئر چلانی شروع کردی تھی۔ مگر پھر خرم کو دیکھ کر ان کی رفتار سست پڑ گئی اور اب خرم کے بعد سنبل کے بھی چلے جانے پر وہ تیزی سے نمل کے قریب آگئیں۔

"آں.... آں کچھ.... کچھ نہیں امی۔" نمل جلدی سے بولی۔

"امی...." سمیر نے قدرے تعجب سے دہرایا تو نمل ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

سمیر کی آنکھوں میں رشیدہ کے لیے صرف حیرانی نہیں تھی، بلکہ وہ بڑے تجسس سے ان کی وہیل چیئر اور ان کے پاؤں دیکھ رہا تھا۔

"ہاں.... امی.... یہ میری والدہ ہیں۔" نمل اسے جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی

"اوہ.... تم نے کبھی بتایا نہیں تمہاری امی کے ساتھ اتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے، کب سے ہیں یہ اس وہیل چیئر پر۔" اس کے لہجے میں بڑا اشتیاق تھا۔ جیسے کوئی سسپنس ناول پڑھتے وقت انسان متجسس ہوتا ہے کہ آگے کیا

www.Paksociety.com

ہو گا۔ بالکل وہی والا انداز تھا سمیر کا بھی۔

رشیدہ کچھ خجل سی ہو کر نمل کو دیکھنے لگیں' جو چبھتی ہوئی نظروں سے سمیر کو دیکھ رہی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ ابھی اور اسی وقت سمیر کو یہاں سے جانے کے لیے کہہ دے۔ مگر وہ مصلحتاً" خاموش رہی۔

وہ تو منہ پھٹ اور بدلحاظ تھا۔ اگر وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا جس سے رشیدہ کی دل آزاری ہو گئی تو کیا ہو گا۔ البتہ اس کی خاموشی نے سمیر کو اپنے لہجے اور انداز کی بدصورتی کا احساس دلا دیا تو وہ فورا" تلافی کرتے ہوئے خوش مزاجی سے انہیں سلام کرنے لگا اور ان کی خیر خیریت پوچھنے لگا۔ وہ نمل کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے پھر وہ زیادہ دیر رکا نہیں۔

"مجھے ایک اور فنکشن میں بھی جانا تھا۔ مگر تم نے بلایا تو آگیا۔ اگر تمہاری اجازت ہو تو....." سمیر نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اسے علم تھا نمل ہرگز نہیں روکے گی۔ اس نے جس مقصد سے بلایا تھا وہ پورا ہو چکا تھا' تو وہ کیوں روکتی۔

خود اسے بھی رکنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر نمل اس سے تنہائی میں بیٹھ کر باتیں کرتی تو بات بھی تھی۔ ورنہ اس کی اماں کی موجودگی میں سمیر کو اس کے پاس رکنے کا کوئی ارمان نہیں تھا۔

نمل نے دو ہی جملوں میں اسے رخصت بھی کر دیا اور رشیدہ کی طرف متوجہ ہو گئی' جو اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ نمل نے ان کے پوچھنے سے پہلے ہی سمیر کے بارے میں مختصرا" بتا دیا۔ ان کی فہمائشی نظریں خود پر جمی دیکھ کر نمل نے رسانیت سے کہا۔

"امی ہم اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔ فی الحال آپ کو رومیلہ کی سسرالیوں سے بات کرنی ہے اور ہم اسے اپنے گھر لے کر جائیں گے۔ پھوپھا کے گھر نہیں۔" رومیلہ کے ذکر پر رشیدہ اسٹیج پر بیٹھی رومیلہ کو دیکھنے لگیں۔

وہ اس قدر خوب صورت اور اس قدر پیاری لگ رہی تھی' بس ایک ہی کمی تھی اس کے چہرے پر۔ ایک شرمیلی مسکراہٹ کی۔

"رومیلہ بہت ڈیپریس ہے۔ اسے اس وقت ہماری ضرورت ہے۔ آپ گھر کا ایڈریس سمجھ لیں۔ ہم کل صبح اسے پک کرلیں گے۔" نمل نے آہستگی سے کہا تو رشیدہ گہری سانس کھینچ کر کہنے لگیں۔

"میں بات کر کے دیکھتی ہوں۔ اگر وہ لوگ مان گئے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں کر ہی کیا سکتی ہوں۔ کسی کو کچھ سمجھانے کا فائدہ تو ہے نہیں۔ سب اپنی من مانی ہی کرتے ہیں۔" ان کا تاسف بھرا ذومعنی جملہ نمل بخوبی سمجھ گئی تھی۔

اسے پتا تھا وہ انہیں قائل نہیں کر سکتی۔ لہذا وہ خاموش ہی کھڑی رہی۔

رشیدہ وہیل چیئر کھسکا کر اسٹیج کے نزدیک لے آئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کس سے بات کرنی چاہیے۔ وہ صرف الیان کی والدہ کو جانتی تھیں جو اسٹیج پر سب سے کونے میں رکھے سنگل صوفہ پر بیٹھی تھیں اور بس اپنی بیٹی کو ہی محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھیں' کبھی اچانک ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے' تو وہ بڑے ـــــــ انداز میں ٹشو سے آنکھیں آہستہ آہستہ دبا لیتیں۔ رشیدہ کو کنفیوز دیکھ کر ایک نہایت بزرگ خاتون نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"آپ اگر دلہنوں کو دیکھنا چاہ رہی ہیں تو میں لڑکیوں کو نیچے بلوا لیتی ہوں' آپ آرام سے دیکھ لیں۔"

"نہیں' نہیں..... اس کی کوئی ضرورت نہیں' آپ کون ہیں؟" رشیدہ فورا" بولیں۔

"یہ جن بہن' بھائی کی شادی ہے یہ میرے نواسہ' نواسی ہیں اور دوسرا دولہا میرا پوتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے

بولیں تو رشیدہ کی ساری الجھن دور ہو گئی وہ چند رسمی بات چیت اور اپنے تعارف کے بعد اصل مدعے پر آگئیں اور رومیلہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگ لی۔

"بالکل آپ شوق سے اپنی بھانجی کو لے کر جا سکتی ہیں۔ لیکن اس کی اصل اجازت اب الیان ہی دے سکتا ہے دراصل میرے پوتے کا ولیمہ گاؤں میں ہونا ہے اور الیان وغیرہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بیٹی کی سسرال کی بجائے اسے اپنی نانی کا گھر سمجھ کر پہلے کی طرح آئیں۔ ـــــ اور چار پانچ دن رہیں گے۔

اب پتا نہیں ان لوگوں کو پروگرام چینج ہوا ہے یا نہیں۔" نانی اماں نے کہا۔

"ارے آپ جتنے دن چاہیں رومیلہ کو گاؤں میں رکھیں میں تو بس کل کے لیے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔" رشیدہ سبھاؤ سے بولیں تو نانی اماں نے اسی وقت شگفتہ غفار کو بھی بلا کر رشیدہ سے ان کی بات کرا دی اور سارے معاملات شگفتہ غفار کی سرد مہری کے باوجود خوش اسلوبی سے طے کر دیے۔

اپنی بیٹی کا اکھڑا اکھڑا رویہ نانی اماں کو گراں تو گزرا مگر انہوں نے یہ سوچ کر نظر انداز کر دیا کہ شاید اس کا موڈ خراب ہے اصل میں شگفتہ غفار نے تقریب مردوں اور عورتوں کی مخلوط رکھنی چاہی تھی جس پر نانی اماں سمیت کوئی بھی ماموں تیار نہیں ہوئے اور زبردستی مردوں اور عورتوں کے بیٹھنے کا انتظام الگ الگ کرایا جو شگفتہ غفار کو پسند نہیں آیا تھا اور اپنی ناپسندیدگی انہوں نے ظاہر بھی کر دی تھی۔

یہ اور بات تھی مردان خانہ اور زنان خانہ جس طرح الگ کیا گیا تھا وہ نانی اماں کے گھر والوں کو ذرا نہیں بھایا تھا۔ مختلف لڑکے اور مرد منہ اٹھائے بلا روک ٹوک اندر زنان خانے میں چلے آ رہے تھے ممانیوں اور ان کی بیٹیوں نے بدمزگی سے بچنے کے لیے خاموشی سے اعتراض کیے بغیر چادریں اوڑھ لی تھیں البتہ اس ماحول کو دیکھ کر وہ بھی ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھیں جس کے باعث ایک محسوس کیے جانے والا تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا اور جس کی رپورٹ بھابھی نے فورا" ہی فون کر کے مردان خانے میں بیٹھے ابرار بھائی کو بھی دے دی ساتھ ہی انہوں نے شکایتوں کے پل بھی باندھ دیے۔

"ہمیں تو کوئی پوچھ ہی نہیں رہا ایسا لگ رہا ہے لڑکی لے کر احسان کیا ہو۔" ابرار نے بے ساختہ لب بھینچ لیے اور فون بند کر کے ریاض غفار کے قریب چلا آیا۔

"بیٹی کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔ بہت خوش نصیب ہیں آپ۔ بالکل ہیرے جیسا داماد ملا ہے ایسے لڑکوں کے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی ایک سے ایک اچھی لڑکی انہیں مل سکتی ہے اس لیے یہ لوگ کسی ایسی ویسی لڑکی کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے جو سماج کی نظروں سے گری ہوئی ایک داغ دار لڑکی ہو۔" ابرار بات ریاض غفار سے کر رہا تھا مگر اس کی نظریں دولہا بنے سجیلے سے حامد پر جمی تھیں۔

ریاض غفار کا چہرہ فق ہو گیا تھا ابرار کی بات پر اس کا دھمکی آمیز لہجہ وہ سمجھ گئے تھے اسی لیے ابرار نے الیان کی بجائے ان سے بات کی تھی کہ انہیں دباؤ میں لانا آسان تھا جبکہ الیان اس کے دھمکانے پر اور جوش میں بھی آ سکتا تھا۔

اب تک ابرار کی کوشش تھی کہ وہ اپنا جرم قبول نہ کرے مگر ان سب کے سرد مہر رویے اسے مجبور کر گئے تھے سامنے آ کر دھمکانے پر۔ تب ہی وہ دوٹوک لہجے میں کہتا آگے بڑھ گیا۔

"بہتر ہو گا کہ اپنا مزاج ابھی درست کر لیں ورنہ مجھے گھی نکالنے کے لیے انگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی جو میں کرنا نہیں چاہ رہا۔ اسی لیے سمجھا رہا ہوں۔" ریاض غفار کے پسینے چھوٹ گئے۔

رہ رہ کر انہیں اپنی اور سب کی کوتاہیوں کا خیال آنے لگا جو وہ رومیلہ کے ساتھ اتنا سرد رویہ رکھتے وقت مسلسل کر رہے تھے۔ ... اگر ابرار اس کے ازالے پر اتر آتا تو ان سب کو دن میں تارے نظر آ جاتے۔ ...

www.Paksociety.com

حالانکہ الیان مسلسل تاکید کررہا تھا کہ رومیلہ کے ساتھ مناسب طریقے سے پیش آئیں' لیکن وہ صرف دوسروں کو ہی تلقین کررہا تھا۔ وگرنہ خود اس کا رویہ بھی قابل گرفت تھا۔

جبکہ اپنے طور پر الیان نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اس سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہ ہو جسے بنیاد بنا کر ابرار انہیں پریشان کرسکے۔ اس نے صرف بریرہ کی شادی کا انتظام کرایا تھا۔ لیکن جب اپنا ولیمہ بھی ساتھ کرنا پڑا تو اس نے لان میں مزید سو لوگوں کے لیے کرسیاں اور ٹیبلز لگوائیں۔ تاکہ رومیلہ کے خاندان والے آئیں تو کوئی بدنظمی نظر نہ آئے۔ کھانا اتنے شورٹ نوٹس پر بڑھوانا آسان نہیں تھا۔ مگر اس نے سب انتظام کردیے۔

بس ایک چیز پر اس کا اختیار نہیں تھا اور وہ تھا رومیلہ کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا' ایسا نہیں تھا کہ اس نے یہ سب کرنے کا سوچا نہیں تھا۔ لیکن رومیلہ جیسے ہی سامنے آتی اس کے ماتھے کی سلوٹیں اور چہرے کی بےزاری کسی طور کم نہیں ہوتی تھی۔

اس وقت بھی اس کا موڈ اچھا خاصا خراب تھا۔ ایک تو ابرار کی شکل دیکھتے ہی اس کا قاتل بن جانے کا دل چاہنے لگتا۔ دوسرے اتنی کوششوں کے بعد بھی تقریب میں بدمزگی ہوگئی تھی۔

ابرار کے والد نے بتایا تھا وہ اسی لوگوں کو لائیں گے' لیکن جو لوگ نظر آرہے تھے وہ اس تعداد سے کہیں زیادہ لگ رہے تھے۔ جس کے نتیجے کے طور پر مردوں اور عورتوں کو علیحدہ بٹھانے کا جو انتظام تھا وہ بھی متاثر ہورہا تھا۔ کچھ مردوں کو اس نے خود زنان خانے میں جاتے اور وہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ جس کے باعث وہ شدید کوفت میں مبتلا تھا۔ ماموں جان کی فیملی کے سامنے اسے شرمندہ ہونا پڑ گیا تھا۔ جو اس کے چہرے سے بخوبی ظاہر تھا۔

ریاض غفار تفکر بھری نظروں سے الیان کو دیکھ رہے تھے کہ ابرار اور حامد دونوں یہاں مدمقابل تھے۔ اگر ابرار غصے میں اسے کچھ بھی کہہ دیتا تو ان کی بیٹی کا گھر تو بسنے سے پہلے ہی اجڑ جائے گا۔

ایک ہی پل میں وہ جانے کتنی دور کا سفر کرکے آگئے۔ تب ہی ایک دم اٹل فیصلہ کرتے ہوئے اپنے آپ سے عہد کرنے لگے کہ وہ اب مزید ایسا نہیں ہونے دیں گے' ابرار کو کسی قسم کی شکایت نہیں ہوگی' وہ خود بھی اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور گھر والوں سے بھی زبردستی کروائیں گے۔

اپنے عزم پر عمل کرنے کے لیے وہ فوراً" رومیلہ کے والد کی طرف بڑھ گئے۔ تاکہ ان کی خاطرداری کرسکیں۔ وہ سب کے بیچ میں تو الیان کو نہیں ٹوک سکتے تھے۔ لیکن بعد میں وہ اسے آڑے ہاتھوں لینے والے تھے۔ انہوں نے سوچ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کون کیا سوچ رہا تھا۔ خرم کو کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ جب سے رومیلہ کے ولیمہ سے لوٹا تھا شدید جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔ اگلے دن تو چھٹی تھی۔ لہٰذا وہ یونیورسٹی نہیں گیا۔ اس کے اگلے دن بھی اس کا جانے کا بالکل دل نہیں چاہا تو سارا دن کمرے میں ہی پڑا رہا۔ تیسرے دن بھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اسے چھٹی کرلینی چاہیے۔

ورنہ جیسے ہی یونیورسٹی میں قدم رکھے گا سمیر اپنی منحوس شکل لے کر ٹہلتا ہوا آجائے گا۔ اس کے زخموں پر نمک پاشی کرنے اور کوئی بعید نہیں تھا کہ اس کے اس وار میں نمل بھی اس کے ساتھ ہوجائے۔

وہ یونیورسٹی میں سب کو کیا جواب دے گا کہ نمل نے سمیر کو شادی میں کیوں بلایا تھا اور یہ تو اسے یقین تھا کہ سمیر اپنی چھچھوری عادت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اب تک سب کو شادی میں جانے اور خرم کے بھاگ جانے کا واقعہ نمک مرچ لگا کر بیان کرچکا ہوگا اور وہ سب مشہور ہونے کے بعد اس کا یونیورسٹی میں جا کر سب کا سامنا کرنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔

نمل کا رویہ وہی اکھڑا اکھڑا ذلیل کرنے والا ہوگا۔ پھر اس پر وہ سمیر کے ساتھ پھر رہی ہوگی۔ ایسے میں خرم کو کچھ ایسا کرنا تھا کہ سب کو لگے خرم کو خود بھی نمل میں دلچسپی نہیں ہے۔ وہ سمیر کے ساتھ تو کیا کسی کے بھی ساتھ ہو

اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ کیسے ثابت کرے۔ منگنی توڑ کر وہ نمل کو اس کے مقصد میں کامیاب نہیں کرسکتا تھا تو پھر آخر اس کا کیا حل تھا۔

خرم چوبیس گھنٹے یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے فون کی بیل بج اٹھی۔ اس نے بےزاری سے اسکرین پر نظر ڈالی تھی کہ اس کے دوستوں میں سے کوئی اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا ہوگا۔ مگر موبائل اٹھا کر دیکھنے پر اسکرین پر unknown نمبر دیکھ کر خرم نے کال ریسیو کرلی۔

"ہیل... ہیلو' کیا میں خر... خرم سے بات کرسکتی ہوں۔" دوسری طرف سے کسی گھبرائی ہوئی لڑکی کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری تو خرم چونک اٹھا۔

خوش فہمی کی یہ انتہا ہی تھی کہ اسے لگا شاید نمل نے اسے فون کیا ہے۔ ہوسکتا ہے اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہوا ہو' سنبل کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ اسے بھی سمیر کا آنا اچھا نہیں لگا' ہوسکتا ہے سنبل نے اسے احساس دلایا ہو اور وہ اپنی حرکت پر شرمندہ ہو۔

ایک ہی پل میں خرم نے جانے کیا کچھ سوچ لیا اور بڑی بےچینی سے کہنے لگا۔

"میں خرم ہی بول رہا ہوں' آپ کون؟" اس نے اپنا لہجہ ضرورت سے زیادہ شائستہ بنا لیا تھا۔ تاکہ اگر دوسری طرف نمل ہے تو اس کا نام سننے کے بعد ایک دم سرد مہری اختیار کرلے گا۔ جس سے نمل کو اس کی ناراضی کا بھرپور اندازہ ہوجائے گا' لیکن جب وہ معافی مانگے گی۔ تب وہ تھوڑا سا بھاؤ کھانے کے بعد مان جائے گا۔

"میں... میں زوبیہ بول رہی ہوں۔" زوبیہ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ اسے امید نہیں تھی کہ اسے اپنا تعارف کرانا پڑے گا۔ خرم نے خود فون کرکے اس کا نام پوچھا تھا۔ اسے تو یقین تھا خرم نے اس کا نام اور نمبر سیو کرلیا ہوگا۔

"زوبیہ۔" خرم نے خالی الذہنی کے عالم میں دہرایا۔ اسے سخت بوریت ہوئی تھی کہ نمل نے اسے فون کیوں نہیں کیا۔ وہ ایک دم سے جوش میں آنے کے بعد پھر ٹھنڈا ہوگیا۔

اب کی بار زوبیہ بری طرح سٹپٹا گئی۔ بھلا اپنے نام کے علاوہ اپنے تعارف میں وہ اور کیا کہتی' اتنی مشکل سے ہمت کرکے تو اس نے خرم کو فون کیا تھا۔ ورنہ اس کے لیے کسی سے آگے بڑھ کر خود بات کرنا جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔

"میں نے پہچانا نہیں' کون زوبیہ؟" خرم اسے خاموش پاکر خود ہی دوبارہ پوچھنے لگا۔

"میں... میں بلال اختر کی بیٹی ہوں... ہم ابھی کچھ دن پہلے ملے تھے نا ہوٹل میں۔" زوبیہ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جلدی جلدی کہا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہوگئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون

www.Paksociety.com

خرم کے ذہن میں ایک کوندا سالپکا' سب کچھ جیسے ایک دم صاف ہوگیا۔ اس کا ذہن ایک ہی نکتے پر تو سوچ رہا تھا کہ کس طرح نمل کو نیچا دکھایا جائے۔ اگر وہ سمیر کے ساتھ دوستیاں گانٹھ رہی ہے تو اسے بھی یہی دکھانا چاہیے کہ اسے بھی نمل میں کوئی دلچسپی نہیں۔

زوبیہ کے اس فون نے جیسے اس کی ساری الجھن حل کردی' اسے تو بالکل محنت کی ضرورت نہیں تھی۔ بالکل بنا بنایا کھیل اس کے سامنے تھا۔ اسے تو صرف آکر فتح کرنا تھا۔

"جی... جی مس زوبیہ' مجھے یاد آگیا ہے۔ آئی ایم سوری' اصل میں' میں اتنا پریشان ہوں کہ ہر چیز میرے دماغ سے نکل جاتی ہے۔ میں آپ کو فون کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر... میرا موبائل اسی رات چوری ہوگیا۔ تھینک گاڈ آپ نے خود فون کرلیا۔ ورنہ میں تو ڈیڈ سے آپ کے والد کا نمبر لے کر آپ سے بات کرنے والا تھا۔" خرم نے جان بوجھ کر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور وہ واقعی تڑپ اٹھی۔

"نہ... نہیں... آپ... آپ... اس بارے میں کسی سے بات نہیں کیجیے گا۔ میرے گھر میں کوئی آپ کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔"

"اوہ... لیکن آپ کو تو یقین ہے نا۔" خرم نے ڈرامائی انداز میں پوچھا۔

"جی... کیونکہ میں نے خود بچپن سے اس روح کو دیکھا ہے۔ وہ... وہ شائستہ خالہ کی روح ہے' جو صرف مجھے نظر آتی تھی اور اب... میرے بعد آپ پہلے شخص ہیں جس نے اس سائے کو دیکھا ہے۔" زوبیہ کی بات پر خرم سوچ میں پڑگیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بے پناہ حسین لڑکی تھی۔ بلا مبالغہ اس کی پوری یونیورسٹی میں کوئی لڑکی اتنی خوب صورت نہیں تھی۔

لہٰذا اسے ایک بار اسے اپنے ساتھ یونیورسٹی لے کر جانا تھا' تاکہ سب یہ سوچنے لگیں کہ خرم کو نمل کی بجائے کسی دوسری لڑکی میں دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسی لیے شاید دلبرداشتہ ہوکر نمل نے سمیر کا سہارا لے لیا' کیونکہ یہ تو وہ جانتا تھا کہ سمیر کو اس کی جیسی پذیرائی حاصل نہیں تھی۔

خرم اپنی دولت اور وجاہت کی وجہ سے جتنا مقبول اور پسندیدہ تھا سمیر کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ حالانکہ سمیر بہت برا نہیں تھا۔ لیکن خرم کے مقابلے میں وہ پانی ہی بھرتا تھا۔

ٹھیک یہی چیز نمل اور زوبیہ میں تھی۔ نمل بہت اچھی اور پرکشش لڑکی تھی۔ مگر زوبیہ کے حسن میں ایک سحر تھا' اس کا حسن ایک ملکوتی حسن تھا۔ اگر اسے نمل کے مقابلے میں لایا جاتا تو کوئی بھی ذی ہوش انسان نمل کو اس کے سامنے پانی بھرتا کہہ دیتا۔

خرم سارا موازنہ کرتے ہوئے گلا کھنکار کر بولا' پورا پلان اس نے ایک پل میں ترتیب دے لیا تھا۔

"زوبیہ مجھے صرف وہ سایہ نظر نہیں آتا' بلکہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر یقین کرنا بہت مشکل ہے' لیکن شاید آپ سمجھ سکتی ہیں۔

میں آپ کو کچھ دکھانا چاہتا ہوں' اس کے لیے آپ کو میرے ساتھ کراچی یونیورسٹی چلنا ہوگا۔ کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی۔" خرم کا سوال زوبیہ کو سن کرگیا تھا۔ وہ عجیب کشمکش و پیچ میں پڑگئی تھی۔

وہ بھلا گھر سے اس طرح کیسے نکل سکتی تھی۔ وہ بھی خرم کے ساتھ۔ کراچی یونیورسٹی' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے کیا کہنا چاہیے' یہ تو اسے پتا تھا کہ اسے جانا ہے' انکار کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

"فاطمہ' فاطمہ جلدی کر بارش شروع ہونے والی ہے' الگنی سے سارے کپڑے اتار کر اندر رکھ دے۔" باورچی خانے سے بوبو کی آواز سنائی دی۔ وہ کتابیں ایک طرف رکھ کر جلدی سے صحن میں آگئی۔ بارش کے ننھے ننھے قطرے ہوا کے ساتھ اس کے چہرے سے ٹکرانے لگے۔

"بارش تو شروع ہوگئی بوبو' جلدی سے کڑاہی رکھ لیں۔ گرما گرم پکوڑے ہو جائیں۔" وہ بچوں کی سی خوشی سے بولی۔

"اچھا رکھتی ہوں تو ذرا ثریا کو بھی جگا دے' کب سے سو رہی ہے' یہ موئی نیند کی گولیاں کھا کھا کر صحت خراب کرلی ہے اس نے۔" بوبو کی بڑبڑاہٹ عروج پر تھی۔ وہ جلدی جلدی کپڑے اتارنے لگی۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے وسیع و عریض صحن میں گرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا صحن پانی سے بھر گیا۔

"فاطمہ' برآمدوں کے بلب جلا دے بچی' اندھیرا ہوگیا ہے۔" بوبو نے اسے پھر آواز دی۔ وہ ان کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے بلب جلانے لگی۔

کچھ دن تو بسو میری آنکھوں میں
پھر خواب اگر ہو جاؤ تو کیا
کوئی رنگ تو دو میرے چہرے کو
پھر زخم اگر مہکاؤ تو کیا
کچھ دن تو بسو.....

وہ برآمدوں کے بلب جلا رہی تھی' جب بائیں طرف کے برآمدے میں سبز دروازے کی درز سے مغنیہ کی آواز باہر آنے لگی۔ فاطمہ نے متجسس نظروں سے اس بند دروازے کی سمت دیکھا اور پھر باورچی خانے کی طرف نظر دوڑائی۔ بوبو باورچی خانے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

"فاطمہ جلدی کر ثریا کو جگا دے' پکوڑے بنا رہی ہوں' ساتھ چائے' تو بھی عصر کی نماز پڑھ لے اتنی دیر میں۔" بوبو کا مقصد اسے وہاں سے ہٹانا تھا' وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ مغنیہ کی آواز مسلسل آرہی تھیں۔

"توبہ ہے اس منحوس ماری کو بھی ذرا شرم نہیں آتی' عمر ڈھلنے کو ہے توبہ کا در نہ کھلا اس بدبخت عورت پر۔" بوبو کی بڑبڑاہٹ اپنے عروج پر تھی' اس کے کان کھڑے ہوگئے۔

"بڑی صاحب بھی نہ جانے کیسے اس کی باتوں میں آکر یہ کمرہ اسے دے گئیں' کہتی تھی سلائی کرکے گزارہ کرلوں گی۔" پکوڑوں کے تلنے کی آواز میں بوبو کی بڑبڑاہٹ کچھ دب رہی تھی۔ اس نے اماں کو آواز دے کر عصر کی نماز کی نیت کرلی۔

وہ بند کمرہ نادرہ نامی گائیکہ کا تھا۔ وہ ریڈیو پر گاتی تھی' کبھی اس کا تعلق بڑی صاحب اور اس گھر سے بھی رہا تھا۔ فاطمہ اس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی' اماں اور بوبو دونوں ہی ماضی کی کوئی بھی بات اس کے سامنے کرنے سے کتراتی تھیں' شاید وہ اس سے کچھ چھپانا چاہتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ کالج جانے کے لیے نکلی۔ موسم آج بھی ابر آلود تھا۔ بوبو کسی محافظ کی طرح اس کے آگے چل رہی تھیں۔ اس نے بیرونی سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے نظر اٹھا کر نادرہ کے کمرے کی طرف دیکھا۔ بیرونی سیڑھیوں کی طرف کھلنے والا دروازہ کھلا تھا۔ نادرہ کے کمرے میں موسیقی کا سامان دھرا تھا۔

"فاطمہ تو یہیں رک' میں اپنا بٹوہ اندر ہی بھول آئی' ابھی لے کر آتی ہوں' یہی جمی (کھڑی) رہیو۔" وہ اسے سختی سے کہہ کر دوبارہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ نادرہ کے کمرے میں تاک جھانک میں مصروف تھی کہ کوئی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تھا۔ وہ حیران تھی کہ کہیں وہ شخص راستہ تو نہیں بھول گیا۔ اس نے اپنے گھر میں کبھی کسی مرد کو آتے نہیں دیکھا تھا یا شاید وہ نادرہ کا ہی مہمان تھا۔

"السلام علیکم۔" وہ اس کے قریب آرکا۔

"وعلیکم السلام۔"

"گیتی آرا صاحبہ یہیں رہتی تھیں نا؟" اس نے غلط بندی سے یہ سوال کر دیا تھا۔

"جی؟" فاطمہ نے حیرت سے اس کی سمت دیکھا۔

"اور..... ثریا شاہنواز صاحبہ تو یہیں رہتی ہیں نا۔" اس کے منہ سے یہ دوسرا نام سن کر وہ مزید چونکی تھی۔

"وہ تو میری امی ہیں۔" اس نے انتہائی معصومیت سے کہا۔ مقابل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور پھر وہ وہیں سے واپس ہوگیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا' بوبو اپنے بٹوے کی رقم گنتے ہوئے آرہی تھیں۔

"کون تھا فاطمہ؟" بوبو نے شاید اسے سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"پتا نہیں کون تھا' امی کا پوچھ رہا تھا اور پھر کسی گیتی آرا کا ذکر کر رہا تھا' بس اتنا پوچھا کہ وہ یہیں رہتی ہیں اور پھر چلا گیا۔"

"کون ہو سکتا ہے؟" بوبو خود کلامی کے انداز میں بولیں۔

"یہ گیتی آرا کون ہے بوبو؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"تمہاری نانی' بڑی صاحب۔" بوبو کی آواز بہت پست تھی۔ ان کے چہرے سے لگتا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم ہوں۔ فاطمہ کا تجسس بڑھنے لگا۔ بوبو کے چہرے پر بکھری فکر کی لکیریں اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ کالج سے واپس آئی تو بوبو اکیلی تھیں۔

"امی کہاں ہیں بوبو؟" اس نے اماں کو نہ پا کر یہ سوال کیا۔

"کسی ضروری کام سے گئی ہے۔" بوبو نے برقعہ اتارا اور باورچی خانے کا رخ کیا۔

"کس کے ساتھ؟" اس کے اس سوال پر انہوں نے بہت غور سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"کیا مطلب کس کے ساتھ؟ بس گئی ہے کام سے' تم وردی بدل لو اور آکر روٹی کھاؤ۔" بوبو کو اس کا پوچھنا برا لگا تھا۔

"پہلے کبھی یوں تنہا نہیں گئیں نا' اس لیے عجیب سا لگ رہا ہے' ہمیشہ آپ کے ساتھ جاتی ہیں نا۔" وہ بات کو بڑھا رہی تھی۔

"ہاں ہوگا کوئی ضروری کام' تم کیوں بحث کرتی ہو۔" بوبو کا لہجہ پہلے کی طرح سخت تھا۔

"میں بحث کب کر رہی ہوں' میں تو بس پوچھ رہی ہوں۔" اس نے وہاں سے اٹھتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

"کھانا کھاؤ گی فاطمہ؟" وہ انگریزی کی کتاب کھولے امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ جب بوبو کی آواز سنائی دی۔ امی پھر گھر موجود نہیں تھیں۔ وہ جو اس روز صبح صبح امی کا نام پوچھ رہا تھا' وہ ایک وکیل تھا اور امی آج کل اسی کے ساتھ کہیں جاتی تھیں۔

"نہیں بوبو مجھے ابھی کھانا نہیں کھانا' جب امی آئیں گی تو کھا لوں گی۔" اس نے جیسے بات ختم کی۔

"وہ دیر سے آئے گی' تم کھا لو' وہ عمر کے ساتھ دفتر گئی ہے اس کے۔" بوبو نے اس کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے اطلاع پہنچائی۔

"عمر؟" اس نے سوالیہ نظروں سے بوبو کی سمت دیکھا۔

"عمر احمد وہی وکیل جو چند روز پہلے صبح کے وقت آیا تھا۔" بوبو نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بتایا۔

"لیکن وہ یہاں کیوں آتا ہے؟" اس کا تجسس بڑھنے لگا۔ پریشانی ہو رہی تھی کہ آخر ایسی کیا بات ہے جو اس سے چھپائی جا رہی ہے۔

"ہاں کچھ خاص نہیں' بس اس مکان کے کچھ کاغذات بنوانے تھے بس..... چلو چھوڑو تم کھانا کھاؤ۔" بوبو بات مکمل کرکے وہاں سے اٹھ گئیں۔

"یہ مکان؟" اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہ مکان اسے بہت پراسرار سا لگا۔ یوں محسوس ہوا جیسے وہاں بہت سی آوازیں گونج رہی ہوں' بہت سے لوگ ہوں جن کا تعلق اس مکان سے رہا ہو۔ خوف زدہ ہو کر اس نے نظریں جھکالیں اور کھانا کھانے لگی۔

☼ ☼ ☼

عمر احمد کا آنا جانا کچھ زیادہ ہی ہوگیا تھا۔ وہ اس کو جن نظروں سے دیکھتی تھی' اس کے چہرے پر عجیب سی

www.Paksociety.com

مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس روز بھی وہ فائل اٹھائے آیا تھا۔

"عمر بیٹھ جاؤ' چائے پی کر جانا۔" بوبو نے اسے اٹھتا دیکھ کر باورچی خانے سے باہر جھانکا۔ وہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔ وہ جو کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی تھی' اس نے قہر بھری نظروں سے عمر کی سمت دیکھا۔ وہ ایک غیر شخص تھا' لیکن اس گھر سے جڑی کہانی سے واقف تھا اور وہ جو اس گھر میں رہتی تھی وہی بے خبر تھی۔

"یہ آواز کیسی ہے؟" اس نے ستار کی آواز پر چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ نادرہ ہے' بس ہمیں تو بڑی صاحب کا وعدہ مار ڈالتا ہے' ورنہ اسے یہاں کبھی نہ رہنے دیں۔۔۔ بس کیا کریں اس کمرے سے نادرہ مر کر ہی نکلے گی۔" اماں کے منہ سے یہ الفاظ سن کر وہ کھسک کر تھوڑا سا اور قریب ہو گئی۔

"بڑی صاحب نے جس وعدے پر اسے رکھا تھا وہ وعدہ تو وہ بھول گئی۔" عمر نے نہ جانے کیا بات کی تھی' وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔

"بس کیا کریں نادرہ نے بڑی منت سماجت کی تھی اور پھر بڑی صاحب نے کہا کہ نادرہ جب بھی واپس آئی یہ کمرہ اس کی ملکیت ہے' اب کیا کریں اسے یہاں سے نکالتے ہوئے ان کا وعدہ یاد آجاتا ہے۔"

"اور یہ دروازہ آپ لوگوں نے بند کیا تھا کیا؟" عمر نے ایک اور سوال کیا' وہ یہی سب تو جاننا چاہتی تھی۔

"نہیں' یہ دروازہ بڑی صاحب نے خود بند کیا تھا۔" اماں کے جواب پر اس کا تجسس بڑھنے لگا۔

"خیر آپ صبح جلدی تیار رہیے گا' ہمیں وقت پر کچہری پہنچنا ہے' صبح تمام کام ہو جائے گا۔" وہ اب بات بدل چکا تھا۔ بوبو چائے لے آئیں اور وہ پورے جی جان سے چائے پینے لگا۔ فاطمہ نے دیکھا وہ کن انکھیوں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا' وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"میرے پاس گیتی آرا صاحبہ اور نواب سلطان کا نکاح نامہ موجود ہے۔" اس نے اٹھتے ہوئے امی سے کہا۔ فاطمہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ نواب سلطان اس کے نانا کا نام تو ماسٹر دین محمد تھا اور اس نے ان کی تصویر امی کے صندوق میں دیکھی تھی۔ پھر اگر گیتی آرا اس کی نانی تھیں تو یہ نواب سلطان کون تھا؟ عمر اس کہانی سے واقف تھا' اسے عمر سے دوستی کرنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میرا نام فاطمہ ہے' فاطمہ شاہنواز۔" اس نے نہایت رازداری اور دوستانہ انداز میں اپنا تعارف کروایا تھا۔

"مجھے معلوم ہے۔" دوسری طرف عجیب سی مسکراہٹ ابھری۔

"آپ وکیل ہیں نا؟" ایک اور بے تکا سوال پوچھا گیا۔

"دیکھنے میں کیا لگتا ہوں؟" اس نے بھی اسی رازداری سے پوچھا۔

"دیکھنے میں بھی وکیل ہی لگتے ہیں۔ جھوٹے اور چال باز۔" وہ اپنے جملے کا آخری حصہ دل میں ہی کہہ سکی۔

"ویسے میرا نام عمر احمد ہے۔" اس نے نہایت غیر سنجیدہ انداز میں اپنا تعارف کروایا۔

"آپ نواب سلطان کے وکیل ہیں' یہ نواب سلطان کون ہیں؟" وہ دھیرے دھیرے اپنے مطلب کی طرف آرہی تھی۔

"گیتی آرا صاحبہ کے شوہر ہیں' اب آپ یہ پوچھیں گی کہ یہ گیتی آرا صاحبہ کون ہیں تو یہ آپ کی نانی مرحومہ کا نام ہے۔ اگلا سوال یہ ہو گا کہ آپ یہاں کس سلسلے میں آتے ہیں تو میں آپ کی امی کی جائیداد کے کاغذات بنوا رہا ہوں' جو نواب سلطان کی طرف سے انہیں ملی ہے۔۔۔ بس یا اور کچھ۔" وہ اسی غیر سنجیدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"لیکن میرے نانا تو ایک اسکول ماسٹر تھے۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ عمر احمد کے چہرے سے مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی۔

"میں نے امی کے بٹوے میں ان کی تصویر دیکھی تھی۔ ساتھ میں امی کی تصویر تھی اور وہ میرے نانا ہیں' یہ سب تصویر کے پیچھے لکھا تھا۔" اس نے نہایت معصومیت سے کہا اور ایسا کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔

"فاطمہ۔۔۔ مجھے خود بھی کچھ معلوم نہیں۔" وہ نظریں چرا گیا۔

"جھوٹ بولتے ہیں آپ' سب جانتے ہیں آپ اور آپ سے کہا گیا ہے کہ مجھے کچھ نہ بتایا جائے۔" وہ رو دی۔ عمر نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ واپسی کے ارادے سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"پلیز مجھے بتائیے' یہاں مجھے کبھی کسی نے کچھ نہیں بتایا۔۔۔ پلیز مجھے بتائیے۔" وہ رونے لگی۔

"آئی ایم سوری فاطمہ۔" وہ اس کے آنسو نظر انداز کرتا باہر نکل گیا۔

"ماں نے مجھ سے زیادہ ایک غیر کو اتنا اہم سمجھا کہ اسے ہمراز بنا لیا اور مجھے اصل کہانی بتانے سے منع کیا۔" وہ روتی چلی گئی۔

وہ کچھ دن بعد پھر آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کاغذات کی فائل تھی۔ اماں کی طبیعت ناساز تھی' وہ پہلی مرتبہ ان کے کمرے میں جا بیٹھا۔ فاطمہ نے اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔

"یہ تمام کاغذات تیار ہیں' آپ کی خواہش کے مطابق وہ تمام جائیداد یتیم خانے اور آغوش ٹرسٹ کے نام کر دی گئی ہے۔" وہ ان کے قریب ہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا' اماں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بوبو چائے بنانے کے لیے اٹھنے لگیں' اسی وقت باہر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس گھر میں محلے کا تو کوئی شخص نہیں آتا تھا' نیچے کا پورشن گودام کے طور پر کرائے پر لگا رکھا تھا' لیکن وہ کرائے دار بھی کبھی اوپر نہیں آیا تھا' ہمیشہ بوبو نیچے جا کر کرایہ لے آتی تھیں۔ ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ سرخ ساڑھی میں ملبوس' میک اپ زدہ چہرے والی عورت نہایت غصے میں دکھائی دے رہی تھی۔

"نادرہ۔" اماں کے منہ سے یہ ہی نام نکلا۔ فاطمہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"نادرہ؟" عمر بھی کھڑا ہو گیا۔

"کیوں رے لونڈے؟ کیوں ادھر کے چکر کاٹتا ہے؟ کوئی مائی کا لال نادرہ کو یہاں سے نہیں نکال سکتا' بڑی صاحب اپنے کو بول کر گئی ہے نادرہ یہ کمرہ تیرا ہے' میں سب جانتی ہے کہ یہ ثریا تجھے یہاں کیوں بلاتی ہے۔" وہ بہت غصے سے بول رہی تھی' فاطمہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"نادرہ۔۔۔ زبان بند رکھ اپنی۔" بوبو نے بھی غصے سے جواب دیا۔

"رے تو تو چپ ہی رہے تو اچھا ہے' بات کرنے دے مجھے' یہ بڑی صاحب مر گئی تو کس کی وجہ سے' اسی ثریا کی وجہ سے' نہ جانے کہاں سے اٹھ کر آگئی بڑی صاحب کی بیٹی بولے خود کو۔۔۔ ارے پوچھو اس سے' اس کی خود کی بیٹی کا باپ کون ہے؟ مر گیا تو اس کی قبر کدھر کو ہے؟" وہ زہر اگل رہی تھی' فاطمہ کے ہاتھوں سے کتاب زمین میں گر گئی۔

"بول رے لونڈے' کیا مطلب ہے تیرا؟" اب وہ عمر سے مخاطب تھی۔

"آپ جو سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے' آپ کو یہاں سے کوئی نہیں نکالے گا' میں تو شاہ نواز صاحب کا وکیل ہوں۔" اس نے بات بنائی۔

"شاہ نواز صاحب۔۔۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور واپس ہو گئی۔ فاطمہ نے جن نظروں سے ماں کی طرف دیکھا تھا' وہ پلنگ پر ڈھے سی گئیں۔

"میں چلتا ہوں' اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"بوبو دروازہ بند کر دو' فاطمہ تم یہاں آؤ۔" انہوں نے بہت نقاہت سے آواز دی۔

"مجھے آپ سے کچھ نہیں پوچھنا' آپ نے مجھ سے سب کچھ چھپایا تھا' مجھے کوئی اعتراض نہیں' بس مجھے یہ بتا دیں کہ میرا باپ کون ہے؟ وہ آپ کا شوہر بھی ہے

www.Paksociety.com

یا۔۔۔" فاطمہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ ثریا نے پوری طاقت سے اس کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔ وہ لہرا کر زمین پر گر گئی۔

"تم سنو گی' تم سب کچھ سنو گی' تم نے اپنی ماں پر شک کیا ہے' اب تمہیں سننا ہو گا۔" ثریا کی آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے۔ بوبو نے سارے دروازے بند کر دیے۔ ثریا نے اٹھ کر فاطمہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"محبت کی شادی کی تھی تمہارے باپ سے میں نے' مگر اس نے مجھے دھوکہ دیا' وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا' آج تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔" وہ اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولیں' فاطمہ کا رواں رواں کان بن گیا۔

☆ ☆ ☆

"ثریا۔" اس نے جوں ہی گھر میں قدم رکھا۔ ابا نے بہت کمزور آواز میں اسے پکارا' وہ پہلے ہی بہت تھکی ہوئی تھی۔ گھر کے تمام کام بھی اس کے منتظر تھے۔

"جی ابا۔" وہ کچھ ہی فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ثریا بیٹی تمہیں اگر کہیں نوکری نہیں مل رہی تو' تم اپنا اسکول بنا لو یہیں گاؤں میں' میں نے ملک صاحب سے بات کی ہے' وہ کہہ رہے ہیں کہ شہر سے کوئی رشتہ دار آیا ہے ان کا' اس کے ساتھ اس کا دوست بھی ہے' وہ شہر سے ہمیں فنڈ اکٹھا کر دیں گے' ہم اس رقم سے یہاں گاؤں میں اسکول بنا لیتے ہیں۔" ابا جو کچھ کہہ رہے تھے وہ سمجھ رہی تھی۔

"لیکن ابا ہماری مدد کر کے انہیں کیا فائدہ ہو گا؟" وہ کچھ الجھ سی گئی۔ اس طرح کون کسی کی مدد کرتا ہے بھلا؟

"بیٹا ضروری تو نہیں کہ ہر شخص اپنے فائدے کے لیے ہی کام کرے۔ کچھ لوگ دوسروں کی مدد کر کے جو روحانی خوشی اور تسکین حاصل کرتے ہیں وہی ان کے لیے متاع حیات ہوتی ہے۔" ابا کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کون ہے وہ' میرا مطلب ہے کہاں سے آیا ہے؟"

"حیدر آباد سے آیا ہے' ہاں اس کا دوست لاہور کا ہے۔ شاہنواز نام ہے اس کا۔"

"اور ملک صاحب کے رشتے دار کا؟" اس نے یوں ہی پوچھا۔

"بختاور نام ہے اس کا' اگر تم کہو تو میں ان سے مل لوں؟" ابا نے اس کی سمت دیکھا۔

"مل لیں' کمائی کا کوئی تو ذریعہ ہو' میں ساتھ ٹیوشن سینٹر بھی بنا لوں گی' ملکوں کے بچے خاصی فیس دے سکتے ہیں' اسکول کینٹین کا بھی کافی کام ہوتا ہے۔۔۔ ٹھیک ہے ابا یہی ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن سی ہو گئی۔

"اللہ تمہارے راستے ہموار کرے' آسانیاں پیدا کرے۔" ابا نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اسے دعا دی' وہ مسکرا دی۔

☆ ☆ ☆

ملک صاحب نے اسکول کے لیے ایک کنال جگہ دی تھی۔ بختاور اور شاہنواز نے کچھ ہی دنوں میں اتنا فنڈ اکٹھا کر دیا تھا کہ اسکول کی عمارت کا کام شروع ہو گیا۔ گاؤں کے لوگ بھی اپنی بساط کے مطابق مدد کرنے لگے۔ جب بھی وہ دونوں شہر سے رقم اکٹھی کر کے لاتے ثریا کو شاہنواز کی آنکھوں میں اپنے لیے کچھ خاص دکھائی دیتا' ادھر شاہنواز بھی اس کے چہرے پر چھلکتی خوشی دیکھ کر اپنے دل میں اس کے لیے کچھ خاص محسوس کرنے لگا تھا شاہنواز لاہور کی کسی پرائیویٹ فرم میں کام کرتا تھا اور ملک صاحب کے بھانجے بختاور سے اس کی دوستی کافی پرانی تھی۔ تقریباً ایک سال کے اندر اندر اسکول کا تمام کام مکمل ہو گیا جہاں ثریا کو اپنا مستقبل معاشی طور پر محفوظ نظر آنے لگا' وہیں شاہنواز کے آگے اپنا دل ہار بیٹھی اور شاید شاہنواز کے دل میں بھی کچھ ایسے ہی جذبات تھے جب ہی اس نے ابا سے ثریا کا ہاتھ مانگ لیا۔

"ثریا' شاہنواز نے تمہارا رشتہ مانگا ہے اور مجھے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی' اگر تمہاری ماں زندہ ہوتی تو یہ سوال وہ تم سے کرتی' لیکن آج میرے دل نے ایک ماں کی محبت بھی محسوس کی ہے' میں نے باپ اور ماں دونوں بن کر تمہیں پالا ہے' ثریا بیٹی بتاؤ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" ابا جو بات کہہ رہے تھے وہ تو خود اس کے دل کی آواز تھی۔

"میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں' کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا بٹی' اگر میری زندگی میں ہی یہ کام ہو جائے تو۔۔۔ ثریا اگر تم خوش نہیں ہو تو بتا دو۔" ابا کے لہجے میں ایک امید تھی۔

"نہیں ابا' مجھے کوئی اعتراض نہیں' آپ جیسا مناسب سمجھیں ویسے ہی کریں' لیکن اس سے صاف صاف کہیں کہ ہمارے پاس جہیز کے نام پر کچھ نہیں۔" اس کی اس بات پر ابا مسکرا دیے۔

"ارے ناسمجھ' اگر اس نے جہیز کے لالچ میں یہ رشتہ مانگا ہوتا تو وہ ہماری مدد کیوں کرتا' وہ ہمارے حالات سے اچھی طرح واقف ہے' تم تسلی رکھو۔" ابا نے اسے تسلی دے دی' اس نے سر جھکا لیا' دل کی مراد اتنی جلدی پوری ہو گی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کا نکاح ہوئے ابھی تین ماہ ہی گزرے تھے کہ ابا بنا کچھ کہے ایک رات سوئے سوئے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شاید وہ اس کو خوش اور مطمئن دیکھنے کے لیے ہی زندہ تھے۔ اب جب اس کا مستقبل ہر طرح سے محفوظ تھا تو وہ آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ شاہنواز فوراً گاؤں آ گیا۔

"اب تمہارا یہاں تنہا رہنا ٹھیک نہیں اور میں بھی اپنی یہ ملازمت نہیں چھوڑ سکتا' تم یوں کرو کہ گاؤں کی چند پڑھی لکھی لڑکیوں کو اسکول کا کام سمجھا دو اور میرے ساتھ شہر چلو' ویسے بھی میں اب اپنے بھائی کو تمہارے بارے میں بتا دینا چاہتا ہوں۔" وہ جو بات کر رہا تھا ثریا کا دل اسے ماننے سے انکاری تھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں شاہنواز' یہاں میرے اماں' ابا کی یادیں ہیں اور یہ اسکول' اسے ابھی میری ضرورت ہے اور پھر میں اکیلی نہیں ہوں اب۔" اپنی بات کا آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس نے نظریں جھکا لیں۔

"کیا مطلب؟" شاہنواز نے اس کے چہرے پر عجیب سے رنگ پھیلتے ہوئے دیکھے۔

"میں ماں بننے والی ہوں شاہنواز۔" اس نے حیا سے اپنا سر جھکا لیا اور شاہنواز کے چہرے پر خوشی سے مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔۔۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں ثریا' خدا کرے میری ایک پیاری سی بیٹی ہو' بالکل تمہاری طرح کی۔۔۔ میں اس کا نام فاطمہ رکھوں گا۔" شاہنواز حد سے زیادہ خوش تھا۔

"شاہنواز' اللہ سب بہتر کرے گا' آپ میری فکر نہ کریں اور شہر جا کر اپنا کام کریں' ویسے بھی مہینے بعد تو آپ گاؤں آ ہی جاتے ہیں' اب ذرا جلدی جلدی آ جایا کیجیے گا۔" اس نے مسئلے کا آسان ساحل نکالا' شاہنواز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆ ☆ ☆

"سوسن۔۔۔ اری او سوسن۔" گیتی آرا کی آواز صحن سے آ رہی تھی۔ سوسن نے باورچی خانے سے باہر دیکھا' وہ صحن میں بچھے تخت پر بیٹھی رقم گن رہی تھیں۔

"جی بڑی صاحب' کیا بات ہے؟ بازار چلنا ہے کیا؟" وہ اپنے پلو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں' تم بہت دنوں سے اپنے گاؤں نہیں گئیں تو میں نے سوچا کہ تمہیں کچھ دن کی چھٹی دے دوں' جاؤ جا کر اپنا گھر دیکھ آؤ۔" وہ رقم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"ارے نہیں بڑی صاحب' وہاں کوئی میرا انتظار تھوڑی کر رہا ہے' ویسے بھی لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں' ہاں ایک دو روز کے لیے جاؤں تو اماں باوا کی قبروں پر فاتحہ پڑھ آؤں۔" سوسن کی آنکھیں بھر آئیں۔

"یہی تو کہہ رہی ہوں' بے شک کوئی انتظار کرنے

www.Paksociety.com

والا نہ ہو لیکن وہ مٹی جس میں ہم اپنا بچپن گزارتے ہیں' اس کی یاد کبھی دل سے نہیں جاتی' پھر اس مٹی میں تو تمہارے اماں باوا کی قبریں ہیں' جاؤ سوسن' ہاں واپسی ذرا جلدی کرنا' تمہیں تو پتا ہے نا کہ تمہارے بنا ہمارا دل نہیں لگتا۔" بڑی صاحب نے ایک بار پھر روپے اس کی طرف بڑھائے جنہیں سوسن نے خاموشی سے تھام لیا۔

"بڑی مہربانی بڑی صاحب۔۔۔" وہ روپے دوپٹے کے پلو سے باندھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"نادرہ۔۔۔ اری او نادرہ۔۔۔ دیکھ سوسن جا رہی ہے' ذرا بہادر کو ساتھ کردے اسٹیشن تک کا تانگہ کروا دے۔" بڑی صاحب نے نادرہ کو آواز لگائی' وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی' بڑی صاحب نے شک بھری نظروں سے اس سمت دیکھا' نادرہ' بہادر سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگی تھی۔

"اس نادرہ کا تو کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔" وہ خود سے مخاطب ہوئیں۔

☼ ☼ ☼

شاہنواز کو گئے تین مہینے ہونے کو آئے تھے' وہ ایسا گیا کہ پلٹ کر خبر نہ لی۔ نہ کوئی اطلاع دی' نہ کوئی خط گاؤں کے لوگ اسے طعنے دینے لگے تھے' اس نے صندوق سے شاہنواز کے گھر کا پتا نکالا اور کچھ ضروری سامان کے ساتھ اللہ کا نام لے کر گھر سے نکل پڑی' دل میں طرح طرح کے خیال آرہے تھے' وسوسے ڈرا رہے تھے' شاہنواز کے سوا اس کا اس بھری دنیا میں کوئی بھی نہیں تھا۔

لاہور اسٹیشن پر اتر کر اس نے ادھر ادھر دیکھا' یوں جیسے کوئی اسے خوش آمدید کہنے کے لیے وہاں آیا ہو' لیکن وہاں کوئی نہیں تھا' اسے اپنا آپ بہت تنہا محسوس ہوا تھا رکشا اسٹینڈ پر پہنچ کر اس نے کاغذ کھول کر غور سے پتا دیکھا اور رکشے والے کو سمجھا کر بیٹھ گئی' وہ پہلی دفعہ یوں اکیلی گھر سے باہر نکلی تھی' اجنبی شہر کے انجان راستے اسے ڈرانے کے لیے کافی تھے۔

"لو بہن جی یہی مکان ہے' پورے سو روپے ہوگئے۔" رکشے والے نے اندرون شہر کے ایک بوسیدہ سے مکان کے آگے رکشا روکتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا مختصر سا سامان اور چادر سنبھالی اور رکشے والے کو کرایہ دے کر مکان کے دروازے پر جا رکی۔ دستک دینے کے لیے ہاتھ ہوا میں اٹھایا ہی تھا کہ نظر تالے پر جا ٹھہری' دل جیسے تھم سا گیا۔

"یا خدا!" اس نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا وہ رکشے والا وہیں کھڑا تھا' شاید وہ بھی تالے کو دیکھ چکا تھا۔

"ذرا رکیے گا بھائی صاحب۔" اس نے ساتھ والے گھر کے دروازے پر دستک دی اور مڑ کر رکشے والے کو رکنے کو کہا۔

"جی اچھا بہن جی۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ کچھ ہی دیر میں ساتھ والے گھر کا دروازہ کھلا اور ایک عمر رسیدہ خاتون باہر نکلیں۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی' شاید وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام' جی فرمائیے؟"

"میں نے آپ کو تکلیف دی' اس کے لیے معذرت چاہتی ہوں' دراصل میں آپ کو پڑوسیوں کے ہاں آئی تھی' شاہ نواز احمد کا گھر یہی ہے نا' کہاں گئے ہیں وہ لوگ؟" اس نے بہت آس سے خاتون کی سمت دیکھا۔

"شاہ نواز۔۔۔ وہ تو دو مہینے پہلے یہاں سے چلے گئے' کرائے پر رہتے تھے یہاں' کہاں چلے گئے یہ بھی معلوم نہیں' اتنا معلوم ہے کہ شاہ نواز کی ملازمت ختم ہوگئی تھی اور وہ ملازمت کے لیے بہت پریشان تھا۔" اس خاتون نے جو کچھ کہا وہ سن سی ہوگئی۔

"کوئی رشتہ دار؟ کوئی محلے دار جانتا ہو اگر؟" وہ یک دم تنہا ہوگئی تھی۔

"نہیں' کوئی نہیں' ویسے تم کون ہو؟" اس بار ان خاتون نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا تھا۔

"اس حالت میں تم اس وقت اکیلی آئی ہو' خیر تو

ہے؟" وہ خاتون بہت غور سے اس کے سراپے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"جی بس۔۔۔ شکریہ۔" وہ ان کا شکریہ ادا کر کے واپس ہوگئی۔

"بھائی دوبارہ ریلوے اسٹیشن چلو۔" اس نے بہت مشکل سے آنسو روکے۔

"جی۔" رکشے والے نے اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

☼ ☼ ☼

"گاؤں جا کر کیا بتاؤں گی گاؤں والوں کو۔۔۔ اکیلی کیسے سامنا کروں گی سب لوگوں کا اور یہ بچہ۔" وہ بے اختیار رو دی۔

"شاہ نواز تم نے اچھا نہیں کیا' بالکل اچھا نہیں کیا' کم از کم اپنی اولاد کا تو سوچتے تم۔" وہ رو دی۔ اور پھر نہ جانے کتنی ہی دیر اسی طرح روتی رہی' جب کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کون ہو بہن اور کیوں رو رہی ہو؟" اس نے سر اٹھا کر دیکھا' سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' فیروزی رنگ کا بڑا سا دوپٹہ اوڑھے ایک خاتون اسی سے مخاطب تھیں۔

"کچھ نہیں' کچھ بھی نہیں۔" اس نے چادر کے پلو سے آنکھیں صاف کیں۔

"تنہا ہو؟ دوسرے جی سے ہو نا تم' یوں اکیلے سفر کے لیے نکلتے ڈر نہیں لگا؟" وہ خاتون بہت مہربان ہو رہی تھیں' نہ جانے کیوں ثریا کی برداشت اور ہمت جواب دے گئی۔

"ہاں تنہا ہوں' کوئی نہیں ہے میرا۔۔۔ اپنے شوہر کو ڈھونڈنے آئی تھی' نہیں ملا' اتنا بڑا شہر ہے' کہاں ڈھونڈوں گی؟" وہ روتی چلی گئی۔

"اچھا دیکھو۔۔۔ یوں تمہارا تنہا بیٹھنا ٹھیک نہیں' تم میرے ساتھ چلو' صبح ہوتے ہی گھر لوٹ جانا۔" وہ اسے ساتھ چلنے کو کہہ رہی تھیں' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ریلوے اسٹیشن پر مرد ہی مرد تھے' وہ آنسو صاف کرنے لگی۔

"آپ؟" وہ ان کے ساتھ جانے سے گھبرا رہی تھی۔

"میرا نام سوسن ہے' یہاں کسی کے ہاں کام کرتی ہوں' تم گھبراؤ نہیں' میرا تانگے والا باہر کھڑا انتظار کر رہا ہے' تم ساتھ چلو' ہماری مالکن بہت اچھی ہیں' تمہیں ڈرنے کی قطعی ضرورت نہیں۔" وہ عورت یقین کیے جانے کے قابل لگ رہی تھی اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا' وہ اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

"میرا نام ثریا ہے' میرے میاں یہاں شہر میں ملازمت کرتے ہیں' ان کا گھر بھی یہیں تھا' میرے والد کا انتقال ہوگیا' میں بالکل تنہا ہوگئی ہوں' شروع شروع میں تو میرے میاں میرے پاس آتے رہے' لیکن اس مرتبہ تین مہینے ہونے کو آئے ہیں' وہ نہیں آئے' میری حالت بھی ایسی تھی کہ میں مزید تنہا نہیں رہ سکتی تھی' گاؤں کے لوگوں نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ یہاں اپنے میاں کی رہائش پر پہنچی تو وہ لوگ مکان چھوڑ کر جا چکے ہیں' اب سمجھ نہیں آتی کہ کیا کروں؟" اس نے راستے میں اپنی ساری کہانی سچ سچ بتادی۔

"گھبراؤ نہیں' اللہ بہتر کرے گا' ہماری صاحب کوئی نہ کوئی حل نکال ہی لیں گی۔" سوسن نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا' ثریا کے دل کو قدرے تسلی ہوئی۔

"لو جی بو بو آگیا تمہارا ٹھکانہ۔" تانگے والے نے ایک تنگ سی گلی کے آگے تانگہ روک دیا۔

"بھلا ہو تمہارا سلیم' اللہ تمہیں خوش رکھے' ذرا یہ میرا اور مہمان کا صندوق اوپر تک پہنچا دو۔" سوسن نے اسے اترنے کا اشارہ کیا' اس نے دیکھا' گلی میں بے حد روشنی تھی' حلوائی کی دکان پر بہت رونق تھی' جلیبیاں تلی جا رہی تھیں' کچھ ہی فاصلے پر ہار پھولوں کی دو دکانیں تھیں۔

"چلو بھئی یہ دو مکان چھوڑ کر وہ تیسرا بڑا سا گھر ہماری مالکن کا ہے۔" سوسن آگے آگے چلنے لگی' وہ

www.Paksociety.com

تنگ و تاریک سیڑھیاں دیکھ کر ثریا کے قدم تھم سے گئے' یہ جگہ اسے کچھ مشکوک سی لگ رہی تھی۔

"آجاؤ بھئی ڈرو نہیں' دراصل تم ہماری مہمان ہو۔" سوسن نے جیسے اس کے دل کی بات پڑھ لی تھی۔

"یہ جگہ؟" وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"ہاں تم صحیح سمجھی ہو' یہ بالا خانہ ہے' گیتی آرا بائی کا بالا خانہ' لیکن تم میری مہمان ہو' سوسن کی' گھبراؤ نہیں' میں اس بالا خانہ کی چاکرن ہوں' تم یہاں ہر طرح سے محفوظ رہو گی' صبح ہوتے ہی یہاں سے چلی جانا' رات میرے پاس میرے کمرے میں ٹھہرنا۔" سوسن جو کچھ کہہ رہی تھی نہ جانے کیوں اس کا یقین کرنے کو جی چاہ رہا تھا' وہ اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ سیڑھیاں ایک گیلری میں کھلتی تھیں۔ اس گیلری میں دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ ایک وسیع صحن میں کھلتا تھا' وہ سوسن کے پیچھے ـــــ چلتی اس صحن میں آگئی۔ سامنے ہی تخت پر ایک خاتون بیٹھی پان بنا رہی تھیں' سفید اور زرد رنگ کے غرارے میں ملبوس' بڑا سا دوپٹہ اوڑھے اپنے کام میں مصروف تھیں' ان کے چہرے پر بلا کی خوب صورتی تھی' اگرچہ عمر ڈھل رہی تھی' لیکن چہرے کی جلد ترو تازہ تھی۔

"ارے سوسن تم آگئیں' بڑی لمبی عمر ہے تمہاری' آج حلوہ پوری کا بہت دل چاہ رہا تھا۔۔۔ یہ کون ہے تمہارے ساتھ؟" وہ خاتون یک دم کھڑی ہو گئیں۔ ثریا نے دیکھا چاروں طرف کمرے ہی کمرے تھے روشنیاں جل رہی تھیں' کہیں سے چوڑیوں کی جھنکار بھی سنائی دے رہی تھی' شاید کسی تقریب کا اہتمام تھا۔

"دکھیا ہے بے چاری' اپنے شوہر کو ڈھونڈنے نکلی ہے۔" سوسن نے مختصراً اسے ساری کہانی سنا دی۔

"اوہ۔۔۔ بھئی ثریا بیٹی تم گھبراؤ نہیں' یہاں تم بالکل محفوظ رہو گی' ہم گیتی آرا ہیں' یہ بالا خانہ ہمارا ہے' یہاں کچھ ہی دیر میں لوگوں کی آمدورفت شروع ہو جائے گی' تم جلدی سے سوسن کے کمرے میں چلی جاؤ' سوسن تمہارے لیے وہیں کھانا لے آئے گی۔"

گیتی آرا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔ نہ جانے کیوں ثریا کو محسوس ہوا' جیسے وہ کسی بہت محفوظ جگہ آگئی ہو۔ چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے تھے اور پھر سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔

"جلدی سے اندر چلی جاؤ' ہم نہیں چاہتے کوئی گندی نظر تم پر اٹھے تم کسی کی امانت ہو ہمارے پاس۔" گیتی آرا نے ـــــ ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہو گئی۔ وہ کمرہ بہت محفوظ لگ رہا تھا۔ سادہ اور صاف ستھرا' طاق کے اوپر قرآن شریف رکھا تھا۔ ایک چارپائی اور ایک جائے نماز' وہ دروازہ بند کر کے ایک طرف بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں سوسن کھانے کی تھالی لیے اندر داخل ہوئی۔

"لو کھانا کھاؤ۔" اس نے دروازے کو کنڈی چڑھا دی۔

"جب محفل دیکھنے والے آتے ہیں تو میں یہاں اپنے کمرے میں آجاتی ہوں' کھانا بھی یہیں کھاتی ہوں' محفل کے دوران ـــــ کام جھومر اور جوہی کرتی ہیں' میں یہاں اللہ اللہ کرتی ہوں' چلو بسم اللہ کرو' مجھے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔" سوسن نے کھانا اس کے آگے رکھا۔ گرما گرم چپاتیاں اور قیمے کا سالن دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی' اس کا دل مطمئن ہو گیا۔

"میں بھی تمہاری طرح اکیلی تھی۔ کام کی تلاش میں شہر آئی تو' یہ تانگے والا سلیم مجھے بہانے سے یہاں لے آیا' لیکن ہماری بڑی صاحب بہت اچھی ہیں' سمجھ گئیں کہ میں شریف گھرانے کی عورت ہوں' مجھے اوپر کے کاموں کے لیے رکھ لیا۔" سوسن بوا نے مختصر طور پر اسے اپنی کہانی سنائی۔ وہ اب کچھ اور سوچنا نہیں چاہتی تھی' حالات اسے جہاں لے آئے تھے' اس نے کبھی نہیں سوچا۔

☼ ☼ ☼

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی' اس جگہ پر اسے نیند کیسے آسکتی تھی' باہر سے رات دیر تک گانے

بجانے کی آوازیں آتی رہیں' اس کا دل خوف سے کانپتا رہا۔ شاہ نواز کی تلاش میں وہ کہاں آ پہنچی تھی' نہ جانے صبح ہوتے ہی وہ یہاں سے جا بھی سکے گی یا نہیں۔ فجر کی اذان ہوتے ہی سوسن اٹھ گئیں۔

"میں چائے دم پر رکھ کر نماز ادا کرتی ہوں' تم بھی نماز پڑھ لو۔ باہر تو سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو رہے ہیں' دن چڑھے ہی اٹھیں گے۔" سوسن نے کمرے کا دروازہ کھولا' اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ ٹوٹے ہوئے گجرے' چوڑیاں' شراب کی بوتلیں۔۔۔ عجیب سا منظر تھا صحن کا' اس نے ایک لمحے کی دیر کیے بغیر چہرہ پھیر لیا۔ فجر کی نماز ادا کر کے وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی۔

"ابھی بہادر آجائے گا' میں اس سے کہوں گی تجھے تانگہ کروا دے پھر چلی جانا۔" سوسن نے اس کے لیے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"کتنے لوگ ہیں یہاں؟ کہاں سے آئے ہیں؟" اس کے ذہن میں یہ سوال رات سے کلبلا رہا تھا۔

"بہت لوگ ہیں اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے ہیں۔ گیتی آرا کا تو آبائی پیشہ تھا' ہاں نرگس' نادرہ' جھومر اور بہت سی اور لڑکیاں ہیں یہ سب تو کہیں نہ کہیں سے آئی ہیں' یہ نادرہ تو فلموں میں ہیروئن بننے کے شوق میں یہاں آ پہنچی۔ بہادر' اقبال اور راجہ تو انہی کوٹھوں میں پل کر جوان ہوئے ہیں۔" سوسن نے مختصراً "سب کے بارے میں بتا دیا۔ اسے سوچ کر ہی جھرجھری سی آگئی۔ کچھ ہی دیر میں بہادر آگیا تھا۔ لمبا قد گوری رنگت' سیدھے سادے شلوار قمیص میں ملبوس وہ نظر نیچی کیے کھڑا تھا۔

"یہ کیسے لوگ ہیں؟ ان کا دھندہ گناہ اور ان کی نظر میں اچھے برے کی تمیز بھی ہے۔" وہ الجھ سی گئی۔

"بہادر سودا سلف تو بعد میں لے آنا پہلے اس بی بی کو ریلوے اسٹیشن کے لیے تانگہ کروا دے' بلکہ تو ٹھہر۔۔۔ میں بھی تیرے ساتھ چلتی ہوں۔" سوسن بات کرتے کرتے کھونٹی پر لٹکی اپنی چادر اتارنے لگیں۔

"چلو تم نیچے تک آؤ' میں تانگہ رکواتا ہوں۔" وہ جلدی سے سیڑھیاں اتر گیا۔

"دیکھو ثریا تو میری بہنوں جیسی ہے' کل کو اگر تیرے ساتھ کوئی مسئلہ بن گیا' تیرا شوہر تجھے نہ ملا یا اگر تو تنہا نہ رہ سکی تو یہاں آجانا' ہم سب تیرے ساتھ ہیں۔" سوسن نے راستے میں اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

"یہاں؟ کبھی نہیں' اگر خدا نے مجھے بیٹی دی تو؟ یہاں اس کوٹھے پر۔۔۔ خدا نہ کرے کہ میں کبھی دوبارہ یہاں آؤں؟" اس نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔

"انسان جو کچھ سوچتا ہے نا' وہ ہوتا نہیں ہے' خدا کرے کہ تم نے جیسا سوچا ہے ویسا ہی ہو۔۔۔ کسے خبر ہے کہ اس کے قدم کہاں کہاں جاتے ہیں' خدا خیر کرے۔" سوسن دور کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے بولیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک بار پھر اس محلے میں گئی تھی' کئی اور لوگوں سے شاہ نواز کے بارے میں پوچھا' لیکن اس کا کچھ پتا نہ چل سکا' پھر سوسن اور بہادر اسے ریلوے اسٹیشن پر چھوڑ آئے تھے۔

"میری بات یاد رکھنا' یہ دنیا بہت ظالم ہے' شرافت کا لبادہ اوڑھے بھیڑیے گھومتے ہیں یہاں' وہ بڑی صاحب بہت اچھی عورت ہے' دنیا کے سرد گرم سے بچا کر رکھے گی تمہیں' تم جوان' خوب صورت ہو' تنہا رہنا مشکل ہے اور پھر تمہارے آگے پیچھے بھی کوئی نہیں۔" سوسن کی باتیں اس کا دل دہلا رہی تھیں۔ وہ انہیں ہاتھ ہلا کر گاڑی میں سوار ہو گئی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا شاہ نواز۔۔۔ مجھے تم پر اتنا اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ مگر۔۔۔" وہ رو دی۔

ٹرین کا تھکا دینے والا سفر ختم ہوا تو وہ ایک بار پھر تن تنہا گاؤں کے راستے پر چل رہی تھی۔ خدا کا شکر تھا کہ وہ جس جگہ رات گزار آئی تھی' وہاں سے بالکل محفوظ آئی تھی' ورنہ گاؤں کے لوگ کیسے یقین کرتے۔

"کہاں گئی تھی ثریا؟" اس کی پڑوسن نے عجیب سی

www.Paksociety.com

نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"شاہ نواز کو ڈھونڈنے۔" اس نے سچ بتا دیا۔ پڑوسن کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات ابھرے تھے۔

"کیا مطلب؟"

"اس کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔ اس کے گھر گئی تھی، محلے والوں کو کچھ پتا نہیں، شاید کوئی خبر آجائے۔" وہ رو دی۔ پڑوسن اسے تسلی دینے لگی۔ ثریا جانتی تھی کہ اب پورے گاؤں میں یہ بات پھیل جائے گی، لیکن وہ ان سب لوگوں سے چھپا بھی نہیں سکتی تھی، آج نہیں تو کل انہیں خبر ہونی ہی تھی۔

"یہ شہر کے لوگ ہوتے ہی ایسے ہیں، مل گئی ہوگی کوئی شہرن میم.... خیر تم فکر نہ کرو اور یہ بتاؤ کیا رات ریلوے اسٹیشن پر ہی رہیں؟" اب وہ اصل سوال کی طرف آگئی۔

"ہاں وہیں.... ویٹنگ روم میں کئی اور خواتین بھی تھیں۔" اس نے بات بنالی۔

"خدا پوچھے اس شاہ نواز کو۔" پڑوسن اسے تسلی دے کر چلی گئی۔

گاؤں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ ہر کوئی اس کے پاس ہمدردی کے لیے آرہا تھا۔ ملکوں کی حویلی سے بھی کچھ خواتین آئی تھیں۔ بختاور بھی شاہ نواز کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ بڑے ملک صاحب بھی اس کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ جلد ہی شاہ نواز کو ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن ان کی یہ تسلی، تسلی ہی رہی اور وہ آس امید چھوڑ بیٹھی۔ کئی دنوں سے گاؤں کے لوگوں کی طرف سے اسے خطرہ رہنے لگا تھا۔ رات ہوتے ہی اس کا خوف بھی جاگ جاتا۔ اس کا تنہا رہنا ٹھیک نہیں تھا۔

"بچے کی پیدائش کے بعد میں اکیلی کیسے رہوں گی؟ اب تو لوگوں نے اپنے بچے بھی سرکاری اسکول میں ڈال دیے ہیں، یا خدا..." وہ اپنا سر تھام کر روتی رہتی۔ زندگی اتنی مشکل ہو جائے گی، ایسا کبھی نہیں سوچا تھا اس نے۔

"تم زندہ ہو شاہ نواز تو کچھ خبر تو کرو کہ کہاں ہو؟" وہ ساری ساری رات روتی رہتی۔

✡ ✡ ✡

"یہ قرآن شریف ہے ثریا کا۔" سوسن نے قرآن شریف اٹھا کر انگیٹھی پر رکھ دیا۔

"ہاں جب وہ آئی تھی تو اس کا بستہ اس کے سینے سے لگا تھا، شاید قرآن شریف کو اپنی حفاظت کے خیال سے ساتھ لائی ہو۔" گیتی آرا نے یاد کیا۔

"ہاں... فجر کی نماز ادا کر کے تلاوت کی تھی، چائے پی اور پھر چلی گئی۔ نویں پارے کا آخری رکوع ہے، میں ہی مکمل کر دوں گی اب اس قرآن شریف کو۔" سوسن نے آٹا گوندھتے ہوئے کہا۔

"نہیں.... میں پڑھوں گی۔" گیتی آرا نے عجیب بات کی تھی۔ آج سے پہلے تو اس نے کبھی نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ سوسن نے حیرت سے اس کی سمت دیکھا۔

"حیران کیوں ہوتی ہو، بٹی کہا تھا اسے، اب اس کتاب کو لپیٹ کر انگیٹھی پر رکھ دیں گے تو گناہ ہوگا، میں پڑھتی رہوں گی، تم فکر نہ کرو، بچپن میں پڑھا تھا، ہم نے بھی قرآن شریف کوئی غلطی ہوئی تو تم سے اصلاح لے لیں گے۔" گیتی آرا کہیں دور کھو سی گئیں۔

"اچھی بات ہے۔" سوسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سوسن یہ بتاؤ کہ ہم قرآن شریف جیسی مقدس کتاب کو ہاتھ لگانے کے قابل تو ہیں نا۔" گیتی آرا نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔ سوسن کے حرکت کرتے ہاتھ رک گئے۔

"خدا بہت بے نیاز ہے بڑی صاحب، یہ ہم انسان ہی ہیں جو ایک دوسرے کو معاف نہیں کرتے، اپنے دل کے زنگ کو نہ دیکھو، بڑی صاحب بلکہ اس کے رنگ کو دیکھو جو تمام رنگوں سے افضل ہے۔" سوسن نے اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف دیکھا تھا۔

"ہاں صحیح کہتی ہو تم، نواب سلطان نے جو کچھ بھی

ہمارے ساتھ کیا ٹھیک ہی کیا اور یہ ہمارا دل آج تک اسے معاف نہیں کر سکا۔" وہ اسی طرح کھوئے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"چلو چھوڑو بھی صاحب، بھول جاؤ۔" سوسن نے سر جھٹکا۔

"ہاں بھول گئے۔" گیتی آرا نے پاؤں تخت سے نیچے اتارے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"اور تم اس درد کو بھولی ہی تو نہیں ہو بڑی صاحب، جب ہی تو گناہ اور ثواب، غلط اور صحیح کے درمیان لٹک رہی ہو۔ کبھی طوائف کے داغ کو دھونا چاہتی ہو اور کبھی ضد میں آکر کہتی ہو کہ اسی کوٹھے پر مردوں کی واہ صاحب واہ... دل ہے کہ دو کشتیوں کا سوار ہو رہا ہے اور تم کہتی ہو کہ تم اسے بھول گئی۔" سوسن نے دکھ سے بند دروازے کی سمت دیکھا اور اس کے دکھ پر کڑھ کر رہ گئی۔

✡ ✡ ✡

"لو یہ حالت ہے تمہاری یوں گھر سے نکلنے کی، بازار جاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔" گاؤں کی حمیدہ نے اسے سودا سلف لاتے دیکھ کر خفگی سے کہا۔

"کیا کروں حمیدہ، جینے کے لیے پیٹ کا دوزخ تو بھرنا پڑتا ہے نا، ضروریات زندگی سانس کے بند ہونے کے بعد ہی ختم ہوتی ہیں۔" وہ دکھ سے بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کسے کھوگی شاہ نواز کو تلاش کر کے لے آئے، ارے اسے آنا ہوتا تو آجاتا، کم از کم اپنی اولاد کی خاطر ہی، پھر اس نے تم سے شادی بھی کیسے کی تھی اس کے گھر سے تو کوئی شریک بھی نہیں ہوا تھا۔ اس شادی میں، اب بھی دیکھو نہ کوئی فون نہ خط میں تو کہتی ہوں کہ تم کسی رشتہ دار کے ہاں چلی جاؤ۔" حمیدہ اس کے زخموں پر نمک چھڑک رہی تھی۔

"کیسے چلی جاؤں؟ میں تم سب لوگوں سے بہت آس لگائے بیٹھی تھی۔" اس نے ایک نظر گلی کے سب مکانوں کی طرف دیکھا۔

"کس خوش فہمی میں ہو بی بی، آج کل کے زمانے میں کون پرایا بوجھ اٹھاتا ہے۔ اسکول تمہارا ویسے ہی ٹھپ ہو گیا ہے، کوئی اپنے اخراجات پورے کرے یہی بڑی بات ہے، میری مانو تو بچے کی پیدائش سے پہلے ہی کسی رشتہ دار کے ہاں چلی جاؤ، کوئی تو ہوگا اور رشتہ دار نہ سہی دارالامان ہی سہی۔" حمیدہ نے منہ بھر کر کہہ دیا۔

"ہوں... ایسا ہی کروں گی، تم سب لوگ پریشان نہ ہو۔" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس نے پیروں میں چپل اڑسی اور دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے تک پہنچی۔

"شاہ نواز..." کوئی خوش فہمی سی ہوئی۔

"کون ہے؟" اسی نام کی آس کے ساتھ اس نے پوچھا۔

"ملکوں کی حویلی سے آیا ہوں، چھوٹے ملک نے بھیجا ہے مجھے، ثریا بی بی وہ تمہیں حویلی بلا رہے ہیں، تمہارا سارا خرچہ برداشت کریں گے، بس تم بچے کی پیدائش کے بعد انہیں راضی رکھنا... سمجھ رہی ہو نا، تمہاری اولاد کا مستقبل سنور جائے گا۔" وہ جو کوئی بھی تھا سرگوشی کے انداز میں بول رہا تھا۔ ثریا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے چادر اتر گئی ہو۔

"میں صبح آؤں گی، ملک جی کو کہہ دینا بے فکر رہیں۔" اس نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا۔

"اور ہاں ثریا بی بی اس بات کی کسی کو خبر نہ ہو، میرا مطلب ہے ملک جی کی بیوی کو، تم حویلی کے کام کاج کے لیے ہی تو آرہی ہو نا۔" بات کے آخر میں وہ عجیب انداز سے ہنسا تھا۔

"میں سمجھتی ہوں، اب تم جاؤ۔" اس نے بڑی ہوشیاری سے جواب دیا، پھر گلی میں قدموں کی چاپ مدھم پڑنے لگی۔ وہ وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

✡ ✡ ✡

میرے چارہ گر

www.Paksociety.com

میرے درد کی تجھے کیا خبر
تو میرے سفر کا شریک ہے
نہیں ہم سفر
میرے چارہ گر' میرے چارہ گر
تیرے ہاتھ سے میرے ہاتھ تک
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا
اسے ناپتے اسے کاٹتے
میرا سارا وقت نکل گیا
نہیں جس پر کوئی نشان پا
میرے سامنے ہے وہ رہ گزر
میرے چارہ گر
میرے درد کی تجھے کیا خبر
یہ جو ریگ دشت فراق ہے
میرے راستوں میں بچھی ہوئی
کسی موڑ پر رکے کہیں
یہ جو رات ہے میرے چار سو
مگر اس کی کوئی سحر نہیں
نہ ہی چھاؤں ہے' نہ ثمر کوئی
میں نے چھان دیکھا شجر شجر
میرے چارہ گر
میرے درد کی تجھے کیا خبر

تانگہ جانے پہچانے راستوں پر جا رہا تھا۔ کوچوان نے کئی بار حیران نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ شاید وہ ان گلی کوچوں سے واقف تھا اور اس کا ظاہری حلیہ اسے ان بالا خانوں سے کہیں دور کا بتا رہا تھا۔

"لو بہن جی آگیا گیتی آرا بائی کا کوٹھا۔" کوچوان نے ایک بار پھر اسے اپنی حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ پیسے۔" اس نے پیسے تھمائے اور اپنا صندوق تھامے ان سیڑھیوں کے نیچے غائب دماغی سے کھڑی رہی۔

"کیا مجھے دارالامان جانا چاہیے؟ میں کیا کروں؟ کیا میں یہاں اتنی ہی محفوظ رہوں گی جیسے اس رات رہی تھی۔" وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ کوچوان کی نظریں اس کے پورے وجود کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں' پھر وہ بنا کچھ سوچے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"اری او سوسن دیکھ تو آندھی چلنے والی ہے' سب کمروں کے دروازے بند کر دے۔" وہ ہوا کی شدت محسوس کر کے باہر نکلی تھیں' صحن کے عین وسط میں اسے کھڑا دیکھ کر وہ جیسے بت سی بن گئیں۔

"ارے بیٹی تم؟" اس کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بہت محبت سے بولی تھیں۔

"میں کہاں جاتی؟ نہ جانے میں یہاں کیسے آگئی۔" اتنا کہہ کر وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔

"سوسن جلدی سے باہر آ' ثریا آئی ہے' ٹھیک نہیں ہے۔" ان کی فکرمندی سے بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

اے پیار تیری پہلی نظر کو سلام
سلام۔۔۔۔
اے پیار تیری پہلی نظر کو سلام
سولہ برس کی۔۔۔

مغنیہ کی آواز اور گھنگھروؤں کی آواز اس کے دماغ پر ہتھوڑے بن کر لگ رہی تھی۔

"میں۔۔۔؟" اس نے آنکھیں کھولیں' وہ اسی کمرے میں تھی جہاں اس رات تھی۔

"کیسی ہو ثریا؟ تمہیں بہت دیر بعد ہوش آیا ہے۔۔۔ باہر محفل ہو رہی ہے' یہ اسی کی آواز ہے' آج نادرہ کا رقص ہے' بہت دور' دور سے لوگ آئے ہیں' یہ لمبی لمبی گاڑیوں میں بیٹھ کر دن کے اندھیرے میں شرافت کا لبادہ اوڑھنے والے رات ہوتے ہی کن اندھیری گلیوں میں چکراتے پھرتے ہیں کم بخت۔" سوسن نے چڑ کر کہا۔

"یا اللہ۔۔۔ میں یہاں کیوں آئی؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ یہ دنیا بہت ظالم ہے' منافق۔" سوسن نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا سوسن۔۔۔ یہ دنیا واقعی بہت ظالم ہے۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"گیتی آرا کو تیری فکر کھائے جا رہی تھی' پر مجبور تھی' آج کی محفل پہلے سے طے شدہ تھی' کسی بہت بڑے افسر نے آنا تھا' آج تو نادرہ نوٹوں سے بھر جائے گی۔" سوسن کے لہجے میں نفرت برقرار تھی۔

"تم یہاں سے بھاگ کیوں نہیں جاتیں سوسن؟" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"ہم عام سے انسان ہیں' ثریا! ایمان کی دولت کا امتحان ایسی ہی جگہوں پر ہوتا ہے۔ تم باکردار اور مضبوط ہو تو اس کوٹھے میں بھی اپنی عزت اور ایمان بچا سکتی ہو۔۔۔ اللہ نے تمہیں بہت بڑے امتحان کے لیے منتخب کیا ہے۔" سوسن کی باتوں نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

محفل تو پو پھوٹنے سے کچھ دیر پہلے ختم ہوئی تھی۔ وہ فجر کی نماز ادا کر کے وہیں جائے نماز پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی' جب دروازہ بجا۔ سوسن تو چائے بنانے کے لیے باورچی خانے میں گئی تھی۔

"کک۔۔۔ کون ہے؟" اس نے خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔

"ہم ہیں گیتی آرا۔" اس نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا۔

"آپ؟" وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے بیٹھو بیٹھو' ہم تو تمہاری طبیعت کا پوچھنے آئے تھے' اب کیسی ہو تم؟ میں نے تمہیں پہلی بار دیکھتے ہی بیٹی کہا تھا اور ایک ماں اپنی بیٹی کی حفاظت کس طرح کرتی ہے' یہ گیتی آرا بائی اچھی طرح جانتی ہے۔" وہ اس کے قریب آ بیٹھیں۔

"اللہ نیک اولاد دے۔۔۔ ثریا ہمارا دل ہمیں دو راستے دکھانے لگا ہے' کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم طوائفوں نے یہ جو مجبوری اور بے بسی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے سب بے کار ہے۔۔۔ اگر معاشرہ معاف نہیں کرتا تو کیا ہوا اللہ تو کر دیتا ہے نا۔ تم دعا کرو اپنے رب سے کہ مجھے معافی کی توفیق دے۔" گیتی آرا کے لہجے میں درد تھا۔

"لوگ مجھ جیسی عورت کو بھی تو نہیں بخشتے گیتی آرا جی۔" اس نے دکھ سے کہا۔

"ہمیں یہاں سب بڑی صاحب کہتے ہیں' ہم نے کہا نا' لوگ معاف نہیں کرتے' رب کرتا ہے۔"

کہیں پڑھا شعر یاد آگیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں اپنی اولاد کو کیا جواب دوں گی بڑی صاحب؟" وہ رو دی' نہ جانے کیوں اس عورت کے سامنے دل کھول کر رونے کو جی چاہا۔

"وہی جو سچ ہے اور ہمارا تم سے وعدہ ہے ثریا کہ وہ اس کوٹھے میں آنکھ نہیں کھولے گا' وہ بچہ اس گند میں آنکھ نہیں کھولے گا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے اٹھ گئیں۔

"کاش ایسا ہو جائے۔" اس نے دیوار سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

بارش تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی' سوسن باورچی خانے میں گھسی میٹھے پورے بنا رہی تھی۔ صحن میں گیتی آرا گاؤ تکیے سے سر ٹکائے اپنی ہی سوچوں میں گم تھیں۔ نادرہ' نرگس اور جھومر رات کی تیاری میں مصروف تھیں۔

"نادرہ۔۔۔ اری او نادرہ۔" گیتی آرا نے کسی خیال کے تحت اسے پکارا۔

"جی بڑی صاحب؟" وہ جھٹ سے ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ثریا نے کھڑکی سے دیکھا' بڑی صاحب اب بارش کی شدت سے گھبرا کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

"بہادر تجھے کیسا لگتا ہے؟" وہ برآمدے میں بچھی آرام سے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"ایسے کیوں پوچھ رہی ہو بڑی صاحب؟" وہ کچھ گھبرائی تھی۔

"شادی کرو گی بہادر سے؟" بڑی صاحب کا اگلا

www.Paksociety.com

سوال اور بھی چونکا دینے والا تھا۔ جھومر اور نرگس کے ساتھ ساتھ سوسن نے بھی حیرت سے بڑی صاحب کی طرف دیکھا۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہیں بڑی صاحب' ہمارے یہاں شادی ہوتی ہے یا نہیں' آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"ہماری بھی شادی ہوئی تھی' ناکام ہو گئی' وجہ ہم تھے' طلاق نہیں ہوئی' ہمیں' ماں بنے تھے ہم۔۔۔ وہ اولاد ہمارے نصیب میں نہیں تھی' اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی چلی گئی۔۔۔ تم شادی کر لو' نادرہ اور بہادر سے کہو کہ وہ تمہیں یہاں سے لے جائے۔" بڑی صاحب نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کیسا مذاق ہے؟ یہ کوٹھا؟" نادرہ نے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ کوٹھا گھر میں تبدیل ہو جائے گا۔ میں ثریا کے بچے کی پیدائش سے پہلے اس جگہ کو پاک کرنا چاہتی ہوں' تم سب چلی جاؤ یہاں سے' تم سب نہیں ہو گی تو لوگ بھی نہیں آئیں گے' سمجھ جائیں گے کہ گیتی آرا کا بالا خانہ ویران ہو گیا' کبھی ہم بھی اس کوٹھے سے بھاگے تھے' لیکن واپس آ گئے' خدا کرے کہ تم سب واپس نہ آؤ۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔ ثریا کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو بڑی صاحب' اس پرائی لڑکی کی خاطر تم اپنا دھندا چوپٹ کر رہی ہو اور ساتھ ہمارے پیٹ پر بھی لات مار رہی ہو' یاد نہیں وہ جو فلموں کا پروڈیوسر آیا تھا' وہی ملک۔۔۔ اس نے مجھے اپنی نئی فلم میں کام کرنے کا کہہ تھا۔۔۔ تم بھی نا۔۔۔" جھومر نے خفگی سے کہا۔

"اور جو اپنی قبر میں آگ بھر رہے ہو' اس کا کیا کریں' یہ سب گناہ ہے' ارے ایک کوشش تو کرو شرافت کی زندگی بسر کرنے کی' برتن بھانڈے مانجھ لینا لوگوں کے۔" وہ بھی غصے سے دھاڑیں۔

"ہم جیسی بد چلن اور پیشہ ور عورتوں کو لوگ اپنے گھر کا گند اٹھانے کے لیے بھی دہلیز پار کرنے نہ دیں' بات کرتی ہے۔" جھومر کا غصہ دیدنی تھا۔ ثریا کو اس لڑکی سے خوف سا محسوس ہوا۔

"اسے بھی لگا لو دھندے میں بڑی صاحب' خوب صورت ہے' تھوڑا ناچ گانا ہم سکھا دیں گے۔۔۔ بچہ ہو جائے تو اسے بھی سکھا دیں گے' ایک جوڑی گھنگھرو منگوا لو۔" جھومر کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا۔ گیتی آرا نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر کھینچ مارا۔

"تم سب میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ' طوائف زادیاں پیدا نہیں ہوئی تھیں تم سب' شریف گھروں سے اٹھائی گئی تھیں' پھر بھی یہاں رہنا چاہتی ہو۔ ارے طوائف زادی تو میں تھی' ساری زندگی اپنے باپ کے نام کو ترستی رہی' گندا خون تو میرا ہے' تم سب تو شریف ماں' باپ کی بیٹیاں ہو۔۔۔ یہاں گناہ ہوتا ہے' راتیں جاگتی ہیں' لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں یہاں آ کر۔۔۔ مجھے احساس ہوتا ہے وہ گھر میں بیٹھ کر انتظار کرنے والی عورت کوئی اور نہیں میں ہوں' تم سب ہو' ثریا ہے۔۔۔ ہم اس عورت کے حق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔۔۔ اللہ معاف نہیں کرے گا۔۔۔ نہیں معاف کرے گا۔" وہ روتی رہیں اور اسی دوران انہیں عجیب سا دورہ پڑا' وہ پاگلوں کی طرح خود کو مارنے لگیں۔

"گالی ہیں ہم۔۔۔ ایک وہ عورت ہے جس کا شوہر اسے چھوڑ گیا اور وہ اس کی نشانی سنبھالے اسے ڈھونڈ رہی ہے اور ایک ہم ہیں جو ایسی شریف عورتوں کے مردوں کی جیبیں خالی کرواتی ہیں اور انہیں جھوٹا کر دیتی ہیں' ناپاک اور گناہ گار بنا دیتی ہیں۔" وہ خود کو کوستی رہیں۔

"تو کیوں آتے ہیں وہ یہاں؟" جھومر غصے سے بولی۔

"اس لیے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم ہیں۔ ہم جیسی بے ہودہ عورتیں ہیں۔۔۔ ارے نہیں ہیں ہم مجبور۔۔۔ نہیں ہیں بے بس۔۔۔ ہم پر آگہی کا لمحہ نہیں آتا۔ بد بختی ہے ہماری' زیادہ سے زیادہ دنیا کیا کرے گی' جان سے مار دے گی نا' مارے دے' جانا تو ہے ایک روز۔۔۔ ایک طوائف کی زندگی جینے سے بہتر ہے کہ تائب ہو کر مرو۔" وہ فرش پر گر گئیں۔

"گیتی آرا۔" سوسن بے تاب ہو کر ان کی طرف بڑھی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"اب یہ پہلے سے بہتر ہیں۔" سوسن انہیں لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ۔۔۔ ڈاکٹر نے کچھ دوائیاں لکھ دی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا ہمیں سوسن' ہم تو بس بچے کی پیدائش سے پہلے اس جگہ کو پاک کرنا چاہتے ہیں' تم ہمارا ساتھ دو' جھومر کو منانا مشکل ہے' لیکن عورت ہے شادی کے نام پر موم کی طرح پگھل جائے گی وہ اقبال مان گیا ہے جھومر سے شادی کے لیے' میں کچھ ہی دنوں میں کوٹھا خالی کر دینا چاہتی ہوں۔" وہ تانگے میں بیٹھی بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

"اور نرگس؟" سوسن نے سوالیہ نظروں سے ان کی سمت دیکھا۔

"نرگس کے لیے بھی ہم نے ایک لڑکے سے بات کر لی ہے' وہی ہمارے بالا خانے کی نیچے والی منزل کرائے پر لینے پر رضامند ہوا ہے' کوئی نہیں ہے بے چارے کا' نرگس کو نہ جانے کب سے چاہتا ہے' انہی چوباروں میں پل کر جوان ہوا ہے۔" انہوں نے سوسن کو تسلی دی۔

"اور کھائیں گے کہاں سے؟" سوسن نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"حرام نہیں کھائیں گے' نیچے کا حصہ آٹے کا گودام کرائے پر لگا ہے' وہی رشید نے لگایا ہے' وہی لڑکا جو نرگس سے نکاح کرے گا۔۔۔ بس اب ہم جلد از جلد اس کوٹھے کو گھر بنانا چاہتے ہیں۔"

"کیا ایسا ہو جائے گا' برسوں لگیں گے' اس عمارت پر لگے بدنامی کے داغ کو دھونے میں۔"

"اس بچے کے جوان ہونے تک تو ایسا ہو ہی جائے گا' جانتی ہو سوسن ثریا کو دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوتا ہے' جیسے میں خود ماں بننے والی ہوں اور کوئی ماں یہ کبھی نہیں چاہے گی کہ اس کی اولاد کسی کوٹھے پر آنکھ کھولے۔" گیتی آرا نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ سوسن نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ وہ عورت فیصلہ کر چکی تھی۔

نادرہ' نرگس اور جھومر کو رخصت کرنے کے بعد وہ جیسے خالی سی ہو گئی تھیں۔ اس روز پھولوں والی گلی سے تین ڈولیاں اٹھی تھیں اور گیتی آرا بائی اس طرح تھکی ہاری بیٹھی تھیں جیسے کوئی ماں اپنی بیٹیوں کو رخصت کر کے فارغ ہو کر بیٹھتی ہے۔

"آج رات کو محفل نہیں سجے گی' ہم نے کسی کو نہیں بتایا' لوگ آئیں گے' ان سیڑھیوں پر آج بھی قدموں کی چاپ ابھرے گی' لیکن۔۔۔ بہت سوں کو جواب دینا ہے ہمیں' وہ چوہدری کو تو ایڈوانس کی رقم بھی واپس کرنی ہے۔۔۔ کمی ارے او کمی۔" گیتی آرا نے طبلہ بجانے والے کو آواز دی۔

"جی صاحب؟" وہ بھی تھکا ہارا سا کھڑا تھا۔

"جا' جا کر پھولوں کے لیے منع کر آ اور ہاں وہ رفیق حلوائی کی طرف ضرور جانا اور اسے بھی منع کر آنا" انہوں نے پاؤں تخت کے اوپر کر لیے۔

"بائی جی۔۔۔ وہ پان' بوتل والے کا حساب بھی کر دیں۔" سیڑھیوں کے قریب سے ہی ہمایوں کی آواز ابھری تھی۔

"ارے ہاں۔۔۔ یہ کم بخت آنے والے۔۔۔ پان سگریٹ' بوتل کا خرچہ بھی دیتے رہے اور ہم۔۔۔ یا اللہ ہمیں معاف کرنا۔۔۔ اس گھر کی ایک ایک اینٹ نے حرام چکھا ہے۔۔۔ یا رب۔" وہ اپنا سر تھامے رونے لگیں۔ ثریا نے دیکھا' کمی اور ہمایوں جس طرح آئے تھے اسی طرح چلے گئے۔ اس رات بہت ہنگامہ ہوا' بڑی صاحب تنہا کھڑی سب کو جواب دیتی رہیں۔

"ارے یہ تو پہلے ہی فلموں کے چکر میں تھی' کیا رکھا ہے ہماری انڈسٹری میں۔۔۔ ارے کہیں لڑکیاں بارڈر پار تو نہیں بھیج دیں تو نے۔" کسی نے غصے میں

www.Paksociety.com

آکر دروازے کو ٹھوکر ماری تھی۔ گیتی آرا شیرنی کی طرح دھاڑی تھیں۔

"بس کرو تم سب' بیاہ دیں ہم نے لڑکیاں اور ہاں اب یہ گیتی آرا کا بالاخانہ نہیں ہے' گھر ہے' تم سب کو تمہارے پیسے مل جائیں گے۔" وہ سب باری باری کھسکنے لگے۔

"کھسک گئی ہے بڑھیا' کون عقل کے اندھے ہیں جو طوائفوں کو بیاہ لے گئے' کل کو یہ ہی کوٹھا پھر آباد نہ ہوا تو نام بدل دینا۔" کسی نے ہاتھ میں پکڑی شراب کی بوتل سیڑھیوں پر پھینکی تھی' اور پھر خاموشی چھا گئی۔

"سوسن صبح کی نماز سے پہلے سارے گھر کو اچھی طرح دھو دے' سارے گانے کے سامان کو ایک کمرے میں بند کر کے تالا ڈال دے۔" انہوں نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی صاحب۔" سوسن نے تابعداری سے کہا۔

☼ ☼ ☼

اس گھر کو پاک کیا گیا تھا۔ سوسن دیکھ رہی تھی' بڑی صاحب ثریا سے قرآن شریف کی اصلاح لیتی تھیں' وہ اس جگہ کو گھر بنانے کی مکمل کوشش کر رہی تھیں۔

"دل کو بہت سکون ملتا ہے جب اس گھر میں قرآن شریف کی آواز گونجتی ہے' مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے گناہ دھل رہے ہوں' اگرچہ وہ بہت زیادہ ہیں... میرے گناہ بہت زیادہ ہیں۔" وہ بات بات پر رو دیتی تھیں۔

"اللہ معاف کرنے والا ہے۔" ثریا نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"کاش یہ خیال مجھے اس وقت آجاتا جب میں یہاں سے چلی گئی تھی' یہ توبہ کا در مجھ پر اس وقت کھل جاتا... کاش۔" گیتی آرا نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"کب؟" ثریا نے بے حد حیرت سے اس عورت کو دیکھا' وہ پچھتا رہی تھیں' معافی مانگ رہی تھیں گیتی آرا نے سر

اٹھا کر دیکھا' ثریا کو احساس ہوا کہ اسے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔

"تب... جب ہم یہاں سے بھاگ گئے تھے۔" اس نے دور آسمان کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

نواب سلطان' حیدر' گیتی آرا کے بالاخانہ پر اس کا رقص دیکھنے آتا تھا۔ اس وقت اس کوٹھے پر گیتی آرا کا راج تھا۔ اس کا حسن' اس کی جوانی پورے جوبن پر تھی۔

"شادی کرو گی مجھ سے؟" یہ وہ سوال تھا جسے سننے کے لیے گیتی آرا کے کان کب سے منتظر تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی اماں ایسا کبھی نہیں ہونے دے گی' پھولوں والی گلی کے اس بالاخانہ میں وہ سونے کی چڑیا تھی۔

"کیسے؟" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔

"تمہاری اماں سے بات کروں گا اور اگر نہ مانی تو تمہیں بھگا لے جاؤں گا' گیتی آرا تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے' کوئی اور تمہیں دیکھے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا' تمہیں ایک حلال اور پاک زندگی گزارنی چاہیے' گیتی آرا تم سمجھ رہی ہو نا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں' میں تم سے نکاح کر کے تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا' ایک پاکیزہ زندگی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"اماں نہ مانی تو میں پھر بھی تمہارے ساتھ چلوں گی سلطان' مجھے اس جگہ سے دور جانا ہے' اپنے شوہر کے ساتھ ایک گھر بسانا ہے' جہاں میں ایک بیوی اور ایک ماں کی حیثیت سے رہوں۔ میں مکمل عورت بننا چاہتی ہوں۔" وہ رونے لگی۔

"تو پھر میں آج ہی تمہاری اماں سے بات کرتا ہوں۔" وہ خوش تھا۔

"اور تمہاری بیوی؟" اس نے حیرت سے نواب سلطان کی سمت دیکھا۔

"تم ڈرو نہیں' بہت پیسہ ہے میرے پاس' تمہیں

الگ گھر میں رکھوں گا' اسے خبر بھی نہ ہوگی۔" نواب سلطان نے اسے تسلی دی تھی۔

"ایسا ہو جائے گا نا سلطان؟" اس نے آس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہوگا۔" نواب سلطان نے اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔

☼ ☼ ☼

ایک رات محفل ختم ہونے کے بعد وہ نواب کے ساتھ بھاگ گئی۔ اس نے سچ کہا تھا۔ وہ اسے اپنے گھر لے کر گیا تھا۔ گیتی آرا کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ مکمل ہو گئی ہو۔ اسے سب کچھ مل گیا ہو۔ نواب کا پیار' گھر گرہستی اور پھر جلد ہی وہ امید سے ہو گئی۔ ماں بننے کا نور اس کے چہرے سے چھلکنے لگا۔

کبھی کبھی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو اور پھر وہ خواب کب ٹوٹا۔ اسے خود بھی خبر نہ ہوئی۔ وہ شام بہت خوب صورت تھی۔ وہ سارے گھر کے کام کے بعد کھانے کی تیاری کر رہی تھی' نواب نے اسے جلدی آنے کو کہا تھا۔ دروازہ بجا تو وہ بجلی کی سی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"آپ... کون؟" اس نے دروازہ کھولا تو بڑے جوش سے تھا' لیکن سامنے کھڑی عورت کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"جی کون ہیں آپ؟"

"ہم... ہم نواب سلطان کی بیوی ہیں' ان کے تین بچوں کی ماں اور تم تک پہنچنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑی ہمیں' بہت بڑے جاگیردار ہیں ہم' یہ طوائفوں کے کوٹھوں پر چکر لگانا تو نوابوں کی پرانی ریت ہے' لیکن انہیں اٹھا کر گھر لے آنا کہاں کی عقل مندی ہے... ہم بہت جھگڑے نواب سے... روٹھ کر بھی چلے گئے' لیکن انہیں کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔" وہ اندر گھستے ہوئے بولی' گیتی آرا ساکت کھڑی رہی۔

"تم کیا سمجھتی ہو نواب نے ہمیں کچھ نہیں بتایا' سب کچھ بتایا ہے۔ یہ بھی کہ تم دونوں ایک دوسرے کو کتنے عرصے سے جانتے ہو' اچھے شوہر اپنی پہلی بیوی سے کچھ نہیں چھپاتے' یہاں تک کہ اپنے گناہ بھی۔" وہ سختی سے بولی تھی۔

"گناہ..." گیتی آرا تڑپ کر آگے بڑھی۔

"غلط فہمی ہے آپ کی' میں ان کے نکاح میں ہوں۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"نکاح؟" اس نے طنزیہ انداز میں اس کی سمت دیکھا۔

"دیکھو گیتی آرا ہماری تین لڑکیاں ہیں' لڑکا ہوا اور زندہ نہیں بچا' میں نے نواب سے دوسری شادی کا کہا' وہ نہیں مانا' اس کا خیال تھا کہ وہ میرے سوا کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا' میں نے خاندان کی ایک دو لڑکیوں سے بات کی' لیکن وہ میرے اور نواب کے پیار سے بخوبی واقف تھیں' اسی لیے انکار کر دیا' پھر میں نے نواب کو تمہارے لیے راضی کیا... میں نے اس سے قسم لی کہ وہ تم سے اس کھیل کے بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا' تم طوائفوں کو تو پیسہ دے کر خریدا بھی جا سکتا ہے اور بیچا بھی... لڑکا ہوتے ہی نواب تمہیں سونے میں نہلا دے گا اور پھر تم بچہ ہمارے حوالے کر کے یہاں سے چلی جاؤ گی' وہیں جہاں سے آئی تھیں۔" وہ بہت آرام سے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ گیتی آرا کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

"لیکن میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہی ہوں کہ نواب زیادہ وقت یہاں بتانے لگا ہے' مجھے لگتا ہے کہ تم اس کے حواسوں پر سوار ہو رہی ہو' وہ تمہاری مجھ سے زیادہ فکر کرنے لگا ہے' میں تمہیں خبردار کرنے آئی ہوں گیتی آرا' اگر میرے نواب کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا' یہ گہنے میں تمہارے لیے لائی تھی۔" اس نے ایک پوٹلی گیتی آرا کی طرف اچھالی۔

"لڑکا پیدا ہوتے ہی تم خود بخود یہاں سے چلی جاؤ گی' نواب کو تمہاری بے وفائی کا یقین تمہیں خود دلانا ہے' اگر تم ایسا نہیں کرتیں تو بھی نقصان تمہارا ہے' وہ کبھی

www.Paksociety.com

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,Imran series,Monthly digests with direct links and resumeable direct link along with the facility to read online on different fast servers

If site is not opening .or you find any issue in using site send your complaint at admin@paksociety.com

or

send message at

0336-5557121

بھی تمہارا نہیں ہو سکتا' اس کی ڈور مجھ سے بندھی ہے' وہ یہاں جب بھی آتا ہے میری اجازت سے آتا ہے' واپس تو تمہیں اسی کوٹھے پہ جانا ہے' بڑھاپے میں جانے کا فائدہ' بہتر ہے وقت پر چلی جانا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھ گئی۔

"اتنا بڑا دھوکہ۔" وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"نواب میرے اشاروں پہ ناچتا ہے' آج بھی تم اس کا انتظار مت کرنا' میں نے اسے منع کر دیا ہے' وہ نہیں آئے گا۔" وہ باہر کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ گیتی آرا کسی بت کی طرح ساکت کھڑی رہی۔

"تو یہ ہے میری اوقات' یہ ہے میری اوقات۔" وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اور پھر واقعی اس شام نواب نہیں آیا اور اگلی صبح جب اس نے گیتی آرا کے مکان کا دروازہ کھولا تو وہ سامنے ہی بے ہوش پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ان کی جان بچ گئی' یہ بھی معجزہ ہے' بچی کو ہم نہیں بچا سکے۔" ڈاکٹر نے نواب کے سامنے سفید کپڑے میں لپٹا ننھا وجود کیا' وہ جیسے چکرا سا گیا۔

"اللہ کی مرضی... دو ماہ ہی تو رہ گئے تھے ڈلیوری میں... خیر۔" ڈاکٹر اسے تسلی دے کر چلی گئی۔

"بچی... بچی... بچی۔" اس کا دماغ گھومنے لگا۔ اس نے غور سے گیتی آرا کے بے سدھ وجود کو دیکھا۔ آپریشن کے بعد اسے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا' وہ ابھی تک بے ہوش تھی۔

"مجھے معاف کر دینا گیتی آرا' لیکن... مجھے تم سے محبت نہیں تھی' مجھے تو اپنا وارث چاہیے تھا' ہاں مجھے تم سے ہمدردی ہے... میں تمہیں اب وہ عزت' وہ مقام نہیں دے سکتا' مجھے مہناز نے سب کچھ بتا دیا ہے' ہم دونوں میاں' بیوی ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپاتے' میں تمہاری نظروں سے گر گیا ہوں' میرا اعتبار' میرا یقین اٹھ گیا ہے تمہاری نظروں سے' مجھے معاف کر دینا اور واپس چلی جانا' میں وعدہ کرتا ہوں گیتی آرا کہ تمہیں اپنے نام سے الگ نہیں کروں گا' خدارا میرے وجود سے دور چلی جاؤ' ورنہ میرا سکون اور میرا گھر برباد ہو جائے گا' یہ کھیل میں نے اور مہناز نے مل کر کھیلا تھا' ہم نے ہی اسے ختم کر دیا' لیکن میں یہ وعدہ ضرور نبھاؤں گا گیتی آرا تم مرتے دم تک نواب سلطان کی بیوی رہو گی' میں نہیں چاہتا کہ میرے قریب رہنے سے تم ساری زندگی طعنے سنتی رہو... اسے میری محبت ہی جان لو... ہاں شاید... یہ محبت ہی ہو۔" وہ اس کے قریب بیٹھا سرگوشیانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ گیتی آرا کی بند آنکھوں سے آنسو لڑھک گئے' اس نے اپنی سسکیاں دبا لیں۔

"آہ... میری بچی۔" اس کا دل دکھ رہا تھا۔

"چلو تم نے مجھے ایک بیوی تو بنا دیا' ماں تو بنا دیا' مکمل تو کر دیا' تمہارا شکریہ نواب سلطان' خوش رہو۔" اس کے دکھے دل نے دعا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

پھولوں والی گلی میں ایک رکشا آ کر رکا تھا۔ سب جھروکوں میں سے تاک جھانک کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"گیتی آرا واپس آ گئی' گیتی آ گئی۔" سرگوشیاں ہونے لگیں۔

"تیری اماں تو مر گئی گیتی۔" کسی نے آواز لگائی' اس کے قدم لمحہ بھر کو تھم گئے۔

"ہاں... اسے تو مر ہی جانا تھا... اس کا کوٹھا جو ویران ہوا تھا۔" شاید اس کا دل پتھر کا ہو گیا تھا۔ وہ سیڑھیوں کے پاس کھڑی ایک لمحے کے لیے یہ سوچنا چاہتی تھی کہ کہیں یہاں ان گلیوں میں واپس آ کر اس نے کوئی غلطی تو نہیں کی' لیکن پھر اپنے دماغ سے ہر سوچ کو جھٹک کر وہ سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"کتنی گرد ہے ہر شے پر' کتنی اداسی' کتنی ویرانی۔" اس نے ایک ایک چیز کو غور سے دیکھا۔

"اتنی خاموشی یہاں پہلے کبھی نہیں تھی۔" اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"سب سے بڑی محفل اس کوٹھے پہ جمتی

www.Paksociety.com

تھی۔" وہ رونے لگی۔

"کیا کمایا تو نے گیتی آرا یہاں سے جاکر؟ صرف دکھ، خالی کوکھ کا کرب، اف میرے خدایا۔" وہ سر تھامے رونے لگی۔

"کاکا... ارے او کاکا۔" وہ سیڑھیوں کے پاس جاکر زور سے چلائی، کچھ ہی دیر میں نیچے کی منزل سے کاکا اور نیناں اوپر آگئے۔

"تو آگئی گیتی آرا... کہاں چلی گئی تھی ہماری روزی پہ لات مار کے۔" نیناں نے شکوہ کیا۔

"میں واپس آگئی ہوں... کاکا تم سب کو خبر کردو، کل سے محفل پھر سجے گی، باقی سب لوگوں سے بھی کہہ دو واپس آجائیں۔" اس نے دیکھا ان دونوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔

"میں ابھی گیا اور ابھی آیا، تم محفل کا سامان لکھ رکھو۔" کاکا تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔

"تو کہاں گئی تھی گیتی، تیرے جانے کے ایک مہینے بعد ہی اماں چل بسی، تو کس کے ساتھ گئی تھی، وہ تیرا عاشق نواب سلطان تو تیرے جانے کے بعد بھی یہاں آتا رہا تھا، پھر اماں مرگئی تو وہ نہیں آیا، جانتا تھا کہ اب یہاں وہ بات نہیں رہی، میں نے اور چمپا نے بہت کوشش کی پردھندا ٹھپ ہوگیا۔"

"میں ٹھوکر کھانے گئی تھی، شکر کر گری نہیں، سنبھل کر واپس آگئی۔" دل کو ایک اور کچوکا لگا تھا، نواب یہاں آتا رہا تھا، ماں کی موت سے باخبر تھا، پھر بھی اسے بے خبر رکھا، جیسی بھی تھی آخر تھی تو اس کی ماں۔

"یہ مرد کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے، ایک عورت کو اپنی ملکیت سمجھ لیتے ہیں، وہ اپنے ماں، باپ کو ایک سے دوسری مرتبہ یاد بھی کرے تو انہیں برا لگتا ہے اور خود صبح شام اپنے قبلہ کعبہ کا دیدار کرنا کسی فرض کی طرح ہے، تمہاری ماں مرگئی اور تمہیں کسی نے بتایا ہی نہیں گیتی آرا۔" وہ جو کوئی بھی تھی اس کے پاس افسوس کے لیے آئی تھی۔

"میرا دل تڑپتا تھا ماں سے ملنے کے لیے، لیکن میں نواب کی محبت میں اندھی ہوگئی تھی، کچھ یاد ہی نہیں رہا مجھے، میں تو سمجھی تھی کہ اس نے مجھے بیوی بنالیا... لیکن... کیا ہوا اس دل کے ساتھ؟" وہ رونے لگی۔

"صبر کرو گیتی آرا۔" اس نے صبر کی تلقین کی تھی اور یہ صبر کا کڑوا گھونٹ ہی تو تھا، جسے وہ پی کر اب بے حس ہورہی تھی۔ اپنے دماغ کو سوچوں سے آزاد کرنا چاہتی تھی۔

✡ ✡ ✡

اس کوٹھے کی رونقیں بحال ہوگئیں، گیتی آرا نے کئی لڑکیوں کو رقص سکھایا، گانا سکھایا نادرہ، جھومر اور نرگس اس کے کوٹھے پر آئیں تو جیسے وہاں کی رونقیں اور بڑھ گئیں، اکثر تنہائی میں وہ اپنی بچی کو یاد کرتی اور رو پڑتی۔

"اگر وہ زندہ ہوتی تو کیا میں اسے لے کر یہاں آتی؟" وہ اکثر خود سے سوال کرتی۔

"نہیں کبھی نہیں، میں اپنی بیٹی کو کبھی یہاں لے کر نہ آتی... یہ جگہ شریفوں کے رہنے کی نہیں، میری ماں نے میرے پاؤں میں گھنگھرو باندھے تھے، میں اپنی بیٹی کے پاؤں میں کبھی گھنگھرو نہ باندھتی۔"

وقت کیسے گزرا، کچھ پتا ہی نہ چلا، لڑکیاں بڑی ہوگئیں، گیتی آرا کے بالوں میں چاندی اترنے لگی، سوسن اوپر کے کاموں کے لیے آگئی، اس کے اور اس کے رب کے درمیان گیتی آرا نے مداخلت نہیں کی۔ وہ حالات کی ستائی ایک مجبور عورت تھی، شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھی، گیتی آرا نے اس کی ساری شرائط مان لیں، سوسن قرآن کا ترجمہ پڑھتی تو گیتی آرا سوچ میں پڑجاتی، لیکن وہ روح سے تو تب کانپی جب ثریا اپنے شوہر کو ڈھونڈتی اس کے بالاخانہ تک آپہنچی، گیتی آرا کو محسوس ہوا، جیسے وہ ثریا نہیں بلکہ خود گیتی آرا ہو اور اپنے نواب کو ڈھونڈتی وہاں آپہنچی ہو، اس کی کوکھ میں جو بچہ تھا، گیتی آرا اسے کوٹھے پر کبھی جنم نہ دیتی، اس کی روح کانپ اٹھی۔

"اور یہ قدم تب کیوں نہ تھم گئے جب میں نواب کو چھوڑ آئی تھی، برتن مانجھ لیتی، بھیک مانگ لیتی، مگر یہ فحش پیشہ نہ اپناتی۔" وہ خود کو کوس رہی تھی، ملامت کررہی تھی، اس کا دل بدل رہا تھا اور وہ بدلنا چاہ رہی تھی اور پھر جب ثریا دوبارہ وہاں آگئی تو گیتی آرا نے بہت کچھ سوچ لیا۔ اس نے اپنے سامنے نظر آنے والے دو راستوں میں سے ایک کو چن لیا تھا۔

✡ ✡ ✡

اس رات ثریا کو صحیح طرح نیند نہیں آئی۔ وہ اس عورت کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس کی خاطر کیا کچھ کررہی تھی۔

"کیا میں اب بھی شاہ نواز کو ڈھونڈوں گی؟ کیا میں اس جگہ کو چھوڑ کر جاسکتی ہوں۔" اس عورت کی محبت نے میرے قدم باندھ لیے ہیں، شاید میں اسے چھوڑ کر کہیں نہ جاسکوں، مجھے اس محبت کا حق ادا کرنا ہے، جس محبت کے ہاتھوں اس نے میرے لیے، میری اولاد کے لیے اتنا کچھ کیا۔" دو، تین ماہ تک اس نے شاہ نواز کو ڈھونڈا تھا، پھر یہ کام ترک کردیا۔ پھر ایک سرمئی سی شام اس نے ایک بچی کو جنم دیا تھا۔

"اس کا نام ہم فاطمہ رکھیں گے ثریا۔" گیتی آرا نے اس ننھی سی بچی کو اپنی گود میں بھرتے ہوئے کہا۔ ثریا کو یاد آیا شاہ نواز نے بھی تو یہ ہی نام سوچا تھا۔

"جانتی ہو ہم اکثر سوچا کرتے تھے کہ اگر ہماری بیٹی ہوئی تو ہم اس کا نام فاطمہ رکھیں گے۔" گیتی آرا نے بچی کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بڑی صاحب جیسے آپ کہیں۔" وہ ان کی خوشی میں خوش تھی۔

ابھی فاطمہ چند دنوں کی تھی کہ بڑی صاحب بیمار رہنے لگیں، عجیب عجیب باتیں کرنے لگیں۔ وہ گھنٹوں قرآن پڑھتی اور روتی رہتیں، سجدے میں جاتی اور یوں محسوس ہوتا جیسے اب کبھی نہ اٹھیں گی، کبھی کبھی وہ چیخنے لگتیں۔

"یہ آگ دکھائی دے رہی ہے تمہیں سوسن، ثریا وہ دیکھو آگ کے شعلے بلند ہورہے ہیں، وہ دیکھو گیتی آرا کی چمڑی جل رہی ہے۔" اور پھر وہ رونے لگتیں۔ انہی دنوں کی بات ہے جب نادرہ واپس آگئی۔

"بڑی صاحب وہ بہادر ہے نا، دبئی چلا گیا، مجھے اکیلا چھوڑ کر، میں کہاں جاتی، اس لیے آگئی، میرے کو بس ایک کمرہ دے دو، سلائی کرکے گزارہ کرلوں گی۔" وہ رونے لگی، پھر نادرہ کو باہر والا کمرہ دے دیا گیا۔

"سوسن اس کمرے کا جو دروازہ صحن میں کھلتا ہے نا اسے بند کردو، مضبوطی سے، یہ نادرہ اس صحن میں قدم نہ رکھے، ہماری فاطمہ پر اس کا سایہ بھی نہ پڑے، نادرہ ابھی سدھری نہیں، ہمیں اس کے چہرے کی مکاری دکھائی دے گئی ہے۔" وہ سختی سے بولیں۔

"تو پھر ٹھہرنے کو جگہ کیوں دے دی؟" سوسن نے برا مناتے ہوئے کہا۔

"اکیلی عورت ہے کہاں جائے گی، اس لیے۔" انہوں نے آنکھیں موندلیں گویا اس موضوع پر اب کوئی بات نہ کرنا چاہتی ہوں۔

✡ ✡ ✡

بڑی صاحب کو فالج ہوا تھا، وہ بالکل ہی بستر سے لگ گئیں، اس کی بیماری کے اخراجات بڑھ گئے کبھی کبھی ثریا کا جی چاہتا کہ جاکر نواب کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑے، لیکن وہ اسے کہاں ڈھونڈتی، اس کا پتا بتانے والی کو تو چپ لگ گئی تھی۔ ثریا نے کئی جگہ نوکری کے لیے ہاتھ پاؤں مارے، لیکن کہیں کام نہ بنا۔

"سنو..." ایک روز وہ تھکی ہاری واپس لوٹی تھی، جب نادرہ کے کمرے سے آواز سنائی دی۔

"تم پریشان ہونا، بڑی صاحب کے لیے، نوکری نہیں مل رہی، میں ریڈیو پر گانے گاتی ہوں، ایک فلم کے لیے بھی گا رہی ہوں، وہ ملک صاحب تھے نا، ہمارے رقص کے لیے آیا کرتے تھے، بہت بڑی فلم بنا رہے ہیں، انہیں اپنی فلم میں کچھ ایکسٹرا لڑکیوں کی ضرورت ہے، کام کروگی؟ روز کے پیسے ملیں گے۔" نادرہ سرگوشیانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کیا؟" اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

www.Paksociety.com

"تو کوئی غلط تو نہیں بڑی صاحب کے علاج کے لیے' آخر تم ان کے احسانوں کا بدلہ کسی طرح تو اتارو گی نا اور پھر ایکسٹرا کے بارے میں کسی کو کیا پتا چلتا ہے' ہیروئن کے ساتھ اتنی لڑکیاں ہوتی ہیں' تمہاری شکل میک اپ سے بدل جائے گی' پریشان نہ ہو' کر لو کام۔" نادرہ اسے ایک نیا راستہ دکھا رہی تھی' وہ الجھتی چلی گئی۔

"میں تمہیں سوچ کر بتاؤں گی۔" وہ بوجھل قدموں کے ساتھ آگے بڑھ گئی' بہت سوچ بچار کے بعد اس نے نادرہ کو ہاں کہہ دی۔

"صحیح تو کہتی ہے نادرہ' ایکسٹرا کی شکل بھلا کون دیکھتا ہے اور پھر ایک فلم کی تو بات ہے' اتنا تو مل ہی جائے گا کہ بڑی صاحب کی دوائیاں آجائیں۔" اس نے اپنے دل کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ بڑی صاحب اور سوسن کو اس نے یہی کہہ دیا کہ ایک فیکٹری میں نوکری مل گئی ہے۔

☼ ☼ ☼

انہوں نے نہ جانے کب کا مڑا تڑا کاغذ انکال کر سوسن کے حوالے کیا اور اشارے سے بتایا کہ یہ خط پوسٹ کر آئے' سوسن نے حکم کی تعمیل کی تھی۔ اسی رات انہیں اسپتال لے جایا گیا۔ بہت بری حالت تھی۔

"ثریا کہاں ہے؟" اشارے سے پوچھا۔

"ابھی تک فیکٹری سے لوٹی نہیں' بہت فکر ہو رہی ہے۔" سوسن نے فاطمہ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اس کی شوٹنگ ختم نہیں ہوئی' وہ ابھی لوٹے گی بھی نہیں۔" نادرہ نہ جانے کب عیادت کے پھول لیے اندر داخل ہوئی تھی۔

"کیا بک رہی ہے؟" سوسن نے غصے سے اس کی سمت دیکھا۔

"صحیح کہہ رہی ہوں بڑی صاحب نے بھی اس پرائی عورت پر بھروسہ کر لیا' نہ جانے کون ہے' کہاں سے آئی ہے؟ ہمیں نکال باہر کیا اور سب کچھ اس کے نام کر دیا' ارے وہ تو ملک کی فلم میں ہیروئن کی سہیلی کا رول کر رہی ہے' ابھی بھی وقت ہے صاحب سوچ لو' ہم پہ بھروسہ کرو' ہم اس کوٹھے کو نئے سرے سے آباد کریں گے۔" نادرہ جو کچھ کہہ رہی تھی' انہیں یقین نہیں آرہا تھا اور پھر چند لمحے لگے تھے اور ان چند لمحوں میں ہی ان کی روح جسم سے نکل گئی۔ وہ جب لوٹی تو صف ماتم بچھی تھی۔

"کیوں کیا ثریا تو نے ایسا؟" سوسن نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیا نہیں کیا اس عورت نے تمہارے لیے اور تم نے؟" سوسن کیا کہہ رہی تھیں' اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا' وہ سن رہی تھی تو صرف بین کی آوازیں۔

"میں نے جو کچھ بھی کیا بوبو' بڑی صاحب کے لیے کیا' ان کے احسانوں کا بدلہ اتارنا چاہا تھا میں نے' ان کے علاج کے لیے مجھے جو راستہ دکھائی دیا میں نے اسی پر قدم رکھ دیے اور یہ راستہ بھی مجھے نادرہ نے ہی دکھایا تھا' میں نے سوچا شاید احسانوں کا کچھ بدلہ اتار سکوں۔" وہ رونے لگی۔

"کس کس احسان کا بدلہ اتارو گی تم' وہ اپنی ساری جائیداد تمہارے نام کر گئیں اور نواب سلطان نے اپنی جائیداد گیتی آرا کے نام کرنی چاہی تھی' گیتی آرا نے انہیں خط لکھ کر تمہارے اور فاطمہ کے بارے میں بتا دیا ہے' تاکہ ان کے بعد اس ساری جائیداد کی وارث تم دونوں ہو' بتاؤ ثریا کس کس احسان کا بدلہ اتارو گی۔" سوسن بولتی رہیں اور وہ سنتی رہی' آنسو ایک تواتر سے بہتے رہے۔

"پر یہ بھی تو دیکھو نا سوسن میں نے جو کچھ کیا انہی کی خاطر کیا۔" وہ روتی رہی اور پھر سوسن نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"تم فکر مت کرو اور نہ ہی ان کی موت کا ذمہ دار خود کو ٹھہراؤ' تم نے جو کچھ کیا انہی کے لیے کیا' مجھے یقین ہے کہ وہ تم سے ناراض نہیں ہوں گی' بس تمہیں فاطمہ کی پرورش ایسے کرنی ہے جیسے وہ چاہتی تھیں۔" سوسن اسے کچھ سمجھا رہی تھیں' اس کا سر جھکتا چلا گیا' نادرہ یہ سب سن کر وہاں سے اٹھ گئی۔

"تو مرتے مرتے بھی اپنا سب کچھ اس کے نام کر گئی پاگل عورت۔" وہ جل کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وقت کا کام گزرنا ہے سو گزرتا ہے' ثریا کے بالوں میں چاندی اتر آئی۔ بوبو اور بڑی صاحب نے جو دروازہ بند کیا تھا' اسے بند ہی رکھا گیا' لیکن نادرہ کو وہ وہاں سے نکال نہ سکیں۔ اس نے بھی نیا طریقہ اپنا لیا شہرت کا' ریڈیو اور ٹی وی پر گا کر وہ اپنا پیٹ پالتی رہی' وقت نے شاید اسے بھی تھکا دیا تھا' اسی لیے وہ اس مکان کے حصول کے لیے کچھ نہ کر سکی۔ ثریا نے وہ فلم ادھوری چھوڑ دی تھی' اس کے بعد وہ گودام کے کرائے سے اور سلائی کے پیسوں سے گزارا کرتی رہی اور پھر فاطمہ کالج جانے لگی' اس کا بڑھتا قد دیکھ کر ثریا کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی۔ شاہ نواز کی یاد اور بھی زیادہ آنے لگی تھی۔

اس نے گاؤں والا مکان بھی بیچ دیا تھا۔ فاطمہ کی شادی کے لیے اس کے پاس جو کچھ تھا وہ اسی میں مطمئن تھی' لیکن ایک اچھے رشتے کی ضرورت تھی' انہی دنوں عمر احمد ان کے ہاں چلا آیا۔ وہ نواب سلطان کا وکیل تھا۔ نواب سلطان نے گیتی آرا کی درخواست اور وصیت کے مطابق فاطمہ کے جوان ہونے پر گیتی آرا کے حصے کی جائیداد ان دونوں کے نام کر دی۔ وہ گیتی آرا کے لیے قرآن شریف پڑھتی' ان کی مغفرت کے لیے دعائیں کرتی اور ان کی روح سے معافی مانگتی۔ ثریا کی زندگی میں اب فاطمہ کی شادی کے علاوہ اور کوئی خواہش باقی نہیں رہی تھی۔ شاہ نواز پر تو وہ صبر کر کے بیٹھ چکی تھی۔ دل تھا کہ اسے بے وفا ماننے کو تیار نہیں تھا اور وہ اسے معاف کرنے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتی تھی' یہ تو گیتی آرا تھیں جس نے اس کی خاطر اپنے کوٹھے کو پاک کر دیا' ورنہ قسمت یا تو اسے ملک کے ہاتھوں برباد کر دیتی یا پھر وہ گیتی آرا کے کوٹھے پر ساری زندگی بتا دیتی اور اس کی فاطمہ بھی۔۔۔ یہ تو بڑی صاحب تھیں جنہوں نے کسی رشتے کے بغیر ان کی خاطر سب کچھ بدل دیا' وہ واقعی بڑی تھیں' بہت بڑی۔

☼ ☼ ☼

"چاچو دوائی کھا لیں۔۔۔ جب سے میں نے پریکٹس شروع کی ہے' مجھے آپ کی بہت فکر رہتی ہے' اب تو آپ بالکل بچوں کی طرح ضد کرتے ہیں' کاش آپ بول سکتے' کاش کچھ لکھ سکتے' کوئی اشارہ کر سکتے' کاش چاچو۔" عمر نے دوائیاں سائیڈ ٹیبل پر رکھیں اور اپنے سامنے لیٹی زندہ لاش کو دیکھ کر افسردہ ہو گیا۔

"اچھا بھلا ری کور (Re Cover) کرنے لگے تھے آپ' کم از کم ہاتھ ہلا لیتے تھے' بولنے کی کوشش کرنے لگے تھے' لیکن اب تو جیسے خود سے دشمنی کر لی ہے آپ نے۔" وہ ان کی بیماری سے گھبرا سا گیا تھا۔

"چاچو' کاش آپ کی شادی ہو جاتی تو اس حادثے کے بعد آپ کی بیوی آپ کو سنبھال لیتی۔" وہ اپنی ہی کہے جا رہا تھا اور بستر پر لیٹے بے بس انسان کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر سخت اور کھردری جلد میں جذب ہو گئے تھے۔

"میں آج ہی آپ کے لیے کسی نرس کا بندوبست کرتا ہوں۔" وہ گھڑی کا اسٹریپ بند کر کے باہر نکل گیا۔

قدم خود بخود اس گھر کی طرف اٹھ رہے تھے' یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مقناطیسی قوت اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔ اب تو اس کا کام بھی ختم ہو چکا تھا۔ گیتی آرا صاحبہ کی تمام جائیداد اور نواب سلطان کی طرف سے دی گئی جائیداد کا کچھ حصہ ثریا صاحبہ کے نام کر دیا گیا تھا اور باقی جائیداد انہی کے کہنے پر ایک ٹرسٹ کے لیے وقف کر دی گئی تھی۔

"کون ہے؟" اندر سے آواز آئی۔

"جی' میں عمر احمد۔" اس نے اپنا تعارف کروایا' دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا تھا' سامنے فاطمہ کھڑی تھی' عمر احمد کو ایک لمحے کو محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں میں بھی انتظار ہو۔

"وہ۔۔۔ میں۔۔۔ وہ آنٹی کیسی ہیں؟" اس سے کوئی

www.Paksociety.com

بات ہی نہ بن سکی۔

"ٹھیک ہیں' آیئے نا۔" اس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"وہ گھر پہ ہیں؟" اس نے اندر قدم رکھنے سے پہلے پوچھا۔

"جی گھر پہ ہی ہیں۔" وہ ایک طرف کو ہٹ گئی' عمر اندر بڑھ گیا۔ ثریا اسے بہت محبت سے ملی تھیں۔ نہ جانے کیوں عمر کو دیکھ کر انہیں فاطمہ کا خیال آتا تھا اور جب بھی وہ فاطمہ کو دیکھتی تھیں انہیں عمر کا چہرہ یاد آجاتا۔

"کبھی اپنے گھر والوں کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ عمر' تمہارے اماں بابا' بہن' بھائی۔۔۔" ثریا نے اس کے آگے چائے کا کپ کھسکاتے ہوئے کہا۔

"میرے گھر والوں میں کوئی نہیں ہے آنٹی' امی' ابو کا انتقال بہت سال پہلے ایک ایکسیڈنٹ میں ہو گیا' اسی ایکسیڈنٹ میں میرے چاچو بھی اپاہج ہو گئے' ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی' کئی سالوں سے بستر پر تھے' بول سکتے تھے نہ اپنے پیروں پر چل سکتے تھے' پھر چند ماہ بعد ہی ان پر فالج کا حملہ ہو گیا۔ میں کئی سالوں سے ان کے ساتھ ہی ہوں' اب تو شاید وہ اپنی زندگی سے تھکنے لگے ہیں۔" عمر کے لہجے میں دکھ واضح تھا۔

"تو ان کے بیوی' بچے؟" ثریا کو سن کر دکھ ہوا۔

"نہیں ہیں' انہوں نے شادی ہی نہیں کی تھی' اب تو میں بھی تھکنے لگا ہوں۔" عمر واقعی تھکا' تھکا لگ رہا تھا۔

"تمہارے چاچو کا سن کر بہت افسوس ہوا' کسی روز آئیں گے ہم ان کی عیادت کو۔" ثریا نے اس سے وعدہ کر لیا۔

"آتے جاتے رہا کرو' تمہارا بھی اور کوئی نہیں اور ہمارا۔۔۔ ہمارا بھی اور کون ہے؟" ثریا نے بڑی آس بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی اور آپ بھی ضرور آیئے گا۔" اس نے کن انکھیوں سے فاطمہ کی طرف دیکھا' وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ عمر کو وہ اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی۔

☆ ☆ ☆

دروازہ بے حد آہستگی سے کھلا تھا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ دل کئی دنوں سے خاموش سا تھا' عمر اس کے بے حد قریب آکھڑا ہوا۔

"فاطمہ' میں لگی لپٹی نہیں رکھتا' میں نے جو محسوس کیا کہہ دینا چاہتا ہوں' فاطمہ مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے' ہمیں اگر کسی سے محبت ہو جائے تو اس کی امانت ہوتی ہے' اگر تمہیں نہ بتاتا تو خیانت ہوتی۔" وہ صاف گوئی سے بول رہا تھا۔ فاطمہ نے سر اٹھا کر دیکھا' شاید وہ بھی یہ سب سننا چاہتی تھی۔

"لیکن۔۔۔ میرے بارے میں آپ سب کچھ جانتے ہیں' میں کون ہوں' اس گھر تک کیسے پہنچی' میری ماں' یہ جگہ اور پھر اس گھر سے جڑی کہانی اور سب سے بڑی بات یہ کہ مجھے خود میرے باپ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔" وہ رونے لگی۔

"مجھے تم سے غرض ہے فاطمہ۔" وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"میں یہ کیس ہارنا نہیں چاہتا' یہ میری زندگی کا سب سے اہم کیس ہے پلیز۔" وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔

"میں اپنے ابو سے ملنا چاہتی ہوں عمر' ان سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ انہوں نے میری امی کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اگر وہ گیتی آرا ایک اچھی عورت نہ ہوتی تو شاید آج میں بھی ایک طوائف ہوتی۔" وہ سسک اٹھی۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں' میں انہیں ڈھونڈنے کی پوری کوشش کروں گا' کیا تم مجھ پر یہ اعتماد کر سکتی ہو؟" وہ سراپا سوال بنا بیٹھا تھا۔

"اسی لیے تو آپ سے دل کی بات کی ہے' مجھے زندگی میں آپ کا ساتھ ملے یہ میری بھی خواہش ہے۔" اس نے بات کے آخر میں سر جھکا لیا۔ عمر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆ ☆ ☆

ثریا' سوسن اور فاطمہ کو بتا کر عمر کے گھر آئی تھیں۔ وہ گھر پہ ہی تھا اور شاید کھانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"ارے آپ' گھر مل گیا آسانی سے آپ کو؟" وہ ہاتھ میں انڈہ لیے کھڑا تھا۔

"ہاں رکشے والے کو سمجھ دیا تھا' سوچا تم ہماری خیریت دریافت کرتے ہو' کچھ ہمارا بھی فرض بنتا ہے' کیسے ہیں تمہارے چاچو۔" انہوں نے پھل کی ٹوکری ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"ویسے ہی جیسا آپ کو بتایا تھا' میں تو چاہ رہا تھا کہ میرے اور فاطمہ کے سلسلے میں وہ آپ سے بات کریں' لیکن۔۔۔" وہ روانی میں بول گیا۔ ثریا کے چہرے پر پہلے حیرت اور پھر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"چلو۔۔۔ ہم ان کے سامنے یہ بات کر لیتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"یعنی آپ کو بھی کوئی اعتراض نہیں؟" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"بھی۔۔۔" ثریا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ فاطمہ کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"اچھا۔۔۔ چلو پھر تو تمہارے چاچو کے سامنے ابھی بات ہونی چاہیے' اچھا ہے' جلد از جلد انہیں سنبھالنے کے لیے بہو آجائے' کہاں ہیں وہ؟" ثریا نے خوشی سے چور لہجے میں کہا۔

"آیئے۔" وہ ایک طرف کو بڑھ گیا۔ ثریا نے اس کے پیچھے قدم آگے بڑھائے تھے۔

"چاچو۔۔۔ میں نے آپ سے ذکر کیا تھا نا کہ آپ کی بہو پسند کی ہے' یہ اس کی امی ہیں' آپ کی خیریت دریافت کرنے آئی ہیں اور آنٹی یہ میرے چاچو ہیں۔" اس نے بستر کی طرف اشارہ کیا' تکیے کے سہارے لیٹے اس شخص کو لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچانا تھا' دل جیسے تھم سا گیا تھا' وقت جیسے پیچھے کی طرف دوڑنے لگا تھا۔

"شاہ نواز۔۔۔" لبوں سے ایک سسکی سی نکلی تھی اور عمر نے دیکھا چاچو کی آنکھوں سے آنسو نکلے تھے۔

"تو کیا میرے نواز چاچو آپ کے۔۔۔ اوہ چاچو۔۔۔ قسمت نے کیا کھیل کھیلا آپ کے ساتھ۔" وہ بت بنا کھڑا تھا۔

"شاہ نواز۔" اگلے ہی پل ثریا ایک چیخ مار کر ان کے بستر پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھیں۔ کہنے سننے کی کچھ ضرورت ہی نہیں تھی' ساری کہانی ان کے سامنے تھی' بے وفائی کا داغ شاہ نواز احمد کے ماتھے سے دھل چکا تھا۔ ثریا ان کے سینے پر سر رکھے سسک رہی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
درد موسم	راحت جبیں	600/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	500/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ -37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

تھیں۔ عمر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ وہ جلد از جلد یہ خوش خبری فاطمہ کو سنانا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

جو حادثہ شاہ نواز کے ساتھ پیش آیا تھا اتنا اچانک تھا کہ وہ اپنے بھائی 'بھابی کو ثریا اور اپنے ہونے والے بچے کے بارے میں کچھ بتا ہی نہ سکا۔ حادثے میں اس کے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے تھے 'وہ ایک زندہ لاش بن کر رہ گیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے شاہ نواز' اور پھر فاطمہ جب اس گھر میں تمہاری بہو بن کر آجائے گی تو تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ثریا نے شاہ نواز کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔ شاہ نواز کی آنکھیں اس پل بچی خوشی سے مسکرائی تھیں۔

"ابو... آپ ضرور ٹھیک ہوں گے۔" فاطمہ نے باپ کے پاؤں پکڑ لیے۔

"اب ہمیں جلد از جلد فاطمہ اور عمر کا نکاح کر دینا چاہیے' تاکہ تمہاری بیٹی تمہیں سنبھالے' تمہاری خدمت کرنے یہاں آسکے۔" ثریا نے عمر کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور آپ؟ کیا چاچو کے ملنے کے بعد بھی آپ وہیں رہیں گی۔" عمر نے تعجب سے ثریا کی سمت دیکھا۔

"مجھ پر کیا گزری یہ تو میں تمہارے چاچو کو تب سناؤں گی جب وہ ہمارے لیے زندگی اور صحت کی طرف واپس لوٹنا شروع کریں گے اور پھر میں بڑی صاحب کی روح کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ گھر فاطمہ کا سسرال ہے اور وہ فاطمہ کا میکہ جہاں اس کی ماں ہے 'نانی کی یادیں ہیں 'سونا پڑا ہے' میں اس گھر میں ایک مدرسہ بناؤں گی' وہاں صبح شام قرآن شریف کی آواز گونجے گی' مجھے یقین ہے کہ بڑی صاحب کی روح بہت خوش ہوگی' وہ گھر اب میرا ہی تو ہے' میں اسے چھوڑ آؤں جہاں میں نے زندگی کا ایک حصہ گزارا ہے' جس جگہ نے مجھے پناہ دی' میں اسے کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ شاہ نواز کے لیے میری محبت اور میری خدمت کم نہیں ہوگی' لیکن میرے کاندھوں پر احسانوں کا جو بوجھ ہے میں اسے اتارنا چاہتی ہوں۔"

ثریا کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے لگیں۔

"تو پھر ٹھیک ہے' آپ دن کو اپنے مدرسے میں رہا کریں گی اور رات کو اپنے گھر میں' یعنی اپنے شوہر کی خدمت کریں گی' تاکہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو جائیں۔" فاطمہ نے ماحول کو خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

"اور اگر شاہ نواز کو کوئی اعتراض نہ ہو تو یہ میرے ساتھ وہاں چلے اور رہے' تاکہ میں جو ایک عرصے سے دنیا کی نظروں میں سوالیہ نشان بنی ہوئی ہوں انہیں اپنا بے بس شوہر دکھا سکوں۔" ثریا نے بے حد آس بھری نظروں سے شاہ نواز کی سمت دیکھا۔

"چاچو؟" عمر نے سوالیہ نظروں سے شاہ نواز کی سمت دیکھا' شاہ نواز کا ہاتھ کانپتا' لرزتا ثریا کے ہاتھ پر ٹک گیا۔

"چاچو مان گئے ہیں' تو بس پھر ٹھیک ہے آپ اپنے شوہر کی رخصتی کروا لیجیے اور میں اپنی دلہن رخصت کروا کے یہاں لے آتا ہوں۔" عمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تو اپنے شوہر کی رخصتی آج ہی کرواؤں گی' ہاں تم اس سلسلے میں کوئی اچھا سا دن سوچ لو۔" ثریا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ان تینوں نے محسوس کیا جیسے شاہ نواز کھل کر مسکرانا چاہتا ہو۔ ثریا کو محسوس ہوا جیسے اسے اور اس کے سب گھر والوں کو خوش دیکھ کر کتنی آرا بھی بہت خوش ہوں۔

"میں بھی یہ نیک کام آج ہی کر لیتا ہوں' کیوں چاچو؟" عمر نے شاہ نواز کی طرف جھکتے ہوئے کہا' جواباً فاطمہ شرما کر باہر نکل گئی۔ خدا نے اس کی شرم برقرار رکھی تھی' تو اس کی وجہ وہی عورت تھی جس نے انہیں پناہ دی تھی۔ ثریا کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے بھیگ گئیں' اس منظر کو دیکھ کر یقیناً" وہ خوش ہوں گی۔

☼ ☼

صائمہ حیدر

اگلے جنم موہے بٹیا نہ کیجو

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"امی اب میں کسی کے سامنے شو پیس بن کر نہیں جاؤں گی۔" سویرا نے غصے سے کہا۔

"نہیں بیٹا جہاں بیری ہوتی ہے وہاں پتھر تو آتے ہیں یہ اصول ہے دنیا کا۔" فریدہ بیگم نے سمجھایا۔

"مگر یہ کہاں کا انصاف ہے لڑکی کو ہر زاویے سے دیکھا جاتا ہے جیسے نظروں ہی نظروں میں اس کا پوسٹ مارٹم ہو رہا ہو۔ میں تنگ آگئی ہوں اس روز روز کی پریڈ سے۔ مجھے کوئی پسند نہیں کرتا تو نہ کرے آپ روبی اور روشنی کا رشتہ کردیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو تم بڑی ہو ہم پہلے تمہارے ہاتھ پیلے کریں گے پھر روبی اور روشنی کی باری آئے گی ویسے بھی روشنی ابھی میٹرک میں ہے اس کی تو شادی کی عمر ہے نہیں۔ روبی ابھی انٹر کر رہی ہے بی اے کے بعد اس کی شادی کا سوچیں گے۔"

"مگر امی یہ جو جہیز کی بڑھتی ہوئی مانگ ہے یہ تو ہمارے بس سے باہر ہے نا۔"

"بیٹا تم اس کی فکر مت کرو ابھی تمہارا باپ زندہ ہے ایک دفعہ تمہاری بات پکی ہو جائے باقی سب اللہ پر چھوڑ دو۔" اس مرتبہ ظہیر صاحب نے مداخلت کرنا ضروری سمجھا۔

"ابو ہم کہاں سے اتنے پیسے لائیں گے۔ مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ لڑکے والے ہم لڑکی والوں سے پورا آسمان مانگتے ہیں چاند، تاروں سمیت اور لڑکی والے رسم و رواج سے مجبور ہو کر ان کی ہر جائز اور ناجائز فرمائش پوری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کب تک چلتا رہے گا کسی کو تو اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے کوئی ایسا قانون یا لا پاس ہونا چاہیے جو جہیز جیسی فضول رسم اور شادی بیاہ پر ہونے والی دیگر تقاریب میں جو اسراف ہوتا ہے اس پر پابندی لگا سکے کب تک لڑکیوں کے والدین کے سر جھکے رہیں گے اور لڑکوں کے والدین کے سر فخر سے تنے رہیں گے جیسے کہ وہ اس زمین پر نعوذباللہ خدا ہوں۔"

"نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے سب ایک جیسے نہیں ہوتے کبھی بھی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ان معاشرے میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں بس صحیح وقت پر ان کو پہچاننے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟" ظہیر صاحب نے سویرا کو سمجھایا۔

"ارے بیٹا تم پریشان مت ہو اللہ جو کرے گا وہ بہتر ہی ہوگا ہر کام میں اس کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ وہ کسی کے لیے برا نہیں کرتا۔"

فریدہ بیگم بیٹی کو الجھا ہوا دیکھ کر سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر کہیں ان کے اندر بھی ٹوٹ پھوٹ جاری تھی وہ اپنے دماغ میں مچی اس ہلچل کو بیٹی پر ظاہر کر کے اسے ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

"کیا ہوا امی کوئی پریشانی ہے کیا؟" روبی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بس بیٹا تم ہی سمجھاؤ اپنی بہن کو ہماری بات تو اس کی سمجھ نہیں آتی۔"

"کیا ہو گیا ہے آپی آپ اتنی اداس کیوں ہیں۔ مایوسی کفر ہے ہر اندھیری رات کے بعد ایک روشن اور اجلی صبح ضرور نمودار ہوتی ہے وہ خوشیوں بھرا سویرا آپ کی زندگی میں بھی ضرور آئے گا۔" روبی نے سمجھایا مگر سویرا کا دھیان تو کہیں اور تھا امی سے مخاطب ہوئی۔

"اگر وہ لوگ روبی کا رشتہ مانگ رہے ہیں تو آپ لوگ انکار کیوں کر رہے ہیں اگر مجھ سے پہلے روبی کی شادی ہو جائے گی تو قیامت تو نہیں آجائے گی۔"

"فضول باتیں مت کرو سویرا۔" امی نے اسے ڈپٹا۔

"اور جب روبی کو میں نے کمرے میں آنے سے منع کیا تھا تو یہ کیوں آئی وہاں۔" امی کو یکدم ہی غصہ آ گیا۔

"امی مجھے اسٹور روم کی چابی چاہیے تھی میرے بہت اہم نوٹس اس میں رکھے ہوئے تھے اور میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ آپی کے بجائے مجھے پسند کر لیں گے۔" روبی سراپا شرمندگی بنی ہوئی

تھی۔

"تم دونوں جاؤ یہاں سے جانے ہمارے نصیب میں کیا لکھا ہے۔" رنجیدگی ان کے لہجے سے ٹپک رہی تھی۔

"ارے نصیبوں کو کیوں کوس رہی ہو اللہ سے دعا کرو وہی تمہاری بیٹیوں کے نصیب بہتر کرے گا۔" ظہیر صاحب بولے۔

دونوں بہنیں چپکے سے کمرے سے نکل آئیں۔ ظہیر اور فریدہ اپنی اپنی سوچوں کے گرداب میں الجھے ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

سویرا بہت ذہین تھی اس کی طبیعت میں متانت اور بردباری تھی وہ اپنی عمر کی پچیس بہاریں دیکھ چکی تھی وہ بہت خوب صورت تو نہیں تھی مگر ایسی تھی کہ کوئی ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد دوسری مرتبہ دیکھتا ضرور تھا وہ اسکول سے کالج میں داخل ہوئی تو بہت سی لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی پھر وہی سہیلیوں کا ٹولہ یونیورسٹی پہنچ گیا اس کی ساری سہیلیاں بڑی تیز طرار، شریر اور کائیاں قسم کی تھیں مگر وہ ان سب سے الگ تھی وہ بادلوں سے بھی اوپر اس فضا میں رہتی تھی جو بڑی لطیف ہوتی ہے اس کو دھن دولت کی پروا نہیں تھی

☆ ☆ ☆

سویرا کی زندگی یونہی بے سمت گزر رہی تھی اداس اور مضمحل! بات بات پر اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے تھے ابھی تک نجانے وہ کتنی بار ٹھکرائی جا چکی تھی وجوہات بے شمار تھیں کوئی کہتا لڑکی کی عمر زیادہ ہے تو کسی کو اس کا قد چھوٹا لگتا تو کوئی کہتا ماڈرن نہیں ہے کبھی کوئی شکل پر اعتراض کر جاتا اور اگر کوئی پسند کر بھی لیتا تو جہیز کی لمبی چوڑی فرمائشیں فریدہ بیگم اور ظہیر صاحب کو آگے بڑھنے سے روک دیتیں وہ اپنے ماں باپ اور بہنوں کے لیے اپنے دل کو سمندر کر لینا چاہتی تھی ان کے ہر دکھ اور درد کو اپنے اندر سمو لینا چاہتی تھی مگر فی الحال وہ خود ان کے لیے تکلیف کا باعث بنی ہوئی تھی ان ہی تکلیف دہ دنوں میں اس کی واحد تفریح کا ذریعہ انٹرنیٹ تھا وہ نیٹ پر بیٹھی اس جادو کے پٹارے میں دوستوں سے اپنا غم شیئر کرتی اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے تھرکتی تھیں بہت سے لوگ اس کی قابلیت اور اعلا درجے کی سوچ کی وجہ سے اس میں دلچسپی رکھتے تھے مگر دوستی کی حد تک۔ وہ کسی سے دھوکہ کھانا نہیں چاہتی تھی۔

ایک ہفتہ سکون سے گزرا پھر گھر میں یک دم ہل چل مچ گئی۔ رضیہ خالہ پھر کوئی رشتہ لے کر آنے والی تھیں یہ سنتے ہی سویرا کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ بل کھائی ہوئی ناگن کی طرح جارحانہ انداز میں پھنکاری۔

"امی آپ سن لیں میں اب مزید کسی کے سامنے چابی کی گڑیا بننے کو تیار نہیں ہوں۔"

"بس سویرا بہت بدتمیزی کر لی تم نے اپنا لہجہ درست کرو۔ یہ اچھی بیٹیوں کو زیب نہیں دیتا روبی، روشنی تم ہی اس کو سمجھاؤ اس کی عقل پر تو جیسے پتھر ہی پڑ گئے ہیں۔" امی غصے میں بڑبڑاتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"آپی آپ ہمیشہ نگیٹو کیوں سوچتی ہیں میرا دل کہتا ہے اس دفعہ آپ انہیں ضرور پسند آجائیں گی۔" روبی اور روشنی نے سویرا کو بہت دل سے تیار کیا وہ واقعی پنک اور فیروزی کامبی نیشن کے فراک اور پاجامے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی فریدہ بیگم نے بیٹی کو دیکھتے ہی اس کی بلائیں لیں اور صدقہ اتارا۔

"میری بچی کو کسی کی نظر نہ لگ جائے کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بچی، مہمان آگئے ہیں اور ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں تم دونوں میں سے کوئی بھی وہاں بھٹکے گا بھی نہیں۔" فریدہ بیگم لڑکیوں کو ضروری ہدایات دے کر ڈرائنگ روم کی طرف چل دیں۔

"یہ ہیں لڑکے کے والدین فاضل صاحب اور ان کی اہلیہ شکیلہ بیگم جبکہ یہ لڑکی کے والدین ہیں۔ ظہیر صاحب اور ان کی بیگم فریدہ۔" دونوں خاندانوں نے بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور

www.Paksociety.com

ایک دوسرے کے آمنے سامنے صوفوں پر براجمان ہو گئے شکیلہ چاروں طرف نظریں گھما کر ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔

فریدہ بیگم اٹھ کر اندر چلی گئیں تاکہ سویرا کو بلا سکیں ظہیر صاحب اور فاضل صاحب باتوں میں مصروف ہو گئے شکیلہ نے رضیہ خالہ کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"تم نے بتایا تھا ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے ان لوگوں کو دیکھ کر میں سوچ میں پڑ گئی ہوں یہ لوگ لڑکی کو جہیز دے بھی سکیں گے یا نہیں تم سے کہا تھا رشتہ ہمارے معیار کا ہونا چاہیے۔"

"آپ فکر کیوں کرتی ہیں سب ہی اپنی بیٹیوں کے لیے کچھ نہ کچھ جوڑ کر رکھتے ہیں یہ رشتہ اچھا ہے لوگ شریف اور خاندانی ہیں آپ جو کہیں گی وہ دے دیں گے میں پہلے ہی بات کر چکی ہوں۔" رضیہ خالہ نے سرگوشی کے انداز میں شکیلہ بیگم کو مطمئن کیا۔

کچھ ہی دیر بعد فریدہ بیگم واپس آکر اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے سویرا ایک ٹرالی میں کھانے پینے کے لوازمات لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی شکیلہ سر سے پیر تک اس کا جائزہ لینے لگیں۔

" یہ ہماری بیٹی ہے سویرا۔" فریدہ نے تعارف کرایا۔ سویرا سلیقے سے سینٹر ٹیبل پر ناشتے کی پلیٹیں سجانے لگی شکیلہ بیگم مستقل سویرا کو اپنی نظروں سے تول رہی تھیں۔ سویرا پلٹ کر جانا چاہتی تھی مگر پھر شکیلہ بیگم نے کہا۔

"آؤ ادھر بیٹھو میرے پاس۔" سویرا بے دلی سے ان کے برابر میں بیٹھ گئی وہ سویرا سے مختلف قسم کے سوالات کرتی گئیں اور سویرا کسی چابی کی گڑیا بنی شکیلہ کے جوابات دیتی گئی کچھ دیر بعد شکیلہ نے اس کو جانے کی اجازت دے دی۔

سویرا ان لمحات میں خون کے گھونٹ پی رہی تھی جس طرح قربانی کے جانور کو ٹھوک بجا کر خریدا جاتا ہے اسی طرح شکیلہ بیگم اس کا جائزہ لے رہی تھیں شکیلہ کی تنقیدی نظروں اور طنزیہ فقروں سے سویرا کا دل اوبدھا تھا۔

کچھ ہی دیر میں رضیہ خالہ اور لڑکے والوں نے اجازت مانگی اور وہ بنا کچھ جواب دیے روانہ ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

پندرہ دن کے صبر آزما انتظار کے بعد جواب ہاں میں تھا گھر میں خوشیوں کی فضا پھیلی ہوئی تھی ہر ایک کی آنکھیں خوشیوں سے جھلملا رہی تھیں آج لڑکے والے بات پکی کرنے آئے تھے۔

مٹھائی کے ڈبے، پھلوں کے ٹوکرے، پھولوں کے گجرے اور اس پر ڈھولک کی تھاپ پر شادی کے گانے گائے جا رہے تھے سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا ساتھ ہی لڑکا بھی آیا تھا وہ یقیناً وجیہہ اور اسمارٹ تھا لڑکیاں چاروں طرف سے سویرا کو گھیر کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

رسموں کے بعد فاضل صاحب اور شکیلہ بیگم نے فریدہ اور ظہیر صاحب سے کہا۔

"ہمیں آپ لوگوں سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" فریدہ بیگم ان کو مکان کے اندرونی کمرے میں لے گئیں بات فاضل صاحب نے شروع کی۔

"دیکھیں جناب آپ لوگ ہمارا گھر دیکھ آئے ہیں۔ لڑکے سے ملاقات ہو گئی اس کی جاب وغیرہ کی تمام انفارمیشن آپ لوگوں کو معلوم ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اگر کوئی چھوٹی موٹی کار بھی جہیز میں ہو جائے تو آپ کی ہی بیٹی کو آنے جانے کا آرام ہو جائے گا باقی سامان تو آپ لوگ دیں گے ہی اپنی بیٹی کو۔"

"جی جی بالکل ہم سب دیں گے۔" ظہیر صاحب نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں بہن ہمارے یہاں پہناؤنی کا بھی رواج ہے پھر مجھے یعنی دولہا کی ماں کو کوئی سونے کی جیولری دینا بھی ہماری روایت ہے یہ سب بھولیے گا نہیں۔"

"کیوں نہیں شکیلہ بہن ہم پوری کوشش کریں گے۔" فریدہ بیگم نے اپنے نچڑے ہوئے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجانے کی کوشش کی۔

شکیلہ بیگم کی زبان کسی دو دھاری تلوار کی طرح چل رہی تھی اور فریدہ بیگم کو اپنا دل اندر سے کٹتا ہوا

محسوس ہو رہا تھا وہ کبھی دولہا کے والدین کو اور کبھی اپنے شوہر کے افسردہ چہرے کو دیکھ رہی تھیں سویرا کے بعد دو بیٹیاں اور بھی تھیں جن کے ہاتھ پیلے کرنے تھے اگر اس رشتے کو انکار کر دیتے ہیں تو پھر سویرا کی خوشیوں کا گلا گھونٹنا پڑے گا اور ہاں کرتے ہیں تو اتنا جہیز کہاں سے لائیں گے یہ کچھ ایسے سوالات تھے جن کا حل ملنا مشکل تھا۔

☆ ☆ ☆

سویرا اپنے کمرے میں انٹرنیٹ پر بیٹھی چیٹنگ میں مصروف تھی وہ کانوں سے ہیڈ فون لگا کر کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

دوسری طرف خرم شہزاد تھا وہ سویرا کو Signin ہوتا دیکھ کر زیر لب مسکرایا اور اس کے چہرے پر ایک رونق سی آگئی رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام کیسے ہیں آپ شہزاد صاحب۔"

"میں تو ٹھیک ہوں آپ بتائیں کہاں غائب رہتی ہیں کبھی کبھی اپنی آواز سناتی ہیں زیادہ باتیں بھی نہیں کرتیں نہ جانے کیوں ایک تشنگی سی رہ جاتی ہے۔"

"مجھ سے باتیں کر کے آپ کو کچھ نہیں ملے گا کیوں اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں۔"

"اتنی مایوسی۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے میں ایک عام سی لڑکی ہوں جو بہت حسین ہے نہ بدصورت۔"

"مجھے لگتا ہے ہمیں ایک بار مل لینا چاہیے۔"

"یہ کیا بچپنا ہے جب بھی آپ سے بات ہوتی ہے ملاقات پر اصرار کرتے ہیں مجھ میں اب مزید ریجیکٹ ہونے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"میں آپ کو ریجیکٹ نہیں کر رہا۔"

"اور اگر ملاقات کے بعد کر دیا تو۔ میرے رشتے تو بہت آتے ہیں مگر صرف دیکھنے کی حد تک اس کے بعد دوبارہ کوئی نہیں آتا اور اگر کوئی آتا ہے تو جہیز کی ایک لمبی لسٹ لے کر ویسے بھی اب میرا رشتہ طے ہو گیا ہے اور اس مرتبہ میرے دروازے پر بارات آنے والی ہے لہٰذا میں کوئی بے وقوفی کر کے اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے کوئی پریشانی کری ایٹ نہیں کر سکتی۔"

"اگر میں تمہارا رشتہ لے آؤں تو۔"

"اب بہت دیر ہو چکی ہے میری قسمت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ بہتر ہے تم کوئی اچھی سی لڑکی دیکھ کر اس سے شادی کر لو۔"

"میں اب شادی نہیں کروں گا۔"

"بے وقوف مت بنو ایسی فضول باتیں کرو گے تو ہماری دوستی بھی ختم ہو جائے گی۔"

"نہیں نہیں میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔"

"تمہارا کیا مطلب تھا یہ میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں۔"

ابھی دونوں باتیں کر رہے تھے کہ لائٹ جانے سے دونوں کا رابطہ منقطع ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

خرم شہزاد امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی سے ایم ایس کر کے آیا تھا اسے ـــــ سیدھی سادی اور ذہین لڑکی کی تلاش تھی وہ پچھلے دو سالوں سے جب سے وہ پاکستان آیا تھا سویرا کی کونٹیکٹ لسٹ میں شامل تھا اسے سویرا کی فکری آگہی، شعور، ذہانت اور متانت سے بھری باتیں بہت متاثر کرتی تھیں سویرا بھی کسی حد تک اس کی دوستی کی قائل تھی مگر صرف دوستی کی حد تک وہ دونوں ایک دوسرے کی عادتوں، مشغلوں اور دوسری باتوں میں کافی حد تک مماثلت رکھتے تھے ہر دکھ درد ایک دوسرے سے شیئر کرتے تھے۔ مگر معاملہ صرف دوستی تک تھا اس کے گھر والے اس کے لیے کسی اچھی خوش گفتار، خوش اطوار لڑکی کی تلاش میں تھے، وہ جب بھی خرم سے شادی کے سلسلے میں بات کرتے تو وہ ہر مرتبہ والدین کو ٹال دیتا۔

☆ ☆ ☆

ظہیر صاحب اور فریدہ بیگم سوچ سوچ کر ہلکان ہوئے جا رہے تھے کہ اب کیا ہو گا اتنا پیسہ کہاں سے آئے گا انہوں نے بینک سے لون کے لیے اپلائی کر دیا تھا کچھ دیرینہ دوستوں کی مدد سے ان کا لون جلدی اپرو

www.Paksociety.com

ہو گیا اور اُنہیں سویرا کی شادی کے لیے مناسب رقم مل گئی وہ سوچ رہے تھے بیٹی کی شادی بھی ایک جوا ہے، ایک کسوٹی ہے حلق میں پھنسنے والی ایسی ہڈی ہے جسے نہ نگلتے چین ہے نہ اگلتے ..... مگر اب مچھلی جال میں پھنس چکی تھی وہ اس رشتے کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے بڑی کی شادی ہو جاتی تو آگے دوسروں کی راہ ہموار ہوتی۔ سویرا کی شادی کی تمام تر تیاریاں مکمل کی جا چکی تھیں ظہیر صاحب حسب حیثیت اور حسب توفیق جو کچھ بیٹی کو جہیز میں دے سکتے تھے جمع کر رہے تھے مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان سب چیزوں کے باوجود ان کی بیٹی خوشیوں کی کرنوں میں ڈوبی رہے گی یا نہیں۔

☆ ☆ ☆

ان ہی سب جھمیلوں میں بالآخر شادی کا دن بھی آ ہی گیا۔ جس کا سب کو انتظار تھا۔

"سویرا بیٹا ہم سے جو ہوا ہم نے تمہارے لیے کیا اب آگے اللہ کی مرضی میری بچی۔" فریدہ بیگم نے بیٹی کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا سسرال کو بھی اپنا گھر سمجھنا اب وہی لوگ تمہارا سب کچھ ہیں۔"

سویرا خاموشی سے ان کی باتیں دل کے نہاں خانوں میں اتارتی جارہی تھی۔

"اور ہاں بڑوں کی عزت کرنا اگر کوئی کچھ کہہ بھی دے تو اسے برداشت کرنا۔ چھوٹوں سے پیار کرنا اپنی کسی چیز کے ٹوٹنے یا استعمال ہونے پر کبھی ناک بھوں مت چڑھانا، میری بچی کتنی عقل مند ہے۔ کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دے گی۔" فریدہ بیگم سویرا کو پیار سے سمجھا رہی تھیں اور وہ خاموش نظریں جھکائیں ان باتوں کو ان کے دکھ کو محسوس کر رہی تھی۔ کسی حد تک وہ مطمئن تھی مگر جانے کیوں ایک انجانا سا خوف اس کے دل میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ شاید ہر لڑکی کے یہ ہی جذبات ہوتے ہیں۔ نیا گھر، نئے لوگ، نیا ماحول کیسے ایڈجسٹ کرے گی اور یہ خوف اسے پوری طرح خوش بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

سویرا کی مہندی خوب رچی تھی، کہتے ہیں جس لڑکی کا شوہر اسے چاہتا ہے اس کی مہندی بھی خوب رنگ لاتی ہے ڈھولک کی تھاپ پر خوب شادیانوں اور دعاؤں کے آنچل میں سویرا کو رخصت کر دیا گیا۔

وہ عروسی جوڑے میں بہت حسین لگ رہی تھی اس کی شخصیت کی جاذبیت ماحول پر ایک سحر طاری کیے ہوئے تھی سب ہی دلہن، دولہا کی تعریف کر رہے تھے عاصم کو بھی اپنے والدین کی پسند پر فخر محسوس ہو رہا تھا وہ کن انکھیوں سے دل موہ لینے والی سویرا کو دیکھے جارہا تھا۔

آنے والی صبح بہت اجلی اور چمکدار تھی وہ دلہن بننے کے بعد نکھر سی گئی تھی سہاگن کا روپ اس پر بہت بھا رہا تھا چوتھی کی رسم کی تکمیل کے لیے اسے میکے جانا تھا اس کے گھر والے اس کے شفاف اور دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے تھے۔ وہ کھلکھلا کر ہنس رہے تھے اور سویرا ان کی مسکراتی آنکھوں میں اپنی خوشیاں تلاش کر رہی تھی۔

شادی کے شروع کے دن سب ہی کے اچھے گزرتے ہیں ہر نو بیاہتا جوڑے کی ازدواجی زندگی کا آغاز خوشگوار ہوتا ہے بارش کی پہلی بوندوں کی طرح جو تن من کو اندر تک بھگو دے وہ دونوں بھی بہت خوش تھے گھر والوں کا مزاج تھوڑا عجیب تھا مگر سویرا کا خیال تھا وہ وقت کے ساتھ سب کو اپنا بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

عاصم کی چھٹیاں کب ختم ہو گئیں پتا ہی نہیں چلا اس کے ساتھ گزارہ ہوا وقت ایک حسین خواب کی طرح بیت گیا مسائل اس وقت اس کا منہ چڑانے لگے جب عاصم نے آفس شروع کیا اس کی ساس اور تمام گھر والے اس کو بے عزت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

"ارے بیٹا سویرا! تمہارے ابو نے تو عاصم کو کار دینے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ تو اسکوٹر دے کر ہی سبکدوش ہو گئے پھر۔۔۔ ایل سی ڈی کے بجائے سادہ سا رنگین ٹی وی اٹھا کر دے دیا اب اس کا رواج کہاں ہے؟" سویرا کی ساس نے موقع ملتے ہی سویرا کو آلیا۔

"ہم نے تو اپنی نغمہ کو پورا چالیس انچ کا ایل سی ڈی دیا تھا پھر پورے پچاس ہزار کا فریج دیا تھا۔ مگر تمہارے ابی ابو تو بیڈ روم فریج ہی دے کر رہ گئے تمہارے گھر کے حالات تو صحیح ہیں نا میں تو جب تمہیں دیکھنے گئی تھی تب ہی بھانپ گئی تھی دال میں کچھ کالا ہے میرے عاصم کے تو ابھی بھی بہت سے رشتے ہیں بڑے اور امیر گھرانوں کے۔"

ایسی نہ جانے کتنی ہولناک باتیں سویرا کے کان میں پڑتی رہتی تھیں وہ شروع شروع میں تو اس طرح کی باتوں کی عادی نہیں تھی کمرے میں جا کر اپنے آنسو پونچھ کر وہ دوبارہ کام کرنا شروع کر دیتی وہ چپ چاپ اس کو اپنا مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کرتی رہتی اس کی زندگی ایک نوکیلی کیل پر لٹک کر جھول رہی تھی مگر وہ فقط خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی گھر سے ماسی کو فارغ کر دیا گیا تھا اب گھر کے سارے کاموں کی ذمہ داری سویرا کے ہی کندھوں پر تھی۔

جیسے نبھانے کی وہ ہر ممکن کوشش کرتی مگر کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی غلطی ہو جاتی تھی۔ جس کو بنیاد بنا کر اس کی ساس اور نندیں ایسے بے بھاؤ کی سناتیں کہ اپنا دل مسوس کر رہ جاتی۔

سویرا کی ساس نندوں کو سویرا کا وجود ایک آنکھ نہ بھاتا وہ لمحہ لمحہ ان کی نظروں میں کھٹکتی تھی مگر کیوں؟ اس کا جواب وہ ڈھونڈ نہ پائی شاید عاصم کی محبت کی وجہ سے یا جہیز کی عدم فراہمی کی وجہ سے۔ سب کچھ دے کر بھی اس کے والدین اس کے سسرال والوں کی طنزیہ باتوں کا نشانہ بنے رہتے اس کے باپ کی کمر قرض کے بوجھ سے جھک گئی تھی نہ جانے کب وہ قرض کی اس دلدل سے نکلیں گے اور پھر دوسری بہنوں کی شادیوں کا انتظام کریں گے۔

☆ ☆ ☆

آج کل گھر میں گہما گہمی چل رہی تھی سویرا کی ساس کے بھتیجے کی شادی کی تاریخ ٹھہر گئی تھی سب ہی تیاریوں میں مصروف تھے وہ بھی کھڑی کمرے میں کپڑے استری کر رہی تھی تب ہی اس کی چھوٹی نند روزی آئی۔

"بھابھی ذرا مجھے اپنا وہ پنک کامدانی والا سوٹ دیجیے نا وہ مجھے بہت پسند ہے۔"

"ہاں ہاں روزی کیوں نہیں الماری میں ہینگ ہے لے لو۔"

"بھابھی پلیز آپ استری بھی کر دیجیے گا نا مجھے فیشل کروانا ہے۔"

"ٹھیک ہے کردوں گی۔"

"سویرا بیٹا۔"

"جی امی بولیں۔"

"بیٹا اپنا سونے کا بڑا والا سیٹ تو دینا آج میں وہ پہن کر جاؤں گی۔"

"مگر امی وہ تو میں نے اپنے لیے نکالا تھا۔"

"آئے ہائے اب کیا تمہاری کسی چیز پر ہمارا اتنا بھی حق نہیں ہے تمہاری امی نے تو ہمیں حقیر سے دو جھمکے تھما دیے نہ جانے اصلی سونے کے بھی ہیں یا چاندی پہ پانی پھروا دیا ہے۔"

"نہیں امی وہ بالکل اصلی ہیں۔"

"لگتے تو نہیں ہیں، بہرحال جلدی دو ہمارا بحث کا موڈ نہیں ہے۔"

"یہ لیں امی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی سویرا نے اپنا سونے کا سیٹ ساس کے حوالے کر دیا۔

☆ ☆ ☆

سویرا کے وجود سمیت اس کے ساتھ جہیز میں آئی ہوئی ہر چیز بے دردی اور لاپرواہی سے استعمال ہو رہی تھی ـــــــ مال مفت دل بے رحم کے مصداق تھا فقط عاصم کا وجود ایسا تھا جو اسے اندھیرے میں روشن چراغ کی طرح جلتا ہوا محسوس ہوتا وہ عاصم سے کچھ کہتی تو وہ بھی الٹا اسے ہی سمجھانے بیٹھ جاتا۔

"رہنے دو میری جان یہ سب آنے جانے والی چیزیں ہیں یہ دنیا فانی ہے اس سے کیا دل لگانا۔ اگر دل لگی کرنی ہے تو مجھ سے کرو میں کب سے تمہاری راہ میں نظریں بچھائے بیٹھا ہوں اور رہی امی کی بات تو ان

www.Paksociety.com

کو تو رہنے ہی دو اگر ان کی باتوں کو دل سے لگا بیٹھیں نا تو صدا کی روگی بن جاؤ گی بس میرے سامنے تو تم سج سنور کر کسی نو بیاہتا دلہن کی طرح بیٹھی رہا کرو۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیتی۔ محبت کے اس اظہار پر اس کا تن من ہلکا ہو جاتا تھا۔

"اپنے حصے کے سارے دکھ مجھے دے دو میں تمہیں دکھی ہوتا نہیں دیکھ سکتا کل اگر میں نہ رہا ہو تو تم یہ چڑیا سا دل لیے کیسے دنیا کا مقابلہ کرپاؤ گی۔ بہادر بنو میری جان۔" عاصم اس کے کانوں میں سرگوشی کررہا تھا۔ اس نے اپنی کانپتی ہوئی انگلیاں عاصم کے ہونٹوں پہ رکھ دیں۔

"خبردار آئندہ مرنے کی بات کی تو جان سے مار دوں گی۔" سویرا نے غصے میں کہا اور عاصم کا قہقہہ بلند ہو گیا۔ سویرا خفا ہو گئی۔

"اچھا یار سوری میں تو مذاق کررہا تھا چلو آئسکریم کھانے چلتے ہیں۔" اس نے سویرا کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہا اور وہ بہل بھی گئی۔

عاصم سے باتیں کرکے سویرا کی ساری تھکن دور ہو جاتی تھی اور اس کے کندھوں کا سارا بوجھ ایک دم ہوا بن کر اتر جاتا وہ پھر سے تازہ دم ہو کر ہنستے مسکراتے ہر تکلیف اور طنزیہ فقروں کا سامنا کرتے نئے دن کا آغاز کرتی اسے لگتا اگر وہ کہیں لڑھک گئی تو عاصم کی مضبوط باہیں اسے سہارا دے کر تھام لیں گی۔

☼ ☼ ☼

آج بھی عاصم خوشی خوشی تیار ہو کر آفس کے لیے نکلا تھا آفس میں اس نے سارے ضروری امور انجام دینے کے بعد سب دوستوں سے گپ شپ کی اور پھر سب کے ساتھ باہر نکل آیا جب سے اس کی شادی ہوئی تھی وہ گھر جانے کی جلدی میں رہتا تھا کہتے ہیں اگر گھر والی اچھی ہو تو مرد کا دل باہر نہیں لگتا اس نے آسمان کی طرف دیکھا وہ بہار کی ایک اجلی شام تھی وہ جلدی جلدی گھر واپس جانا چاہتا تھا تب ہی شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر کربناک چیخیں ٹریفک کے ہنگام میں بری طرح دب گئیں اس کا وجود بے جان سا ہو گیا۔ صرف اس کی پلکیں متحرک تھیں اور اس کی آنکھیں دکھ، حیرت اور اذیت سے پھٹی جا رہی تھیں وہ راہ گیروں کی ہمدردی بھری باتیں اور گاڑیوں کے چنگھاڑتے ہارن سن رہا تھا پھر اس کے جسم کو دھچکا سا لگا' آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے نکلے اور دھیرے دھیرے اس کی کنپٹیوں کے قریب آکر گرد آلود بالوں میں گم ہو گئے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور روح جسم کے قید سے آزاد ہو گئی۔ حسین اور اجلی شام سیاہ بادلوں کی تاریکیوں میں چھپ گئی۔

☼ ☼ ☼

سویرا نے بیوگی کی سفید چادر اوڑھ لی تھی اس کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دی گئی تھیں جسم پر پہنا ہوا ہر زیور نوچ کر اتار لیا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مستقبل کی جو روشن امید کی کرن چمکی تھی وہ کہیں معدوم ہو گئی تھی وہ دیوار سے سر لگائے بیٹھی تھی آنسو اس کی آنکھوں سے رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے اس کا ہم سفر مر گیا تھا وہ پھر سے اکیلی تھی مضمحل اور اداس سسرال والوں کے زہریلے جملے سننے کے لیے۔

"ہائے کھا گئی میرے جوان بیٹے کو ڈائن۔ جس دن سے آئی ہے میرے گھر کا سکون تباہ کردیا ہے تو سبز قدم ہے تیرے آتے ہی میرا لال مجھ سے بچھڑ گیا۔" ساس بین کررہی تھیں۔

سویرا کے کلیجے میں درد کی ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں رات بھر رو رو کر جیسے اس پر اب سکتہ سا طاری ہو گیا تھا اس کا دوپٹا شانوں سے ڈھلک کر نیچے گر گیا تھا اور دونوں ہاتھ جیسے مفلوج ہو کر رہ گئے تھے سویرا کی ماں نے اسے زور سے اپنے سینے سے بھینچ لیا وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی۔

"ارے بہن اسے رلاؤ نہیں تو سکتہ ہو جائے گا۔" ایک بوڑھی عورت نے فریدہ بیگم کو مشورہ دیا۔

سویرا ایک دم زور سے چیخی اور خود کو ماں کے بازوؤں سے چھڑا کر شوہر کی میت پر گر پڑی۔

"ارے یہ پچھل پیری ہے کھا گئی میرے کڑیل جوان کو منحوس کہیں کی۔" سویرا کی ساس زور زور سے اپنے سینے پر دو ہتڑ برسانے لگی عورتوں نے اسے سمجھا بجھا کر چپ کرا دیا۔ بیٹے کی میت اٹھ چکی تھی وہ اس دار فانی سے کوچ کرچکا تھا اب سویرا کو عدت کے مہیب تاریک دنوں سے گزرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

عدت کے ایام اس نے کانٹوں پر لوٹتے ہوئے گزارے اس کے گھر والوں کو سسرال والوں کی سفاکی اور دروغ گوئی کا ادراک ہو رہا تھا انہیں ڈر تھا کہ وہ کوئی بہانہ کرکے سویرا کی زندگی نہ چھین لیں۔ اس کی چھوٹی نند کی شادی کردی گئی تھی اس کا سارا زیور اور جہیز کا جو سامان بچا تھا وہ سب اسے دے کر۔ رخصت کردیا گیا اور سویرا ایک لفظ بھی نہ کہہ پائی وہ صبر کا کڑوا گھونٹ پی کر رہ گئی وہ لٹی پٹی حالت میں پھر سے ایک مرتبہ اپنے والدین کی چوکھٹ پر پڑی تھی۔

وقت تیزی سے پر لگا کر اڑ رہا تھا مگر سویرا جیسے ہنسنا بھول گئی تھی بات بے بات اس کی آنکھیں ساون برسانے لگتیں ہر کوئی اس کی دلجوئی میں لگا رہتا۔ وہ سب اس کو دوبارہ زندگی کی طرف لانا چاہتے تھے۔

"بیٹا تم باہر آیا جایا کرو' خوش رہا کرو مرنے والوں کے ساتھ زندہ افراد مر نہیں جایا کرتے کب تک عاصم کی یادوں سے اپنا دل بہلاتی رہو گی یہ دنیا بہت بڑی ہے ایسا کرو کسی اسکول میں جاب کرلو بچوں کو پڑھاؤ گی تو شاید دل کا بوجھ کم ہو جائے گا اگر دل ہلکا نہ ہو تو وہ ناسور بن جاتا ہے۔"

"ہاں آپی میرے اسکول میں سائنس ٹیچر کی ویکنسی ہے اگر آپ کہیں تو میں بات کروں۔"

"نہیں میں ابھی نہیں کرپاؤں گی۔"

"ارے آپی وہ جو آپ کے نیٹ فرینڈ تھے نا خرم شہزاد وہ بہت پوچھتے ہیں آپ کا آپ پلیز ان سے بات کرلیں نا۔"

"مجھے کسی سے بات نہیں کرنی مجھے تم سب اکیلا چھوڑ دو میں تنہا رہنا چاہتی ہوں۔" سویرا اٹھ کر کمرے میں چلی گئی روشنی خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اس کی چھوٹی بہنوں نے اسے آج زبردستی انٹرنیٹ پر بٹھا دیا تھا اس نے میل بکس کھولا اور پھر اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تھرکنے لگیں پیغامات کی ایک لمبی لائن تھی جو اس کے دوستوں نے اس دوران اس کو بھیجے تھے سب سے زیادہ جس نے اس کو مس کیا تھا وہ خرم شہزاد تھا دوسری طرف سے جیسے ہی اس نے سویرا کو Login ہوتے دیکھا فوراً" میسج بھیجا۔

"السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام زندہ ہوں! آپ کیسے ہیں؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں فرسٹ کلاس جیسے آپ چھوڑ کر گئی تھیں۔"

"ابھی تک اکیلے ہو شادی کیوں نہیں کی۔"

"تم جو چھوڑ کر چلی گئی تھیں اس لیے۔"

"سویرا مجھے روشنی نے بتایا کہ تم پچھلے دنوں کن اذیت بھرے مراحل سے گزری ہو آئی ایم سوری میرے پاس تمہارے لیے الفاظ نہیں ہیں۔"

"کیسے دوست ہو تم ایک مرتبہ پلٹ کر پوچھا بھی نہیں کہ میں کیسی ہوں۔"

"پوچھا تھا روشنی سے پوچھنا میں ایک لمحہ بھی تم سے غافل نہیں تھا۔" ابھی بات ہی ہو رہی تھی کہ اس کا دل یک دم اچاٹ ہو گیا اور وہ بنا کچھ کہے آف لائن ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

خرم شہزاد سوچ رہا تھا وہ سویرا کو کیسے حاصل کرے وہ تو سیدھے منہ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی اس نے روشنی کو اعتماد میں لیا مگر اس کے اور اپنے گھر والوں کو بھی تو راضی کرنا ہو گا سب سے اہم مسئلہ سویرا کا تھا کیا وہ دوسری شادی کے لیے راضی ہو جائے گی یہ ایسے سوالات تھے جو اس کے دماغ میں بچھو کی طرح ڈنک مار

www.Paksociety.com

رہے تھے وہ اس کے بارے میں سوچتا تو اسے اپنے گرد مایوسی کا ایک غبار اٹھتا ہوا دکھائی دیتا وہ دو مہینے تک روز سویرا سے بات کرتا رہا اسے زندگی کی رعنائیوں اور کشش کے بارے میں سمجھاتا رہا ان دنوں کی یاد دلاتا رہا جب وہ انٹرنیٹ پر بیٹھ کر پوری دنیا کے مسائل ڈسکس کرتے تھے اسے یقین نہ آتا کہ سویرا اب ایسی ویران ہوگئی ہے۔

وہ پھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے انٹرنیٹ پر بیٹھے تھے۔

"سویرا؟"

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں اور تم سے ملنے کی آرزو میں جی رہا ہوں۔"

"بس کرو خرم میرا پہلا تجربہ اتنا تلخ ہے کہ میں دوبارہ کوشش کرکے اپنے آپ کو مزید برباد نہیں کرسکتی۔"

"میں تمہیں آباد کرنا چاہتا ہوں ہمیشہ کے لیے بنا تمہیں دیکھے اور بغیر کسی جہیز کے میرے پاس پہلے ہی خدا کا دیا سب کچھ ہے۔"

"یہ تو تم کہہ رہے ہونا۔ تمہارے والدین تو ڈیمانڈ کریں گے۔"

"نہیں وہ ایسے نہیں ہیں۔" وہ پریقین تھا۔

"تم جانتے ہو وہاں جانے کے بعد میں نے ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کیونکہ میری ساس کو موٹی بہو نہیں چاہیے تھی وہ یہی کہتی تھیں کم کھانے سے لڑکیاں اسمارٹ رہتی ہیں ورنہ شوہر دوسری شادی کرلیتے ہیں۔

نہ جانے وہ تنبیہہ کرتی تھیں یا طعنہ مارتی تھیں مگر ان کے کہنے کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ میں لرز کر رہ جاتی تھی میرے جاتے ہی وہاں سے نوکروں کی چھٹی کردی گئی تھی ایک لمحے کے لیے بھی مجھے وہاں ذہنی سکون نصیب نہیں ہوا وہاں میں بہو نہیں ملازمہ تھی جو بنا کسی اجرت کے دن رات خدمت کرنے پر مامور رہتی ہے ایک واحد عاصم کی ذات تھی جو میرے لیے زندگی کا باعث تھی میں اس گھر میں فقط اسی کے لیے جیتی تھی۔"

سویرا دھیرے دھیرے کھلنے لگی تھی اس کے پاس سنانے کو بہت کچھ تھا اس کے دل میں بہت سے راز تھے کبھی کبھی وہ خودکشی کے بارے میں سوچتی تھی۔

"اب تو میری صرف ایک خواہش ہے میں مرجاؤں۔"

"تمہیں اس طرح پریشان نہیں ہونا چاہیے تمہارے سامنے ابھی ساری زندگی پڑی ہے تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ آنے والے دن اچھے ہیں۔"

خرم کے یہ کہنے پر سویرا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کردیا۔

☆☆☆

وہ شام کو آنگن میں لگے پیپل کے پیڑ کے نیچے بچھے پلنگ پر بیٹھ کر چائے پی رہی تھی یہ اس کے روز کے معمولات میں شامل تھا کہ معا" دروازے پر دستک ہوئی۔

"روبی دیکھو کون آیا ہے۔" روبی نے جلدی سے دوپٹہ سنبھالا اور دروازہ کھولنے بھاگی۔

"امی شکیلہ آنٹی آئی ہیں۔" روبی سویرا کی ساس کو دروازے پر دیکھ کر حیران ہورہی تھی حیران تو خیر فریدہ بیگم اور سویرا بھی تھیں۔ وہ دھیرے سے چلتی ہوئی۔ سویرا کی چارپائی پر ٹک گئیں۔ سویرا جیسے ہوش میں آئی تھی۔

"السلام علیکم امی کیسی ہیں آپ؟"

"بس جی رہی ہوں تم لوگوں کی یادوں کے سہارے تم کیسی ہو میری رانی۔" سب نے چونک کر شکیلہ بیگم کی طرف دیکھا کیا وہ پھر کوئی نئی چال چلنے والی تھیں ان کا انداز اتنا بدلا بدلا سا کیوں تھا۔

"مجھے معاف کردو سویرا۔" شکیلہ بیگم نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے معافی مانگی۔

"ارے امی آپ میری بڑی ہیں مجھے شرمندہ نہ کیجیے جو ہوا اس کو ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جائیے۔" سویرا نے شکیلہ بیگم کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے معاف کردو تم جانتی ہو روزی کو طلاق ہوگئی یہ سب میرے ہی گناہوں کی سزا ہے۔"

"کب؟ کیسے؟" سویرا کو دکھ ہوا۔

"بس نہ پوچھو تمہارے جانے کے بعد ہم سب پر عذاب الٰہی آگیا میں جانتی ہوں یہ سب تمہاری بددعاؤں کا نتیجہ ہے اسی لیے تمہارے پاس یہ درخواست لے کر آئی ہوں تم کب تک اکیلی رہو گی تم بھی شادی کرلو اپنا گھر بساؤ ایک نئی زندگی کا آغاز کرو مجھے پتا ہے تمہیں میری باتیں معیوب لگ رہی ہوں گی مگر حقیقت یہ ہے مجھے علم ہوا کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے تو میں نے سوچا کیوں نہ میں تمہیں سمجھاؤں اور عاصم کی یادوں سے آزاد کردوں میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے اور یقین کرو تم شادی کرلوگی تو عاصم کی روح کو ضرور تسکین پہنچے گی۔"

کہتے کہتے شکیلہ بیگم کا گلا رندھ گیا۔ فریدہ بھی آبدیدہ ہوگئیں۔

"ہاں بیٹا شکیلہ بہن درست فرمارہی ہیں۔" فریدہ نے بھی شکیلہ بیگم کی حمایت کی۔

"امی میں نے ابھی اس بارے میں کچھ سوچا نہیں ہے۔"

"تو سوچو بیٹا بڑا وقت ہے تمہارے پاس تمہارے آگے بھی تو دو بہنیں ہیں اپنا نہیں تو ان کے بارے میں سوچو۔" سویرا کے دل پر ایک گھونسا سا لگا اس کی ماں پر وہ ایک بوجھ تھی اور کچھ نہیں وہ اجازت لے کر کمرے میں آکر لیٹ گئی اس کا ذہن سوچ کی آماجگاہ بنا رہا تھا اور خود بخود جانے کیسے اس کی زندگی میں ایک دریچہ کھلتا چلا گیا اور وہ اٹھ کر کمپیوٹر پر آبیٹھی۔ وہ اس وقت خرم شہزاد سے بات کرنا چاہتی تھی۔ کیوں اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا پر خرم بھی آن لائن نہیں تھا۔ جانے کب تک وہ خرم کے بارے میں سوچتی رہی۔

☆☆☆

اگرچہ پہلے ہی دن سے دونوں کے تعلقات میں اپنائیت اور قرب کی کیفیت تھی مگر اس دن پہلی بار جذبات جاگنے کے بعد وہ حقیقی معنوں میں اس کو خود سے قریب محسوس کررہی تھی اس سے بات نہ ہونے پر وہ کچھ اداس سی دکھائی دے رہی تھی خرم شہزاد اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیتا تھا اور وہ دل گرفتہ ہوکر اپنے درد کو خرم کے ہمدردی بھرے لفظوں سے سینکتی رہتی تھی اس کے دل میں اپنی پچھلی زندگی کو لے کر ایک ناسور تھا مگر اب آہستہ آہستہ وہ زخم مندمل ہوتا جارہا تھا صحیح کہتے ہیں درد کی بھی ایک مدت ہوتی ہے اس کے بعد وہ خوشی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

خرم شہزاد اور اس کے گھر والے سویرا کا رشتہ لے کر آئے تھے ان کو سویرا میں کوئی برائی نظر آئی تھی نہ گھر میں اور نہ ہی انہوں نے جہیز کی ختم ہونے والی لسٹ ظہیر صاحب کے ہاتھوں میں تھمائی تھی۔ سب ہی خوش تھے ایک مرتبہ پھر سویرا کے سہرے کی کلیاں کھلنے والی تھیں۔

☆☆☆

سویرا، خرم شہزاد کے گھر روشنی بن کر اتر چکی تھی ہر طرف چراغاں اور خوشیاں تھیں سویرا بہت دلکش لگ رہی تھی اس کے چہرے پر خوشیوں کی قوس قزح بکھری ہوئی تھی وہ فلک سے اتری ہوئی حور معلوم ہو رہی تھی جس کے ہونٹوں پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوتے ہیں اس کا کردار ہی اس کا سویرا تھا۔

سویرا کے والدین آج سرخرو ہوگئے تھے سویرا اور خرم کی شادی میں خرم کے کزن نے روبی کو پسند کرلیا تھا اور ان کی بھی یہی شرط تھی ہمیں صرف آپ کی بیٹی چاہیے ان کے آنگن میں پھر سے بہار لوٹ آئی تھی۔

کسی نے سچ کہا ہے ہر رات کے بعد سویرا ضرور آتا ہے اور اس کا پرنور اجالا زندگی کو منور کردیتا ہے۔ بات صرف سوچنے کی ہے۔۔۔ آپ بھی سوچیں۔

☆☆

www.Paksociety.com

مکمل ناول

حسرہ ملے کوئی

صاعقہ امین صبا

"کیوں بھئی کہاں تک پہنچا تمہارا فیچر۔" وہ جو بڑے انہماک سے نوٹ بک پر کچھ لکھ رہی تھی علیزہ کی آواز پر لمحے بھر کے لیے چونکی اس کا تیزی سے چلتا ہاتھ تھوڑی دیر کے لیے رک گیا۔

"بس تکمیل کے مراحل میں ہے۔" اسے جواب دے کر وہ پھر سے کچھ لکھنے لگی۔

"اوکے میں چلتی ہوں مسز گیلانی سے ٹائم لیا ہوا ہے انٹرویو کے لیے' پانچ بجے سے پہلے پہنچنا ہے مجھے۔" یہ کہہ کر علیزہ نے ٹیبل سے ٹیپ ریکارڈ اٹھایا اور تیزی سے آفس سے باہر کی طرف لپکی دروازے کے پاس جا کر وہ رکی۔

"ہاں یاد آیا وہ تمہاری نئی دریافت "اماں پاگل" کیسی ہیں؟"

"آج جاؤں گی ڈاکٹر عادل کی طرف دیکھوں گی اب کیسی کنڈیشن ہے ان کی۔" بڑے مصروف سے انداز میں جواب دے کر وہ پھر سے لکھنے میں مصروف ہو گئی یہ فیچر اس کے لیے بہت اہم تھا اور وہ اس کے لیے بہت محنت کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

دروازہ کھول کر اس نے ڈرتے ڈرتے گلی میں جھانکا۔ یہاں سے وہاں تک مکمل خاموشی کا راج تھا۔ گرمیوں کی سنسان دوپہر' ہر طرف سناٹا تھا آہستہ سے دروازے سے باہر قدم رکھ کر اس نے احتیاطاً" دائیں بائیں دیکھا اور گھر سے باہر نکل آئی اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے پلٹ کر اک نظر گھر کو آخری دفعہ دیکھا تیز تیز چلتی وہ مین روڈ پر پہنچی تھی جلد ہی رکشا بھی مل گیا۔

"کہاں چلنا ہے باجی؟"

"ویگن اڈے۔" اسے جواب دے کر اس نے چادر کو مزید کھینچ کر چہرہ چھپا لیا اور رکشا میں سوار ہو گئی خوف اور پریشانی کے باعث اس کے چہرے پر پسینہ تیزی سے بہہ رہا تھا اور دل میں عجیب پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی گلا بار بار خشک ہو رہا تھا جسے وہ تر کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اس وقت اس کا ذہن کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ اسے جلد از جلد ویگن اڈے پہنچنا ہے یہ سوچ کر اس کی گرفت گود میں رکھے بیگ پر مضبوط ہو گئی' ویگن اڈہ آ گیا تھا رکشا والے کو کرایہ ادا کر کے وہ ایک درخت کے پاس کھڑی ہو کر سانس درست کرنے لگی چہرے کو چادر سے صاف کر کے اس نے ادھر ادھر متلاشی نگاہوں سے دیکھا کچھ فاصلے پر ریڑھی کے پاس اسے زلفی نظر آ ہی گیا وہ تیزی سے اس کی طرف لپکی وہ بھی بے تابی سے آتے جاتے لوگوں میں اسے ہی تلاش کر رہا تھا۔

"زلفی۔" تھوڑا قریب جا کر اس نے پکارا تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اس کی طرف بڑھا۔

"اتنی دیر لگا دی؟ کب سے انتظار کر رہا ہوں ایک ویگن تو نکل گئی اب دوسری کا انتظار کرنا پڑے گا۔" وہ برہمی سے بولا۔

"ہاں وہ بس میں نے کوشش تو بہت کی جلدی نکلنے کی مگر پھر بھی دیر ہو گئی ایک تو دادی بہت دیر سے سوئی پھر ابا بھی کام سے جلدی آ گیا تھا اسے کھانا دیتے دیتے دیر ہو گئی وہ دوبارہ کام پر گیا تو آئی ہوں۔"

"اچھا یہ بتا سامان تو پورا ہے نا؟"

"ہاں جو جو تم نے کہا تھا سب لے آئی ہوں۔"

"لا یہ بیگ مجھے پکڑا دے۔" اس سے بیگ لے کر زلفی نے اپنے کندھے پہ ڈال لیا۔

ان کی مطلوبہ ویگن آ چکی تھی وہ دونوں اس میں سوار ہو گئے جب تک ویگن مسافروں سے بھرتی رہی وہ عجیب سے خوف میں گھری بیٹھی رہی جونہی ویگن چلی اس نے سکون کا سانس لیا گاڑی تیزی سے کولتار کی سڑک پر دوڑ رہی تھی مکان' درخت' دکانیں ہر چیز پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے کی طرف بڑھ رہی تھی آگے جہاں اندھیرا تھا گہرا سیاہ اندھیرا۔ ہر مسافر کی طرح اسے بھی منزل پر پہنچنے کی جلدی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی منزل کہاں ہے؟

☆ ☆ ☆

www.Paksociety.com

وہ آفس سے فارغ ہو کر ڈاکٹر عادل کے کلینک پہنچی تو پتا چلا کہ اس وقت وہ راؤنڈ پر ہیں سو وہ وہیں ان کے آفس میں بیٹھ کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

ڈاکٹر عادل بابا کے بہت کلوز فرینڈ تھے انہوں نے ذہنی معذوروں کے لیے یہ چھوٹا سا اسپتال بنا رکھا تھا جس میں مستحق اور بے سہارا لوگوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا ان کی رہائش اور دوسری ضروریات کے لیے بھی ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جاتا تھا۔ بابا بتاتے تھے کہ ڈاکٹر عادل نے یہ اسپتال اپنے بیٹے سلمان کے نام پر قائم کیا تھا سلمان ان کا اکلوتا بیٹا تھا جو شادی کے بارہ سال بعد بہت منتوں اور مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے وہ پیدائشی ذہنی معذور تھا ڈاکٹر صاحب نے اس کے علاج کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔ اس کے ایک دو چھوٹے چھوٹے آپریشن بھی ہوئے مگر افاقہ نہ ہوا وہ بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم تھا ڈاکٹر عادل خود بھی نیورو سرجن تھے ان کے بڑے قابل ڈاکٹرز سے تعلقات تھے وہ اسے ملک سے باہر بھی لے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کو ہی منظور نہ تھا سو بیس سال کی عمر میں سلمان ان کو روتا سسکتا چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملا اسی کی یاد میں ڈاکٹر عادل نے یہ ادارہ قائم کیا تھا۔

ڈاکٹر عادل کی آفس ٹیبل پر سلمان کی بہت خوب صورت فریم شدہ تصویر رکھی تھی وہ بڑے انہماک سے اس خوب صورت نوجوان کی تصویر دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں اس کی جوان موت پر افسوس بھی کر رہی تھی۔ تب ہی آہٹ پر سیدھی ہو بیٹھی۔

"السلام علیکم ڈاکٹر انکل۔"

"وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"بابا کیسے ہیں تمہارے کئی دن سے ملاقات نہیں ہوئی ان سے۔"

"بس انکل! بابا آج کل بزنس کی وجہ سے گھر بھی ٹائم نہیں دے پاتے۔" انہیں جواب دے کر وہ بیگ میں کچھ تلاش کرنے لگی۔ نوٹ بک اور پین نکال کر وہ پھر سے ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"انکل مجھے اس اماں کے بارے میں پوچھنا تھا اب وہ کیسی ہیں ان کے ٹھیک ہونے کے کتنے فیصد چانسز ہیں کیا ہم کوئی بہتر امید رکھیں؟"

"بیٹا! اللہ سے ہمیشہ بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔ ویسے اس کی ٹیسٹ رپورٹس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ وہ نہ تو پیدائشی ذہنی معذور ہیں اور نہ ہی کوئی خطرناک پاگل بس کسی صدمے کے باعث وقتی طور پر ان کے ذہن کا کچھ حصہ مفلوج ہو گیا۔ مکمل دیکھ بھال اور مناسب علاج سے ان شاء اللہ وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر عادل نے بات کے اختتام پر بے اختیار سلمان کی تصویر کی طرف دیکھا لمحے بھر میں بہت کچھ جل بجھا تھا ان کی آنکھوں میں چند ثانیے وہ یونہی محویت سے تصویر دیکھتے رہے ان کی اس کیفیت پر لائبہ کا دل بھی پانی ہونے لگا۔

"انکل کیا میں ایک نظر انہیں دیکھ سکتی ہوں؟" اس نے ان کی محویت کو توڑا۔

"آں ہاں۔" وہ چونکے اور چشمہ اتار کر صاف کرنے لگے۔

"اس وقت وہ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی ہیں چاہو تو دیکھ آؤ۔" وہ اٹھی مگر نہ جانے کیا سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا۔

"انکل آپ ذرا تفصیل سے مجھے ان کے کیس ہسٹری کے بارے میں بتائیں۔" ڈاکٹر عادل اسے تفصیلات بتانے لگے وہ ضروری پوائنٹس نوٹ کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

تین گھنٹے کے طویل سفر کے بعد آخر ان کی مطلوبہ منزل آ ہی گئی زلفی کے پیچھے قدم بڑھاتے ہوئے وہ بھی ویگن سے اتری اور قریبی درخت کی چھاؤں میں کھڑی ہو کر ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہونے لگی نہ جانے یہ کون سا علاقہ تھا وہ پہلی مرتبہ یہاں آئی تھی۔ زلفی نے رکشا روک کر ایڈریس سمجھایا اور اسے آنے کا اشارہ کیا وہ چپ چاپ رکشا میں بیٹھ گئی نہ جانے وہ کہاں جا رہی تھی۔ بیس منٹ بعد وہ اندرون شہر کی ایک تنگ سی گلی میں پہنچ چکے تھے رکشا کو فارغ کر کے وہ نیچے اترے، وہ زلفی کے پیچھے قدم اٹھاتی چل رہی تھی ابھی شام ہونے میں کچھ وقت باقی تھا کچھ دور چل کر زلفی نے دائیں طرف بنے مکانوں کی قطار میں سے ایک دروازے پہ دستک دی دوسری دستک پر دروازہ کھلا۔

"آ گئے تم لوگ؟" ایک خوش شکل مرد نے دروازہ کھولتے ہی بے تابی سے پوچھا۔

"آؤ اندر آ جاؤ۔" وہ ایک طرف ہٹ گیا دونوں خاموشی سے اندر داخل ہو گئے۔

"بیٹھو۔" اس نے صحن میں بچھی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

"اور سناؤ سفر کیسا گزرا؟"

"بس ٹھیک ہی گزرا۔" زلفی نے سپاٹ سے لہجے میں جواب دیا۔

"آپ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں اور اطمینان سے بیٹھیں۔" وہ نازو کی طرف متوجہ ہوا جو پائنتی کی طرف سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔

"اچھا یار تم لوگ بیٹھو ذرا میں ابھی آیا۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

"اب کیا ہو گیا؟ ایسے کیوں بیٹھی ہے پچھتا رہی ہے آ کر...؟"

"نہیں پچھتا تو نہیں رہی لیکن مجھے لگتا ہے زلفی ہم نے یہ سب اچھا نہیں کیا مجھے گھر سے بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔ دادی، اماں، ابا سب گھر والے کیا سوچتے ہوں گے میرے بارے میں۔" وہ ہراساں سی نظر آنے لگی۔

"اگر تمہارا ابا شرافت سے میرا رشتہ منظور کر لیتا تو مجھے کیا ضرورت تھی یہ پنگا لینے کی۔ اس کی نظر میں، میں آوارہ ہوں، نکما ہوں، بدمعاش ہوں اب میں اسے بتاؤں گا آوارگی اور بدمعاشی کیا ہوتی ہے منہ چھپاتا پھرے گا سارے زمانے سے۔" نہ جانے کیا تھا زلفی کے لہجے میں نازو کا دل ایک دم دھک دھک کرنے لگا اور دماغ سنسنانے لگا اس نے گھبرا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا اس کے چہرے کی سختی اور آنکھوں کی سرخی اس کے عزائم کا پتا دے رہی تھی نازو کا پورا وجود ایک خوف کی دلدل میں دھنستا جا رہا تھا۔

"میں کیوں آ گئی۔ مجھے گھر سے نہیں بھاگنا چاہیے تھا۔" وہ مسلسل یہی بات سوچ رہی تھی یہ شخص زلفی جو چند لمحے پہلے تک اس کا محبوب تھا اب اسی سے وہ خوف زدہ تھی۔

"یہ لو۔" وہ بوتلیں اور سموسے لیے ان کے قریب کھڑا تھا۔

"یار طیفے تو نے یونہی تکلف کیا۔"

"لو تکلف کیسا؟"

"نازو لو نا تم بھی۔" زلفی نے اسے بوتل پکڑائی اور سموسے کی پلیٹ آگے کی بادل ناخواستہ اس نے ایک سموسہ اٹھایا۔ طیفا، زلفی کا جگری یار تھا زلفی نے اسے اپنے اور نازو کے متعلق سب کچھ بتا رکھا تھا۔

"آج رات تو تم لوگ آرام کرو صبح ان شاء اللہ تمام معاملہ نبٹ جائے گا بس ایک دفعہ نکاح ہو جائے پھر کوئی مسئلہ نہیں کل میں اپنے ایک دوست سے مل کر معاملات طے کر لوں گا۔" طیفے نے ان کو تسلی دی تھی وہ دونوں شادی کے مسئلے پر بحث کر رہے تھے اور وہ خاموش بیٹھی آنے والے وقت سے ڈر رہی تھی وقت جو کسی کا نہیں ہوتا۔

جوں جوں اندھیرا بڑھ رہا تھا نازو کی گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اس بھرے پرے گھر میں وہ دو مردوں کے ساتھ اکیلی تھی۔ طیفا اس گھر میں اپنی ماں اور چھوٹی بہن کے ساتھ رہتا تھا اور آج کل وہ دونوں کسی عزیز کی شادی کے سلسلے میں قریبی گاؤں گئی ہوئی تھیں اور ایک ہفتہ سے پہلے ان کی آمد متوقع نہیں تھی ..... تین کمروں، باورچی خانے اور واش روم پر مشتمل بڑے سے صحن والا یہ گھر خاصا خوب صورت تھا نازو نے اندر باہر گھوم کر سارا گھر دیکھ لیا تھا لگتا تھا طیفے کی ماں بہن سلیقے والی عورتیں تھیں تب ہی تو گھر اتنا صاف ستھرا تھا۔

www.Paksociety.com

"ہم لوگ ذرا باہر جا رہے ہیں تب تک تو آرام کر لے رات کا کھانا ہم لیتے آئیں گے اکیلی پریشان نہ ہونا اندر سے کنڈی لگا لے۔" زلفی نے اسے ہدایات دیں اور طیفے کے ساتھ باہر نکل گیا طیفا جانے سے پہلے سارے گھر کی لائٹیں جلا گیا تھا اور ٹی وی ٹرالی کمرے کے دروازے میں رکھ کے ٹی وی آن کر گیا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی کوئی ٹاک شو چل رہا تھا جلد ہی وہ بور ہو گئی پھر بیگ سے کپڑے نکال کر غسل خانے کی طرف چل دی تاکہ سفر کی تھکن کچھ تو کم ہو نہا کر وہ تازہ دم ہو گئی لیکن تھکن سے سر بوجھل محسوس ہو رہا تھا سو وہ چائے بنانے کی غرض سے باورچی خانے میں چلی آئی ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی فریج سے دودھ نکال کر اس نے تیز پتی کی چائے بنائی اور دوبارہ ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی آٹھ بجے والا ڈرامہ شروع ہو چکا تھا بظاہر وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی مگر اندر ہی اندر خوف زدہ تھی نئی جگہ، اجنبی لوگ اکیلا گھر ذرا سے کھٹکے پر اس کا دل دہل جاتا۔ پھر اس کا دھیان اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

"کیا کر رہے ہوں گے اماں ابا؟ اب تک تو انہیں پتا چل گیا ہو گا محلے میں بھی خبر پھیل گئی ہو گی اور وہاں میں خط بھی تو لکھ کے چھوڑ آئی تھی کہ اپنی مرضی سے زلفی کے ساتھ جا رہی ہوں مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کریں کیا وہ مجھے یاد کر کے رو رہے ہوں گے؟ کیا پتا میری اس حرکت پر مجھے کوسنے دے رہے ہوں، برا بھلا کہیں۔ کاش میں یہ قدم نہ اٹھاتی پتا نہیں آگے کیا ہو گا میں نے غلطی کی آ کر۔" دماغ نے سرزنش کی۔

"کیا مجھے اپنی مرضی سے جینے کا حق نہیں پسند کی شادی جرم تو نہیں۔" دل نے تاویل پیش کی۔

"اب میں اور زلفی نئی زندگی شروع کریں گے جہاں کوئی ظالم سماج ہمارے درمیان نہیں ہو گا اگر زلفی نے مجھے دھوکا دیا تو...... آخر وہ میرا کیا لگتا ہے؟ کیا ہوا اگر ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں آخر ہے تو ایک غیر مرد ہی نا میرا اس کا کوئی خونی رشتہ تو نہیں۔ اچھا اللہ جی اب تو میں آگ میں کود پڑی ہوں بس اب تو سب کچھ تیرے ہاتھ ہے۔" اس نے مختلف خیالات سے گھبرا کر اللہ سے مدد مانگی، قریب ہی سے موذن پکارا "اللہ اکبر اللہ اکبر" اس نے جلدی سے دوپٹے سے سر ڈھانپ لیا اور اپنی بہتری کی دعائیں مانگنے لگی۔

عشاء کی نماز پڑھ کر بھی کافی دیر تک وہ سجدے میں گری دعائیں مانگتی رہی جو لوگ پہلے دن سے تقدیر پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے سب معاملے اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مسئلے یوں حل کرتا ہے کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی اور سب کچھ "سنور" جاتا ہے مگر جو اس کے بجائے اپنے ہاتھ میں اختیار لینے کی کوشش کرتے ہیں اور جب پھنس جاتے ہیں تو اس لمحے اللہ کو پکارتے ہیں تو پھر اللہ بھی انہیں دکھاتا ہے کہ آؤ دیکھو یہ ہے اللہ پر بھروسہ نہ کرنے اور تقدیر ہاتھ میں لینے کا انجام سو وہ بھی عجیب دوراہے پر کھڑی تھی اور تقدیر بہت جلد اس پر کاری وار کرنے والی تھی۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی وہ آہستہ قدموں سے چلتی دروازے تک پہنچی۔

"کون ہے؟" ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں ہوں زلفی۔" اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دروازہ کھول دیا۔

"اکیلے ڈر تو نہیں لگا؟"

"نہیں ٹی وی دیکھتی رہی اس لیے یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ اکیلی ہوں۔"

"ارے واہ بڑی آفت لگ رہی ہے تو تو۔" زلفی نے اسے سر سے پاؤں تک بڑی بھرپور نظروں سے دیکھا اور ستائشی انداز میں مسکرایا، اس نے بال بنا کر ہلکی سے لپ اسٹک لگالی تھی کچھ تو وہ پہلے ہی بڑی خوب صورت تھی کچھ ہلکے ہلکے میک اپ میں اور پیاری لگ رہی تھی اس نے شرما کر رخ دوسری طرف کر لیا۔ زلفی نے اس کی کلائی پکڑ کر ہلکے سے اپنی جانب کھینچا۔

"نازو! کیا تو یہاں آ کر خوش ہے تجھے کوئی پچھتاوا تو نہیں۔"

"نہیں زلفی اب تو میرا سب کچھ تو ہے اب پیچھے مڑ

کے کیا دیکھنا۔" اس کے محبت بھرے لہجے پر نازو نے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"او ہاں یاد آیا مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے کھانا میں لے آیا ہوں تو جلدی سے برتنوں میں ڈال کے لے آ۔" تب وہ مسکراتے ہوئے اٹھی اور باورچی خانے کی طرف چل دی کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا کھانے کے دوران ہی زلفی نے بتایا تھا کہ طیفا بھی اپنی ماں اور بہن کی طرح شادی میں شرکت کے لیے گاؤں چلا گیا ہے۔

"مگر وہ تو کہہ رہا تھا کہ صبح نکاح کا بندوبست کرے گا۔" نازو ذرا سی ٹھٹکی۔

"آں۔ ہاں وہ، وہ ساری بات مجھے سمجھا گیا ہے ان بندوں کا بھی بتا گیا ہے جن سے ملنا ہے میں ان میں سے دو آدمیوں سے مل بھی آیا ہوں ایک دو دن تک سارا مسئلہ حل ہو جائے گا تو فکر نہ کر۔" اس نے پیار سے نازو کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تو وہ مطمئن ہو گئی۔

"چائے پیو گے۔"

"ہاں ضرور تمہارے ہاتھ کی چائے سے کون کافر انکار کرے گا لیکن ذرا جلدی بنا لینا۔"

"بس ابھی لائی۔" چائے بناتے ہوئے وہ بڑی مسرور تھی کچھ دیر پہلے اس کے دل میں جو خدشات تھے وہ ختم ہو چکے تھے بلکہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے حوالے سے بڑے خوب صورت خواب دیکھ رہی تھی۔ چائے پیتے ہوئے زلفی اسے بڑے مزے مزے کی باتیں سناتا رہا اور وہ جی کھول کے ہنستی رہی کتنا اچھا لگ رہا تھا یوں اکٹھے بیٹھ کے چائے پینا اس لمحے کتنی مکمل تھی ان کی زندگی۔

"زلفی اس اکیلے گھر میں ہم دونوں...... مم...... میرا مطلب ہے مجھے اچھا نہیں لگ رہا تمہارے ساتھ یوں اکیلے رہنا، گھر میں کوئی اور عورت بھی نہیں تم مجھے طیفے کے کسی اور رشتہ دار کے گھر چھوڑ آؤ جہاں عورتیں ہوں میں رات وہاں گزار لوں گی صبح آ کر تم مجھے لے آنا۔"

"طیفے کے سب رشتے دار گاؤں میں رہتے ہیں یہاں بس یہی تینوں رہتے ہیں اور تو مجھ سے خوف زدہ کیوں ہے میں وہی زلفی ہوں، جس سے کئی کئی گھنٹے چھت پہ کھڑی باتیں کیا کرتی تھی کیا اب میں تیرے لیے غیر ہو گیا ہوں؟"

"نہیں یہ میں نے کب کہا لیکن......" نازو کو سمجھ نہیں آئی کہ آگے کیا کہے۔

"دیکھ تو پریشان مت ہو میں ہو نا تیرے ساتھ تیرا زلفی، تیرا اپنا زلفی۔" زلفی نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا یہ ٹھیک تھا کہ نازو محبت میں مجبور ہو کر زلفی کے ساتھ چلی تو آئی تھی لیکن تھی تو بنیادی طور پر ایک بزدل کمزور عورت اب وہ گھبرا رہی تھی۔

"نازو! کیوں پریشان ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا پاگل ہے تو تو۔" وہ ہنسا...... نازو نے دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

اسے زلفی کی محبت بھری باتیں۔ اس کا التفات، اس کی والہانہ نظریں سب برا لگ رہا تھا وہ جلد سے جلد یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی دور بہت دور مگر انسان اپنی قسمت سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا وہ گھبرا کر کھڑکی کے پاس چلی آئی اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"نازو......! تو چپ کیوں ہے؟" زلفی نے اسے شانوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا نازو نے بڑے بجھے ہوئے دل سے اس کی طرف دیکھا نہ جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں، وہ جی جان سے لرز گئی اس نے نظریں چراتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹانے چاہے مگر زلفی کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی اس نے بے یقینی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، اپنے محبوب کے چہرے کی طرف مگر یہ اس کے محبوب کا چہرہ تو نہ تھا یہ تو کوئی اجنبی مرد تھا جسے وہ جانتی تک نہ تھی اس نے باہر کی طرف قدم بڑھانے چاہے مگر اس کے قدموں میں سکت نہ رہی تھی خوف و ہراس کی ایک دھند تھی جس نے اسے چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اسے لگا وہ ایک گہرے کنویں میں گر رہی ہے اس کے کان سائیں سائیں کر

www.Paksociety.com

رہے تھے۔

"بڑا عزت دار بنتا تھا تیرا باپ۔ اب میں اسے بتاؤں گا کہ عزت دار کون ہے' اس نے گلی میں کئی آدمیوں کی موجودگی میں مجھے آوارہ اور بدمعاش کہا تھا اب اسے میں بتاؤں گا بدمعاشی کیا ہوتی ہے۔"

"زلفی...... وہ تو ابا نے یونہی۔" وہ بڑی مشکل سے مرے مرے لہجے میں بولی۔ خوف اور بے یقینی نے اس کی ساری قوتیں سلب کروی تھیں۔

"بکواس بند کر۔" زلفی کے بھرپور تھپڑ نے اس کے ہوش گم کردیے وہ چکرا کر چارپائی پر گر پڑی اس نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر قسمت کی طرح اس کے قدموں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اب وہ تھی اور گھپ اندھیرے......

☼ ☼ ☼

رفاہی ادارے میں ہونے والے خواتین کے فنکشن کی رپورٹ تیار کرکے وہ کمپیوٹر سیکشن میں چلی آئی۔

"علی! پلیز اسے اچھی طرح تیار کرنا اور ہاں پروف ضرور کروالینا کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے اس رپورٹ کو ہاف پیج کی کوریج دینی ہے ذرا زبردست قسم کی ہیڈ لائن اور سرخیاں بنانا کیونکہ اس ادارے کی آنر مسز سولنگی کے ڈونیشن سے ہی یہ میگزین چل رہا ہے اور ہاں وہ کچی بستی کے مسائل والا فیچر کمپوز ہو گیا کیا؟"

"جی مس لائبہ۔"

"اچھا ذرا دکھاؤ تو۔" علی نے مطلوبہ فائل اوپن کر کے کلک کیا تو کمپیوٹر کی اسکرین پر ٹائپ شدہ فیچر دکھائی دینے لگا وہ تیزی سے نظریں دوڑانے لگی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ اب ذرا سرخیاں بھی چیک کروا دو۔"

"گڈ بہت اچھی بنائی ہیں سرخیاں۔" وہ مطمئن ہو گئی۔

"مس لائبہ اگلے میگزین کے لیے کون سا فیچر تیار کیا ہے آپ نے؟"

"فی الحال یہ سرپرائز ہے لیکن جلد ہی آپ لوگوں کو بتا دوں گی۔" وہ ہلکے سے مسکرائی اس لمحے اس کے ذہن کے پردے پر ایک ہی چہرہ تھا۔

"اماں پاگل کا چہرہ۔"

☼ ☼ ☼

بہت دیر سے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی خاموش' بے حس و حرکت پتھرائی ہوئی آنکھیں خلا میں ایک ہی نقطے پر مرکوز کیے وہ کچھ دیکھ رہی تھی نہ سوچ رہی تھی بس سوئے ہوئے ذہن کے ساتھ یونہی بیٹھی تھی۔

"نازو ناشتا کرلے۔" زلفی نے اس کے سامنے ٹرے لاکر رکھی مگر اس کی پوزیشن میں فرق نہ آیا اس کی نظروں کا زاویہ بدلا تھا نہ ہی وجود میں کوئی حرکت ہوئی۔

"نازو! میں نے کہا ہے ناشتا کرلے۔" زلفی نے اس کا کندھا ہلایا تھا تب اس نے اس کی طرف دیکھا یوں جیسے کسی نا آشنا شخص کو دیکھ رہی ہو۔

"ایسے کیا اجنبیوں کی طرح دیکھ رہی ہے میں زلفی ہوں تیرا زلفی۔" وہ مسکرایا اس کے وجود کو جھٹکا سا لگا پل بھر میں جیسے اس کی ساری حسیات بے دار ہو گئی تھیں۔

"نہیں کھانا مجھے کچھ بھی۔" وہ چیخی اور ہاتھ مار کر ٹرے الٹ دی اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"نازو! ناشتا کرلو! ضد نہیں کرتے۔" وہ اس کے قریب بیٹھا بڑی لگاوٹ سے کہہ رہا تھا۔

"دور رہو مجھ سے۔" اس نے اپنے کندھے پر رکھے اس کے ہاتھ کو بری طرح جھٹکا۔

اس لمحے اسے اس شخص سے بہت کراہیت محسوس ہوئی تھی۔

"یہ شخص جس کے لیے میں نے اپنے ماں باپ' گھر سب کچھ چھوڑا اس نے محبت کے نام پر اتنا بڑا دھوکہ دیا میرا مان' میرا اعتبار سب مٹی میں ملا دیا ابھی تو منزل کی طرف پہلا ہی قدم بڑھایا تھا اتنی جلد یہ راہبر سے راہزن بن گیا ابھی تو میں نے اپنی آنکھوں میں اولین

خواب سجایا تھا اور اس نے اس خواب کی اتنی بھیانک تعبیر دی۔" وہ سسک پڑی۔

"تم جھوٹے' مکار' فریبی تم نے مجھے دھوکہ دیا کیا اسی لیے میں نے تم پہ اعتبار کیا تھا۔" وہ اس کا گریبان پکڑے جھنجھوڑ رہی تھی۔

"نازو ہوش میں آؤ۔" اس نے جھٹکے سے خود کو چھڑایا۔

"میں نے سیدھے طریقے سے رشتہ بھجوایا تھا مگر صاف انکار کردیا گیا تمہارے باپ نے نا صرف مجھے آوارہ' بدمعاش کہا بلکہ محلے کی پنچائیت بھی تمہارے باپ کی بلائی ہوئی تھی اصل میں وہ تمہیں مجھ سے دور رکھنے کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔

میں نے وقتی طور پر پنچائیت کا فیصلہ مان تو لیا لیکن اپنی بے عزتی بھولا نہیں تھا۔ اس دن کے بعد میں نے تم سے زیادہ محبت جتانا شروع کردی تمہیں گھر چھوڑنے پر مجبور کرنا اور یہاں تک لانا یہ سب میرے انتقام کا حصہ تھا۔" وہ فتح مندانہ انداز میں ہنسا۔ نازو ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔

"تم لاکھ مجھ پر چیخو' چلاؤ مگر یاد رکھو تم مکمل طور پر میرے رحم و کرم پر ہو اور یہ بھی یاد رکھو تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔" وہ ایک بار پھر بے بسی سے رو دی گھر وہ جا نہیں سکتی تھی اب تو اسے زلفی کے ساتھ ہی رہنا تھا اور اس کے اشاروں پر چلنا تھا۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے بیٹھی کچھ سوچتی رہی پھر اٹھی اور اس کے قریب چلی آئی۔

"زلفی! تم تو مجھ سے محبت کے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے میں تمہاری وہی نازو ہوں تم جانتے ہو میں اپنا سب کچھ چھوڑ آئی ہوں تم نے نہ سہی پر میں نے تو تم سے محبت کی ہے' سچی محبت اب تم ہی میرا سب کچھ ہو ابا کی باتوں کو بھول جاؤ' ہم شادی کر کے نئی زندگی شروع کریں گے۔" وہ بڑے دوستانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہا...... شادی اور تم سے۔ ہونہہ' کیا مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھ رکھا ہے؟" اس کا استہزائیہ انداز اسے مزید تپا گیا ایک دم اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ مم میں کیا کروں گی کہاں جاؤں گی؟" خوف اور دکھ سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

"محترمہ نازو صاحبہ! جو لڑکی اپنے والدین کی عزت داؤ پر لگا کر گھر سے بھاگ سکتی ہے وہ کل کو مجھے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ بھی جا سکتی ہے تمہارا کیا اعتبار۔"

"نہیں' نہیں ایسا مت کہو! میں نے تو صرف تمہاری محبت میں تمہاری خاطر یہ قدم اٹھایا تھا خدا کے لیے مجھے یوں بے آسرا نہ کرو میں کہاں جاؤں گی میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں مجھ سے شادی کرلو۔" وہ اس کے قدموں پر جھکی گڑگڑانے لگی۔ زلفی نے پاؤں کی ہلکی سی ٹھوکر سے اسے دور ہٹایا۔

"تم جیسی آوارہ لڑکی کے ساتھ چند دن تو گزارے جا سکتے ہیں ساری زندگی نہیں' تمہارا جہاں جی چاہے چلی جاؤ مگر یہ شادی والا خیال دل سے نکال دو اور ہاں پولیس کے چکر میں مت پڑنا تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔" وہ خباثت سے ہنسا تب ہی دروازہ کھلا اور چند لمحوں بعد طیفا کمرے میں داخل ہوا زلفی اور طیفے نے ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں نہ جانے کیا اشارہ کیا تھا کہ دونوں ہی مسکرانے لگے۔

"تم تو کہتے تھے طیفا گاؤں گیا ہے؟" اسے اچانک یاد آیا۔

"یہ کہیں نہیں گیا تھا اسے میں نے ہی پروگرام کے تحت ایک دوست کی طرف بھیجا تھا یہ سب میرے پروگرام کا حصہ تھا۔" زلفی ایک بار پھر ہنسا۔ اس کی مکروہ ہنسی اس کی سماعتوں پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گھر سے باہر نکل گئے۔ صبح سے شام ہوئی پھر رات زلفی واپس نہ آیا سارا دن وہ خوفزدہ سی بیٹھی رہی اور اب اس اکیلے گھر میں رات کے وقت وہ حد درجہ خوفزدہ تھی رات' اندھیرا' سائیں سائیں کرتا گھر...... وہ بے بسی سے رونے لگی وہ تو زلفی کے ساتھ ایک چھوٹا سا محبت کا محل تعمیر کرنے نکلی تھی

www.Paksociety.com

مگر پہلے ہی قدم پر بے سروسامان ہو گئی اکیلے گھر میں خوف سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا بھوک نے الگ ستایا ہوا تھا صبح سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا وہ باورچی خانے کی طرف چل دی تاکہ پیٹ کی آگ بجھا سکے فریج میں سوائے دودھ اور پانی کے کچھ نہ تھا اس نے ایک کپ دودھ لیا اور پی گئی اس وقت وہ بھی غنیمت لگا۔

دودھ پی کر جسم میں تھوڑی سی جان محسوس ہوئی وہ دوبارہ کمرے میں چلی آئی اور کنڈی لگا کر بیٹھ گئی اس کا دل گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ حرکت کر رہا تھا ساری رات خوف و ہراس میں بھاگتے گزر گئی صبح ہوئی تھی اس نے گڑگڑا کر اللہ سے معافی مانگی اور ایک بار پھر اسے مدد کے لیے پکارا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر دل کانپ جاتا تھا۔ نہ جانے اب آگے کیا ہو گا؟ اگر زلفی مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا تو؟ نہ جانے طیفا میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ زلفی جس پر مجھے سب سے زیادہ مان تھا جب اس نے ہی مجھے دھوکہ دیا تو باقی لوگوں کا کیا اعتبار میں ان کی کیا لگتی ہوں نہ جانے طیفا اور اس کے دوست کیسے ہیں؟ میں کیسے ان سب سے خود کو محفوظ رکھوں گی؟ وہ حد درجہ خوف زدہ تھی یہی سوچتے سوچتے وہ جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گئی۔

دروازے پر ہونے والی تیز دستک سے اس کی آنکھ کھل گئی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی وال کلاک کی طرف دیکھا صبح کے نو بج رہے تھے۔

"وہ..... طیفا بھائی' وہ زلفی؟" وہ ڈرے سہمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"بھول جاؤ اسے وہ اب یہاں نہیں آئے گا۔" وہ بڑے اطمینان سے بتا کر مسکرانے لگا اور سر سے پاؤں تک نازو کو بڑی جانچتی نظروں سے دیکھا۔ نازو اس کی نظروں سے خوف زدہ ہو کر خود میں سمٹ گئی۔

"یہ..... کیا کہہ رہے ہیں آپ' زلفی کہاں چلا گیا آج تو ہماری شادی۔" صدمے سے وہ بات پوری نہ کر سکی اس کے ارد گرد دھماکے سے ہو رہے تھے اس کا دل کہیں نیچے ہی نیچے ڈوبنے لگا۔

"جو زیور اور پیسے تم گھر سے لائی تھیں وہ سب لے کر بھاگ گیا ہے اور تمہیں شاہ جی کے ہاتھ بیچ گیا ہے تیس ہزار میں سودا کیا ہے تمہارا' یہ تو انہوں نے ہماری زبان سے تمہاری تعریف سن کر قیمت لگائی ہے، ہو سکتا ہے تمہیں دیکھنے کے بعد قیمت مزید بڑھا دیں۔" طیفا کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی بس دماغ میں ایک ہی لفظ گردش کر رہا تھا کہ۔

"وہ بک گئی ہے۔"

کیا یہی میری قسمت تھی محبت اتنا بڑا جرم تو نہ تھا جس کی اتنی کڑی سزا مل رہی ہے۔ وہ بے آواز آنسوؤں سے رونے لگی۔

"پہلے میرا خیال تھا چند دن تمہیں یہاں رکھوں گا کم از کم اماں کے آنے تک لیکن محلے والوں کی طرف سے خطرہ ہے کہیں کسی کو پتا چل گیا کہ دو دن سے ہم نے یہاں ایک لڑکی رکھی ہوئی ہے تو بڑا مسئلہ بن جائے گا اور پولیس کیس بن جائے گا تو جلدی سے تیار ہو جا' ہمیں جاوید کی طرف چلنا ہے اپنا سامان اٹھا لے کچھ دن تو جاوید کے گھر رہنا پھر وہیں سے تجھے شاہ جی کے پاس پہنچا دیں گے۔" طیفے کی باتیں کسی دھماکے سے کم نہیں تھیں وہ بے حس و حرکت سن رہی تھی۔

"ایسے کیوں کھڑی ہے زلفی تو تجھے چھوڑ گیا میں تو تیرے پاس ہوں نا؟" وہ بڑے والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا تھا نازو کا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔ وہ اس کے قریب آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ دیا وہ جی جان سے لرز گئی۔ اسی لمحے دروازے پہ دستک ہوئی طیفا ٹھٹکا۔ بڑی بے زاری سے دروازے تک پہنچا تھا۔

"کون ہے؟" وہ بڑی کرختگی سے بولا تھا

"اماں اور منی تو گھر پہ نہیں ہیں۔" اس نے آنے والے کو اندر سے ہی جواب دیا۔

"اچھا ایک منٹ صبر کریں۔" یہ کہہ کر وہ واپس آیا۔

"نازو تو جلدی سے کمرے میں چھپ جا ماسی برکت ہے باہر خیال رکھنا اس کی نظر تم پر نہ پڑے وہ اپنے برتن لینے آئی ہے۔" وہ کمرے میں چلی آئی۔ طیفے نے دروازہ کھولا۔

"اتنی دیر دروازہ کھولنے میں لگا دی۔" ماسی برکت نے اپنی عقابی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"ہاں وہ بس' کیا لینا ہے ماسی؟"

"کچھ دن پہلے تمہاری ماں ہمارا پریشر ککر لے آئی تھی کہ چنے پکانے ہیں آج تیسرا دن ہے مجھے آج پائے پکانے تھے اس لیے واپس لینے آئی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ باورچی خانے میں چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد ککر اٹھائے باہر نکلی۔

"طیفے کل' گڈو چھت پہ پتنگ لینے چڑھا تو اس نے کسی عورت کو تمہارے گھر میں بیٹھے دیکھا تھا تمہاری ماں بہن تو دو دن سے گاؤں گئی ہیں وہ عورت کون ہے۔"

"کک..... کون ماسی' یہاں تو کوئی نہیں گڈو کو یونہی وہم ہوا ہو گا یہاں بھلا کس نے آنا ہے۔"

"اچھا!" ماسی برکت نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور گھر کی حالت سے اندازہ کرنا چاہا۔

"تم کہتے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔" ماسی برکت واپس پلٹ گئی مگر اس کے انداز بتا رہے تھے کہ اسے طیفے کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"اب یہ ماسی برکت پورے محلے میں بات پھیلا دے گی "بی بی سی نیوز" ہے پوری۔ اب جلدی سے تیار ہو جا ہمیں ابھی یہاں سے نکلنا ہے۔" وہ اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"تو جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹ لے میں تب تک نہا کر کپڑے تبدیل کر لوں بڑے میلے ہو گئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ غسل خانے کی طرف بڑھا اور اسی لمحے ایک خیال بجلی کی طرح نازو کے ذہن میں کوندا تھا ادھر طیفے نے غسل خانے کی کنڈی لگائی ادھر وہ دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکلی اس کے پاس یہی دس پندرہ منٹ تھے اور اسی مختصر وقت میں اسے خود کو آنے والے بے رحم وقت سے بچانا تھا۔ دروازے کو باہر سے کنڈی لگا کر وہ تیز تیز چلتی گلی کے نکڑ پر پہنچی اور پھر دائیں طرف مڑ گئی تھوڑی ہی دیر بعد وہ مین روڈ پر تھی۔ قریب سے گزرتے رکشا کو اشارہ کر کے وہ اس میں بیٹھ گئی۔

"ویگن اڈے لے چلو۔" اسے کہہ کر اس نے بیگ کو مضبوطی سے تھاما اور چادر سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اب اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ بچا تھا اور وہ تھا واپسی کا راستہ اپنے گھر واپسی کا اسے اب انجام کی پروا نہیں رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بابا آج آپ نے پھر دیر کر دی؟"

"بس بیٹا تم تو جانتی ہو میری مصروفیات کو۔" وہ ہلکے سے مسکرائے اور بریف کیس ٹیبل پر رکھ کے صوفے پہ نیم دراز ہو گئے۔

"بابا چائے یا کافی.....!"

"جو تم پسند کرو۔"

"اوکے پھر آج کافی ہو جائے۔" وہ مسکراتے ہوئے اٹھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج سے باہر آ گئی۔

"یہ لیں بابا اچھی سی کافی پئیں اور فریش ہو جائیں۔" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"اور سناؤ تمہارا میگزین کیسا چل رہا ہے؟"

"اے ون بابا۔"

"بھئی کچھ دن پہلے تمہارا لکھا ایک فیچر پڑھا تھا میں نے غالباً "کچی بستی کے مسائل پر تھا۔ بہت اچھا لکھا ہے تم نے دھوم مچا دی ہے اس نے تو اور وہ شیرازی بھی بہت تعریف کر رہا تھا۔"

"اچھا! واقعی بابا کیا آپ کو پسند آیا۔" وہ بچوں کی سی دلچسپی لیے پوچھنے لگی۔

"واقعی بیٹا! بہت اچھا لکھا ہے تم نے اسی طرح محنت سے کام کرتی رہنا اپنے قلم کی حرمت کا پاس رکھنا اور کوشش کرنا کہ جب بھی لکھو سچ لکھو اور ڈٹ کر لکھو' ایک صحافی کے پاس سب سے بڑا ہتھیار اس کا قلم ہی ہوتا ہے خیال رکھنا کہیں کسی مقام پر کسی سے ڈر کر دب کر اپنے قلم کو بیچنا نہیں۔" انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

www.Paksociety.com

"بابا! یقین کریں ایسا ہی ہوگا۔" بابا کی تعریف سے اس کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔ شیرازی صاحب اس کے ایڈیٹر تھے وہ بہت کم کسی کے کام سے مطمئن ہوتے تھے اور تعریف تو کسی کی کبھی کرتے ہی نہیں تھے۔ مگر لائبہ کا معاملہ الٹ تھا۔ اس کی تخلیقی صلاحیتوں کے وہ پہلے دن سے ہی معترف تھے اور جس محنت سے وہ کام کرتی تھی اس سے وہ بہت مطمئن بلکہ خوش تھے۔ ایم اے جرنلزم کرنے کے بعد لائبہ نے جب یہ میگزین جوائن کیا تو اس کے ذہن میں بہت سے پلان تھے وہ بہت سے مسائل پر لکھنا چاہتی تھی بہت سے مجبور اور بے بس لوگوں کی آواز بن کر ابھرنا چاہتی تھی تب ہی تو بابا کی رضامندی سے اس نے یہ میگزین جوائن کیا تھا شیرازی صاحب بابا کے بہت اچھے دوست تھے شریف آدمی تھے اس لیے وہ بھی مطمئن ہو کر یہاں کام کر رہی تھی۔

"لائبہ! تمہارا اگلا پراجیکٹ کیا ہے؟"

"بابا وہ ایک پاگل عورت ہے ڈیڑھ دو ماہ پہلے ہم لوگ کچی بستیوں کے سروے کے لیے گئے تھے وہاں میں نے اسے دیکھا تھا بچے اسے پتھر مار رہے تھے چھیڑ رہے تھے مگر خلاف توقع نہ تو وہ کسی کو مار رہی تھی نہ چیخ رہی تھی بس خود کو ہر ممکن ان کے حملوں سے بچانے کے لیے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ میں نے اسے دیکھا تو مجھے ترس آ گیا بڑی مشکل سے اسے بچا کر میں نے گاڑی میں بٹھایا اور بہت گم سم اور خاموش سی تھی میرے کسی بھی سوال کا اس نے جواب نہیں دیا۔

بابا! وہ پاگل نہیں ہے۔ میں نے اسے انکل عادل کے کلینک میں ایڈمٹ کروا دیا ہے۔ بہت جلد وہ ٹھیک ہو جائے گی کیونکہ وہ پیدائشی پاگل نہیں بس کسی صدمے کے باعث وقتی طور پر اس کا ذہن مفلوج ہو گیا ہے ڈاکٹر عادل کہہ رہے تھے اس کا دماغ پھر سے کام کرنے لگے گا۔ اور میرا اگلا پراجیکٹ وہی ہے مجھے لگتا ہے اس عورت کی دیوانگی، بے حسی اور خاموشی کی گہری چادر کے پیچھے کوئی بہت بڑا اسرار ہے کوئی زبردست سی اسٹوری ہے اور مجھے وہ اسٹوری ہی معلوم کرنی ہے۔" لائبہ بڑے پرجوش انداز میں باپ کو بتا رہی تھی اور اس وقت وہ انہیں بہت پیاری بہت معصوم لگ رہی تھی۔ وہ بڑی محبت سے اسے دیکھنے لگے۔

"اوہ...... سوری بابا' میں نے آپ کو آتے ہی باتوں میں لگا لیا آپ چینج کرلیں تب تک میں کھانا لگاتی ہوں'۔"

بابا نے کافی کا خالی مگ ٹیبل پر رکھا اور واش روم کی طرف بڑھ گئے جبکہ لائبہ کچن میں چلی آئی اور ملازمہ کے ساتھ مل کر ٹیبل سیٹ کرنے لگی۔

✡ ✡ ✡

اس نے ڈرتے ڈرتے گھر میں قدم رکھا۔ سامنے ہی چارپائی پر ابا لیٹا ہوا تھا۔ برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے ماتھے پہ ہاتھ رکھے اماں بیٹھی تھی اور کچھ فاصلے پر برآمدے کے ایک کونے میں دادی چارپائی پر لیٹی تھی آہٹ پر اماں نے ماتھے سے ہاتھ ہٹایا۔ ابا نے کروٹ بدلی اسے دیکھ کر تیر کی طرح سیدھا ہو بیٹھا۔

"اب کیا لینے آئی ہے بے غیرت۔" ابا کسی بھوکے شیر کی طرح اس کی طرف بڑھا۔

"ذلیل۔ کمینی تجھے شرم نہ آئی گھر سے بھاگتے۔ تو مر کیوں نہ گئی پیدا ہوتے ہی۔" اماں بھی اس کی طرف لپکی وہ صحن کے بیچوں بیچ کھڑی تھی ابا کا چمڑے کا سلیپر اور اماں کی ہوائی چپل اندھا دھند اس کے جسم پر پڑ رہے تھے۔

"منہ کالا کر دیا ہمارا۔ خاک ڈال دی ہمارے سروں میں بول کیوں کیا تو نے ایسا؟" اماں کے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ زبان بھی چل رہی تھی۔

"اور وہ کہاں ہے تیرا عاشق جس کے لیے تو باپ کی عزت روند کر گئی تھی وہ نہیں آیا تیرے ساتھ؟ چھوڑ گیا نا وہ بھی ہیر رانجھا کی قبر پہ لات مار کر محبت کی نئی مثال قائم کرنے نکلے تھے پھر واپس کیوں آ گئی بول ......" اس کے بال ابا کے ہاتھوں میں تھے۔

"بس کر دلدار حسین جوان لڑکی پہ ہاتھ اٹھا کے کیوں تماشا بنوائے گا۔" دادی دور سے کراہی۔

"اور یہ جو ہمیں ذلیل کر گئی تھی اس نے سوچا تھا ہماری نیک نامی ہماری عزت کے بارے میں؟" ابا جواباً چیخا۔

"بول کہاں تھی اتنے دن سے اور وہ کم بخت زلفی کہاں ہے وہ بے غیرت آوارہ محلے کی لڑکیوں کو چھیڑتا تھا راستہ روکتا تھا میں نے منع کیا تو اس نے میرے ہی گھر پہ ڈاکہ ڈال دیا ارے میں نے کونسلر صاحب سے کہا بھی کہ اسے محلے سے نکال دو اس لڑکے کے لچھن ٹھیک نہیں مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی پنچائیت میں معافی منگوا کر انہوں نے سمجھا کہ وہ بدمعاش اب سدھر گیا ہے۔" ابا اب ہانپنے لگا تھا۔

"نازو کے ابا چھوڑ دے اسے تیرا بلڈ پریشر (بلڈ پریشر) ہائی ہو جائے گا تجھے کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے اس بے غیرت کو تو کچھ نہیں ہوگا۔" اماں نے ابا کو پکڑ کر چارپائی پر بٹھا دیا۔

"مت کہہ مجھے نازو کا ابا۔ میں اس کا باپ کہلوانے کی بجائے مرنا پسند کروں گا۔"

"اچھا اچھا یہ لے تو پانی پی۔"

"اسے کہہ میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جائے۔" وہ صحن میں زمین پر بیٹھی تھی تپتی زمین اور آگ برساتے سورج کے درمیان بے آواز آنسوؤں سے روتے ہوئے۔

"جا دفع ہو مر جا کہیں جا کر۔" اماں کی دوہتڑ سے وہ نیچے گر گئی اماں کی نظر اس کے قریب پڑے بیگ پر پڑی وہ تیزی سے اس پر جھپٹی اور زپ کھول کر سارا سامان باہر نکالنے لگی سارا بیگ کھنگال لیا سوائے میک اپ کے سامان اور نازو کے چند جوڑوں کے اور کچھ نہ نکلا۔ اماں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کچھ دیر بیگ کی طرف دیکھتی رہی پھر تیزی سے نازو کی طرف پلٹی۔

"زیور کہاں ہے؟" وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

"بول بے غیرت' بے حیا کہاں ہے سارا زیور اور پیسے جو تو لے گئی تھی۔"

"زلفی لے گیا۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا؟ ہائے میں لٹ گئی برباد ہو گئی میری ساری پونجی تو نے لٹا دی اور وہ کمیٹی شیخ صاحب کی بیوی نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے ڈالی تھی انہی کی کمیٹی تھی آٹھ دن بعد ان کی بیٹی کی شادی ہے میں انہیں کیا جواب دوں گی۔" ایک بار پھر اماں کے ہاتھ اور زبان چل پڑے تھے۔

"میں اس بے حیا کو جان سے مار دوں گا۔" ابا پانی پینے کے بعد تازہ دم ہو کر پھر سے اس کی طرف بڑھا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبانے لگا نازو کا دم گھٹنے لگا اور آنکھیں تکلیف کی شدت سے باہر ابلنے لگی تھیں۔

"ہائے دلدار حسین باز آجا بس کر دے اب۔" دادی پھر سے پکاری۔

"چھوڑ دے کیوں اس نامراد کے گندے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے لگا ہے ایک دو دن میں کوئی رشتہ دیکھ کر دفع کر اسے اس گھر سے۔" اماں نے بمشکل اسے چھڑایا۔

"شادی؟ کون کرے گا اس نامراد سے شادی؟ اتنی بدنامی کے بعد کون قبول کرے گا اسے۔" ابا غصے سے کانپ رہا تھا۔

"میں کروں گا اس سے شادی۔ ابھی اسی وقت۔" اس آواز پہ سب نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔

"تو؟ خادم حسین تو کرے گا اس سے شادی؟" ابا حیرت زدہ اسے دیکھ رہا تھا۔ نازو نے تڑپ کر گھٹنوں سے سر اٹھایا یہ وہی خادم حسین تھا جس نے اک بار پہلے بھی رشتہ بھیجا تھا مگر نازو نے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ گہرے سیاہ رنگ اور عجیب سے نقوش کا مالک تھا اور عمر میں بھی نازو سے کئی سال بڑا تھا۔ جس اینٹوں کے بھٹے پر ابا کام کرتا تھا یہ بھی وہیں ملازم تھا غربت اور بدصورتی کی وجہ سے اب تک اس کی شادی نہ ہو سکی تھی۔

"مجھے نہیں کرنی اس کالے جن سے شادی۔" اس وقت نازو نے زبردست احتجاج کیا تھا۔ تب اس کی آنکھوں میں زلفی کی رفاقت کے خواب تھے اسے زلفی کی محبت پر مان تھا سچ ہے زلفی جیسے خوب صورت

www.Paksociety.com

شخص سے اس کا بھلا کیا مقابلہ؟ کہاں زلفی جیسا خوش شکل خوش لباس اتنی پیاری محبت بھری باتیں کرنے والا شوخ کھلنڈرا سا شخص کہاں وہ سخت گیر کھردرے لہجے میں جاہلانہ طریقے سے بات کرنے والا خشک مزاج گندے اور میلے چلیے میں پھرنے والا خادم حسین تب نازو نے واضح انکار کر دیا تھا مگر تب اور اب میں بہت فرق تھا اب وہ چاہتی بھی تو انکار نہیں کر سکتی تھی کیونکہ تب اور اب تک کے دوران بہت بہت کچھ ہو چکا تھا تب وہ ایک حسین معصوم اور حسن پرست لڑکی تھی جو اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینا چاہتی تھی اور اب ..... اب وہ ایک نافرمان آوارہ اور گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی تھی ایک ایسی لڑکی جیسے اس کا اپنا ہی منتخب کردہ ساتھی بیچ سفر میں چھوڑ گیا تھا اور مزید یہ کہ وہ کئی دن گھر سے غائب رہی تھی ایسی لڑکی کو کون قبول کرتا۔

خادم حسین اماں ابا کے لیے اس وقت فرشتہ رحمت ثابت ہوا تھا انہوں نے اسے بڑی عزت سے چارپائی پر بٹھایا۔ اماں ابا خادم حسین سے شادی کے معاملات طے کرنے لگے۔

"چاچا کوئی شور شرابا کرنے کی ضرورت نہیں سب کچھ سادگی سے ہو گا۔ یہ میری طرف سے دو سو روپیہ نازو کے ہاتھ پہ رکھ کے منگنی پکی کر دے۔" یوں نازو کی لاش پر خادم کے نام کی مہر لگا دی گئی۔

"آٹھ دن بعد بیاہ ہو گا کیونکہ مجھے کچھ کپڑے لتے اور زیور کا بھی بندوبست کرنا ہے کیونکہ چاچا میری کون سی ماں بہنیں بیٹھی ہیں۔"

"ٹھیک ہے جیسی تیری مرضی۔" ابا نے سکون سے جواب دیا۔

ایک ہفتہ اس نے اپنے ہی گھر میں چوروں کی طرح گزارا تھا اماں ابا کی گالیاں، طنز بھری باتیں، نفرت سے بھری نگاہیں کیا کچھ نہ سہا تھا اس نے حتیٰ کہ اس کی چھوٹی بہن نگو اماں ابا کے ڈر سے اس کے پاس نہیں آتی تھی اس سے بات نہیں کر سکتی تھی مزید ستم یہ کہ نازو کی وجہ سے ابا نے اس کی پڑھائی چھڑوا دی تھی وہ آٹھویں میں تھی اور سالانہ امتحان بھی قریب تھے مگر ابا نے یہ کہہ کر اسے چپ کرا دیا کہ وہ نہیں چاہتا کہ نازو کی طرح نگو بھی کوئی غلط قدم اٹھائے نگو کا گھر سے باہر نکلنا مکمل طور پر بند ہو گیا تھا۔

ایک ہفتے بعد نازو، خادم حسین کی بنا دی گئی۔ جہیز کے نام پہ ایک تنکا بھی نہ ملا تھا اسے، بس تین کپڑوں میں باپ کے گھر سے رخصت ہوئی تھی وہ..... وہ بھی خادم کے گھر سے آیا ہوا جوڑا تھا۔

"آج سے تو ہمارے لیے مر گئی پھر کبھی یہ دہلیز پار کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" ابا نے رخصتی کے وقت بڑے پتھریلے لہجے میں اسے کہا تھا۔

"اور خادم تو بھی سن لے اسے کبھی یہاں نہ لے کر آنا۔" وہ خادم کی طرف متوجہ ہوا اماں، دادی، نگو سب اس سے قدرے فاصلے پہ کھڑی تھیں کوئی بھی ابا کے ڈر سے اس سے ملنے اور رخصت کرنے کو آگے نہ آیا تھا۔

"میں خود بھی اس گھر میں کبھی نہیں آؤں گی۔" وہ باپ سے بھی زیادہ پتھریلے لہجے میں بولی اور بے حس وجود کے ساتھ دہلیز پار کر گئی ہمیشہ کے لیے۔

☆ ☆ ☆

آج وہ آفس سے جلدی فارغ ہو گئی تھی لہٰذا گھر جانے کی بجائے سیدھی ڈاکٹر عادل کے کلینک چلی آئی۔

"ارے بیٹا تم آؤ۔" اسے دیکھ کر وہ مسکرائے اور خوش دلی سے بولے۔

"انکل وہ اماں.....؟"

"ہاں، ہاں آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے ساتھ لیے وارڈ کی طرف بڑھے۔ وہ ادھر ادھر بستروں پر لیٹے مریضوں پر نظر ڈالتی ڈاکٹر عادل کے پیچھے چل رہی تھی۔ دس نمبر بیڈ کے پاس جا کر وہ رک گئے وہ بیڈ پر خاموش بیٹھی تھیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔" ڈاکٹر عادل نے بچوں کی طرح انہیں چمکارا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر ان کی حیران آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی چمک ابھری سر کے ہلکے سے

اشارے سے ــــ ٹھیک ہونے کا اشارہ کیا۔

"گڈ! کسی چیز کو دل تو نہیں چاہ رہا۔" ڈاکٹر نے بڑے پیار سے پوچھا انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ لائبہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"انکل یہ تو۔" وہ حیرت سے بات پوری نہ کر سکی۔

"ہش!" ڈاکٹر نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اس بچی کو پہچانتی ہیں آپ؟" انہوں نے اماں سے مخاطب ہو کر لائبہ کی طرف اشارہ کیا۔ تو انہوں نے لائبہ کی طرف دیکھا کچھ دیر دیکھتی رہیں پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ لائبہ ہے۔ آج سے ڈھائی ماہ پہلے یہی آپ کو یہاں لائی تھی تاکہ آپ کا علاج ہو سکے۔" ڈاکٹر نے محبت بھرے انداز میں انہیں سمجھایا تو وہ لائبہ کی طرف بڑی تشکر آمیز نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"السلام علیکم۔" لائبہ ان کی طرف بڑھی اور اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔

"چلو ہاتھ ملاؤ۔ یہ دایاں والا ایسے۔" ڈاکٹر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر لائبہ کے ہاتھ میں دے دیا۔

"ویری گڈ! اچھا اب ہم چلتے ہیں اللہ حافظ۔" کہہ کر ڈاکٹر نے واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔

"اچھا اماں میں پھر آؤں گی۔" اس نے اماں کا ہاتھ محبت سے تھپتھپایا۔

"اور ہاں یہ لو۔" اس نے بیگ میں سے چاکلیٹ نکالی اور اماں کے ہاتھ پہ رکھ دی۔ وہ اسے حیرت سے الٹ پلٹ کے دیکھ رہی تھیں۔

"اسے کھاتے ہیں یوں۔" لائبہ نے ریپر اتار کر ذرا سا کھا کر بتایا۔ اماں نے بھی فوراً تقلید کی۔ تب وہ مسکراتی ہوئی واپس مڑی۔

"انکل! وہ تو کافی بہتر ہیں پہلے سے۔"

"ہاں بیٹا! بات کو کچھ کچھ سمجھنے لگی ہیں اپنی بات بھی اشاروں میں کہتی ہیں ان کے دماغ کا وہ حصہ جو وقتی طور پر مفلوج ہو گیا تھا آہستہ آہستہ کام کرنے لگا ہے اور آئی ہوپ کہ بہت جلد ان کی یادداشت کام کرنے لگے گی بس دعا کرو وہ بولنے کے قابل ہو جائیں۔"

"جی ہاں انکل! وہ بولیں گی تو پتا چلے گا کہ وہ کون ہیں کہاں سے آئی ہیں ان کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوئی ہے۔ اوکے انکل اب میں چلتی ہوں کل سے بابا کی طبیعت کچھ خراب ہے آج وہ آفس بھی نہیں گئے جا کے دیکھوں کیسی طبیعت ہے اب ان کی۔" وہ فکر مندی سے بولی۔

"بیٹا میری طرف سے بھی پوچھنا۔"

"جی ضرور انکل۔" وہ کہہ کر پارکنگ ایریے میں آ گئی۔

گھر میں اس کے اور بابا کے سوا اور تھا ہی کون اس کی والدہ کی اس کی پیدائش پر ہی ڈیتھ ہو گئی تھی اس نے آنکھ کھولتے ہی صرف بابا کو دیکھا تھا یا پھر ارسلان کو ارسلان اس کا ماموں زاد تھا وہ بہت چھوٹا تھا جب اس کے ممی پاپا ایک حادثے میں اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے چونکہ لائبہ کی ممی اور ماموں صرف دو ہی بہن بھائی تھے لہٰذا اس کے بابا ارسلان کو اپنے پاس لے آئے اسے پالا پوسا پڑھایا لکھایا آج وہ ایک کامیاب ڈاکٹر تھا وہ ہارٹ سرجری میں اسپیشلائزیشن کرنا چاہتا تھا اسی لیے گزشتہ کئی سالوں سے وہ ملک سے باہر تھا اس کا کورس تقریباً مکمل ہونے ہی والا تھا۔ دونوں اکٹھے پلے بڑھے تھے اس لیے ان کے درمیان دوستی کے ساتھ ساتھ ایک اور رشتہ بھی تھا وہ تھا محبت کا، بابا نے دونوں کا رجحان دیکھتے ہوئے ان کی منگنی کر دی اور شادی ارسلان کی واپسی پر ہونا تھی۔

ارسلان کبھی کبھی مہینے دو مہینے بعد اسے فون کرتا رہتا تھا اور ہر موقع پر اسے کارڈ بھیجتا تھا۔ اتنی دور بیٹھ کر بھی وہ ہر موقع پر اسے وش کرتا تھا اور وہ بھی جواب میں اسے وش کرتی تھی۔

☆ ☆ ☆

خادم حسین کے گھر آ کر اسے پتا چلا تھا کہ جہنم کیا ہوتا ہے زندگی عذاب کیسے بنتی ہے۔ وہ غصے کا بہت تیز اور تلخ مزاج بندہ تھا نازو کے مقابلے میں عمر بھی زیادہ

www.Paksociety.com

تھی شکل و صورت بھی واجبی سی تھی لہٰذا وہ اس پر شک کرنے لگا تازو کا دروازے سے جھانکنا' کھڑکی میں کھڑا ہونا چھت پر جانا منع تھا یہ پابندیاں تازو جیسی شوخ فطرت اور حسن پرست لڑکی کے لیے موت سے کم نہ تھیں اور پھر خادم حسین کی سخت طبیعت اور بدصورتی سے وہ مزید چڑ گئی' اگر خادم خوب صورت ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ خود کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتی مگر اسے اپنے حسن پر ناز تھا تب ہی تو اس کے اور خادم کے درمیان مقابلہ ٹھن گیا۔

اگر وہ باشعور ہوتی تو زلفی والے واقعے کے بعد سنبھل جاتی اور خود کو بدلنے کی کوشش کرتی مگر اس نے محض خادم کی ضد میں من مانی کو اپنا وطیرہ بنا لیا کبھی کبھی اسے لگتا وہ ایک خوب صورت پری ہے جو کسی ظالم دیو کی قید میں ہے وہ دیو جو اسے اس کے ماں باپ کے شہر سے کسی دوسری دنیا میں لے آیا ہے' خادم حسین نے ایک پرنٹنگ پریس میں نوکری کر لی وہ صبح کا گیا شام کو آتا تازو صبح گھر کے کام سے فارغ ہو کر محلے میں نکل پڑتی آس پڑوس کی عورتوں کے پاس بیٹھ کر اردگرد کی خبریں سنتی اور شام گئے گھر لوٹتی آہستہ آہستہ وہ محلے کی عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں میں بھی مقبولیت حاصل کر گئی تھی اسی طرح دن رات کے چکر میں وہ دو جڑواں بیٹیوں کی ماں بن گئی۔ بیٹیوں کی آمد بھی اسے تبدیل نہ کر سکی۔ البتہ اس میں ایک واضح تبدیلی آئی تھی وہ یہ کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بہت پیار کرتی تھی۔ ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کرتی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بچیوں کو کسی محرومی کا احساس ہو وہ ان کی خوشی پوری کرنے کے لیے کوئی بھی حد پار کر سکتی تھی۔

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزرتا جا رہا تھا پھر بہت سا وقت بیت گیا خادم حسین نے پریس کی نوکری چھوڑ کر ڈرائیوری شروع کر دی کیونکہ بچیاں بڑی ہو رہی تھیں ان کے تعلیمی اخراجات اور ڈھیروں ضرورتیں تھیں وہ دن رات محنت کر رہا تھا تاکہ اس کی بچیاں پڑھ لکھ کر کسی اچھے مقام پر پہنچ جائیں ڈرائیوری کی وجہ سے وہ کئی کئی دن گھر سے باہر رہتا اگر کبھی آتا بھی تو اکثر وہ سوئی ہوتیں صبح پھر وہ منہ اندھیرے ویگن اڈے پہنچ جاتا یوں اس کی اپنی بیٹیوں سے بھی ٹھیک طرح ملاقات نہ ہو پاتی وہ دونوں خود بھی باپ سے فاصلے سے ملا کرتی تھیں یوں جیسے کسی گھر آئے مہمان سے رسمی سلام لیا جائے جتنے دن وہ گھر سے باہر رہتا ماں' بیٹیاں بہت خوش رہتیں ایک آزادی سی محسوس کرتیں اور جب وہ دس پندرہ دن بعد ایک آدھ دن کے لیے گھر آتا تو ماں بیٹیوں کی جان پر بن جاتی وہ اسے اپنی آزادی کا دشمن سمجھتی تھیں اور اس کی واپسی کے لیے لمحے گنا کرتیں وہ کئی کئی دن روٹ پر رہنے کی وجہ سے ہر روز گھر نہیں آسکتا تھا لہٰذا اس کی غیر حاضری سے تازو اور اس کی بیٹیاں خوب فائدہ اٹھا رہی تھیں۔

تازو نے پھر سے پر پرزے نکال لیے تھے اپنے سے اونچی حیثیت والے لوگوں سے ملنا ملانا' پارٹیاں اٹینڈ کرنا' تحائف لینا دینا یہی اس کی زندگی کا حصہ تھا بیٹیوں کی سب سہیلیوں کے گھر ہونے والی تقریبات میں وہ اہتمام سے جاتی نئے نئے لوگوں سے تعلقات بناتی' بیٹیوں کو بھی اس نے اپنی ڈگر پر لگا لیا تھا خادم روٹی کے چکر میں الجھا ہوا تھا گھر آتا تو مہمان کی طرح اسے پتا ہی نہ چلا اور اس کے پیچھے بہت کچھ بدل گیا۔ اس کی بیوی اور بیٹیوں کا رہن سہن بہت حد تک تبدیل ہو گیا تھا۔ اس بار وہ گھر آیا تو بہت حیران ہوا گھر میں نیا فرنیچر اور دوسری کئی قیمتی چیزیں نظر آئیں۔

"تازو یہ سب کہاں سے آیا میری تنخواہ تو اتنی نہیں کہ راشن' بجلی و گیس کے بل اور مکان کا کرایہ دینے کے بعد اتنے پیسے بچیں کہ ہم اتنی قیمتی چیزیں خرید سکیں؟"

"وہ ..... خادم اصل میں تم جو ہر ماہ مجھے ایک مخصوص رقم دیتے ہو اس میں سے میں نے ایک دو کمیٹیاں ڈال رکھی تھیں انہی سے ہر ماہ کچھ نہ کچھ خریدتی رہتی ہوں چند ایک چیزیں قسطوں پر بھی لی ہیں۔" اس نے گڑبڑا کر بات بنائی پھر یوں ہی خادم سے مشورہ کیے بغیر اس نے مکان چھوڑ کر کسی اچھے علاقے میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ خادم نے سنا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

"خادم! تم بات سمجھنے کی کوشش کرو ہماری بچیاں بڑی ہو رہی ہیں کل کو آخر ان کی شادی بھی کرنی ہے اس بوسیدہ مکان اور دقیانوسی علاقے میں رہ کر کوئی اچھا رشتہ نہیں آئے گا کسی اچھے علاقے میں جائیں گے' لوگوں سے میل ملاپ بڑھے گا تو ہی اچھے رشتے آئیں گے ورنہ یہاں رہ کر تو موٹر مکینک' کریانہ اسٹور کے مالک یا کسی پرائمری اسکول کے ماسٹر کا رشتہ ہی آئے گا۔" تازو نے کچھ اس طرح سے شوہر کو شیشے میں اتارا کہ بالآخر وہ رضامند ہو ہی گیا اور وہ بہت جلد نسبتاً" ایک اچھے اور ماڈرن علاقے میں آ گئے۔ اس نئے علاقے میں آکر تازو اور اس کی دونوں بیٹیاں حمیرا' سمیرا مزید فیشن ایبل ہو گئیں کچھ آس پاس کے لوگوں کی صحبت کا اثر تھا کچھ وہ کالج کی نئی نئی دوستوں سے متاثر تھیں اور پھر انہیں تازو کی پشت پناہی بھی حاصل تھی یوں وہ اونچی اڑانیں اڑنے لگیں۔

آج کئی دن بعد وہ گھر آیا تھا حسبِ معمول لدا پھندا خوشی خوشی گھر میں داخل ہوا مگر گھر میں سوائے ملازمہ کے کوئی نہ تھا۔

"کدھر ہیں سب؟"

"صاحب جی سب بیگم ہمدانی کے گھر پارٹی پر گئی ہیں جی۔"

"کون ہے یہ بیگم ہمدانی۔"

"وہ جی حمیرا' سمیرا بی بی کی سہیلی شازیہ بی بی ہیں نا ان کے گھر۔"

"کب گئی ہیں۔"

"دو گھنٹے ہو گئے ہیں جی۔"

"اچھا ایک گلاس پانی پلاؤ۔" اس نے شاپرز ایک طرف رکھے اور تھکے تھکے انداز میں صوفے پر گر گیا۔

"صاحب جی بھوک لگی ہو تو کھانا لگاؤں؟"

"نہیں تازو اور بچیاں آجائیں تو پھر۔"

"وہ تو جی کھانا کھا کر آئیں گی جی۔"

"اچھا! یوں کرو ایک کپ چائے بنا دو۔" اسے کہہ کر وہ واش روم میں گھس گیا۔ اسے گھر آئے چار گھنٹے ہو گئے تھے اور ابھی تک ان ماں بیٹیوں کا پتا نہیں تھا وہ سخت کوفت کے عالم میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا آخر خدا خدا کر کے رات کے ایک بجے وہ لوگ گھر میں داخل ہوئیں اس پر نظر پڑتے ہی تینوں کے چہروں پر ناگواری سی آ گئی اور حلق کڑوا ہو گیا۔

"کدھر تھیں تم لوگ پتا ہے میں کتنی دیر سے آیا بیٹھا ہوں۔"

"وہ شازیہ ہے نا اپنی حمیرا وغیرہ کے ساتھ کالج میں پڑھتی ہے اس کی سالگرہ تھی وہیں گئے تھے۔"

"اتنی رات کو آئی ہو تم لوگ۔"

"تو پارٹی تو دیر تک ہی چلتی ہے نا ہم لوگ تو پھر بھی جلدی آ گئے۔" تازو نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ جبکہ اس کی دونوں بیٹیاں اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھی آپس میں محو گفتگو تھیں رسمی سے سلام کے بعد انہوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"اچھا میں ذرا کپڑے چینج کر آؤں۔" تازو اٹھی اور اس کے ساتھ ہی اس کی بیٹیاں بھی کمرے سے باہر چل دیں اس نے اک نظر دونوں کو دیکھا نئے انداز میں کٹے بال' گہرا میک اپ' جدید فیشن کے ماڈرن لباس میں آدھی آستین کی شرٹ اور پینٹ نما پاجامے میں گلے میں مفلر نما پٹی ڈالے یہ اس کی بیٹیاں تھیں۔

"کیا یہ میری بیٹیاں ہیں اتنی ماڈرن' بے پردہ یہ کیا ہو گیا یہ کون سی راہ اختیار کر لی ہے ان لوگوں نے۔" وہ فکرمند تھا تب اس نے بیوی سے بات کرنے کی ٹھانی۔

"تازو! تو نے میری بیٹیوں کو کیا بنا دیا یہ کون سے رنگ ڈھنگ سکھائے ہیں انہیں۔"

"کیوں ایسا کیا ہو گیا؟" میک اپ صاف کرتے ہوئے اس نے آئینے سے شوہر کو گھورا اور تلخی سے بولی۔

"تو نے دیکھا ان کا لباس' ان کا حلیہ کیا شریف گھروں کی لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔"

"تو کیا برقعے اوڑھا دوں انہیں' نیا زمانہ ہے نیا دور ہے دنیا کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔"

"زمانے کا ساتھ دینے کے لیے کیا ضروری ہے کہ

www.Paksociety.com

انسان بے لباس ہو جائے؟"

"آج کل چمک دمک کا دور ہے برقعے چادر میں لپٹی نیک پروین کو کوئی نہیں پوچھتا شرافت اور سادگی کی بکل مارے باپ کی دہلیز پر ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں ایسی لڑکیاں۔ خود کو اس ماحول کے مطابق ڈھالیں گی تو خوشحال زندگی گزار سکیں گی ورنہ کسی مزدور مستری کے پلے بندھ کر ساری زندگی نصیبوں کی روتی رہیں گی۔"

"میں ایک حلال رزق کمانے والا ڈرائیور ہوں ان کے رشتے بھی اپنے ہی جیسے شریف اور درمیانہ طبقے کے لوگوں میں کروں گا اونچی سوسائٹی کے لوگوں سے رشتہ داری نہیں نبھ سکے گی کار' کوٹھیاں' زیور' کہاں سے ان کے سسرال کی فرمائشیں پوری کروں گا اپنے سے اونچے لوگوں سے کیسے مل پائیں گے ہم' ہے کیا ہمارے پاس؟" وہ بولتے بولتے تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر گویا ہوا۔

"بس آئندہ سے تمہارا ہر قسم کی پارٹی میں جانا بند صرف اپنے جیسے لوگوں سے واسطہ رکھو اور بچیوں کو بھی شریف لڑکیوں کے رنگ ڈھنگ سکھاؤ بند کرو یہ سہیلیوں کے گھروں میں آنا جانا۔"

"ہاں تو تم یہی چاہتے ہو میری بچیاں زندگی کی ہر خوشی سے محروم رہیں۔ روپیہ پیسہ ہونے کے باوجود فقیروں کی زندگی گزاریں نہ کہیں آئیں نہ جائیں پھٹے پرانے کپڑوں میں ہم ماں بیٹیاں سر جھاڑ منہ پہاڑ پھرتی رہیں تاکہ کوئی ہمیں منہ نہ لگائے ہم سے بات کرنا پسند نہ کرے ہم یونہی غربت کی تصویر بنی رہیں کوئی ہمارے گھر جھانکے نہ اور پھر اسی طرح تم کل کو کسی ڈرائیور' کسی مکینک یا مستری کے ہاتھ میں میری بچیوں کے ہاتھ دے دو مگر سن لو میرے جیتے جی یہ سب نہیں ہو سکے گا۔"

"میں نے ایسا کب کہا ہے میں بھی باپ ہوں ان کا دشمن نہیں ہوں میں بھی ان کی بہتری چاہتا ہوں بس میں چاہتا ہوں یہ گھر سے باہر نکلیں تو باپردہ اور شرافت کے حلیے میں' اس طرح بن کر نکلیں گی تو زمانہ زندگی تنگ کردے گا ان پر۔"

"خادم تم تو یہی چاہتے ہو کہ میری طرح میری بچیاں بھی اس گھر میں قید ہو کر رہ جائیں اور آخر اک دن گھٹ گھٹ کے مر جائیں مگر سن لو خادم حسین! میں اپنی بچیوں کو کسی خوشی سے محروم نہیں کروں گی اور وہ فنکشنز میں بھی ضرور جائیں گی وہ اپنی مرضی کی زندگی جئیں گی۔"

"بکواس بند کر کمینی۔" خادم کا ہاتھ اٹھا مگر فضا میں ہی رک گیا۔

"بس خادم مجھ پہ ہاتھ نہ اٹھانا بہت ظلم سہہ لیا تمہارا اب اور نہیں وہ میری بچیاں ہیں وہ وہی کریں گی جیسا چاہوں گی۔" خادم حسین حیران کھڑا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"پھر کیا ہوا بابا؟" وہ چائے کا مگ ہاتھ میں تھامے بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہی تھی آج اتوار تھا اور دونوں باپ بیٹی گھر پہ تھے بابا اسے اپنے ماضی کے متعلق بتا رہے تھے اپنی محنت اور جدوجہد کی کہانی سنا رہے تھے۔

"بیٹا! میرا بچپن گاؤں کی گلیوں میں کھیتوں میں گزرا متوسط طبقے سے تعلق ہے میرا ہم کوئی زیادہ کھاتے پیتے لوگ نہ تھے مجھ سے بڑا ایک بھائی تھا جو ابا جی کے ساتھ ہی زمینداری کرتا تھا ایک چھوٹی بہن تھی۔ میں میٹرک میں تھا جب ابا جی کا انتقال ہو گیا اماں جی چاہتی تھیں کہ میں افتخار لالہ کے ساتھ کھیتی باڑی میں ان کا ہاتھ بٹاؤں لیکن مجھے زمینداری سے دلچسپی نہ تھی میں کسی کی زمینوں پہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اماں جی اور لالہ کے سمجھانے کے باوجود میں نے ہامی نہ بھری کچھ بچپنا تھا کچھ لاابالی پن تھا میرا سارا دن دوستوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گھومتے پھرتے گزرتا پھر اماں جی نے تنگ آ کر مجھے میرے اکلوتے ماموں کے پاس گجرات بھجوا دیا ماموں کی کپڑے کی دکان تھی اچھا خاصا کاروبار تھا میں تقریباً" ڈیڑھ دو سال ان کے پاس رہا جو کماتا کھا پی لیتا تھا۔

پھر ایک دوست کی مدد سے میں نے اپنا کاروبار کرنے کا فیصلہ کیا میں راتوں رات امیر بننا چاہتا تھا اس لیے میں نے وہ شہر چھوڑ دیا اور یہاں آ گیا اس اجنبی شہر میں میرا پہلا دوست ڈاکٹر عادل ہی بنا میری اس کی بس کے سفر میں ملاقات ہوئی جب اسے پتا چلا کہ میرا اس شہر میں کوئی نہیں تو اس نے مجھے کہا کہ وہ اپنے کسی دوست کے پاس میری رہائش کا بندوبست کر دے گا اس کے دو تین دوست کسی گاؤں سے پڑھنے کی غرض سے آئے تھے اور ایک گھر کرائے پر لے کر رہ رہے تھے۔ پھر وعدے کے مطابق اس نے میری رہائش کا بندوبست کرا دیا۔ میرے پاس کچھ رقم تھی کچھ اس نے میری مدد کی کچھ اس نے کسی جاننے والے سے لون لے کر دیا یوں میں نے اپنے بزنس کا آغاز کیا ان لوگوں نے میری بڑی سپورٹ کی اس طرح میرا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس چل نکلا پھر میری محنت ذہانت اور دوستوں کی مدد سے آہستہ آہستہ ترقی کے راستے کھلتے چلے گئے اور اللہ کا شکر ہے کہ آج میں بہت اچھے مقام پر ہوں۔"

"واقعی بابا محنت اور سچی لگن کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا بھی شامل ہو تو انسان اپنا مقصد ضرور حاصل کر لیتا ہے۔" وہ ہلکے سے مسکرائی اور اپنا اور بابا کا چائے کا خالی مگ اٹھائے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

آفس سے آ کر ابھی وہ کھانے سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ بیل بج اٹھی وہ بے دلی سے اٹھی مگر دوسری جانب سے ہوا کے دوش پہ رقص کرتی جو آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اسے سن کر وہ ساری تھکن ساری بےزاری بھول گئی۔

"ہاں ارسلان کیسے ہو؟ میں ایک دم فائن۔ سنو کب آ رہے ہو۔ ہر بار یونہی جھوٹے دلاسے دے دیتے ہو پلیز کوشش کرو نا جلد آنے کی تمہیں پتا ہے کتنا عرصہ ہو گیا ہے میں نے تمہارا چہرہ نہیں دیکھا۔"

وہ اداس لہجے میں بھیگی آنکھوں اور دکھی دل سے اپنے دوست ہمدم اور رازداں سے مخاطب تھی دوسری جانب وہ بہت خاموشی سے سب سن رہا تھا۔

"بولو نا ارسلان کب مکمل ہو گا تمہارا کورس؟"

"اچھا! لیکن تین ماہ کا مطلب تین ماہ ہی ہونا چاہیے اپنا خیال رکھنا میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں او کے اللہ حافظ۔" فون رکھ کے اس نے گہرا سانس لیا ارسلان سے بات کر کے اس کا ذہن تو فریش ہو جاتا تھا مگر ہر بار دل پہ بوجھ بڑھ جاتا تھا۔

ارسلان اس کا بچپن کا ساتھی تھا وہی اس کا دوست تھا سہیلی تھا ہونے والا جیون ساتھی تھا اس کا سب کچھ وہی تھا۔

☆ ☆ ☆

خادم اپنے گھر کے ماحول سے تنگ آ گیا تھا۔ پہلے جب وہ گھر آتا تو بیوی اور بیٹیاں گھر سے باہر ہوتی تھیں اور اب جب بھی گھر آتا تو اس کے گھر میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کا جمگھٹا لگا ہوتا ایک بار اس نے نازو سے یہ سب ہنگامہ ختم کرنے کو کہا بھی مگر اس نے ہر بار

میرے چارہ گر
رخسانہ نگار عدنان
قیمت -/400 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.Paksociety.com

یہی کہہ کر اسے خاموش کرادیا کہ بچیوں کے ساتھ کالج میں پڑھنے والے ساتھی ہیں اکٹھے بیٹھ کر ہنس بول لیتے ہیں۔ وہ بیوی اور بیٹیوں کے رویے سے تنگ آگیا تھا آخر اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ ان کی زندگی سے نکل جائے گا کیونکہ ان لوگوں کے سدھرنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ اس دن وہ مسافر کوچ لے کر روٹ پر جانے والا تھا کوچ بھرنے میں ابھی دیر تھی اس نے یونہی بوریت دور کرنے کے لیے قریبی بک اسٹال سے ایک رسالہ خریدا یہ ایک فلمی رسالہ تھا وہ یونہی بے دلی سے ورق الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا شاید یہ رسالہ نیا نیا مارکیٹ میں آیا تھا کیونکہ اس میں زیادہ تر شوقیہ اور نئے فنکاروں کی تصویریں تھیں۔ نئے چہرے نئے انداز وہ یونہی صفحہ پلٹنے لگا اور پھر ایک صفحے پر اس کی نگاہ جیسے جم کے رہ گئی۔

سمیرا اس کی اپنی بیٹی نئی ماڈل سیمی کے نام سے مغربی طرز کے بے ہودہ لباس میں بے باکانہ انداز میں ہنستے مسکراتے اجنبی لڑکوں کے ساتھ مختلف پوز میں جلوہ گر تھی وہ ماڈلنگ کی دنیا میں تہلکہ مچانے آئی تھی اور ماڈلنگ سے فلموں میں جانے کی خواہش مند تھی اس رسالے میں اور بھی بہت کچھ لکھا تھا اس کے بارے میں وہ دم بخود بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے رسالے کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر وہ ایک طرف کو جھکتا چلا گیا۔ اڈے پر موجود دوسرے لوگ اور اس کے ساتھی ڈرائیور اور کنڈیکٹر تیزی سے اس کی طرف بڑھے اس کا وجود جیسے بھربھری مٹی میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کے بہت سے ساتھی اس کے آس پاس بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا تھا خادم 'اب کیسی طبیعت ہے۔" سب متفکر سے پوچھنے لگے۔

"آں..... کچھ نہیں بس ذرا چکر آگیا تھا۔" اس نے گہرا سانس لیا۔

"صبح ناشتا کیا تھا تو نے۔" اڈہ منیجر عارف بڑی محبت سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں کیا تو تھا۔" اس نے چہرے سے پسینہ خشک کیا۔

"چھوٹے! جا سامنے ہوٹل سے ایک دودھ کا گلاس لے آ۔" عارف نے ملازم لڑکے کو آواز دی۔

"یار وہ مجھے کوچ لے کر نکلنا تھا میرا ٹائم تھا۔" اس نے سامنے دیکھا جہاں اس کی کوچ کھڑی تھی وہ جگہ اب خالی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے میں نے دوسرا بندہ بھیج دیا ہے۔ تم ایسا کرو کہ گھر جاکے آرام کرو اور ڈاکٹر سے دوائی بھی ضرور لینا۔" عارف بڑی محبت سے بولا۔ تو وہ اثبات میں سر ہلا کر دودھ پینے لگا۔

☆ ☆ ☆

"یہ دیکھ اپنی بیٹی کے کرتوت۔" اس نے رسالہ نازو کے قدموں میں پھینکا' وہ حیران و پریشان اسے دیکھ رہی تھی۔

"خادم تم تو لاہور جا رہے تھے نا؟"

"ہاں مگر! راستے سے ہی لوٹ آیا ہوں یہ دیکھ تیری بیٹی اداکارہ بننے جا رہی ہے یہ دیکھ اس بے ہودہ لباس میں اتنے واہیات طریقے سے نہ جانے کن لڑکوں کے ساتھ یہ تصویریں بنوائی ہیں پتا نہیں کس کس مرد کی غلیظ نظریں اس کی طرف اٹھی ہوں گی ایک باپ کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ اس کی بیٹی سینکڑوں مردوں کے سامنے بے پردہ ہو۔ نہ جانے یہ رسالہ کتنے لوگوں نے دیکھا ہوگا اور جب وہ اس رسالے کے لیے تصویریں کھنچوا رہی ہوگی تو کیا پتا اس وقت وہاں کتنے مرد ہوں گے کتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ بے پردہ ہوئی ہوگی۔" وہ صدمے سے رونے لگا۔ نازو بھی دم بخود اپنی بیٹی کی تصاویر دیکھ رہی تھی۔

"نازو تو نے اور تیری بیٹیوں نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میں صبح سے شام تک روزی روٹی کے چکر میں الجھا رہا۔ بچیوں کی تربیت تیرے ذمہ تھی میں یا تو روٹی کماتا یا ان کی چوکیداری کرتا' میں نے جب انہیں ڈانٹنا چاہا تو ان کی ڈھال بن گئی ان کے دل میں باپ کا خوف پیدا نہیں ہونے دیا دیکھ لیا اپنی ہٹ دھرمی اور من مانی کا انجام۔" وہ غصے سے کھول رہا تھا۔

"خادم حسین! میں نے تو سوچا تھا کہ انہیں زندگی میں کوئی کمی نہ ہونے دوں گی اس لیے ان کی ہر خواہش پوری کی تھی۔" نازو منمنائی۔

"تو دیکھ لیا ان کی خواہش پوری کرنے کا انجام میں نے جب بھی کچھ کہنا چاہا تو نے ہنگامہ کھڑا کردیا میں محلے میں تماشا نہیں بننا چاہتا تھا اس لیے ہر بار شرافت سے خاموش ہوگیا مگر! مگر آج میں خاموش نہیں رہوں گا آج آلینے دو انہیں گھر اور خبردار جو تو ان کی حمایت میں بولی تو ورنہ شاید آج کوئی بھی نہ بچے نہ تم نہ وہ نہ میں اور نہ یہ گھر۔" خادم کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

زندگی میں پہلی بار نازو کو اس سے خوف محسوس ہوا تھا۔ تیز تیز بولتے اب وہ ہانپنے لگا تھا۔

"میں نے کئی بار سوچا کہ تم لوگوں کی زندگی سے نکل جاؤں مگر اس عمر میں علیحدگی ہم دونوں کے لیے ذلالت ہے اور پھر اس طرح بچیوں کا مستقبل مزید داؤ پہ لگ جائے گا وہ تو پہلے ہی آزادی اور بے باکی کی آخری حدوں کو چھو رہی ہیں۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو نہ جانے اور کیا گل کھلائیں۔" وہ حد درجہ رنجیدہ تھا۔

خلاف معمول آج نازو نے اس کی باتیں خاموشی سے سن لی تھیں شاید وہ اس کے غصے سے ڈر گئی تھی خادم تھوڑی تھوڑی دیر بعد گھڑی کی طرف دیکھتا پھر اس کی نظریں گیٹ تک جاتیں اور پلٹ آتیں۔ تقریباً" شام چھ بجے گھر کے باہر ایک گاڑی کے رکنے کی آواز آئی پھر چند لمحوں بعد مخصوص دستک ہوئی رانو نے دروازہ کھولا دونوں بہنیں ہنستی کھلکھلاتی گھر میں داخل ہوئیں۔ ان کا لباس دیکھ کر خادم نے شرم سے منہ پھیر لیا وہ باپ کو سلام کرکے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ خادم تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر ایک فیصلہ کرکے اٹھا اس کی آنکھوں میں سوچ کر گہری پرچھائیاں تھیں آج وہ کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا وہ اٹھا اور خاموشی سے گھر سے باہر نکل گیا۔ نازو نے خادم کے غصے کے پیش نظر دونوں کو آگاہ کیا اور انہیں خود کو کسی حد تک بدلنے کا کہا تھا لیکن وہ آزادی اور خود سری کی اس منزل پہ پہنچ چکی تھیں کہ اب ان کی واپسی ممکن نہیں تھی اور یہ سب نازو کا کیا دھرا تھا اس نے پہلے دن سے ہی انہیں آزادی دے رکھی تھی کوئی اونچ نیچ نہیں سمجھائی تھی سو اس کی شہ پر وہ اتنی آگے چلی گئی تھیں کہ اب اسے ہی خاطر میں نہ لاتی تھیں۔

خادم بڑے پراسرار طریقے سے گھر میں داخل ہوا۔ اس کے قدم اپنی بیٹیوں کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نازو کی چھٹی حس جیسے ایک دم بے دار ہوگئی وہ بھی الجھی الجھی نظروں سے خادم کو دیکھتی حیران سی اس کے پیچھے چل پڑی۔

"آج میں اور ٹونی چائنیز گئے بڑا مزے دار سا لنچ کیا واپسی پہ اس نے مجھے آئس کریم بھی کھلائی۔" یہ حمیرا تھی جو اپنا آج کا کارنامہ فخر سے بہن کو بتا رہی تھی۔

"پتا ہے شیری مجھے کہہ رہا تھا کہ اگلے ماہ ہم لاہور جائیں گے وہاں فلم اسٹوڈیو اور ٹی وی اسٹیشن پر وہ میرا آڈیشن دلوائے گا کئی پروڈیوسرز سے اس کے بہت اچھے تعلقات ہیں اور یہ دیکھو اس نے یہ گولڈ کی چین اور یہ ٹاپس مجھے گفٹ کیے ہیں۔" سمیرا بھی انتہائی پرجوش انداز میں اسے بتا رہی تھی۔

تب ہی خادم دو قدم آگے بڑھا آہٹ پر ان دونوں نے مڑ کر دیکھا خادم کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

"ابا.....؟" اس کے جارحانہ انداز دیکھ کر دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"خاموش! تم دونوں کی آواز باہر نہ جائے آج میں یہ قصہ ہی ختم کردوں گا۔" یہ کہہ کر خادم نے ہاتھ میں موجود شاپر میں سے شیشے کی ایک بوتل نکالی اور اسے کھول کر اس میں موجود سیال فرش پر گرانے لگا۔

"ابا یہ کیا؟" حمیرا کی خوفزدہ آواز جیسے کسی کنویں سے ابھری تھی۔

"یہ مٹی کا تیل ہے آج میں تم کو اس گھر کو خود کو سب کو جلا دوں گا تاکہ یہ روز روز کا تماشا ختم ہو تم

www.Paksociety.com

آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومتی ہو۔ فلموں میں جاؤ گی میری عزت نیلام کرو گی زندہ رہو گی تو تب نا۔" وہ سفاکی سے بولا تھا۔

"خادم خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔" نازو تڑپ کر آگے بڑھی اور اس کے ہاتھ سے بوتل چھیننے لگی۔

"چھوڑ دے مجھے آج میں سب کچھ ختم کر دوں گا۔" وہ جیسے وحشی ہو گیا تھا۔

"رانو.... رانو جلدی آ محلے والوں کو آواز دے ہائے اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔" نازو بدحواسی میں چیخی اور خادم کے ہاتھ سے ماچس چھینی جبکہ حمیرا سمیرا خوفزدہ سی گنگ کھڑی تھیں ان کے قدموں میں اتنی سکت نہ تھی کہ کمرے سے باہر ہی بھاگ جاتیں ویسے بھی خادم دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ نازو اور رانو نے بڑی مشکل سے اس کو کھینچ کھانچ کر کمرے سے باہر کیا تھا خادم دونوں ہاتھوں میں سر دیے بے بسی سے رونے لگا۔

"خادم میں نے انہیں سمجھا دیا ہے بس آئندہ یہ وہی کریں گی' جو تو چاہے گا بس اب غصہ ختم کر دے۔" نازو نے اسے رسان سے سمجھایا۔

"نہیں.... یہ ایسے نہیں سدھریں گی۔" وہ اٹھا اور ان کے کمرے کو باہر سے تالا لگا کر چابی جیب میں ڈال لی۔

"آج کے بعد یہ کہیں نہیں جائیں گی اگر انہوں نے گھر سے باہر قدم نکالا تو میں تم تینوں ماں بیٹیوں کو قتل کر دوں گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" وہ غصے اور انتقام میں کانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ نازو خوفزدہ سی اس کا یہ نیا روپ دیکھ رہی تھی۔

وہ غصے سے باہر نکل گیا....

☼ ☼ ☼

نازو انہیں کمرے میں ہی کھڑکی کے ذریعے کھانا وغیرہ پہنچا رہی تھی مگر ان دونوں نے پچھلے ڈیڑھ دن سے کسی بھی چیز کو چھوا تک نہ تھا احتجاجی طور پر بھوک ہڑتال کر رکھی تھی۔ ماں ہونے کے ناتے اسے بیٹیوں پر ترس بھی آ رہا تھا مگر دوسری طرف خادم کا بھی خوف تھا ایک دفعہ تو اسے قابو کر لیا تھا اگر دوبارہ وہ کوئی قدم اٹھا لیتا تو.... نازو یہی سوچ کر پریشان تھی۔

"آنٹی بس آدھے گھنٹے کے لیے انہیں میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں میں وعدہ کرتی ہوں واپسی پر خود انہیں چھوڑ جاؤں گی۔"

"لیکن ان کے ابو نے سختی سے منع کیا ہے باہر جانے سے اگر انہیں پتا چل گیا تو۔"

"صرف آدھے گھنٹے کی تو بات ہے ہم نے ضروری نوٹس لینے جانا ہے اور پھر امتحان بھی قریب ہیں اگر ان کی فیس جمع نہ کرائی تو سال ضائع ہو جائے گا امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی۔" شازیہ کے آگے نازو کی ایک نہ چلی اس نے جھوٹ سچ بول کر نازو کو قائل کر ہی لیا۔

"مگر ان کا باپ تو کمرے کو تالا لگا کر چابی ساتھ لے گیا ہے۔"

"آپ کے گھر میں کوئی دوسری چابی ہے تو لا دیں میں ٹرائی کرتی ہوں۔" اور پھر تھوڑی سی کوشش کے بعد ایک چابی اس تالے کو لگ ہی گئی دونوں بہنیں غصے میں بھری باہر نکلیں شازیہ کو بھی فون کر کے انہوں نے ہی بلوایا تھا اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا تھا۔

"جاؤ مگر جلدی آ جانا اور دیکھو تمہارے باپ کو تم پر بہت غصہ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جیسا وہ چاہتا ہے ویسا ہی کرو نہیں تو وہ غصے میں آ کر تمہیں جان سے مار کے خود پھانسی چڑھ جائے گا۔"

"ممی! ابا ہمیں اس طرح گھر میں قید نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ ہمارا کالج جانا اور دوستوں سے ملنا ملانا ختم کرا سکتے ہیں اگر وہ زبردستی کریں گے تو یہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔" حمیرا غصے میں بھری بول رہی تھی۔

"ایک دن ہم یہ گھر چھوڑ جائیں گے ہم لعنت بھیجتے ہیں اس گھٹے ہوئے ماحول پر ہمیں اپنی زندگی آپ جینا ہے۔" سمیرا بھی پھنکاری۔ پھر وہ دونوں تیار ہو کر پاؤں پٹختی شازیہ کے ساتھ چلی گئیں اور نازو ان کے انداز اور لہجے کی سختی پر غور ہی کرتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

ان کا سارا گروپ شازی کے گھر پہ جمع تھا ٹونی' شیری' حماد' اسد' جنید' اسماء سب نے انہیں دیکھ کر یاہو کا نعرہ لگایا۔ وہ سب ان سے اس نظربندی کی تفصیل پوچھنے لگے اور انہوں نے بھی باپ کے ظلم کی داستان بہت بڑھ چڑھ کر سنائی سب ینگ پارٹی اس زیادتی پر احتجاج کرنے لگی اور آخر ان سب باتوں کا لب لباب یہ نکلا کہ انہیں ظلم کے خلاف آواز اٹھانی ہے اور آزاد زندگی جینا ہے۔

"آج حمی اور سیمی کی آزادی کی خوشی میں سب اسد کے فارم ہاؤس پر چلتے ہیں اور اس خوشی کو سیلیبریٹ کرتے ہیں کیوں اسد؟" حماد نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

"وائے ناٹ۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا پھر وہ سب انجوائے کرنے فارم ہاؤس جانے کے لیے تیار ہونے لگے۔

شازیہ کے ممی پاپا اکثر ورلڈ ٹور پر رہتے تھے وہ والدین کی اکلوتی اولاد تھی گھر میں ملازم تھے کل وقتی ماسیاں تھیں لہٰذا وہ ہر طرح سے آزاد تھی۔ کھلے عام لڑکوں سے ملنا آدھی آدھی رات تک گھر سے باہر رہنا یہی اس کی زندگی تھی۔

"واؤ ہاؤ سویٹ! یار کتنی پیاری جگہ ہے بالکل خوابوں کی جنت۔" اسماء نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس لیے تو تم سب کو اس خوابوں کی جنت کی سیر کروانے لائے ہیں تاکہ خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھر سکیں۔" حماد نے بڑے انداز سے کہتے ہوئے اسد کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری جواب میں اسد نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

وہ لوگ باقاعدہ پکنک کا پروگرام بنا کر آئے تھے اسی لیے کھانے پینے کی ڈھیروں چیزیں ان کے ساتھ تھیں۔

"کیا خیال ہے پہلے پیٹ پوجا نہ کر لی جائے۔"

"اویس۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا' ہنستے کھیلتے قہقہے لگاتے اس وقت وہ سب دسترخوان پہ موجود تھے اپنے اپنے من چاہے ساتھی کے ہمراہ دکھوں سے دور خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے "اصل زندگی تو یہی ہے" حمیرا اور سمیرا خوشی سے بے قابو ہوئی جا رہی تھیں۔

کھانے کے بعد اس سارے گروپ نے گھوم پھر کر پورا فارم ہاؤس دیکھا وہ اپنے اپنے من پسند ساتھی کے ہاتھ میں ہاتھ دیے گھوم رہے تھے ہنس رہے تھے ان کے نزدیک یہی ان کی زندگی تھی۔

"چلو یار اب ذرا اندر سے بھی دکھا ہی دو۔" حماد نے اسد کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ تب وہ سب لوگ ڈرائنگ روم میں چلے آئے بہت خوب صورت طریقے سے گھر کو سجایا گیا تھا قیمتی فرنیچر' کارپٹ' پردے فانوس۔ ڈیکوریشن پیسز حمیرا سمیرا حیران نظروں سے ہر چیز کو دیکھ رہی تھیں ایسا گھر اور ماحول تو صرف خوابوں میں ہی نظر آ سکتا ہے اسی خواب کو سچ کرنے کے لیے وہ ٹونی اور شیری کی رفاقت میں بہت آگے آ گئی تھیں مگر وہ نہیں جانتی تھیں کہ کچھ خوابوں کی تعبیر بہت بھیانک ہوتی ہے۔

"یہ لو! انجوائے کرو۔" اسد نے ڈرنک کی بوتل اور گلاس ٹیبل پر رکھے ایک برتن میں برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے الگ سے رکھے تھے۔

"تم لوگ ڈرنک کرتے ہو۔" حمیرا حیران تھی۔

"لو! تمہیں نہیں پتا یہ محترم تو اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں۔" اسما نے "بہت کچھ" کو بڑے معنی خیز انداز میں ادا کیا تھا شازیہ اور اسما ایک ساتھ مسکرانے لگیں۔

"تم لوگ نہیں لو گی؟" اسد نے گلاس حمیرا کی طرف بڑھایا۔

"نہیں پلیز تھینکس۔" وہ گھبرا گئی۔

"اوکے۔" وہ مسکرایا او چیئرز کہتے ہوئے اسد' حماد ٹونی اور شیری نے اپنے اپنے گلاس لبوں سے لگا لیے...... جبکہ شازیہ اور اسما نے سگریٹ سلگا لیے تھے انہوں

www.Paksociety.com

نے حمیرا اور سمیرا کو بھی آفر کی تھی مگر دونوں نے ہی انکار کر دیا آج وہ کچھ نروس سی تھیں۔

"اوکے فرینڈز! انجوائے یور سیلف۔" حماد نے اسما کا ہاتھ پکڑا اور اوپر والے پورشن کی طرف بڑھا۔

جنید نے بھی شازی کو اشارہ کیا اور وہ دونوں ــــــ باہر راہداری کی طرف بڑھ گئے اب لاؤنج میں اسد' ٹونی' شیری اور وہ دونوں رہ گئی تھیں۔ وہ یہاں کے ماحول سے کچھ کچھ خوفزدہ تھیں۔

"ٹونی ہمیں گھر چھوڑ آؤ رات ہونے والی ہے۔" حمیرا فکرمندی سے بولی۔

"ارے پریشان کیوں ہوتی ہو سوئیٹ ہارٹ ہم ہیں نا تمہیں خود چھوڑ کر آئیں گے۔ بس تھوڑی دیر تک چلتے ہیں۔"

"نہیں ٹونی! آج یہ ہماری مہمان ہیں۔ تم سب چلے جانا۔" اسد کے لہجے میں جانے کیا تھا حمیرا کا دل ڈوب سا گیا۔

"نن' نہیں۔ آ...... آج بابا آنے والے ہیں ہمیں گھر پہ نہ دیکھ کر ناراض ہوں گے تمہیں تو پتا ہے ہم چھپ کر آئے ہیں۔"

"ارے کم آن کچھ نہیں ہوتا یار کیوں شیری اینڈ ٹونی کیا خیال ہے۔" اسد نے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جیسے تم کہو یار۔" وہ دونوں مسکرا دیے۔

"نہیں اب ہمیں چلنا چاہیے بابا آگئے ہوں گے۔" سمیرا ان کے لہجے کی معنی خیزی سے خوفزدہ تھی دونوں بہنیں سہمی ہوئی سی دروازے کی طرف بڑھیں۔

"نہیں بیٹھی رہو خاموشی سے! ٹونی سارے دروازے بند کر دو۔" اسد کی تحکمانہ آواز نے کمرے کا سکوت توڑا۔

"اوکے باس۔" ٹونی فرماں برداری سے کہتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ دونوں جی جان سے لرز گئیں انتہائی خوف کے عالم میں پلٹ کر انہوں نے اک نظر اسد کو دیکھا اور پھر بند دروازے کی طرف دیکھا تھا ان کے جسم جیسے بے جان ہوئے جا رہے تھے اور آنکھوں کے سامنے دھند چھانے لگی۔

✡ ✡ ✡

"یا اللہ خیر! اتنی دیر ہو گئی وہ دونوں ابھی تک نہیں آئیں' آدھے گھنٹے کا کہہ کر گئی شازیہ دوپہر بارہ بجے کی گئی ہیں شام کے آٹھ بج رہے ہیں اگر خادم آگیا تو میں اسے کیا جواب دوں گی۔" نازو حد درجہ متفکر تھی دو بار اس نے شازیہ کے گھر فون کیا تھا ہر بار ملازم نے یہی کہا تھا کہ وہ گھر پہ نہیں ــ اور موبائل اس کا آف تھا۔

"یا اللہ میں کیا کروں کہاں جاؤں تو ہی میری مدد فرما۔" وہ بہت پریشان تھی بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی اور پھر یوں ہی ساری رات گزر گئی اور دن کا اجالا ہر سمت پھیل گیا یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس کی بیٹیاں ساری رات گھر سے باہر رہی تھیں۔

"نہ جانے وہ کہاں ہیں کسی حال میں ہیں الٰہی تو ان کی مدد فرما۔" وہ بار بار ہاتھ پھیلائے دعا کر رہی تھی لاکھ وہ آزاد خیال سہی لیکن تھی تو جوان بچیوں کی ماں آج اسے خادم کی کہی باتیں یاد آ رہی تھیں اب صحیح معنوں میں اسے حالات کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔

وہ ساری رات اس نے انگاروں پہ گزاری تھی صبح ہو گئی تھی۔ مگر اس کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے تاریکیاں ٹھہر گئی تھیں جب دل کی بے چینی کسی طور کم نہ ہوئی تو اس کے قدم شازیہ کے گھر کی طرف اٹھنے لگے۔

"شازی بی بی تو گھر پہ نہیں ہیں جی۔" چوکیدار نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"وہ...... وہ کل دوپہر میری بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیا وہ گھر آئی تھیں؟"

"ہاں جی وہ یہاں آئی تھیں شازی بی بی کے سب دوست بھی ادھر تھے پھر وہ سب گاڑیوں میں بیٹھ کر کہیں گھومنے چلے گئے اس وقت سے اب تک کوئی نہیں آیا۔" نازو کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی

جلدی سے دیوار کا سہارا لے کر اس نے اپنے حواس قابو کرنے چاہے اس کے آس پاس دھماکے ہو رہے تھے وجود جیسے بے جان ہوا جا رہا تھا۔

"یا اللہ کہاں جاؤں کس سے پتا کروں۔" وہ وہیں بیٹھ کر بے بسی سے رونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اٹھی اور گھر کی طرف چل دی اس کا دل' دماغ اور اس کے پاؤں کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ خالی گھر میں وہ خوفزدہ سی بیٹھی تھی۔

"کہاں پتا کروں ان کا؟ میں خادم کو کیا جواب دوں گی۔" وہ مسلسل یہی دو باتیں سوچ رہی تھی آخر سارا دن گزر گیا شام سے رات ہو گئی اس کا دل انجانے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا۔

رانو سے فی الحال اس نے یہ بات چھپائی تھی یا وہ گھریلو ملازمین کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھی انہیں ذرا سا اشارہ بھی مل جائے تو چھوٹی سی بات بھی داستان بن جایا کرتی ہے ویسے بھی رانو صبح منہ اندھیرے آتی تھی سارا دن کام نبٹا کر رات نو دس بجے واپس چلی جاتی تھی وہ ان دونوں کی غیر حاضری محسوس ہی نہ کر سکی اس کے خیال میں وہ کالج اور پارٹیز کی سرگرمیوں میں مصروف تھیں۔

✡ ✡ ✡

اماں پاگل کو اچانک ہی دورہ پڑ گیا تھا۔ ان کے ساتھ والے بیڈ پر موجود مریض نے نہ جانے کیسے شیشے کا گلاس توڑ دیا تھا اور پھر اس کی کرچیوں سے اپنا ہاتھ زخمی کر بیٹھا۔ اس کے ہاتھ سے نکلتے خون کو دیکھ کر اماں پاگل اچانک "خون' خون" چلانے لگیں ایک نرس زخمی کی مرہم پٹی کر رہی تھی باقی اماں کو سنبھال رہی تھیں جو زخمی کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ انداز میں چلا رہی تھیں خوف سے ان کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی وارڈ بوائے کی اطلاع پر ڈاکٹر عادل فوراً ہی وارڈ میں پہنچ گئے تھے۔

"کیا ہوا اماں جی؟" انہوں نے اماں کو پیار سے ساتھ لگایا۔

"وہ...... وہ خون...... لاش...... لاش۔"

"کس کا خون؟ کس کی لاش؟ ہوش میں آئیں اماں جی۔" ڈاکٹر عادل نے سنبھالا۔

"وہ وہ وہاں ہے لاش وہ وہ مر گیا اس کی لاش پڑی تھی اس کا خون نکلا تھا اور...... اور وہ زخمی ہو گیا تھا ہاں۔"

"کون زخمی ہوا کس کی لاش تھی؟" ڈاکٹر عادل الجھے۔

"وہ...... وہاں میرے گھر میں...... خون' لاش۔" وہ حد درجہ ہراساں تھیں پھر وہ چکرائی اور گرنے ہی لگی تھیں کہ ڈاکٹر نے انہیں سنبھال لیا۔

"نرس مجھے لگتا ہے کہ ان کی یادداشت واپس آ رہی ہے تم ایسا کرو ذرا انہیں سنبھالو تاکہ میں لائبہ کو فون کر کے یہ خوشخبری سنا دوں۔"

"ہاں لائبہ! میں عادل بات کر رہا ہوں ہاں سب ٹھیک ہے تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے یہاں آنے پر بتاؤں گا جلدی پہنچو اوکے اللہ حافظ بیٹا۔" فون بند کر کے وہ پھر سے اماں کی طرف متوجہ ہو گئے جو ڈری سہمی نظروں سے اس زخمی کی طرف دیکھ کر زیر لب کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ وہ کئی مہینوں سے ان پر محنت کر رہے تھے اور ان کی بھرپور کوشش کی تھی ان کی یادداشت جلد سے جلد واپس آجائے اور آج اللہ نے یہ معجزہ کر دیا تھا انہیں امید تھی کہ اب وہ بہت جلد سب کچھ بتا دیں گی انہیں بے چینی سے اس لمحے کا انتظار تھا جو بس آیا ہی چاہتا تھا۔

✡ ✡ ✡

دو دن سے وہ گھر میں اکیلی تھی یہ تمام عرصہ اس نے انتہائی اذیت میں گزارا تھا تنہائی' بیٹیوں کی گمشدگی' شوہر کا خوف' آنے والے وقت کا خوف نہ جانے آگے کیا ہونے والا تھا۔

اگلی صبح خادم لوٹ آیا اس کے آنے سے نازو کو کچھ ڈھارس ہوئی۔

"وہ دونوں اندر ہی ہیں نا؟"

"ہاں ہاں کمرے میں ہی ہیں۔" نازو نے بڑی

www.Paksociety.com

مشکل سے آواز اور ٹانگوں کی کپکپاہٹ پر قابو پایا۔

"کھانا دانا دیتی رہی ہونا۔"

"ہاں سب کچھ دیتی رہی ہوں۔ تم منہ ہاتھ دھولو میں ناشتا تیار کرواتی ہوں۔" اس نے جلدی سے بات بنائی۔ جتنی دیر وہ ناشتا کرتا رہا نازو نے اسے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھائے رکھا تاکہ اسے بچیوں کا خیال نہ آئے۔

"انہیں بھی ناشتے پر بلالے۔"

"وہ۔۔۔۔ وہ کرچکی ہیں تمہارے آنے سے پہلے۔"

"ہاں یاد آیا میں غلطی سے چابی ساتھ ہی لے گیا تھا تو انہیں کھانا وغیرہ کیسے دیتی تھی؟"

"وہ۔۔۔۔ وہ کھڑکی کے ذریعے ویسے بھی دوسری چابی تھی میرے پاس۔" نازو نے آنکھیں چرائیں۔

"میں نے ایک دو لوگوں سے ان کے رشتوں کی بات کی ہے دو تین معقول رشتے ہیں میری نظر میں اس بار میں جاؤں گا تو چھان بین کروالوں گا پھر کسی دن تو میرے ساتھ چلنا اور لڑکے پسند کر کے بات پکی کر لینا بس چند مہینے تک ان دونوں کی شادی کر دوں گا کچھ دینا دلانا نہیں ہوگا ہمارے ہی جیسے درمیانے طبقے کے لوگ ہیں سب کچھ سادگی سے ہوگا۔"

"ہوں ٹھیک ہے جیسے تیری مرضی۔" نازو کی آواز جیسے کنویں سے آرہی تھی۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تیری۔"

"ہاں۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ ٹھیک ہوں میں۔" وہ گڑبڑا گئی۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی خادم اٹھ کر باہر آگیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اندر آگیا۔

"نازو! میں ذرا تھانے تک جارہا ہوں وہ شیرا ہے نا میرا ساتھی ڈرائیور اس کے بھائی کی موٹر سائیکل چوری ہوگئی ہے رپٹ لکھوانے جانا ہے۔ واپس آکر میں ان دونوں سے بات کرتا ہوں۔" بیٹیوں کے کمرے کے باہر لگے تالے کو دیکھ کر وہ مطمئن انداز میں بولا اور نازو کا دل نیچے ہی نیچے ڈوبنے لگا۔

وہ شیرے کے ساتھ تھانے میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔

"ہاتھ ہٹاؤ منہ سے بی بی۔۔۔۔ اتاریں جی ان کی تصویریں! یہ دوپٹے پیچھے کرو اب بڑی شرم آرہی ہے جب اپنے عاشقوں کے ساتھ ان فلیٹوں میں، خالی گھروں میں اور سنسان علاقوں کی کوٹھیوں، بنگلوں میں ملنے جاتی ہو اس وقت شرم نہیں آتی اس وقت ماں باپ کی عزت کا خیال نہیں ہوتا تم لوگوں کو منہ سے اتارو یہ دوپٹے کے نقاب۔" ایک پولیس افسر دو تین لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ گھیرے میں لیے کھڑا تھا ایک اخباری رپورٹر ان کی تصویریں بنا رہا تھا دوسرا تفصیلات ایک نوٹ بک پر درج کر رہا تھا۔

"ہم نے چھاپہ مار کر ہیروئن، شراب اور ان سب کو اس فارم ہاؤس سے برآمد کیا ہے مخبری ہوئی تھی باقاعدہ ریڈ کی ہے ہم نے کچھ اسلحہ اور جعلی کرنسی بھی برآمد ہوئی ہے۔" وہ پولیس والا صحافی کو بتا رہا تھا۔

"وہ علاقہ بہت سنسان اور بدنام ہے جی پہلے بھی کئی بار اس جگہ سے ہم نے کئی لوگوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا ہے مگر فارم ہاؤس کا مالک بڑا اونچا بندہ ہے اس کا بھائی قومی اسمبلی کا ممبر ہے اس لیے معاملہ دب جاتا ہے رشوت دے کر اور تعلقات کی وجہ سے وہ لوگ صاف بچ جاتے ہیں۔"

"نہ جانے یہ لڑکیاں کس کی بیٹیاں ہیں کس کی بہنیں ہیں۔" خادم ان کے بارے میں سوچنے لگا وہ سب نیم دائرے میں کھڑے تھے لڑکیوں کی اس کی طرف پشت تھی البتہ لڑکوں کے چہرے صاف نظر آرہے تھے شکلوں سے وہ کافی امیر گھروں کے لگتے تھے۔

"کیا نام ہے تمہارا؟

"اسما۔"

"باپ کا؟"

"فاروق خان کیا کرتا ہے؟"

"کاٹن فیکٹری ہے ہماری الفاروق کے نام سے۔"

"اور تم بی بی؟" پولیس افسر دوسری لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ خادم نے یوں ہی ذرا سا آگے ہو کر دیکھنا چاہا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟

"حمیرا۔"

"باپ کا نام؟"

"خادم حسین؟" "کیا کرتا ہے؟"

"ڈرائیور ہے۔" حمیرا کی پھنسی پھنسی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی وہ تڑپ کر آگے بڑھا اس کی دونوں بیٹیاں پولیس کے نرغے میں کھڑی تھیں قریب ہی تین چار امیر ترین لیکن لوفر قسم کے لڑکے بھی موجود تھے۔

"ان سب کو ہم نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے جی یہ لڑکے پہلے بھی کئی بار ایسے کیسوں میں پکڑے گئے ہیں لیکن ان کے بڑے ہر بار ان کی ضمانتیں کروا لیتے ہیں اور تم بی بی تمہارا کوئی ضمانتی، کوئی والی وارث جہاں اطلاع دی جاسکے؟" صحافی کو تفصیل بتا کر وہ پھر سے حمیرا سے مخاطب تھا صرف ایک لمحے کے لیے خادم کا دل لرزا، کانپا اور پھر کہیں نیچے ڈوبتا گیا اس کی بیٹیاں جرائم پیشہ لڑکوں کے ساتھ بدنام علاقے سے بے حیائی کے اڈے سے پکڑی گئی تھیں وہ ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گیا دل پر ہاتھ رکھے وہ نیچے جھکتا گیا شیرا بدحواس سا اسے سنبھالنے کو آگے بڑھا تھا۔

☼ ☼ ☼

نازو بے چینی سے ٹہل رہی تھی خادم کو تھانے گئے کافی دیر ہوگئی تھی ادھر اس کی بیٹیوں کی کچھ خبر نہ تھی۔ تین گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد کال بیل ہوئی رانو دروازے کی طرف بڑھی اس کے پیچھے ہی نازو بھی گھبرائی ہوئی چل دی۔ گیٹ کھولنے پر شیرا، خادم کو سہارا دیے اندر لے آیا خادم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا گہرے گہرے سانس لیتا بہت مشکل سے چل رہا تھا۔

"کیا ہوا خادم۔" نازو نے جلدی سے آگے بڑھ کر دوسری طرف سے اسے سہارا دیا۔

"وہ بھابھی، تھانے میں اچانک ہی اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی میں فوراً ہی ڈاکٹر کے پاس لے گیا کتنی دیر اس نے وہاں لٹائے رکھا اب طبیعت سنبھلی ہے تو آئے ہیں اسے لٹادو اور یہ گولیاں تین ٹائم دینی ہیں اچھا اب میں چلتا ہوں اس کا خیال رکھنا۔" شیرا تفصیل بتا کر واپسی کے لیے مڑ گیا۔ اس نے اسے بیڈ پر لٹا دیا اور خود بھی پاس ہی بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا تجھے خادم؟"

"دونوں کہاں ہیں؟" اس کا سوال نظرانداز کر کے خادم نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ۔۔۔۔ وہ اندر ہیں کمرے میں۔"

"جھوٹ نہ بول نازو! وہ کمرے میں نہیں تھانے میں ہیں پولیس نے چھاپہ مار کر تیری بیٹیوں کو آوارہ لڑکوں کے ساتھ بے حیائی کے اڈے سے برآمد کیا ہے ہیروئن اور شراب سمیت۔"

"یہ، یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"سچ کہہ رہا ہوں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آرہا ہوں کاش یہ سب دیکھنے سے پہلے مجھے موت آجاتی یا اللہ اتنی ذلت، اتنی بدنامی، ایسی آزمائش میں نے کون سا ایسا جرم کیا تھا جس کی مجھے اتنی سخت سزا دی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا نازو آنکھیں پھاڑے بدحواس سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کل کے اخبار میں تصویریں چھپیں گی ان کی، ساتھ میں مرچ مسالا لگا کر اسٹوریاں بھی شائع ہوں گی سارا شہر تھوکے گا مجھ پر میں نے بہت کوشش کی تھی انہیں تباہی سے بچانے کی پر تو نے میری ایک نہ چلنے دی اسی۔۔۔۔ اسی وقت سے ڈرتا تھا میں۔ آج سرعام میری عزت نیلام ہوگئی۔ اتنا شکر ہے شیرا محرر سے الجھ رہا تھا اسے پتا نہیں چلا وہاں تیری بیٹیوں کی موجودگی کا، تو نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ وہ کمرے میں ہیں جب میں تجھے منع کر کے گیا تھا تو کیوں کھولا تالا۔"

"وہ شازیہ آئی تھی کہ امتحان کی فیس جمع کرانی ہے اور کچھ ضروری کاغذ لینے جانا ہے آدھے گھنٹے کے لیے انہیں بھیج دو مجھے کیا پتا تھا وہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

"نازو تیری شہ پر وہ اتنی خود مختار ہوگئیں تم ماں

www.Paksociety.com

بیٹیوں نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا کل..... کل سارا شہر جان لے گا تیری بیٹیوں کے کرتوت تو جیسی خود تھی ویسا ہی انہیں بنادیا تونے اپنے ماں باپ کی عزت رکھی نہ میری رہنے دی تونے جو کچھ اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا تھا وہی تیری بیٹیوں نے تیرے اور میرے ساتھ کیا نازو تو نہ تو اچھی بیٹی بن سکی نہ اچھی بیوی نہ اچھی ماں کل کا سورج میری موت کا پیغام لے کر آرہا ہے سارا زمانہ ہنسے گا مجھ پر میری بیٹیاں بے حیائی کے اڈے سے گرفتار ہو کر تھانے میں بند ہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخا۔

"خادم کیا ہوگیا ہے تجھے ہوش میں آ۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہٹ جا پیچھے مت میرے پاس آ سارا کیا دھرا تیرا ہے اس فساد کی جڑ تو ہے تیری دی ہوئی آزادی بلاوجہ حمایت ــــ نے آج یہ دن دکھایا ہے آج سے تیرا میرا کوئی رشتہ نہیں میرے سامنے سے ہٹ جا۔" جنونی انداز میں اسے ایک طرف دھکا دے کر وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔

خادم کو گھر سے نکلے کافی دیر ہوگئی تھی ایک طرف بیٹیوں کی بدنامی دوسری طرف شوہر کی گمشدگی وہ بے بسی سے رونے لگی اس نے ایمانداری سے اپنا احتساب کیا تو سارا قصور اسے اپنا ہی نظر آیا چونکہ خادم کے ساتھ اس کی شادی ہنگامی حالات میں اور اس کی مرضی کے بغیر ہوئی تھی اس لیے شروع دن سے وہ اس کی بدترین مخالف بن گئی اسے اذیت دے کر خوش ہوتی تھی بچیوں کو بھی اس نے خاوند کی ضد میں آزادی دی تھی اور اس کے نتیجے میں آج اس کا گھر، اس کی زندگی دونوں تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ گئے تھے نہ جانے وہ کب تک بیٹھی روتی رہی اللہ سے گڑگڑا کر معافیاں مانگتی رہی۔

"خادم آجائے تو میں اس کے پاؤں پکڑ کر اپنی ساری غلطیوں کی معافی مانگ لوں گی۔" اس نے عزم کیا بیل کی آواز پر وہ تیزی سے اٹھی اور گیٹ کی طرف لپکی رانو اس سے پہلے ہی گیٹ کھول چکی تھی سب سے پہلے شیرا اندر داخل ہوا اس کے پیچھے تین چار لوگ اور تھے جو ایک چارپائی اٹھائے اندر داخل ہوئے۔ نازو نے حیران سی نظر شیرے کے سوگوار چہرے پر ڈالی۔

"شیرے! خادم کہاں ہے؟" مری مری آواز میں اس نے پوچھا شیرے نے کوئی جواب نہ دیا ان لوگوں نے چارپائی صحن میں رکھ دی جس پر ایک بے حس وجود پڑا تھا جسے ایک چادر سے ڈھانپا گیا تھا وہ چادر خون سے لت پت تھی۔ نازو نے اک نظر چارپائی پر ڈالی پھر شیرے کو دیکھا۔

"بتاتے کیوں نہیں خادم کہاں ہے اور یہ، یہ کون ہے۔" نازو خوفزدہ سی اسے جھنجھوڑنے لگی۔

"وہ..... بھابھی..... وہ خادم نے ریل گاڑی کے نیچے آ کر خودکشی کرلی۔"

"کیا؟" نازو ہراساں سی اسے دیکھنے لگی اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"ہاں بھابھی موقع پر موجود لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ جان بوجھ کر پٹڑی پر لیٹ گیا تھا جب تک کوئی اسے بچانے کی کوشش کرتا تب تک سب کچھ ختم ہوگیا۔" شیرا سوگواری سے کہنے لگا۔

"صبر کریں بھابھی! اس کی اتنی ہی زندگی تھی اور اس کی موت بھی اسی طرح لکھی تھی۔ مگر ایک بات کہوں گا بھابھی اسے اس کی بیٹیوں نے مار دیا وہ یہ بدنامی برداشت نہ کرسکا۔ کاش آپ نے خادم کی بات مان لی ہوتی اور بیٹیوں پر کنٹرول کرلیا ہوتا۔" شیرا نہ جانے کیا کیا کہتا رہا وہ ساکت کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں اور سائیں سائیں کرتے کانوں سے سن رہی تھی۔ پھر جیسے وہ حواسوں میں آئی وہ بے اختیار ہی آگے بڑھی اور چارپائی پر لیٹے وجود پر سے چادر ہٹادی۔ سامنے ہی خادم کا مسخ شدہ چہرہ خون میں لت پت پڑا تھا۔ ایک لمحے میں اس کا دماغ چکرایا آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر اس نے چیخ دبانے کی کوشش کی تھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی اور پھر چکرا کر گر گئی اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

✡ ✡ ✡

"جی انکل! اب بتائیں وہ سرپرائز کیا ہے، جس کا آپ نے فون پر ذکر کیا تھا میں بہت سے ضروری کام چھوڑ کر آئی ہوں۔" وہ بے تابی سے بولی۔

"ہاں بیٹا! تمہارے لیے بہت بڑا سرپرائز ہے وہ یہ کہ اماں پاگل کی یادداشت واپس آرہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب اسے اپنی گزشتہ زندگی کے واقعات یاد آجائیں گے چلو اک کوشش کرتے ہیں۔" ڈاکٹر عادل جوش سے بولے۔

"او تھینک گاڈ! شکریہ انکل یہ تو بہت بڑی خوشی اور کامیابی کی بات ہے آپ کو پتا ہے کتنے مہینوں سے میں اس لمحے کی منتظر تھی شکر ہے کہ آپ کی محنت کوشش اور میری دعائیں رنگ لائیں۔" وہ بچوں کی سی خوشی سے بولی۔

"چلیں اٹھیں۔" اس نے بیگ اٹھایا اور کھڑی ہو گئی۔

"بیٹا چائے آرہی ہے چائے تو پی لو۔"

"نہیں انکل اب مجھ سے مزید صبر اور انتظار نہیں ہوتا چائے وہیں وارڈ میں پی لیں گے۔" وہ بے تابی سے وارڈ کی طرف بڑھی اور ڈاکٹر عادل مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے قدم اٹھانے لگے۔

"ارے! یہ تو۔" لائبہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔

"جی بیٹا ہوگئیں نا آپ بھی حیران۔" ڈاکٹر عادل مسکرائے۔ لائبہ نے ایک بار پھر بغور اماں پاگل کی طرف دیکھا نہائی دھوئی صاف کپڑوں میں ملبوس سلیقے سے بنے ہوئے بال، یہ تو کہیں سے بھی اماں نہیں لگ رہی تھیں بلکہ وہ بڑی ینگ دکھائی دے رہی تھیں بمشکل چالیس بیالیس سال کی خاتون تھیں۔ ہسپتال میں ان کی بہت دیکھ بھال کی گئی تھی آج ان کا اصل رنگ روپ نکھر کر سامنے آیا تھا بلاشبہ وہ بہت خوب صورت نقش و نگار کی مالک عورت تھیں چند لمحوں کے لیے تو لائبہ مبہوت ہی رہ گئی۔ پھر وہ ان کے بیڈ کے پاس بیٹھ کر ان کا حال چال پوچھنے لگی وہ آہستہ آہستہ جواب دینے لگیں۔

اس عورت کی آنکھوں میں مستقل اداسی کا راج تھا۔ لگتا تھا کوئی دکھ اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا ہے۔

"اماں جی۔ او سوری آنٹی! میرا نام لائبہ ہے میں ایک صحافی ہوں آج سے چند ماہ پہلے میں ہی آپ کو سڑک سے اٹھا کر یہاں لائی تھی تب آپ ہوش و حواس سے بے گانہ تھیں اللہ کا شکر ہے کہ اب آپ ٹھیک ہیں آپ کون ہیں۔ کہاں سے آئی ہیں۔ آپ کے ساتھ کیا ہوا جس کی وجہ سے آپ یہاں پہنچ گئیں میں یہ سب جاننا چاہتی ہوں۔ ہماری میگزین کا ایک سلسلہ ہے "دبی آوازیں" اس میں ہم ان عورتوں کی کہانیاں چھاپتے ہیں جو مظلوم ہوں اور زمانے کی ستائی ہوئی ہوں۔" لائبہ نے بولتے بولتے ایک لمحے کے لیے رک کر ان کی طرف دیکھا ان کے چہرے کئی رنگ آکر ٹھہر گئے تھے اور آنکھوں میں بہت کچھ مچل رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ کے اندر بہت کچھ ہے کہنے کے لیے آپ مجھ پر اعتماد کرکے مجھے اپنے بارے میں بتائیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ ان لوگوں کو ضرور بے نقاب کروں گی جنہوں نے آپ کے ساتھ ظلم کیا اور آپ کی کہانی منظر پر لاؤں گی تاکہ دوسرے پڑھنے والوں کو بھی نصیحت ملے ہوسکتا ہے کہ آپ کی کہانی پڑھ کر کسی کی زندگی سنور جائے کسی کی اصلاح ہوجائے اور کسی ظالم کو سزا مل سکے۔" لائبہ کی باتوں نے جیسے اس عورت کے دل پر اثر کیا تھا وہ بے چین سی دکھائی دینے لگی اس کے چہرے پر اک دکھ کی لکیر اور آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں واضح طور پر نظر آرہی تھیں۔

"ہاں میں بتاؤں گی تمہیں۔" وہ اچانک بولیں۔

"سب کچھ بتاؤں گی تاکہ میری کہانی پڑھ کر دوسروں کو نصیحت ملے لیکن! آج نہیں کل۔ کل میں تمہیں سب کچھ بتادوں گی۔" وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔

لائبہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اپنے ماضی کے

www.Paksociety.com

متعلق بتانے پر تیار ہو گئی تھیں وہ ان سے ہاتھ ملا کر آرام کرنے کا کہہ کر چلی آئی۔

آفس آکر بھی وہ بے چین رہی اسے شدت سے اگلے دن کا انتظار تھا رات بھر وہ سکون سے سو نہیں سکی۔ اگلے دن آفس کے چند ایک ضروری کام نمٹا کر وہ کلینک چلی آئی۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" لائبہ نے دوستانہ مسکراہٹ سے پوچھا۔

"وعلیکم السلام ٹھیک ہوں۔" جواب میں وہ بھی ہلکے سے مسکرائیں۔ کچھ دیر لائبہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی ڈاکٹر عادل راؤنڈ لگا کر اپنے روم میں واپس جا چکے تھے۔

"ہاں جی اب بتائیں آنٹی آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئی ہیں کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ؟" لائبہ نے جلدی سے کاغذ قلم سنبھال لیا۔

"یہاں نہیں وہاں باہر لان میں چلتے ہیں۔ میں اکیلے میں تم سے بات کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگیں۔ لائبہ نے اٹھنے میں ان کی مدد کی پھر وہ دونوں ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے لان میں چلی آئیں ہر طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں گھاس پر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے لائبہ کے چہرے پر اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔

"کیا تم اس شخص کو سزا دلوا سکتی ہو جو اصل فساد کی جڑ ہے۔ جس کی وجہ سے آج میں یہاں پہنچ گئی ہوں۔"

"جی ضرور۔ اگر آپ مجھے سب کچھ سچ سچ بتائیں گی کوئی بات نہیں چھپائیں گی اور اس شخص کے متعلق بالکل صحیح بتائیں گی تو میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے مجرم کو عدالت کے کٹہرے تک ضرور پہنچاؤں گی لیکن اگر آپ کے پاس اس کے خلاف ثبوت ہوئے تو وہ بھی حقائق پر مبنی ثبوت۔" لائبہ کی باتوں سے انہیں کچھ ڈھارس بندھی تھی۔

"بیٹا۔ وہ شخص اب کہاں ہے۔ کس شہر میں ہے زندہ بھی ہے یا۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ لیکن اگر وہ زندہ ہے اور کبھی میرے سامنے آگیا تو میں اسے پہچان لوں گی۔ ویسے بھی میرے پاس اس کی کئی نشانیاں ہیں جنہیں میں ثبوت کے طور پر دکھا سکتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ بس ایک بار میں اس شخص کا گریبان پکڑ کر اس سے پوچھ سکوں کہ اس نے میرے ساتھ اتنا بڑا ظلم کیوں کیا۔" وہ سسکی اور پھر دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرنے لگیں۔

"میں تمہیں سب کچھ شروع سے بتاتی ہوں تاکہ تمہیں میری کہانی سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔" انہوں نے چند لمحے خلا میں دیکھا جیسے اپنے ذہن میں لفظ ترتیب دے رہی ہوں۔ اس لمحے ان کی آنکھوں میں بہت کچھ جل بجھا تھا اور چہرے پر گہرے دکھ کی چھاپ تھی۔ لائبہ ان کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اس نے ٹیپ آن کیا ساتھ ہی کاغذ قلم سنبھال لیا۔ تاکہ ضروری پوائنٹ نوٹ کر سکے۔ انہوں نے اک ٹھنڈی سانس بھری۔ چند لمحے خلا میں کسی نادیدہ نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی رہیں پھر گویا ہوئیں۔

"میں گجرات کی رہنے والی ہوں۔ میرا نام نازو ہے۔"

"اچھا تو یہ ہے ساری کہانی۔" لائبہ نے کاغذ قلم سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹا! یہی ہے میری بربادی کی کہانی۔ میرا اصل مجرم زلفی ہے اگر وہ مجھے چھوڑ کر نہ جاتا دھوکہ نہ دیتا تو کبھی بھی میرے ماں باپ میری شادی خادم سے نہ کرتے اور نہ ہی میں ضد میں آکر خادم کو اذیت دینے کے لیے اپنی بچیوں کی غلط تربیت کرتی۔ اس زلفی کے کہنے پر ہی میں نے اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑا تھا اگر وہ مجھے اپنا لیتا تو آج میں اس کے گھر میں آباد ہوتی۔" نازو نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کیے۔

"آنٹی آپ بتا رہی تھیں کہ آپ کے پاس اس شخص کی کچھ نشانیاں ہیں کیا آپ مجھے بتائیں گی ان کے بارے میں تاکہ اس شخص کے خلاف ثبوت پیش کیے جا سکیں۔"

"ہاں میرے پاس اس کی ایک تصویر ہے۔ ایک خط

ہے۔ تصویر ویسے تو سترہ اٹھارہ سال پرانی ہے مگر میں نے۔ بہت سنبھال کر رکھا ہوا ہے اس لیے اس شخص کی شکل آسانی سے پہچانی جا سکتی ہے۔ ایک چاندی کا لاکٹ ہے دل کی شکل کا وہ اس نے مجھے تحفہ دیا تھا اس لاکٹ میں ایک طرف میری تصویر ہے دوسری طرف اس کی اور ہاں ایک خط بھی ہے جب وہ مجھے اپنے دوست طیفا کے گھر بے یار و مددگار چھوڑ گیا تھا تو جاتے ہوئے میرے بیگ میں ایک خط چھوڑ گیا تھا جس میں اس نے لکھا تھا میں اس کا انتظار نہ کروں جہاں دل چاہے چلی جاؤں اور اس نے زیور اور پیسوں کے لیے میرا شکریہ بھی ادا کیا تھا اور لکھا تھا کہ یہ دونوں چیزیں آئندہ زندگی میں میرے بہت کام آئیں گی۔" نازو نے نہ جانے کتنی بار وہ خط پڑھا تھا کہ اس کی تحریر اسے زبانی یاد ہو گئی تھی۔

"یہ سب چیزیں میرے گھر پہ اب بھی موجود ہیں۔ یہ سچ ہے کہ زلفی نے مجھے دھوکہ دیا لیکن میں نے اس سے سچی محبت کی تھی جب بھی مجھے اس کی یاد ستاتی تھی اسے یاد کر کے رو لیتی تھی۔ میں نے سب چیزیں سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں جب بھی وہ یاد آتا خط اور تصویر نکال کر دیکھ لیتی اور رو لیتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب سے چھٹی مل جائے تو تم میرے ساتھ میرے گھر چلنا میں تمہیں سب چیزیں دکھاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے آنٹی! لیکن اب آپ رہیں گی کہاں میرا مطلب ہے اکیلے گھر میں کیسے رہیں گی اگر آپ چاہیں تو میں مسز ملک سے بات کروں ان کی این جی او میں اکیلی اور بے سہارا خواتین کے لیے ایک بہت بڑا گھر بنا ہوا ہے جسے سب سائبان کہتے ہیں آپ وہاں آرام سے رہ سکتی ہیں۔"

"نہیں بیٹا! میں اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی ہاں اگر مجھے اس اکیلے گھر میں خوف محسوس ہوا تو پھر کچھ اور سوچوں گی۔"

"ٹھیک ہے جیسے آپ کہیں میں ڈاکٹر انکل سے آپ کی چھٹی کی بات کرتی ہوں۔" لائبہ یہ کہتے ہوئے چیزیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

آج کئی مہینوں بعد اس نے اپنے گھر کی دہلیز پہ قدم رکھا تھا۔ لائبہ بھی اس کے ہمراہ تھی۔ دستک پر دروازہ رانو نے کھولا تھا۔ نازو کو سامنے دیکھ کر پہلے تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا پھر وہ۔ "بی بی جی۔" کہہ کر بے ساختہ اس سے لپٹ گئی تھی۔ دونوں کی آنکھیں بھر آئیں۔ پھر وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں لائبہ نے بھی ان کے پیچھے قدم بڑھائے وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔ انہیں بٹھا کر رانو جلدی سے پانی لے آئی۔

"رانو! یہ سب؟" نازو حیران تھی۔

"بی بی جی جب سے آپ گئی ہیں تب سے میں اس گھر میں ہوں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی مگر رات کو یہیں آکر سوتی تھی میرا شوہر اور بچے بھی یہیں آگئے تھے ہم نے اس گھر کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے دیکھ لیں جو چیز جہاں تھی اور جیسی تھی وہ وہیں ہے اب آپ آگئی ہیں تو میں واپس چلی جاؤں گی۔" رانو نے جلدی سے کہا۔

"نہیں نہیں! ایسی کوئی بات نہیں تم لوگ جب تک جی چاہے یہاں رہو بلکہ تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے میرے گھر کی حفاظت کی۔" نازو نے احسان

ذرد موسم
راحت جبیں
قیمت -/600 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.Paksociety.com

مندی سے کہا۔ چائے کے دوران ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں نازو نے حمیرا' سمیرا کی ضمانت کے متعلق بھی بات کی تھی۔

"آنٹی میں بابا سے بات کروں گی ان کے ایک دوست ہیں ایڈوکیٹ حسن رضا ان سے ضمانت کے لیے بات کریں گے۔" لائبہ نے تسلی دی تو نازو بھی مطمئن ہو گئی۔

"چلو آؤ میرے ساتھ۔" نازو اسے ساتھ لیے ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"بیٹھو۔" بیڈ کی طرف اشارہ کر کے نازو نے سیف کی درازیں کھولنا بند کرنا شروع کر دیں پھر ایک چھوٹا سا لوہے کا زنگ آلود صندوق اٹھائے اس کے پاس چلی آئی۔ اس کے قریب بیٹھ کر اس نے تالا کھولا اور صندوق میں موجود چیزیں باہر نکال لیں۔

"یہ لو پڑھو۔" اس نے رقعہ لائبہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے تیزی سے نظریں کاغذ پر دوڑانی شروع کیں۔ کس قدر مطلبی اور لالچی شخص تھا بے چاری کے سارے پیسے اور زیور لے اڑا۔ لائبہ کو افسوس ہوا۔

"یہ بھی دیکھو۔" اس نے لائبہ کی طرف لاکٹ اور تصویر بڑھائے۔ لائبہ نے لاکٹ کھول کر بغور اس تصویر کو دیکھا۔ تصویر اتنی چھوٹی تھی کہ اس شخص کے نقش کچھ واضح نہیں ہو رہے تھے۔ پھر اس نے دوسری تصویر کی طرف بغور دیکھا۔ اڑے ہوئے رنگوں والی رنگین تصویر جس کے رنگ کہیں کہیں سے ہلکے بلکہ خاصے مدھم پڑ چکے تھے۔ اس شخص کی شکل بڑی واضح نظر آ رہی تھی۔ لائبہ کو یوں لگا جیسے اس نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے اسے یہ نقش کچھ جانے پہچانے سے لگے تھے۔

"میں نے کہاں دیکھا ہے زلفی کو۔" اس نے آنکھیں پوری کھول کر تصویر کو دیکھا پھر ذہن پر زور دیا اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگی اور پھر جیسے اچانک لائبہ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔ وہ منہ کھولے حیرت زدہ بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا؟" نازو نے اسے یوں بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"آں ہاں.....؟" وہ چونکی۔

"کک کچھ نہیں۔" لائبہ جلدی سے بولی اس نے ایک بار پھر دل کی شکل کا وہ لاکٹ کھولا اور نازو اور زلفی کی اس میں لگی تصویروں کو اک بار پھر بڑے غور سے دیکھا پھر ساری چیزیں بیگ میں احتیاط سے رکھ لیں اس دوران ملازمہ چائے اور دیگر لوازمات لیے چلی آئی چائے کے دوران لائبہ اس سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی چائے پیتے ہی وہ اٹھی۔

"اچھا! آنٹی اب میں چلتی ہوں ان شاء اللہ جلد ہی دوبارہ ملاقات ہو گی۔" نازو اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

لائبہ پچھلے دو تین دن سے سخت پریشان تھی۔ وہ مسلسل زلفی کے متعلق سوچ رہی تھی اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس شخص کو جانتی ہے جیسے اس نے دیکھا ہے مگر کہاں؟ وہ سخت الجھن میں تھی۔ آج اتوار تھا بابا بھی گھر پر تھے۔ وہ دیر سے سو کر اٹھی تھی ناشتا بھی دیر سے کیا تھا ناشتے کے بعد بابا بیڈ روم میں چلے گئے اور وہ چائے کا کپ پیڈ اور قلم اٹھا کر ٹی وی لاؤنج میں چلی آئی اسے میگزین کے لیے بے روزگاری پر ایک مضمون لکھنا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے مضمون لکھنے لگی چائے پیتے ہوئے اس کا دماغ فریش رہتا تھا اور قلم زیادہ تیزی سے چلتا تھا۔ وہ ملکی حالات کے پیش نظر بے روزگاری کے اسباب لکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بور ہو گئی قلم بند کر کے رائٹنگ پیڈ ایک طرف رکھا اور انگڑائی لے کر سر صوفے کی پشت سے لگا لیا۔

"کتنا تھکا دینے والا کام ہے یہ لکھنا بھی۔" وہ خود سے مخاطب ہوئی۔

"اور ہاں ابھی تو آنٹی نازو کی بیٹیوں کی ضمانت بھی کروانی ہے۔" اسے اچانک یاد آیا۔

"یوں کرتی ہوں بابا سے بات کرتی ہوں وہ اپنے کسی وکیل دوست سے بات کریں اور ان کی ضمانت کا بندوبست کریں۔" وہ فوراً اٹھی اور بابا کے کمرے کی

طرف قدم بڑھائے اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"یس کم آن۔" بابا کی شفیق سی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئی۔

"بابا مجھے آپ سے اک کام ہے اگر آپ فارغ ہیں تو۔"

"ہاں ہاں آؤ فارغ ہی ہوں۔" وہ سیدھے ہو بیٹھے اور بیڈ پر اپنے پاس بکھری چیزیں سمیٹنے لگے جن میں کچھ ڈائریاں کارڈز اور فوٹو البم تھے۔

"بابا کیا کر رہے تھے آپ؟"

"کچھ نہیں بیٹا۔ یوں ہی پرانی یادیں تازہ کر رہا تھا تمہاری ماں کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔" ان کی آواز میں ہلکی سی نمی محسوس کی جا سکتی تھی۔ لائبہ بھی افسردہ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔ پھر نازو کی کہانی مختصر الفاظ میں سنا کر ان سے اس کی بیٹیوں کی ضمانت کے لیے کہا۔ جبکہ بابا بالکل خاموش بیٹھے تھے ان کے چہرے پر پتھروں کی سی سختی تھی۔

"بابا! کیا امید رکھوں کہ آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں گے؟"

"ہاں ضرور۔" بابا نے سپاٹ سے لہجے میں کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے اس نے تمام چیزیں بیڈ سے اٹھا کر ریک میں رکھیں اور البم اٹھا کر باہر چلی آئی بابا لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے وہ بھی وہیں آ گئی اور ایک بہت پرانا البم کھول لیا۔

"بابا یہ بلیک اینڈ وہائٹ تصویریں کس کی ہیں۔" اس نے اک صفحے پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹا یہ گروپ جو ہے نا اس میں یہ تمہاری دادی ہیں یہ تمہارے دادا یہ تمہارے تایا یہ دادی کی گود میں میں ہوں اور تمہارے تایا کی گود میں تمہاری پھپھو ہے۔" لائبہ دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

"اور اور بابا یہ ہیرو جیسا کون ہے؟"

"یہ میں ہوں تمہارا بابا۔" وہ مسکرائے لائبہ صفحے پلٹتی رہی۔

یہ تصویریں اس نے پہلے بھی کئی بار دیکھی تھیں مگر بلیک اینڈ وہائٹ ہونے کی وجہ سے وہ اکثر ان کے نقش بھول جاتی تھی۔ پھر اک تصویر پر جیسے اس کی نظریں جم گئیں۔

"بابا یہ کون ہے؟" وہ ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگی کیونکہ اسی شکل سے ملتا جلتا ایک چہرہ اس کے دماغ کی اسکرین پر محفوظ تھا۔

"یہ یہ بھی میری تصویر ہے جب میں میٹرک میں پاس ہوا تھا تو بنوائی تھی لگتا ہوں نا پرانی فلموں کا ہیرو؟" وہ ہلکے سے مسکرائے۔

"یہ یہ واقعی آپ ہیں؟" وہ آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا یہ میں ہی ہوں تمہارا باپ۔" وہ پھر مسکرائے اور لائبہ جیسے زلزلوں کی زد پہ تھی۔

"بابا آپ اور.....؟" وہ صدمے سے زیر لب اتنا ہی کہہ سکی تھی۔ پھر وہ اٹھی اپنے کمرے میں رکھے بیگ سے وہ تصویر نکال لائی جو نازو نے اسے دی تھی۔

"بابا ذرا پہچانیں یہ کون شخص ہے؟" اس نے تصویر آگے بڑھائی بابا نے اک نظر دیکھا۔

"ارے بھئی یہ بھی میں ہی ہوں۔" وہ ہنسے۔

"اور بابا یہ دیکھیں ذرا تصویر کی بیک پر کیا لکھا ہے۔" اس نے تصویر پلٹ دی۔

"جان من صرف اور صرف تمہارا زلفی۔" لکھا دیکھ کر بابا کو جھٹکا سا لگا۔

"یہ یہ آپ نے لکھا ہے نا۔" وہ دھماکوں کی زد پہ پوچھ رہی تھی۔ جبکہ بابا خاموش تھے۔ وہ وہیں کرسی گئی اور ٹیبل پر سر رکھ کے اپنے حواس درست کرنے لگی تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور بابا کی طرف دیکھا۔

"بابا آپ کا نام سیٹھ رحمٰن نہیں آپ زلفی ہیں نازو کے زلفی ہیں نا۔" وہ مرے مرے لہجے میں پوچھ رہی تھی اور بابا تو یوں بیٹھے تھے جیسے وہاں تھے ہی نہیں ان کی خاموشی نے لائبہ کے شک کو یقین میں بدل دیا تھا۔

"بابا آپ؟" وہ دکھ اور بے یقینی سے صرف اتنا ہی کہہ سکی اور پھر گھومتے سر کو تھامتے ہوئے چکرا کر نیچے

www.Paksociety.com

گر گئی۔ وہ صدمے سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور اپنے اردگرد کے ماحول سے مانوس ہونے کی کوشش کی وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھی۔ اس کے پاس ہی سرہانے کی طرف کرسی پر اماں (ملازمہ) بیٹھی تھی۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر اماں جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔

"شکر ہے اللہ کا کہ تمہیں ہوش آگیا۔"

"اماں مجھے کیا ہوا تھا" وہ غائب دماغی سے پوچھنے لگی۔

"بیٹی تم اچانک بے ہوش ہو گئی تھیں۔ کام بھی تو اتنا کرتی ہو دماغ پہ بوجھ ڈال رکھا ہے۔ اچھا میں ذرا صاحب جی کو بتا دوں کہ تمہیں ہوش آگیا ہے۔" اماں جلدی سے کہہ کر کمرے سے باہر نکلی۔ تو وہ اپنے ذہن پر زور دے کر اپنی بے ہوشی کی وجہ یاد کرنے لگی اور پھر جیسے آہستہ آہستہ اسے سب کچھ یاد آتا گیا۔

"میرے بابا۔ ایسے نہیں ہو سکتے۔ وہ تو اتنے شفیق اور مہربان انسان ہیں وہ کسی کی لڑکی کی زندگی کیسے تباہ کر سکتے ہیں۔" وہ بار بار خود کو جھٹلا رہی تھی۔ تب ہی بابا چلے آئے جھکا سر، نیچی نظریں اور شکستہ قدم یہ اس کے بابا تو نہ تھے اس کے بابا تو گردن اٹھا کر مخاطب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعتماد سے بات کرتے تھے یہ تو کوئی ہارا ہوا شخص تھا ندامت اور شرمندگی کے بوجھ تلے دبا ہوا شخص، وہ اس کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر آکر بیٹھ گئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے بیٹا؟" جھکی نظروں سے انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہوں بابا۔" وہ آہستہ سے بولی اس کے چہرہ کا رنگ اور نظریں دونوں بدل چکی تھیں۔

کمرے میں خاموشی چھائی رہی دونوں باپ بیٹی خاموش تھے۔ لگتا تھا ان کے پاس بات کرنے کو کچھ بھی نہیں حالانکہ پہلے جب دونوں اکٹھے ہوتے تھے تو ان کی باتیں ختم ہونے میں نہ آتی تھیں لائبہ دکھ اور صدمے کے زیر اثر خاموش تھی اور بابا ندامت، شرمندگی اور بیٹی کے سامنے سیاہ ماضی کی حقیقت کھل جانے اور اپنا برسوں کا قائم بھرم ٹوٹ جانے کی وجہ سے قوت گویائی کھو چکے تھے۔

"بابا آپ تو میرے آئیڈیل تھے یہ کیا کیا آپ نے،"

لائبہ نے دکھ سے سوچا اور دو آنسو اس کی پلکوں کی باڑھ توڑ کر گالوں پر ڈھلک آئے۔ وہ چپ لیٹی تھی اس میں ہمت نہیں تھی کہ دوبارہ وہ تکلیف دہ موضوع چھیڑے۔

"لائبہ۔" کمرے کی خاموشی کو بابا کی آواز نے توڑا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ تو پھر مجھے نازو کے پاس لے چلنا اس کی بیٹیوں کی ضمانت کے لیے کچھ کرتے ہیں۔" بابا آہستہ سے بولے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی بابا؟" وہ حیرت زدہ سی پوچھ رہی تھی۔

"ہاں لائبہ برسوں پہلے میں نے اک غلطی کی تھی اک جرم کیا تھا اس کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں میں نازو اور اس کی بچیوں کو پناہ دوں گا اپنے اس گناہ کی تلافی کرنا چاہتا ہوں ایک لڑکی نے مجھے اپنا محافظ سمجھا اور میں اس کی حفاظت کرنے کے بجائے خود ہی لٹیرا بن گیا۔ تم جلد از جلد مجھے نازو تک لے چلو۔"

"جی بابا ضرور چلیں گے ہم۔" وہ خوشی سے بولی۔

"جیتی رہو۔" وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے مسکرائے اور باہر نکل گئے۔

☼ ☼ ☼

آج برسوں بعد وہ نازو کے گھر کی دہلیز پہ کھڑے تھے۔ دل کی عجیب سی کیفیت تھی۔ لائبہ نے کال بیل بجائی تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا رانو کا چہرہ نمودار ہوا۔

"لائبہ بی بی آپ آئیں آئیں نازو بی بی کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں جب سے آپ کا فون آیا تھا کہ آپ ان کے لیے کوئی خوشخبری لا رہی ہیں تب سے وہ بے چین ہیں۔" رانو اسے دیکھ کر جلدی سے بولی اور لائبہ کے ساتھ ایک بارعب شخصیت کو دیکھ کر فوراً چپ ہو گئی۔

"یہ میرے بابا ہیں۔"

"او اچھا اچھا! آئیں آپ لوگ اندر۔" وہ ایک طرف ہٹ گئی۔

"نازو بی بی ڈرائنگ روم میں ہیں۔" اطلاع دے کر وہ آگے بڑھ گئی۔

لائبہ آگے تھی اور زلفی چند قدم پیچھے وہ خود میں ہمت نہیں پا رہا تھا اس کا سامنا کرنے کی۔

"بابا آپ ذرا یہاں ٹھہریں میں آنٹی کو بتا دوں تو پھر اندر آئیے گا۔" اسے روک کر وہ اندر بڑھ گئی۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہو بیٹیا۔"

"میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟"

"بس شکر ہے اللہ کا جب سے تمہارا فون آیا ہے میں تب سے بے چین ہوں جلدی بتاؤ وہ کون سی خوشی ہے۔" وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"اک منٹ آنٹی ذرا صبر کریں میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے جو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ بس آپ اطمینان سے اس شخص کی بات سن لیں۔"

"کون ہے وہ.....؟" "ابھی بلاتی ہوں۔"

"بابا آجائیں اندر۔" اس نے صدا لگائی۔

قدموں کی آہٹ ابھری اور پردے کے پیچھے سے اک چہرہ نمودار ہوا۔ نازو نے بغور دیکھا اور اس چہرے سے اپنا تعلق یاد کرنے کی کوشش کی۔

"آنٹی یہ میرے بابا ہیں۔ اور آپ کے زلفی۔"

"کیا؟" نازو نے حیرت سے آنکھیں پوری طرح کھولیں سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔ بلاشبہ یہ وہی تھا اس کا محبوب۔ اس کی زندگی، اس کا عشق، برسوں بعد وہ دشمن جاں آج اس کی دہلیز پہ کھڑا تھا۔ اور نازو کا دل پھر سے دہائیاں دینے لگا اتنے برسوں بعد بھی اس کا دل اسے نہیں بھولا تھا وہ آج بھی زلفی کی لے پر رقص کر رہا تھا۔

"تم، تم زلفی....." وہ جیسے خواب کی کیفیت میں بولی۔

"ہاں تمہارا مجرم زلفی۔" بابا نے آنکھوں سے سنہری فریم کا چشمہ اتارا اور آنکھیں صاف کیں اور نازو کا دل وہ آواز سن کر یوں دھڑک اٹھا جیسے برسوں پہلے دھڑک اٹھتا تھا۔

"بابا آپ لوگ ذرا گلے شکوے کر لیں میں تب تک ذرا ٹی وی لاؤنج میں ہوں" یہ کہہ کر لائبہ باہر آگئی اور سیدھا کچن کا رخ کیا رانو وہیں تھی اور اسکواش تیار کر رہی تھی۔ وہ وہیں کچن میں اس کے پاس رک گئی تاکہ اس کو باتوں میں الجھا سکے۔

کچھ دیر بعد لائبہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی آنٹی اور بابا آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھے تھے آنٹی کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو چکی تھیں۔ جبکہ بابا سر جھکائے بیٹھے۔

"آنٹی.....! آپ نے معاف کر دیا نا بابا کو؟" وہ نازو کے پاس بیٹھ کر اس کے ہاتھ تھام کر بڑے پیار سے پوچھنے لگی۔

"ہاں بیٹا۔ میں نے تو انہیں کئی سال پہلے ہی معاف کر دیا تھا۔ جو اپنا محبوب ہو جسے زندگی سے بڑھ کر چاہا جائے اسے بددعا دی جاتی ہے نہ اس سے ناراض رہ سکتے ہیں۔" آنٹی مسکرائی۔

"یہ تمہاری اعلا ظرفی ہے نازو ورنہ جو میں نے تمہارے ساتھ کیا اس کے بعد تم مجھے قتل بھی کر دیتیں تو تمہارا حق بنتا تھا۔ یقین کرو تمہیں چھوڑ کر آنے کے بعد کئی بار میرے ضمیر نے مجھے ملامت کیا میں نے چاہا کہ تمہیں تلاش کر کے اک بار تم سے معافی مانگوں یقین کرو کئی سالوں سے میں بے سکون ہوں ساری ساری رات جاگتا ہوں یہ ایسا بوجھ تھا جو میرے دل پر برسوں سے پڑا تھا اور میں اسے کسی دوسرے سے شیئر بھی نہیں کر سکتا تھا بس اپنے اللہ سے ہی معافیاں مانگتا رہتا تھا کیونکہ تمہارے علاوہ صرف اللہ ہی اس راز کو جانتا ہے۔" بابا آہستہ سے گویا ہوئے۔ رانو شربت لے آئی تھی ساتھ میں کھانے کے لیے بہت کچھ تھا۔ کچھ دیر ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں حمیرا، سمیرا کی ضمانت اور دیگر قانونی کارروائیوں کے متعلق بات چیت

www.Paksociety.com

ہوتی رہی تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نازو نے پھر اسے دیکھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت اور باوقار لگ رہا تھا روشن آنکھیں صبیح چہرہ دلنواز مسکراہٹ دمکتا چہرہ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا وہ آج بھی ویسا ہی تھا کچھ لوگوں کا ماہ و سال کچھ نہیں بگاڑنے لگتا تھا وقت اسے چھو کر بھی نہیں گزرا۔ وہ آج بھی کسی بھی لڑکی کا دل مٹھی میں لے سکتا تھا کسی کا بھی چین و قرار لوٹ سکتا تھا۔

"میرے ایک دوست ہیں ایڈووکیٹ اعجاز بخاری میں ان سے بات کر کے سارا معاملہ سیٹ کر کے آپ کو مطلع کروں گا بچیوں کے معاملے میں فکر مند نہ ہونا میں ہوں نا؟" بابا دھیمے سے مسکرائے اور نازو کا دل پھر سے دھڑک اٹھا۔

"کاش تم ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہتے تو آج یہ سب نہ ہوتا۔" نازو نے دکھ سے سوچا اور پھر جلد ہی نارمل انداز میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ دونوں چلے گئے اور نازو تھکی تھکی آکر صوفے پر لیٹ گئی۔

بابا کی کوششوں سے حمیرا سمیرا کی ضمانت ہو گئی تھی وہ نازو اور اس کی بیٹیوں کو گھر لے آئے تھے۔

اس طرح وہ اپنے جرم کی تلافی کرنا چاہتے تھے۔ لائبہ نے ان دونوں بہنوں کو ساری کہانی سنا دی تھی وہ اپنے رویے اور حرکتوں کی وجہ سے بہت شرمندہ تھیں جو کچھ ہو گیا تھا وہ انہیں سبق سکھانے کے لیے کافی تھا۔ باپ کی موت ماں کا پاگل پن گھر کی تباہی اس سب کا ذمہ دار وہ خود کو سمجھتی تھیں وہ لوگ مستقل یہاں شفٹ ہو گئی تھیں ان کے گھر کو بابا نے کرائے پر اٹھا دیا تھا اور وہاں سے ضروری سامان لا کر انیکسی میں سیٹ کروا دیا تھا حمیرا سمیرا کے آنے سے لائبہ کو بہت خوشی ہوئی تھی اس کا اکیلا پن اور تنہائی ختم ہو گئی تھی۔ بابا نے نازو سے پوچھا تھا کہ اس نے اپنی بیٹیوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔ تب اس نے کہا تھا کہ وہ چاہتی ہے کہ جلد از جلد ان کی شادیاں کر کے انہیں رخصت کر دے کیونکہ وہ مزید بدنامی نہیں کروانا چاہتی۔ پھر بابا نے لائبہ کے ذریعے حمیرا کی رائے معلوم کرنی چاہی تھی اس نے کہا تھا کہ جیسا وہ لوگ مناسب سمجھیں۔ تب بابا نے اس کے رشتے کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔

"اس شہر میں ان کا رشتہ کرنا مناسب نہیں ہو گا کیونکہ ان کی گرفتاری کی بات کافی مشہور ہو چکی ہے اخباروں میں تصویریں لگ چکی ہیں ہم جہاں بھی بات کریں گے وہ لوگ اس بات کو جانتے ہوں گے اور اگر چھپاتے ہیں تو بعد میں انہیں پتا چل ہی جائے گا اس لیے بہتر ہے کسی دوسرے شہر میں رشتہ تلاش کیا جائے۔" بابا نے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے زلفی! جیسا آپ مناسب سمجھیں ویسے ہی اب تو میں نے سب ذمہ داری آپ کو دے دی ہے جو ٹھیک لگے وہ کریں۔" نازو نے تھکے تھکے انداز میں کہہ کر سر صوفے کی پشت سے لگا لیا۔

"کیوں نہیں تم اور یہ بچیاں اب میری ذمہ داری ہو۔ میں ہر ممکن تمہیں تحفظ دینے کی کوشش کروں گا تاکہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں۔" بابا نے جلدی سے کہا اور چائے لے کے آتی لائبہ یہ باتیں سن کر دروازے کے پاس ہی حیرت زدہ کھڑی رہ گئی اور پھر جلد ہی بابا نے اپنی کوششوں سے اک رشتہ ڈھونڈ لیا۔ لڑکا کینیڈا میں مقیم تھا لیکن وہ کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا اس کی بہن پاکستان میں تھی بابا کے ایک دوست فراز صاحب ساہیوال میں رہتے تھے ان کی بیگم کی دوست تھیں وہ خاتون جو اپنے بھائی کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی تھیں حمیرا خوش شکل تھی پڑھی لکھی تھی وہ ان لوگوں کو پسند آگئی۔ لڑکے نے بھی تصویر دیکھ کر لڑکی کو پسند کر لیا یوں جلد ہی بات پکی ہو گئی لڑکا اگلے ماہ چھٹی پر آرہا تھا لہٰذا مشکل سے بیس پچیس دن ملے تھے تیاری کے لیے زلفی کے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں تھی دو ہفتوں کے اندر اس نے تیاری کر لی۔ اور یوں ایک گلابی سی شام حمیرا رخصت ہو گئی پندرہ دن بعد انہیں کینیڈا چلے جانا تھا وہ حمیرا کے ویزہ وغیرہ کا بندوبست کر کے آیا تھا۔ حمیرا کے جانے کے بعد گھر میں اداسی چھا گئی تھی۔

سمیرا نے آگے پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر نازو

پہلے ہی ڈسی ہوئی تھی اس نے کالج جانے کی اجازت تو نہ دی البتہ اتنا ضرور کر دیا کہ وہ پرائیویٹ پڑھ سکتی ہے۔ سمیرا کے لیے یہی بہت تھا۔ وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔ لائبہ کے دن رات میگزین کے لیے گزر رہے تھے۔

"اپاں پاگل۔" والا فیچر مکمل تو ہو گیا تھا مگر لائبہ سوچ رہی تھی کہ اسے کس طرح دنیا کے سامنے لائے۔ ایڈیٹر صاحب بار بار اصرار کرتے کہ وہ فیچر مکمل کر کے دے آخر اس نے اس کہانی کو فرضی ناموں سے شائع کروا دیا آخر اپنا اور رباب کا بھرم بھی تو رکھنا تھا۔ اس دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ایک مضمون لکھ رہی تھی جب اس کا موبائل بجا۔ اسکرین پر نام دیکھ کر اس کا دل اور آنکھیں روشن ہو گئیں۔ ارسلان کی کال تھی۔

"ہیلو! کیسے ہو ارسلان۔" وہ بے تابی سے بولی۔

"ٹھیک ہوں جان من تم سناؤ کیسی ہو؟"

"تمہارے بغیر میں کیسے ہوں گی۔ بہت اکیلی بہت اداس اور تنہا ہوں۔ کب آؤ گے تم اور کتنا انتظار کراؤ گے۔" بے بسی سے آنکھیں چھلک پڑی تھیں وہ باتوں میں اتنی گم تھی کہ اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب سمیرا خاموشی سے اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور ایک طرف بیٹھ کر ان کی گفتگو سننے لگی۔

"ارے..... ارے روؤ نہیں تم جب پکارو گی میں دوڑا آؤں گا۔"

"بس بس یہ ایکٹنگ رہنے دو جھوٹے کہیں کے۔ اتنے سالوں سے کہہ رہے ہو جلدی آجاؤں گا ہر بار وعدہ کر کے توڑ دیتے ہو۔"

"اس بار بالکل پکا وعدہ کروں گا جان بس جلد آؤں گا اب تمہیں مایوس نہیں ہونا پڑے گا۔"

"دیکھو جھوٹ تو نہیں کہہ رہے؟" لائبہ نے آنکھیں صاف کر کے بچوں کی طرح خوشی سے پوچھا۔

"تمہاری قسم بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے اب دیر نہ کرنا ورنہ میں تم سے نہیں بولوں گی۔" وہ اٹھلائی۔

"اچھا بابا کان پکڑتا ہوں معافی دے دو۔" وہ مسکرایا۔

"کان چھوڑو یہ بتاؤ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری آواز کچھ بدلی ہوئی ہے۔" لائبہ فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں یار وہ بس فلو ہو گیا تھا کچھ پڑھائی کی ٹینشن ہے۔ ویسے اب ٹھیک ہوں۔"

"مجھے تو تمہاری آواز سنتے ہی پتا چل گیا تھا کہ تم ٹھیک نہیں ہو۔ ارسلان! یہ دل سے دل کا رابطہ بھی بڑی عجیب سی چیز ہے جس سے ہم پیار کرتے ہیں دور بیٹھے بھی اس کے پل پل کی خبر ہو جاتی ہے۔" وہ جذب سے بولی۔

"ہاں لائبہ! مجھے بھی تمہارے لیے کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔" وہ بھی محبت بھرے انداز میں بولا۔

"جان۔ یہی تو سچا پیار ہے۔" وہ ہنسا۔

"اوہاں واقعی سچا پیار اسی کو کہتے ہیں۔" لائبہ بھی مسکرائی اور ادھر سمیرا بیٹھی سوچ رہی تھی۔

"اگر یہی سچا پیار ہے تو میرے اور شیری کے درمیان کیا تھا؟ کیا وہ پیار نہیں تھا؟"

سمیرا مسلسل یہی بات سوچ رہی تھی اور پھر لائبہ اور ارسلان کی والہانہ محبت دیکھ کر سمیرا کے دل میں بھی چاہے جانے کی خواہش جاگی۔ نہ جانے کب اور کیسے وہ ارسلان کو چاہنے لگی۔ اس کی تصویر جو اس نے گھریلو البم سے چرالی تھی کتنی دیر وہ اس تصویر سے باتیں کرتی رہتی۔ ایک دو بار لائبہ نے سمیرا کی ارسلان سے بات کروائی تھی۔ اس نے پاپا اور نازو کے بارے میں ارسلان کو بتا دیا تھا۔ اس نے فرضی کہانی گھڑ کے سنا دی تھی کہ پاپا اور نازو جوانی میں ایک دوسرے کو چاہتے تھے مگر گھر والوں اور غربت کے ہاتھوں ایک نہ ہو سکے اب کئی سال بعد اچانک ملے تو پاپا انہیں سہارا دینے کے لیے گھر لے آئے پاپا کے فراڈ اور دھوکے والی بات وہ دانستہ چھپا گئی تھی۔

ارسلان سمیرا کو لائبہ کی چھوٹی بہن سمجھ کر اس سے بے تکلف ہو جاتا تھا مگر سمیرا اس انداز کو کوئی اور ہی رنگ دے بیٹھی۔ وہ جانتی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو

www.Paksociety.com

چاہتے ہیں مگر پھر بھی وہ ارسلان کو چاہنے لگی اور اسے پانے کی خواہش کر بیٹھی۔ ارسلان کا کورس مکمل ہو گیا تھا اور اگلے ہفتے وہ آرہا تھا۔ لائبہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا اور سمیرا تو اس سے بھی زیادہ خوش تھی۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ارسلان آگیا۔ اس کے آنے سے جیسے گھر میں بہار آگئی تھی۔ وہ سب سے ملا۔ پاپا بھی اس کے آنے سے بہت خوش تھے اور لائبہ تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ اس نے آفس سے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی تھی۔ پاپا کی اجازت سے وہ دونوں صبح گھر سے نکلتے اور شام گئے لوٹتے۔ گھر میں ہوتے تو ہنستے ہنساتے ڈھیروں باتیں کرتے' ارسلان بہت شوخ مزاج تھا کبھی کبھی وہ سمیرا کو بھی اپنی محفل میں شامل کر لیتے اور ایسے میں ان کی محبت دیکھ کر سمیرا سلگتی رہتی۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگلے ہفتے تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس کردی جائے زیادہ سے زیادہ دو ماہ کا ٹائم رکھیں گے تاکہ ضروری تیاریاں کی جاسکیں۔" اس دن ناشتے کی ٹیبل پر پاپا نے ارسلان کو مخاطب کرکے کہا تو لائبہ نے خوشی سے دھک دھک کرتے دل کو سنبھالنے کے لیے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگالیا۔ ارسلان نے تائید میں سرہلاتے ہوئے شرارتی نظروں سے لائبہ کو دیکھا اس نے جلدی سے شرما کے رخ موڑ لیا اور اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سمیرا سے ارسلان کی یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی۔ وہ بے بسی اور ناکامی کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

اس دن پاپا نے چند قریبی دوست بلا کے گھر پر ہی چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ اور ڈیٹ فکس کر دی۔ گھر میں ایک دم ہی خوشیاں اتر آئی تھیں۔ لائبہ روزانہ ہی شاپنگ کے لیے جاتی کبھی نازو تو کبھی سمیرا اس کے ساتھ ہوتی۔ وہ بہت خوش تھی۔ تیاریاں تقریباً" مکمل تھیں صرف شادی کا جوڑا اور جیولری باقی تھی جوڑا وہ ارسلان کے ساتھ جا کے پسند کر آئی تھی بس ٹیلر سے لینا تھا۔ اس دن وہ جیولر کے ہاں گئی تھی سمیرا بھی ساتھ تھی جڑاؤ سیٹ۔ چوڑیاں کنگن نہ جانے کیا کچھ تھا۔ سمیرا احساس کمتری میں گھری بیٹھی تھی۔ ارسلان نے اپنی طرف سے بھی کافی کچھ بنوایا تھا۔ منہ دکھائی میں دینے کے لیے اس نے بڑا خوب صورت بریسلٹ بنوایا تھا جو اس شام اس نے سمیرا کی موجودگی میں لائبہ کو دکھایا تھا۔

"لائبہ بٹیا۔ جو جوڑے مکمل ہو گئے ہیں وہ ایک طرف کرلو اور ہاں جو ٹانکنے والے ہیں وہ لے آؤ اور سمیرا کو بھی آواز دے دو مل کے ٹانک لیتے ہیں۔" نازو نے بہت پیار سے کہا تھا۔

"جی اچھا آنٹی پہلے میں چائے بنالوں پھر آرام سے کام کریں گے۔" وہ مسکرائی۔ چائے بنا کے آنٹی اور پاپا کو دی پھر اپنا کپ لے کے وہ جوڑے الگ کرنے لگی۔ چائے ختم کرکے وہ اٹھی اور سمیرا کے کمرے کی طرف بڑھی ابھی اس نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے آتی سمیرا کی آواز اسے چونکا گئی۔

"ارسلان! میرا یقین کریں میں آپ کو بہت چاہتی ہوں اگر آپ مجھے نہ ملے تو میں مرجاؤں گی۔" سمیرا ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہو سمیرا میں تو تمہیں چھوٹی بہن....." ارسلان کی گھبرائی گھبرائی آواز سنائی دی۔

"نہیں ہوں میں آپ کی بہن سنا آپ نے۔ اگر آپ نے میری محبت کو ٹھکرایا تو اچھا نہیں ہوگا۔ آپ میرے نہ بن سکے تو لائبہ کے بھی نہیں بن سکیں گے۔" سمیرا جارحانہ انداز میں بولی۔

"ہوش میں آؤ سمیرا۔ ہم دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں میں لائبہ کی جگہ تمہیں کیسے دے دوں۔" ارسلان نے سمجھانا چاہا۔

"میں کچھ نہیں جانتی آپ یہ شادی کینسل کردیں آپ کی شادی ہوگی تو مجھ سے ورنہ لائبہ سے بھی نہیں۔ میں نے ساری زندگی محرومیاں دیکھی ہیں اب میں بھی اپنی خوشی سے جینا چاہتی ہوں آپ ابھی اور اسی وقت یہ رشتہ ختم کرکے شادی توڑنے کا اعلان کر دیں۔" وہ حتمی انداز میں بولی۔

"او یو شٹ اپ۔" ارسلان چیخا اور ساتھ ہی اس کا دایاں ہاتھ سمیرا کا گال سرخ کر گیا۔ تھپڑ کی گونج باہر کھڑی لائبہ تک آئی تھی۔

"آئندہ ایسی بکواس نہ کرنا۔" وہ چیخا۔

"میں مرجاؤں گی میرا قتل آپ کی گردن پر ہوگا۔" سمیرا چیخی۔

"جہنم میں جاؤ تم کل کی مرتی آج مرو آئی ڈونٹ کیئر" وہ غصے سے کہتا باہر کی طرف لپکا۔ لائبہ جلدی سے اوٹ میں ہوگئی وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔

"ہونہہ سمجھتے کیا ہو تم خود کو میں بھی تمہاری زندگی عذاب بنادوں گی۔" جواباً" سمیرا چیخی۔

"ابھی دیکھو میں کیا کرتی ہوں۔" وہ بڑبڑائی۔ لائبہ نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ اندر جھانکا سمیرا بلیڈ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔

"ابھی میں اپنی رگ کاٹ لوں گی پھر تمہیں پتا چلے گا جب ساری زندگی جیل میں سڑتے رہو گے تم نے مجھے ٹھکرایا ہے تو لائبہ کو بھی نہیں پاسکو گے۔" یہ کہہ کر اس نے کلائی کو اپنے سامنے کیا۔ لائبہ تقریباً" بھاگتے ہوئے اس کی طرف بڑھی اور بلیڈ چھیننا چاہا مگر تب تک وہ کٹ لگا چکی تھی۔ کلائی سے خون بہہ رہا تھا وہ گھبرا گئی اور جلدی جلدی پاپا' آنٹی اور ارسلان کو آوازیں دینے لگی۔ جب تک وہ لوگ پہنچے سمیرا نیم بے ہوش ہو چکی تھی۔ ڈاکٹروں نے بڑی مشکل اس کی جان بچائی تھی۔ کٹ گہرائی تک نہیں گیا تھا اس لیے وہ بچ گئی اور پھر فوراً" ہی تو اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔

سمیرا ابھی غنودگی کی حالت میں تھی۔ وارڈ کے باہر پاپا' آنٹی' ارسلان اور لائبہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ لائبہ نے پاپا اور آنٹی کو حقیقت بتادی تھی۔ آنٹی بیٹی کی اس حرکت پہ بہت شرمندہ تھیں۔ اپنی اپنی جگہ ہر شخص گہری سوچ میں گم تھا اور پھر سمیرا صحت یاب ہو کے گھر آگئی۔ وہ پہلے کی نسبت بہت خاموش تھی۔ گھر کی فضا بڑی گمبھیر ہوگئی تھی۔ شادی والا گھر قبرستان لگنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ لائبہ تم ہوش میں تو ہو؟" ارسلان بے یقینی سے بولا۔

"ہاں میں پورے ہوش و حواس میں ہوں اور اپنے دل کی رضامندی سے کہہ رہی ہوں کہ آپ سمیرا کو اپنالیں ان کی فیملی کے ساتھ بہت حادثے ہوئے ہیں وہ بہت دکھی ہے۔ شکست خوردہ ہے۔ زمانے کی ٹھکرائی ہوئی ہے پلیز اسے اپنالیں اپنی زندگی میں شامل کرلیں۔"

وہ ہاتھ جوڑے نم آنکھوں سے کہہ رہی تھی اور ارسلان حیرت زدہ سا بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"لائبہ مانا کہ وہ لوگ بے سہارا ہیں مگر ان کے لیے میں اپنی محبت کی قربانی کیوں دوں؟ تم ایک اجنبی لڑکی کے لیے ہمارا پیار کیوں قربان کررہی ہو؟" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

"اس لیے کہ ہم ان کے مقروض ہیں آنٹی نازو کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے پیچھے پاپا کا ہاتھ ہے میں ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔ اس لیے اپنی محبت قربان کرکے تاوان ادا کررہی ہوں۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیا..... کیا مطلب۔ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" ارسلان الجھ کر رہ گیا۔

تب لائبہ نے اسے شروع سے آخر تک نازو کی ساری کہانی بتادی۔ کمرے میں گہرا سکوت تھا۔ لائبہ اور ارسلان دونوں ہی چپ تھے لگتا تھا دونوں کے پاس کرنے کو کوئی بات نہیں لائبہ کی آنکھیں نم تھیں اور ارسلان کی آنکھوں میں بے بسی۔ محبت لٹ جانے کا غم۔ بے چارگی اور گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

☼ ☼ ☼

پاپا کے آس پاس کوئی دھماکہ سا ہوا تھا۔ انہیں اپنے کانوں پہ یقین نہیں آیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم دونوں.....؟"

"جی پاپا یہ ہم دونوں کا فیصلہ ہے اور ہم نے پورے خلوص اور ایمانداری سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ پلیز آپ ارسلان کی بات مان لیں اور میری جگہ سمیرا کو اس گھر سے بیٹی بنا کے ارسلان کے ساتھ رخصت کریں۔" لائبہ اپنے دل کو اپنے ہی پیروں تلے کچلتے ہوئے

www.Paksociety.com

آنسوؤں کو دل کی طرف دھکیلتے ہوئے بڑے حوصلے سے بولی۔

”مگر بیٹا.....؟“

”اگر مگر کچھ نہیں انکل بس آپ ہاں کر دیں اور آنٹی نازو کو بھی بتا دیں۔“ ارسلان سنجیدگی سے بولا۔ نازو نے سنا تو حیرت زدہ رہ گئی پہلے ہی ان لوگوں نے ان ـــــ کے لیے اتنا کچھ کیا تھا اب ایک اور احسان وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ لائبہ پہ ظلم اسے گوارہ نہیں تھا۔ مگر بیٹی کی ہٹ دھرمی اور ضد سے بھی اچھی طرح واقف تھی۔ گھر میں سمیرا کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لائبہ ہر کام میں پیش پیش تھی۔ مگر ویران دل اور بجھی آنکھوں سے نازو اور پاپا اس کی اندرونی کیفیت سے واقف تھے۔ واقف تو ارسلان بھی تھا مگر کیا کرتا؟ لائبہ نے اسے اپنی محبت کی قسم جو دے رکھی تھی۔ نازو بیٹی کی اس حرکت پہ ناخوش تھی اور کسی معجزے کی منتظر تھی۔ اور پھر اسے ایک رستہ سجھائی دے ہی گیا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ایک ہنگامہ تھا۔ بھاگ دوڑ تھی۔ بازاروں کے چکر لگ رہے تھے۔ گھر کی آرائش و سجاوٹ کا کام ہو رہا تھا۔ پاپا نے گھر کے اوپر والے پورشن کو ارسلان اور اس کی بیوی کے لیے سیٹ کروا دیا تھا۔ آج گھر میں بہت چہل پہل تھی کل سمیرا کی رسم مایوں تھی۔ لائبہ بظاہر تیاریاں کر رہی تھی مگر اس کے اندر ماتم برپا تھا۔ کافی دیر سے وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ارسلان کی تصویر پکڑے بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھی تقدیر سے گلے شکوے۔ اپنی محبت کے لٹ جانے کا ماتم۔ اس کا دل کٹ رہا تھا۔ وہ بے اختیار رونے لگی۔ سسکیوں سے اس کا پورا وجود ہل رہا تھا۔

”ارسلان مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں نے تمہیں کسی اور کے دامن میں ڈال دیا لیکن! میں تمہارے بغیر جی نہیں سکوں گی۔ تمہاری شادی کے بعد میں اپنی زندگی ختم کرلوں گی۔ یہ میرا تم سے اور اپنے آپ سے وعدہ ہے۔“ اس نے روتے روتے آنکھیں صاف کیں۔ اور نازو جو اس سے سامان کی فہرست لینے آ رہی تھی جو کل کے لیے چاہیے تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی بات سن کر ٹھٹک گئی۔ اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔

اگلا دن بڑی مصروفیت لیے ہوئے تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سب کو چائے دے کے ابھی وہ لاؤنج میں آ کے بیٹھی ہی تھی کہ ملازمہ نے کسی شہریار کے آنے کی اطلاع دی۔ اس نے کپ وہیں رکھا۔

”ٹھیک ہے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں پاپا کو بتاتی ہوں۔“ شاید ان کے آفس کا کوئی بندہ ہو یا پھر ارسلان کا دوست۔

”پاپا؟“ اس نے پاپا کے کمرے میں دستک دی۔

”لیس بیٹا کم آن۔“

”وہ پاپا باہر کوئی شہریار صاحب آئے ہیں آپ ڈرائنگ روم میں آجائیں۔“ اس نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے رکھے کہا۔

”اوکے بیٹا۔“ پاپا نے کتاب سائیڈ پہ رکھی چائے کا کپ جو تقریباً خالی ہو چکا تھا سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ دوبارہ لاؤنج میں چلی آئی اور چائے پیتے ہوئے ٹی وی دیکھنے لگی۔ کچھ دیر یونہی گزر گئی۔

”چھوٹی بی بی آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں جی ڈرائنگ روم میں۔“ اماں حاجرہ کی آواز پہ وہ چونکی۔

”کیوں..... خیریت؟“

”پتا نہیں جی۔“

”اچھا وہ مہمان چلا گیا؟“

”نہیں جی ابھی وہ بیٹھا ہے۔“

”اچھا.....؟“ لائبہ کو حیرت ہوئی۔

”پاپا نے مجھے کیوں بلوایا پھر؟ خیر دیکھتے ہیں شاید اخبار سے کوئی مجھے ملنے آیا ہو۔“ وہ الجھی بالوں کو سمیٹا کپڑوں کی شکنیں ہاتھ سے دور کیں دوپٹہ سلیقے اوڑھا۔ اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

”السلام علیکم.....“ اندر داخل ہوتے ہی اس نے کہا اور جلدی سے نظر دوڑائی۔ سامنے ہی سنگل صوفے پر ایک نوجوان براجمان تھا۔ خوش شکل، خوش لباس مگر وہ اسے قطعی نہیں جانتی تھی۔

”وعلیکم السلام۔“ بیک وقت کئی آوازیں گونجیں تو اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پاپا کے ساتھ ساتھ نازو آنٹی، ارسلان اور سمیرا بھی وہیں موجود تھے۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا خصوصاً آنٹی اور سمیرا کو وہاں دیکھ کر۔

”ان سے ملو بیٹا یہ شہریار طارق عرف شیری ہیں۔“ پاپا نے تعارف کرایا، وہ خاموشی سے سائیڈ پہ رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

”بیٹا یہ سمیرا کا کلاس فیلو ہے آج ہمارے گھر اس کی آمد کا مقصد یہ ہے کہ یہ اپنے پچھلے رویے پہ شرمندہ ہے اور بڑے خلوص سے سمیرا کا ہاتھ مانگنے آیا ہے۔“ پاپا نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بات ختم کی۔ اس نے اک نظر شہریار کو اور دوسری نظر سے سمیرا کو دیکھا۔ وہ مطمئن سی بیٹھی تھی۔

”مگر پاپا یہ اکیلے..... آئی مین ان کے گھر سے کوئی نہیں آیا اور پھر سمیرا؟ اس کا تو آج مایوں ہے نا؟“ لائبہ الجھی۔

”بیٹا ساری بات ہو گئی ہے۔ شیری نے ہر طرح سے گارنٹی دی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے شادی کر رہا ہے اور سمیرا کو ایک اچھی زندگی دینا چاہتا ہے۔ اس کے اپنے اکاؤنٹ میں اتنا پیسہ ہے کہ یہ اپنی الگ زندگی شروع کر سکتا ہے۔ یہ ابھی نکاح کرنے کو تیار ہے۔“ آنٹی نازو نے جلدی جلدی تفصیل بتائی۔

”مگر آنٹی..... سمیرا؟“

”اس سے بھی پوچھ لیا ہے بیٹا۔ اسے شہریار کی رفاقت پہ کوئی اعتراض نہیں اگر وہ خلوص دل سے اسے اپنائے تو۔“ پاپا مسکرائے۔

”اینی وے۔ ہم نے چند دن غور کرنے کے لیے مانگے ہیں تاکہ مزید چھان بین ہو سکے۔ تمہاری شادی کے بعد ان دونوں کی شادی کروائیں گے ان شاء اللہ۔“ پاپا مسکرائے۔

”تو انکل کیا میں امید رکھوں کہ آپ میرے

پیارے بچوں کے لئے
پیاری پیاری کہانیاں
پیارے بچوں کے لئے
پیاری پیاری کہانیاں
محمود خاور
بچوں کے مشہور مصنف
محمود خاور
کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔
ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت
قیمت -/300 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

www.Paksociety.com

سرپرست بن کے سمیرا اور میری شادی کروائیں گے۔" شیری نے خوشی اور امید کی ملی جلی کیفیت سے پاپا کو دیکھا۔

"جی بیٹا ضرور اگر تم تمام برے کام چھوڑ کے اچھا انسان بننے کا وعدہ کرو تو۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم دونوں کا بھرپور ساتھ دوں گا۔ بلکہ تم شادی کے بعد میرے بزنس میں میرا ہاتھ بٹانا اور ہمارے ساتھ ہی رہنا کیونکہ ڈاکٹر ارسلان تو اپنی جاب پہ بزی ہو جائیں گے۔" پاپا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"جی ضرور انکل۔"

"میں آپ کو بیٹا بن کے دکھاؤں گا۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔ ڈرائنگ میں ایک چہل پہل تھی ہنگامہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹیبل مختلف اقسام کے لوازمات سے سج گیا سب نے ایک بار پھر چائے پی لائبہ اور ارسلان خوشی اور بے یقینی کی حد پہ تھے ان کی محبت انہیں پھر سے مل گئی تھی۔ یہ معجزہ کیسے ہو گیا وہ دونوں حیران تھے اور دوسری طرف نازو سوچ رہی تھی کہ اچھا ہوا اس نے لائبہ کا معصوم دل ٹوٹنے سے بچا لیا اور ان کے احسانوں کا کچھ تو قرض اترا۔

شام کو لائبہ کو مایوں بٹھایا گیا۔ ساری رسمیں ادا ہوئیں۔ اس دوران پاپا اور ارسلان نے شیری کے متعلق ہر طرح سے چھان بین کر لی تھی۔ مہندی والے دن خوب ہنگامہ تھا۔ پاپا نے زیادہ لوگوں کو مدعو نہیں کیا تھا بس کچھ دوست اور عزیز تھے کچھ لائبہ کے آفس کولیگز مہندی کا فنکشن بہت شاندار تھا۔ سب نے بہت انجوائے کیا۔

"ارسلان تمہارا نکاح آج ہی ہو گا۔" پاپا نے اچانک کہا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد مولوی صاحب چار گواہوں اور ایک رجسٹر کے ساتھ لائبہ کے روبرو تھے۔ وہ ارسلان کی بنائی جا رہی تھی۔ نکاح نامے پہ سائن کرتے ہوئے اس کے ہاتھ ضرور کانپے مگر دل ملن کی خوشگوار گھڑیوں کے احساس سے خوشی سے دھڑک رہا تھا۔ شہریار اس نکاح میں بطور وکیل شامل ہوا تھا۔ ہر طرف مبارک سلامت کا شور تھا۔

"مولوی صاحب ایک منٹ رکیے ابھی آپ کو ایک نکاح اور پڑھانا ہے۔" پاپا مسکرائے تو مولوی صاحب جو اپنا رجسٹر اور رومال سنبھالتے کھڑے ہو رہے تھے پھر سے بیٹھ گئے۔

"آؤ بیٹا شہریار اور نازو آپ سمیرا کو لے آئیے۔" پاپا نے کہا۔ پھر وہیں ان دونوں کا بھی نکاح پڑھا دیا گیا۔

"سمیرا کی رخصتی ٹھیک ایک ماہ بعد ہو گی۔ تب تک شہریار ذرا سیٹ ہو جائے۔" پاپا نے سنجیدگی سے کہا۔

"مولوی صاحب ــــــ ابھی ایک اور نیک کام رہتا ہے لگے ہاتھوں وہ بھی کر جائیں۔" ارسلان بولا تو سب ہی چونک گئے۔

"اب کون رہ گیا؟" پاپا نے پوچھا۔

"ایک منٹ پاپا آپ ادھر بیٹھیں۔" لائبہ نے پاپا کو صوفے پر نازو آنٹی کے قریب بٹھایا۔

"آئیں مولوی صاحب ان دونوں کا بھی نکاح پڑھا دیں۔" ارسلان نے مولوی صاحب کو احترام سے کہا۔ تو پاپا آنٹی کے ساتھ ساتھ سب مہمان بھی چونک گئے۔

"معزز خواتین و حضرات! آپ لوگ حیران نہ ہوں۔ شادی کے بعد شاید میں اور لائبہ کسی دوسری جگہ شفٹ ہو جائیں۔ انکل کی تنہائی کے خیال سے میں نے اور لائبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے تاکہ انکل اور آنٹی ایک دوسرے کا سہارا بن سکیں۔" ارسلان نے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں کہا۔

"ہرے یا ہو۔" ایک دم ہی محفل میں خوشی کے نعرے گونجنے لگے۔ سمیرا نے جلدی سے آ کے ماں کے کندھے پہ سر رکھ دیا دوسری طرف لائبہ باپ کے شانے سے لگ گئی۔ نازو کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگیں مولوی صاحب نے کچھ حیرت کچھ الجھن کے تاثرات سے نکاح پڑھا دیا۔ ایک بار پھر مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ پاپا نے پہلے تو انکار کرنا چاہا مگر لائبہ کی آنکھوں میں التجا اور بندھے ہوئے ہاتھ دیکھ کر آمادہ ہو گئے ویسے بھی وہ دل سے یہی چاہتے تھے کہ نازو کی محرومیوں کا ازالہ کر دیں مگر معاشرے کے ڈر سے خاموش تھے آج نازو نے اپنے خواب کی تعبیر پا لی تھی۔ مگر اس خواب سے تعبیر تک اس نے بہت طویل سفر کیا تھا۔

✡ ✡ ✡

فیروزی اور جامنی کنٹراسٹ کے لہنگا کرتی میں جس پہ بہت خوب صورت کام کیا گیا تھا وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ میک اپ جیولری اور معصوم حسن سب نے مل کر اسے آسمان سے اتری حور بنا دیا تھا۔ راسلک کے گولڈن شیروانی اور میرون کلاہ والی پگڑی میں ارسلان بھی کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا تھا۔

"لائبہ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ ہم نے آخر اپنے خوابوں کی تعبیر پا لی۔" اس کا حنائی ہاتھ تھامے وہ بڑے جذب سے بولا۔

"ہاں ارسلان خدا کا شکر ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ سمیرا کی زندگی کو بھی صحیح رستہ مل گیا۔ پاپا کی تنہائی بھی دور ہو گئی اور ہم بھی مل گئے۔" وہ دائیں ہاتھ میں پکڑے بریسلٹ کو دیکھتے ہوئے بولی جو ارسلان نے گھونگھٹ اٹھاتے ہی اس کی کلائی میں پہنایا تھا۔

"ارسلان ہم نے ہمیشہ دوسروں کی مدد کی ان کے لیے قربانی دی ان کے لیے اچھا سوچا خود تکلیف اٹھا کے دوسروں کو سکھ دینے کی کوشش کی اللہ کو ہمارا یہ عمل پسند آ گیا اور انعام کے طور پر ہمیں ملا دیا جو لوگ دوسروں کے رستے میں روشنی کرتے ہیں وہ کبھی بے چراغ نہیں ہوتے۔ بس کوشش کرنی چاہیے کہ خضر راہ بن کے سب کے رستے سے کانٹے ہٹاتے جائیں سب کا ساتھ دیں انہیں خوشیاں دیں۔ کسی کو خوشی دینا بہت بڑا کام ہے اور اجر عظیم ہے۔ نیکی صدقہ جاریہ ہے۔ اسے کرتے رہنا چاہیے۔ میں نے آنٹی اور سمیرا کے لیے اپنی ہر خوشی قربان کر دی حتیٰ کہ اپنی زندگی تک انہیں سونپ دی تھی۔ شاید اللہ کو میرا یہ عمل پسند آ گیا تب ہی تو اتنے حادثوں کے باوجود ہم مل گئے۔ آنٹی نازو نے نہ جانے کیسے شیری کو تلاش کیا اسے شرمندہ کیا اور سمیرا سے شادی کے لیے آمادہ کر لیا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ بڑی مشکل سے وہ شیری تک پہنچی تھیں۔" وہ آہستہ آہستہ بتا رہی تھی۔

"وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ہم دونوں اپنی محبت کھو دیں۔"

"ہاں لائی یہ ہماری نیک نیتی اور سچی محبت کی طاقت ہی تو تھی جس نے ہمیں پھر سے ملا دیا۔" ارسلان نے مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں کی جھلملاتی روشنی لائبہ کے دل کو چھونے لگی۔

"آنٹی نازو کا ہم پہ بہت احسان ہے اگر وہ شیری کو نہ ڈھونڈ کے لاتیں تو ہم کبھی نہیں مل سکتے تھے۔" ارسلان نے بڑی محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارسلان! زندگی کے سفر میں ہر شخص کو صحیح راستے کے تعین کے لیے ایک خضر راہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر وہ مل جائے تو منزل قدم چوم لیتی ہے ورنہ انسان ساری زندگی اندھیروں کے جنگل میں بھٹکتا رہتا ہے جیسے آنٹی نازو اور ان کی بیٹیاں۔ کاش انہیں صحیح وقت پہ خضر مل جاتا۔ بہرحال اب ان سب کو منزل مل گئی ہے شکر ہے اللہ کا۔" وہ مسکرائی۔

"ہاں تم ان کے لیے اب خضر سی بنی ہو اور آنٹی ہم دونوں کے لیے خضر بن گئیں۔" وہ بھی مسکرایا۔

"ہاں انہوں نے مجھے میری زندگی میری محبت سے ملا دیا۔" وہ مسکراتی ہوئی اس کے کندھے سے لگ گئی۔ ارسلان نے مسکراتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا لیا۔ چاند نے کھڑکی سے گزرتے ہوئے انہیں مسکرا کے دیکھا اور انہیں طویل اور خوشیوں بھری زندگی کی دعا دے کر آگے بڑھ گیا اور محبت ان کے ملن پہ مسکرا دی۔

✡ ✡ ✡

www.Paksociety.com

کرن کرن خوشبو

شعاع محمود

حقوق العباد

قرآن مجید میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

"اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسن و سلوک رکھو والدین کے ساتھ اور قرابت داروں (یعنی رشتہ داروں) کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ اور جو تمہاری ملک میں (یعنی ملکیت میں جیسے غلام یا لونڈی) ہے ان کے ساتھ۔"

(سورۃ النساء آیت 36)

حقیقی مفلس

رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ دیوالیہ اور مفلس کون ہے؟" لوگوں نے کہا۔

"مفلس ہمارے ہاں وہ کہلاتا ہے جس کے پاس نہ تو درہم ہوں، نہ کوئی اور سامان۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میری امت کا مفلس اور دیوالیہ وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ کے پاس حاضر ہوگا اور اسی کے ساتھ ساتھ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی۔ کسی کا مال مار کر کھایا ہوگا۔ کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو ناحق مارا ہوگا۔ تو ان تمام مظلوموں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی۔ پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے تو ان کی غلطیاں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

(مسلم)

فوزیہ غزل... شیخوپورہ

حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات دینے کے لیے کوہ طور پر بلاوا بھیجا۔ آپ گئے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر گئے۔ ان کو واپس آنے میں دیر ہوئی، تو بنی اسرائیل بے چین اور بے یقین تو تھے ہی ایک شخص سامری کے بہکانے سے سونے چاندی کے بچھڑے کی صورت بنا کر پوجنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر یہ حال دیکھا تو حضرت ہارون علیہ السلام پر سخت ناراض ہوئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے بہت مشکلوں سے اپنی مجبوری ثابت کی۔ اس پشیمانی کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی۔

"اے میرے پروردگار میرا اور میرے بھائی کا قصور معاف فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمت کے سائے میں لے اور تو تمام رحم کرنے والوں میں سے سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

مقدس رباب... چکوال

مہکتی کلیاں

☆ اگر کسی سے محبت کرتے ہو تو اسے مت آزمانا، کیونکہ اگر وہ دھوکے باز یا بے وفا نکلا تو دکھ تمہیں ہی ہوگا۔

☆ خوشیوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دو اور دوسروں کو خوشیاں دینے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اس طرح خوشیاں تمہارے پیچھے بھاگیں گی۔

☆ کسی کو تم چاہو اور اسے اپنانا چاہو اور وہ تمہیں ٹھکرا دے تو یہ اس کی بدنصیبی ہے، لیکن کوئی تمہیں نہ چاہے اور تم زبردستی اسے اپنانا چاہو تو یہ تمہارے نفس کی ذلت ہے۔

☆ اگر ایک دفعہ کردار کے آئینے میں بال آجائے تو اسے جتنی بار صاف کرنے کی کوشش کرو گے وہ نمایاں ہی ہوتا جائے گا۔

بشریٰ انور خان... اوکاڑہ

گوہر نایاب

☆ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا اللہ سے کلام کرنے کے مترادف ہے۔

☆ اپنے گناہوں کا شمار نہ کرنے بیٹھو کیونکہ جتنی دیر میں تم اپنے گناہوں کا شمار کرو گے اتنی دیر میں تم کئی نیکیاں کر سکتے ہو۔

☆ الفاظ سے مضمون اور مضامین سے الفاظ کے رشتوں کا علم ہی انسان کو مصنف بناتا ہے۔

☆ عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو صحراؤں میں بیٹھ کر دنیا کو نخلستان کی خبر دیتے ہیں۔

☆ آگہی آپ کو اپنے اندر کے پاتال کی خبر دیتی ہے۔

☆ محبت حق نہیں ہوتی، مقدر ہوتی ہے۔

☆ خودشناسی آپ کو اپنی صلاحیتوں سے آشنا کراتی ہے۔

☆ خوشی میں آنسو چھلکتے ہیں، بہتے نہیں۔

☆ جب تمہارے اندر کا غم بہت زیادہ بڑھ جائے، یہاں تک غم کے آثار تمہارے چہرے سے نمایاں ہونے لگیں اور لوگ تم سے پوچھیں کہ تمہیں کیا غم ہے تو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بس اتنا کہہ دینا کہ ایک پت جھڑ کا موسم آیا تھا، اب تو بہار ہی بہار ہے۔

☆ کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، پھر وہ کام کرتے ہیں جس کا حکم خدا نے دیا ہے، مگر اپنی زبان سے کہے الفاظ پر غور نہیں کرتے، جس سے جانے کتنے خدا کے گھر ٹوٹتے ہیں یعنی دل۔

☆ عادت تو بدل سکتے ہیں، مگر فطرت نہیں، اس لیے شروع سے فطرت کو اچھائی کی طرف راغب کرنا چاہیے۔

☆ لوگوں سے کٹ کر زندہ تو بے شک رہا جا سکتا ہے، مگر خوش نہیں۔

☆ انسان کے اندر گھٹ کر رہ جانے والی چیخ و پکار کے تانے بانے سے ایک شہر آباد ہوتا ہے۔ زندہ دکھوں اور زندہ غموں کا شہر، جس میں بسنے والے کبھی کبھی دل کی لرزش سے اور انگلیوں کی کپکپاہٹ سے ہوتے ہوئے سیاہ آنسوؤں کی صورت اوراق کے سینوں پر اور کتابوں کی روحوں پر اترنے لگتے ہیں۔

سیدہ نسبت زہرا... کہروڑپکا

حرص و طمع

سقراط بازار سے گزر رہا تھا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کو بے وقوف بنا کر اپنی خواہشوں کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔ گاہکوں کی کوشش یہ تھی کہ کم سے کم سکوں کے عوض زیادہ سے زیادہ مال حاصل کر لیں اور دکاندار اس گھات میں تھے کہ زیادہ قیمت لے کر کم سے کم مال دیں۔ سقراط سے اس کے کسی شاگرد نے پوچھا۔

"استاد حرص و طمع کا یہ مرض انسان کو کس طرح لگ جاتا ہے۔" سقراط نے جواب دیا۔

"عقل کی کمی سے، جب دانش کسی کو اپنا چہرہ دکھاتی ہیں تو خواہشات اس شخص کی غلام ہو جاتی ہیں اور جب یہی دانش کسی کو اپنی پستی دکھاتی ہے، تو وہ انسان خواہشات کا غلام ہو جاتا ہے۔"

فوزیہ ثمرین... گجرات

www.Paksociety.com

لاجواب

میں نے اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک رکن سے پوچھا۔

"اگر کسی شخص پر قرض ہو تو اس پر حج واجب ہے؟"

"نہیں۔" انہوں نے کہا۔ میں نے پوچھا۔

"اگر تیرہ کروڑ عوام مقروض ہوں تو ـــــ" مولانا صاحب خاموش رہے۔

ثموشہ۔۔۔ گجرات

خودکشی غریبوں کی دسترس سے باہر

ایک دفعہ خیال آیا کہ بسوں میں دھکے کھانے اور اسٹرپ ٹیز کروانے سے بہتر ہے کہ آدمی موٹر سائیکل خرید لے، موٹر سائیکل رکشا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے کہ تین پہیوں پر خودکشی کا یہ سہل اور شرطیہ طریقہ ابھی رائج نہیں ہوا تھا۔

اس زمانے میں عام آدمی کو خودکشی کے لیے طرح طرح کی صعوبتیں اور کھکھیڑ اٹھانی پڑتی تھی۔ گھروں کا یہ نقشہ تھا کہ ایک ایک کمرے میں دس دس آدمی اس طرح ٹھنسے ہوتے کہ ایک دوسرے کی آنتوں کی قراقر تک سن سکتے تھے۔ ایسے میں تخلیہ کہاں نصیب کہ آدمی پھانسی کا پھندا کڑے میں باندھ کر تنہا سکون سے لٹک سکے۔ علاوہ ازیں کمرے میں صرف ایک ہی کڑا ہوتا تھا جس میں پہلے ہی ایک پنکھا لٹکا ہوتا تھا۔ گرم کمرے کے مکین اس کی جگہ کسی اور کو لٹکنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ رہے پستول اور بندوق تو ان کے لیے لائسنس کی شرط تھی جو صرف امیروں، وڈیروں اور افسروں کو ملتے تھے۔ چنانچہ خودکشی کرنے والے ریل کی پٹری پر دن بھر لیٹے رہتے کہ ٹرین بیس بیس گھنٹے لیٹ ہوتی تھی۔ آخر غریب موت سے مایوس ہو کر کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے۔

(مشتاق احمد یوسفی کی کتاب "آب گم" سے)

ریحانہ علی۔۔۔ کراچی

وقت وقت کی بات

جب سیلاب آتا ہے تو مچھلیاں پانی پر تیرنے والے کیڑوں مکوڑوں کو چٹ کر جاتی ہیں اور جب سیلاب اترتا ہے تو یہی کیڑے مکوڑے خشکی پر رہ جانے والی مچھلیوں کو کھاتے ہیں۔ وقت وقت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو موقع دیتا ہے اپنی باری کا انتظار کریں۔

راحیلہ۔۔۔ لاہور

مہک سہیل۔۔۔ لاہور

ندائے غیب

ہر اک اولی الامر کو صدا دو
کہ اپنی فردِ عمل سنبھالے
اٹھے گا جب جمع سرفروشاں
پڑیں گے دار و رسن کے لالے
کوئی نہ ہوگا کہ جو بچالے
جزا سزا سب یہیں پہ ہوگی
یہیں عذاب و ثواب ہوگا
یہیں سے اٹھے گا شورِ محشر
یہیں پہ روزِ حساب ہوگا

(فیض احمد فیض)

صدف عبداللہ۔۔۔ لاہور

قطعہ

ضبط کا عہد بھی ہے شوق کا پیمان بھی ہے
عہد و پیمان سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا
اور سکوں ایسا کہ مرجانے کو جی چاہتا ہے

کرن عدنان۔۔۔ کراچی

خوب صورت لفظوں کی مالا

☆ جب سائل کو کچھ دو تو اس سے دعا کے لیے کہو۔

(حضرت علیؓ)

☆ سچائی کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔

(مولانا رومی)

☆ اگر تم لوگوں سے دولت میں نہیں بڑھ سکتے تو حسن اخلاق میں ہی بڑھ جاؤ۔ (حضرت معروف کرخیؒ)

☆ انسان گناہ اس وقت کرتا ہے جب وہ موت کو بھول جاتا ہے۔ (حضرت امام حسینؓ)

☆ محبت اور شک ایک دل میں نہیں رہ سکتے۔

(خلیل جبران)

سدرہ وزیر۔۔۔ خوشاب

روشن حرف وہ سارے

☆ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پرکھنا اور لوگوں پر اعتبار کرنا محض اس لیے نہ چھوڑ دیں کہ ان میں سے کچھ نے آپ کو مایوس کیا ہے، کوئی نہ کوئی شخص اور کوئی نہ کوئی پہلو آپ کا ضرور ہے۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی۔ گھڑا چاہے کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔

☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

☆ احساس کمتری اور احساس برتری میں مبتلا انسان کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔

☆ ذرا ناموافق حالات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

ام رومان۔۔۔ عبدالحکیم

طرز تخاطب

ایک تاجر نے بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔

"یا شیخ میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو۔"

"اے تاجر تم نے پہلی بار مجھے یا شیخ کہہ کر پکارا تھا۔ اس لیے میں نے عقل و منطق کے ساتھ تمہیں مشورہ دیا۔ لیکن تم نے دوسری بار مجھے پاگل کہہ کر مخاطب کیا۔ اس لیے میں نے تمہیں اپنے پاگل پن میں مشورہ دیا۔ بس تم اپنے نقصان کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ڈال سکتے، کیونکہ کوزے میں سے وہ ہی نکالا جاتا ہے جو اس میں ڈالا گیا ہو۔"

فوزیہ ثموشہ، ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

منافقت

اگرچہ اہل وفا ہیں خلوص کے بھوکے
مگر خلوص نہیں شرط دوستی کے لیے
یہ نکتہ ہم کو سکھایا ہے عہد حاضر نے
منافقت بھی ضروری ہے آدمی کے لیے

مہوش اعوان۔۔۔ اٹک

گوہر آبدار

☆ کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا ـــــ کچھ بھی سچ نہیں ہوتا۔

☆ سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے، لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے، یہ ہی تو وہ سفر ہے، جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے، یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہوتا، چاہے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔

☆ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔

☆ محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہے، دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگوتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔

☆ کبھی کبھی خلوص، خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

نوشین اقبال۔۔۔ گاؤں بدر مرجان

www.Paksociety.com

بُشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

صائمہ، کی ڈائری میں تحریر

امجد بخاری کی غزل

زندگی کو دھوئیں میں اُڑاتا رہا
میں بھی سگریٹ پہ سگریٹ جلاتا رہا

ریزہ ریزہ ہواؤں میں بکھرے ہوئے
خواب پلکوں پہ چن کر سجاتا رہا

اُس کے آنے کی امید میں رات بھر
میں زمیں پہ ستارے بچھاتا رہا

میری آغوش میں وہ طلوع ہو گیا
شرم سے چاند چہرہ چھپاتا رہا

عالم رنگ و بو کی وہی ہاؤ ہو
کوئی آتا رہا، کوئی جاتا رہا

ہجر کے ہاتھ میں لوحِ محفوظ تھی
عشق لکھتا رہا، وہ مٹاتا رہا

دل نہیں ہے، مزارِ محبت ہے یہ
جس پہ امجد میں چادر چڑھاتا رہا

مہتاب امام، کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی نظم

میرے لیے...

جسے عکس عکس گنوا دیا
کبھی روبرو تھی مرے لیے
جسے نقش نقش بجھا دیا
کبھی چار سُو تھی مرے لیے
جو حدِ ہوا سے دُور ہے
کبھی کو بکو تھی مرے لیے
جو تپش ہے موجِ سراب کی
کبھی آب جُو تھی مرے لیے
جسے آپ لکھتا ہوں خط میں اب
کبھی صرف "تُو" تھی مرے لیے

ذکیہ خان، کی ڈائری میں تحریر

اعتبار ساجد کی غزل

کبھی تو نے خود بھی سوچا کہ یہ پیاس ہے تو کیوں ہے
تجھے پا کر بھی مرا دل جو اُداس ہے تو کیوں ہے

مجھے کیوں عزیز تر ہے یہ دُھواں دُھواں سا موسم
یہ ہوائے شامِ ہجراں مجھے راس ہے تو کیوں ہے

تجھے کھو کے سوچتا ہوں مرے دامنِ طلب میں
کوئی خواب ہے تو کیوں ہے کوئی آس ہے تو کیوں ہے

میں اُجڑ کے بھی ہوں تیرا، تو بچھڑ کے بھی ہے میرا
یہ یقین ہے تو کیوں ہے یہ قیاس ہے تو کیوں ہے

میرے تن برہنہ دشمن اسی غم میں گھل رہے ہیں
کہ مرے بدن پہ سالم یہ لباس ہے تو کیوں ہے

کبھی پوچھ اس کے دل سے کہ یہ خوش مزاج شاعر
بہت اپنی شاعری میں جو اُداس ہے تو کیوں ہے

ترا کس نے دل بجھایا، مرے اعتبار ساجد
یہ چراغ ہجر اب تک ترے پاس ہے تو کیوں ہے

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر

فرحت عباس شاہ کی غزل

تم تو ایک ہی دُکھ پوچھتے ہو

تم تو بس ایک ہی دُکھ پوچھتے ہو
کون سے دُکھ کی کریں بات ذرا یہ تو بتا
موسموں، سرد ہواؤں، کی مسیحائی کا دُکھ
راہ کی دُھول میں بکھری ہوئی بینائی کا دُکھ
سنگ کے شہر میں خود دُکھ سے شناسائی کا دُکھ
یا کسی بھیگتی برسات میں تنہائی کا دُکھ
کون سے دُکھ کی کریں بات ذرا یہ تو بتا دل کا دریا
اتنی طغیانی کی زد پر ہے کہ کچھ یاد نہیں
کب ہمیں چھوڑ گیا کون سے ہرجائی کا دُکھ
تم تو بس ایک ہی دُکھ پوچھتے ہو

کرن عدنان، کی ڈائری میں تحریر

امجد اسلام امجد کی غزل

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے
کہیں آنکھیں، کہیں چہرا نہیں ہے

یہاں سے کوئی کیوں بے گانہ گزرے
یہ میرے خواب ہیں، رستہ نہیں ہے

جہاں پر بچھتے تیری پلکوں کے سائے
وہاں پر اب کوئی سایہ نہیں ہے

ہزاروں شہر ہیں ہمراہ اس کے
مسافر دشت میں تنہا نہیں ہے

یہ کیسے خواب سے جاگی ہیں آنکھیں
کسی منظر پہ دل جمتا نہیں ہے

جو دیکھو تو ہر اک جانب سمندر
مگر پینے کو اک قطرہ نہیں ہے

خدا کی ہے یہی پہچان شاید
کہ کوئی اور اس جیسا نہیں ہے

حرمت ردا اکرم، کی ڈائری میں تحریر

نوشی گیلانی کی نظم

کس طرح سجاتے ہو
مصلحت کی شاموں میں
محفلیں محبت کی
اور محبتیں بھی وہ، سال بھر مہک جن کی
دل کی ساری گلیوں میں
رقص کرتی پھرتی ہے
کس طرح جلاتے ہو؟
آندھیوں کے موسم میں
تم دیے رفاقت کے، تم جو پیار کی دولت
اپنے دل کے ہاتھوں سے
خوشبوؤں کی باتوں سے
اس طرح لٹاتے ہو، جس طرح کوئی جگنو
شب کے رہگزاروں میں
روشنی لٹاتا ہے
تم جو حبس کے عالم میں
ایک ہوا کا جھونکا ہو
کس طرح سجاتے ہو
مصلحت کی شاموں میں

www.Paksociety.com

محفلیں محبت کی
کچھ ہمیں بھی بتلاؤ
کچھ ہمیں بھی سکھلاؤ
ہم تو اپنے صحرا کے بے نوا مسافر ہیں
ہم تمہارے جذبوں کی نیک سی فضاؤں کی
پھول جیسی گیتوں کی
رقص کرتی خوشبو کے
بے قرار شاعر ہیں

ثنا بختاور، کی ڈائری میں تحریر

ارشد ملک کی نظم

سنو تم لوٹ آؤ نا
جہاں تم ہو وہ دنیا کب تمہاری ہے

کہ سورج ڈھل گیا ہے
اور حسین شام اتری ہے
وہ دیکھو چاند نکلا ہے، ستارے جگمگائے ہیں
ہماری منتظر آنکھیں، دعائیں مانگتی آنکھیں
تمہیں ہی سوچتی آنکھیں
تمہیں ہی ڈھونڈتی آنکھیں
تمہیں واپس بلاتی ہیں
تمہارا عکس پھر شاید
میری پلکوں پہ آ ترا ہے
کوئی آنسو اگر آیا
بہا کر اب نہ لے جائے
یہ دل جب بھی دھڑکتا ہے
تمہارا نام لیتا ہے
یہ آنسو جب بھی بہتے ہیں
تمہارے دکھ میں بہتے ہیں
کہ بارش جب بھی ہوتی ہے
تمہیں ہی یاد کرتی ہے

خوشی کوئی جو آئے تو
تمہارے بن ادھوری ہے
سنو! تم لوٹ آؤ نا

سدرہ وزیر، کی ڈائری میں تحریر

وصی شاہ کی نظم

چاندنی رات کے ہاتھوں پر سواری اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے

اس میں کچھ رنگ بھی ہیں خواب بھی ہے مہکار بھی ہے
جھلملاتی ہوئی خواہش بھی ہے انکار بھی ہے

اس خوشبو میں کئی درد بھی افسانے بھی
اس خوشبو نے بنائے کئی دیوانے بھی

میرے آنچل پہ امیدوں کی قطار اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے

اس خوشبو سے کسی یاد کے در کھلے ہیں
میرے پیروں سے جو لپٹے تو سفر کھلتے ہیں

یہی خوشبو جو مجھے گھر سے اٹھا لائی ہے
اب کسی طور پر پلٹ کر جانے نہیں دیتی

میری دہلیز بلاتی ہے مجھے لوٹ آؤ
یہی خوشبو مجھے واپس نہیں آنے دیتی

رنج اور درد میں ڈوبی یہ بہار اتری ہے
کوئی خوشبو میری دہلیز کے پار اتری ہے

مجھے یہ شعر پسند ہے

شگفتہ سلیمان

ندا، فضہ ——— فیصل آباد
ذرا سی بات بھی عرضِ تمنا پر بگڑ بیٹھے
وہ میری عمر بھر کی داستانِ درد کیا سنتے

آسیہ جاوید ——— علی پور چٹھہ
اک طرزِ تغافل ہے سو وہ اُن کو مبارک
اک عرضِ تمنا ہے وہ ہم کرتے رہیں گے

نادیہ ——— گجرات
عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت اگر تیری تو کیا پروا تجھے

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات
سفر اکیلے ہی کاٹ لو گے، یہ میں نے پوچھا تو رد برادہ
جوابِ کتنا عجیب سا تھا، سوال کتنا عجیب سا تھا

عائشہ، تحریم ——— گوجرہ
کبھی خود پہ کبھی حالات پہ رونا آیا
بات نکلی تو ہر بات پہ رونا آیا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہم بھول گئے اُن کو
کیا ہوا آج یہ کس بات پہ رونا آیا

مسرت طارق ——— میرپور آزاد کشمیر
اچھی صورت پہ عجب ٹوٹ کے آنا دل کا
یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانہ دل کا
پوری مہندی بھی لگانی نہیں آتی اب تک
کیونکر آیا تجھے غیروں سے لگانا دل کا

امبر آصف ——— کراچی
وقف ہے ذہن فقط تیرے تصور کے لیے
تجھ کو بھولا ہی کہاں ہوں کہ تجھے یاد کروں

آمنہ ناز ——— میرپور ساکرو
اس طرح دل کے زرد آنگن میں
تیری یادوں کے داغ جلتے ہیں
جیسے آندھی میں ٹوٹی قبروں پر
سہمے سہمے چراغ جلتے ہیں

عابدہ نثار ——— کراچی
ان سے بیانِ حال کی جرأت نہ ہو سکی
کچھ ایسی بے رخی سے ملے وہ جہاں ملے

ثمرہ، اقرا ——— کراچی
حالِ دل کہنے سے خودداری نے روکا ہم کو
اس نے پوچھا تو بہت ہم نے بتایا ہی نہیں

روبینہ نعیم ——— کے ڈی اے سوسائٹی
اک عمر سے راہوں میں اسے ڈھونڈ رہا ہوں
دو گام چلا تھا جو مرا ہاتھ پکڑ کے
اس دل کو تو آباد ہی رہنا نہیں آتا
ہر حال میں رہتا ہے یہ نادان اجڑ کے

عذرا ناصر ——— کراچی
ہمدردیوں کی بھیک سی دینے لگے ہیں لوگ
یوں اپنے دل کا حال نہ سب سے کہا کرو

اقصیٰ ——— دبئی
چہروں کا عجب حال ہے افکار کے ہاتھوں
اپنا بھی ملے کوئی تو بیگانہ لگے ہے

سعدیہ سلیم ——— کراچی
ماضی کے بیابانوں میں جو گم ہو گیا مجھ سے
میں حال کے جنگل میں اسے ڈھونڈ رہا ہوں

سعدیہ، مریم ——— کراچی
حالِ دل کہنے بڑی شان سے آئے تھے خمار
اب جو سننے کو وہ بیٹھے ہیں تو کچھ یاد نہیں

مقدس رباب ——— چکوال
بے حس ہیں یہاں لوگ بھلا سوچ کے کرنا
اس دور میں لوگوں سے وفا سوچ کے کرنا
اک بار جو روٹھے تو منا تم نہ سکو گے
ہم جیسے وفاداروں کو خفا سوچ کے کرنا

شافعہ اخوان ——— کراچی
مریضِ عشق ہے تو دوا دل سمجھ دلبر کو
پھر مرض جانے، دوا جانے، شفا جانے، خدا جانے

www.Paksociety.com

حسن و صحت

ادارہ

کلینزر اور اسکن ٹانک

جلد کی ساخت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اعلا معیار کی مستند کمپنیوں کے تیار کردہ اسکن ٹانک و کلینزر کی خریداری کریں یا معیاری اجزا کے استعمال سے انہیں گھر پر خود ہی تیار کرنے کی کوشش کریں۔

جلد کی رعنائی و دلکشی میں اضافے کے لیے بھرپور نیند، صحت بخش غذاؤں کا استعمال اور جلد کی صفائی ستھرائی کا باقاعدہ خصوصی اہتمام کرنا نہایت ضروری ہے۔

حسن و دلکشی کا تعلق محض گوری رنگت یا گلنار رخساروں میں ہی پنہاں نہیں ہے بلکہ صاف، ستھری چمکتی دمکتی جلد کے حصول میں پوشیدہ ہے۔ چاہے وہ کسی بھی رنگت کی حامل کیوں نہ ہو گرد و غبار میل کچیل سے پاک خوب صورت جلد ہمیشہ ستائشی نظروں کی گرفت میں ہی رہتی ہے۔ ہمارے یہاں حسین نظر آنے کے لیے خواتین (زیادہ تر تقریبات کے موقعوں پر) مہنگے سے مہنگے بیوٹی پارلرز کا رخ کرتی ہیں یا بازار سے مہنگے ترین کاسمیٹکس (چاہے وہ ان کی جلد کی ساخت یا جلد کی رنگت سے میل کھاتے ہوں یا نہ ہوں خریدتی نظر آتی ہیں۔

میک اپ سے اپنے آپ کو حسین بنانے کے بجائے اگر ایسی خواتین اپنی جلد کو صاف ستھرا، صحت مند، دلکش و حسین بنانے پر توجہ دیں تو یقیناً "انہیں کچھ عرصے بعد مصنوعی سہاروں (میک اپ) کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جلد کی رعنائی و دلکشی میں اضافے کے لیے بھرپور نیند، صحت بخش غذاؤں کا استعمال، ڈھیر سارا پانی پینا اور جلد کی صفائی ستھرائی کا باقاعدہ خصوصی اہتمام کرنا نہایت ضروری ہے۔

جلد کی صفائی ستھرائی کے لیے بازار میں بے شمار اقسام کے کلینزر اور اسکن ٹانک دستیاب ہیں۔ انہیں خریدتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ کلینزر اور ٹانک وغیرہ مستند و معیاری کمپنیوں کے تیار کردہ ہوں اور آپ کی جلد کی ساخت سے میل کھاتے ہوئے ہوں ورنہ دوسری صورت میں یہ آپ کو فائدہ پہنچانے کے بجائے بدترین نقصانات سے بھی

مہوش فاروق ـــــــ لاہور

ممکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرزِ منافقت
دُنیا تیرے مزاج کا بندہ نہیں ہوں میں

ذکیہ خان ـــــــ کورنگی

خرچ جتنا کروں یہ بڑھتی ہے
یاد تیری عجیب دولت ہے

الماس علی ـــــــ کراچی

نشانیاں اپنے گھر کی کیا بتاؤں تجھے
جہاں ویرانیاں دیکھو چلے آنا!

سائرہ ـــــــ لاہور

زندگی تھک کے گرتی ہے تو خیال آتا ہے
جان لیوا ہے لاحاصل تمناؤں کی کوشش

انجم ـــــــ کوئٹہ

کشیدہ کارِ ازل، تجھے اعتراض تو نہیں
کہیں کہیں سے اگر زندگی رفو کر لوں

ہما کاشف ـــــــ ملتان

کس سلیقے سے یاد آتے ہو
جیسے بارش ہو وقفے وقفے سے

مہناز عمران ـــــــ اورنگی ٹاؤن

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

اقرا ـــــــ کراچی

تم بادشاہِ وقت تھے کٹوا دیئے تھے ہاتھ
اب قصر گر رہا ہے تو معمار کیا کرے

راحیلہ ـــــــ ڈی آئی خان

کتنے ستم ظریف ہیں یارانِ خوش مذاق
آواز مر گئی تو مجھے ساز دے دیے

ساجدہ ـــــــ لاہور

کوئی دستک کوئی آہٹ نہ شناسا آواز
خاک اُڑتی ہے درِ دل پہ بیاباں کی طرح

اسماء ـــــــ لاہور

ہم جہاں بیٹھے ہیں وہ شہر ہی ویرانہ ہے
ہم جہاں خاک اُڑائیں گے وہاں کیا ہو گا

شہر بانو سیال ـــــــ مظفر گڑھ

وہ خود کو سنگ کہتا ہے چلو ہم ایسا کرتے ہیں
یہ دُنیا چھوڑ کر اُس کو ذرا دلگیر کرتے ہیں
وہ مجھ کو چھوڑ جائے گا میرا وجدان کہتا ہے
سو اپنا آپ اُس کی راہ کی زنجیر کرتے ہیں

صدف عبداللہ ـــــــ لاہور

وفا میں ابھی یہ ہنر اختیار کرنا ہے
وہ سچ کہے نہ کہے، اعتبار کرنا ہے
یہ تجھ کو جاگتے رہنے کا شوق کب سے ہوا
مجھے تو خیر تیرا انتظار کرنا ہے

رانی ـــــــ کراچی

تم محبت خرید لائے ہو
گھر میں پہلے عذاب کم تھا کیا

صائمہ ـــــــ لاہور

تاج مانگا نہ تخت مانگا ہے
صرف تھوڑا سا وقت مانگا ہے
بھیک مانگی ہے چند سکوں کی
کب بھکاری نے تخت مانگا ہے

فرزانہ ـــــــ کراچی

ان کو ناموس بھی، عزت بھی، پذیرائی بھی
مجھ کو رونے کو میسر نہیں تنہائی بھی
اپنے ہی حال پہ ہنسنا کبھی ہنس کے رونا
میں بیک وقت تماشا بھی تماشائی بھی

سیماب ـــــــ نامعلوم

بہت گھٹن ہے اندھیروں کے شہر میں محسن
چراغ بن کے ہواسے نباہتے رہنا

عظمٰی غلام نبی ـــــــ کراچی

سنو تو عرض کریں مان لو تو کیا کہنا
تمہارے پاس آئے تھے اک ضرورت سے

زاہدہ نیاز ـــــــ کراچی

میں اسے چھوڑ تو سکتا ہوں چھوڑ نہیں پاتا
وہ شخص میری بگڑی ہوئی عادت کی طرح ہے

اقراٗ ـــــــ محراب پور

یاد آتا ہے روز و شب کوئی
ہم سے روٹھا ہے بے سبب کوئی

www.Paksociety.com

دوچار کرسکتے ہیں۔ اعلا معیار کی مستند اسکن پروڈکٹس کی خریداری آپ کی جلد کے لیے تو سود مند رہے گی لیکن آپ کی جیب پر ضرور گراں گزرے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان مہنگی پروڈکٹس (جو بے شک کثیر کیمیائی اجزا سے بھرپور ہوتی ہیں) سے آپ کو خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہوں یا آپ کو خدانا خواستہ کسی قسم کی اسکن الرجی کی شکایت ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ایسی تدبیر ڈھونڈی جائے جس میں آپ کے زیادہ پیسے بھی خرچ نہ ہوں' جلد کی صفائی ستھرائی اور اس کی نگہداشت بھی بہتر طریقے سے ہو اور نقصان کا احتمال بھی کم سے کم رہے۔ تو ان مقاصد کے حصول کے لیے یعنی اپنی جلد کی کلینزنگ کرنے اور اس کی چمک میں اضافے کے لیے قدرتی اجزا پر مشتمل سنگھاری اشیا (Beauty Products) کو گھر پر ہی تیار کرنا بہترین حکمت عملی ہو گی تاکہ نقصانات کا احتمال کم سے کم ہو۔

روغن بادام کلینزر

اس کلینزر کا استعمال آپ کی جلد کو نرم و نازک و لطیف تاثر فراہم کرے گا۔

ضرور اشیا :

اصلی موم (چھتے والے)	چار کھانے کے چمچے
روغن بادام	ایک چوتھائی کپ
عرق گلاب	آدھا کپ
سہاگہ (Borax)	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب :

اک ہیٹ پروف پیالے میں اصلی موم (چھتے والا) ڈالیں۔ پتیلی میں پانی گرم کریں پانی جب کھولنے لگے تو آنچ دھیمی کر کے موم والا پیالہ اس پانی کے اوپر رکھ کر موم کو پگھلا لیں۔ موم کے پگھلنے کے بعد اس میں روغن بادام ڈالیں۔ عرق گلاب کو تھوڑا سا گرم کر کے اس میں سہاگہ ڈال کر حل کریں اور عرق گلاب کو موم والے مکسچر میں ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر لیں۔ پیالے کو گرم پانی سے ہٹا کر مکسچر کو ٹھنڈا ہونے تک مسلسل پھینٹتے رہیں۔ (اگر آمیزہ زیادہ گاڑھا ہو گیا ہے تو اس میں تھوڑا عرق گلاب اور شامل کیا جا سکتا ہے) آمیزے کو شیشے کی کھلے منہ والی بوتل میں نکال کر ڈھک کر رکھ لیں رات کو سونے سے پہلے' چہرہ دھونے کے بعد اس مکسچر سے ملاحت سے اپنے چہرے پر مساج کریں اور نم روئی کے پھائے سے اپنے چہرے کو صاف کر کے اسکن ٹانک لگا کر (یا بنا اسکن ٹانک لگائے) سو جائیں۔

موسمبی اور جئی کا فیس واش

اگر آپ روزانہ کلینزنگ کرنے کی روٹین اپنانے میں اکتاہٹ محسوس کرتی ہیں تو اس سلسلے میں جلد کی سطح پر جمنے والے مردہ خلیات کی صفائی کے لیے مندرجہ ذیل مکسچر کو ہفتے میں صرف ایک مرتبہ اپنی جلد پر مل کر' غسل کر لینے سے بھی آپ کو مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکیں گے۔

ضروری اشیا :

جئی کا آٹا	دو کھانے کے چمچے
موسمبی کے چھلکوں کا آٹا	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

ان دونوں پاؤڈر کو مکس کر کے خشک حالت میں ہی ایک شیشے یا مٹی کے مرتبان میں رکھیے۔ اپنی جلد کی صفائی کے لیے اس پاؤڈر کو تھوڑے سے پانی میں حل کر کے گاڑھا پیسٹ بنا کر اپنی جلد پر ملیے۔ یہ خشک ہونے لگے تو غسل کر کے اسے جلد پر سے صاف کر دیجیے۔ آپ کی جلد اس عمل کے بعد پھول کی پنکھڑی کی طرح صاف ستھری و نکھری نکھری سی ہو جائے گی۔

موسمبی کے پھول کا اسکن ٹانک

ضروری اشیا :

موسمبی کے پھولوں کا عرق	پانچ کھانے کے چمچے
عرق گلاب	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ

ترکیب :

موسمبی کے پھول کا عرق اور عرق گلاب ایک بوتل میں ڈال کر اور ڈھکن لگا کر اچھی طرح مکس کر کے رکھ لیں۔

یہ ٹانک خشک جلد کے لیے موزوں ہے۔

کارن فلور کا اسکن ٹانک

ضروری اشیا :

مکئی کے پھول	چار عدد
عرق گلاب	آدھا کپ

ترکیب :

مکئی کے پھولوں کو ایک پیالے میں ڈال کر اس میں ایک کپ گرم پانی ڈال کر اسے ڈھک کر رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد نکال لیں اور چھان کر عرق گلاب میں مکس کر دیں۔ یہ اسکن ٹانک نارمل جلد کے لیے موزوں ہے۔

لیونڈر اسکن ٹانک

ضروری اشیا :

لیونڈر کے پھول	چار عدد
عرق گلاب	آدھا کپ

ترکیب :

لیونڈر کے پھولوں کو ایک پیالے میں ڈال کر اس میں ایک کپ گرم پانی ڈال کر اسے ڈھک کر رکھ دیں ٹھنڈا ہونے کے بعد چھان کر عرق گلاب میں مکس کر دیں۔ یہ اسکن ٹانک روغنی جلد (Oily Skin) کے لیے موزوں ہے۔

دوسرا...

بیوٹی ٹپس

...رس چہرے پر لگانے سے جلد کی سطح پر ...دور ہو جاتے ہیں۔

کرکٹ کے ایک ... چھیل کر باریک کش کر لیں چہرے ... کہا۔ ...ست کو لگا رہنے دیں پھر صاف ...ار کو سکون بخشتا ہے

اور اس کو روشن کرتا ہے۔

☆ چہرے کی صفائی اور ٹوننگ کے لیے سیب کے گودے کو ایک ململ کے صاف کپڑے میں باندھ کر گردن اور چہرے پر اچھی طرح مساج کریں جب کپڑا خشک ہو جائے تو اسے سیب کے رس سے گیلا کر کے چہرے پر مساج کریں دس سے پندرہ منٹوں کا یہ عمل چہرے کی صفائی اور ٹوننگ کے لیے بہترین ہے کیونکہ سیب ایک فطری ٹونر ہے جو چہرے کے مساموں کو بند کرنے' جلد کو یکساں رنگت دینے کے لیے اور جلد میں تناؤ پیدا کرنے کے لیے بہترین خوبی پائی جاتی ہے۔

☆ باریک پسا ہوا سیب دو چمچے' جو کا آٹا ایک چمچہ' دودھ ایک چمچہ' تینوں چیزوں کا پیسٹ بنا کر چہرے پر پندرہ سے بیس منٹ تک لگا رہنے دیں نیم گرم پانی سے چہرہ دھو لیں ایک ہی بار اس پیسٹ سے چہرہ دمک اٹھے گا۔

☆ سیب کا جوس ایک چمچہ اور موسمی کا جوس آدھا چمچہ دونوں کو مکس کر کے چہرے پر بیس منٹ تک لگائیں یہ ٹانک چکنی جلد کے لیے بہترین ہے۔

☆ سیب باریک پیس لیں اس میں دو چمچے کھٹی بالائی مکس کر کے چہرے پر خوب مالش کریں اس کے بعد چہرے کو پہلے گرم پانی سے پھر ٹھنڈے پانی سے دھو لیں۔

☆ سیب کا جوس ایک چمچہ اور لیمن جوس ایک چوتھائی چمچہ دونوں کو مکس کر کے چہرے پر پندرہ منٹ تک لگائیں۔ آئلی اسکن کے لیے یہ بہترین ٹانک ہے۔

باڈی کلینزر

ایپل ایک عدد' کھیرا ایک عدد' گاجر دو عدد تینوں کا جوس نکال کر یہ نیچرل باڈی کلینزر تیار ہے۔

☆ ☆

www.Paksociety.com

مسکراتی کرنیں

ریحانہ امجد بخاری

ذمہ داری

انسپکٹر آف اسکولز ایک اسکول کا معائنہ کرنے آرہے تھے۔ استاد نے ان کے آنے سے پہلے مختلف سوالات کے جوابات لڑکوں کو رٹا دیئے۔ طارق کے ذمہ یہ سوال تھا کہ "ہمیں کس نے بنایا؟" جواب تھا کہ "ہمیں خدا نے بنایا۔" اتفاقاً معائنہ والے دن طارق غیر حاضر تھا۔ جب انسپکٹر نے یہ سوال پوچھا۔

"بچو! ہمیں کس نے بنایا ہے؟" تو جماعت میں خاموشی چھا گئی۔ انسپکٹر نے پھر سوال دہرایا' لیکن کسی کونے سے کوئی جواب نہ آیا' اب انسپکٹر کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ اور اس نے گرج کر پوچھا۔

"کیا آپ کے استاد نے آپ کو اتنا بھی نہیں بتایا کہ ہمیں کس نے بنایا ہے۔" ایک لڑکا ضبط نہ کرسکا۔ بے اختیار بولا۔

"جناب جسے خدا نے بنایا تھا وہ آج غیر حاضر ہے۔"

آصفہ۔۔۔ کراچی

عادت

شوہر نے بیوی سے کہا۔ "یوں تو تم بہت اچھی ہو' لاکھوں میں ایک ہو' مگر تمہاری ایک عادت بہت خراب ہے۔"

"وہ کیا؟"

"بس تم یوں ہی کبھی کبھی جھوٹ بولنے لگتی ہو۔"

"کیا کروں؟ سہیلیوں کے سامنے آپ کی تعریف تو کرنی ہی پڑتی ہے۔"

رافیعہ۔۔۔ لاہور

جہد مسلسل

پیرس کی ایک بلڈنگ میں آگ لگی۔ ایک فائر مین شعلوں میں گھری ہوئی لڑکی کو باہر لے آیا۔ لڑکی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے بچانے کے لیے تمہیں بہت جدوجہد کرنا پڑی۔"

"بے شک۔" فائر مین نے جواب دیا۔ "تم تک پہنچنے کے لیے مجھے اپنے ان دو ساتھیوں سے جنگ کرنی پڑی جو مجھ سے پہلے تمہیں بچانا چاہتے تھے۔"

افشاں۔۔۔ کراچی

پریشانی

ایک دوست سر پکڑے پریشان بیٹھا تھا۔

"پرسوں میں نے دو خط لکھے تھے ایک خط اپنے دوست طارق کے نام جس میں اس سے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ مجھے بے وقوف اور احمق سمجھتا ہے؟ اور دوسرا نزہت کے نام تحریر کیا تھا کہ کیا وہ مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہے؟

اب مصیبت یہ ہے کہ آج کی ڈاک سے مجھے ایک خط ملا ہے۔ جس پر "ہاں" تحریر ہے اب یہ پتا نہیں چل رہا کہ یہ خط طارق نے بھیجا ہے۔۔۔! یا نزہت نے۔"

طیبہ کرنل

عالی شان زندگی

ایک اخبار نے اعلان کیا کہ وہ لاہور کے باصول' سنجیدہ اور خوش اخلاق کھانے کے چمچے کا خطاب اور نقد انعام۔۔۔ ڈیڑھ کھانے کا چمچہ ... لوگوں نے شرکت ...

کچھ یوں تھا۔

"میں نہ تو سگریٹ اور نہ ہی کسی دوسرے نشہ کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ میں ایک وفادار شوہر ہوں اور اپنی بیوی کے سوا کسی دوسری عورت کی طرف آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ میں بڑا محنتی' خاموش طبع اور فرماں بردار انسان ہوں۔ کبھی فلم یا تھیٹر دیکھنے نہیں جاتا۔ رات کو جلدی سو جاتا ہوں۔" تھوڑا سا آگے جاکر تحریر تھا۔

"میں اس قسم کی عالی شان زندگی پچھلے تین سال سے گزار رہا ہوں اور اب میری رہائی میں صرف چھ مہینے باقی رہ گئے ہیں اور یاد رکھو کہ اگر مجھے انعام نہ ملا تو پھر میں اچھی طرح سمجھ لوں گا۔"

زینب۔۔۔ ملتان

بے وفائی

بیوی۔۔۔ "اگر میں مرجاؤں تو کیا تم شادی کرلوگے؟"

شوہر۔۔۔ "میں وہی کام کروں گا جو تم میری موت کے بعد کروگی۔"

بیوی۔۔۔ "ہاں۔۔۔! میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔۔۔ مرد ہوتے ہی بے وفا ہیں۔"

مدیحہ۔۔۔ سیالکوٹ

ناقابل یقین

شوہر۔۔۔ "ناقابل یقین سی بات ہے۔ مگر انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یورپ کے ایک محقق نے لکھا ہے کہ جو آدمی جتنا زیادہ بے وقوف ہوتا ہے۔ اسے اتنی ہی زیادہ خوب صورت بیوی ملتی ہے۔"

"بس بس۔۔۔! میری تعریف کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام بھی کرلیا کرو۔"

انجم فاطمہ۔۔۔ ڈی آئی خان

اس طرح بھی

کرکٹ کے ایک کھلاڑی سے اس کے کوچ نے کہا۔

"تمہارا کھیل پہلے کی طرح جاندار نہیں رہا۔ شاید تم عورتوں کے چکر میں پڑ گئے ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ اگر کھیل کو بہتر بنانا ہے تو پھر عورتوں سے دور رہو۔"

کھلاڑی نے وعدہ کیا کہ وہ اس ہدایت پر پوری طرح سے عمل کرے گا۔ مگر جب اگلے ہی دن وہ ایک خوب صورت عورت کے ساتھ گھومتا ہوا نظر آیا تو کوچ غصے میں آگیا۔ کھلاڑی نے معاملہ کی نزاکت کو بھانپ لیا اور بولا۔

"جناب غلط نہ سمجھیے گا یہ میری بیوی ہے۔"

"کیا کہا تمہاری بیوی ہے؟"

کوچ گرج کر بولا۔ "لفنگے میں اس عورت کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ یہ میری بیوی ہے۔"

اسماء۔۔۔ لاہور

جواباً

جب صوفیہ لارین کے پہلے شوہر ہمفرے بوگارٹ کا انتقال ہوا تو اس نے لوگوں سے درخواست کی کہ "بوگارٹ کے پرستار اسے پھول بھیجنے کے بجائے وہی رقم کینسر پر تحقیق کرنے والے ادارے کو بھیج دیں۔" صوفیہ کی یہ درخواست جب اخبارات میں چھپی تو پھول بیچنے والوں کی ایسوسی ایشن نے صوفیہ کو تار بھیجا۔

"آپ کی درخواست سے ہمارا نقصان ہوا ہے۔ کیا ہم جواباً لوگوں سے درخواست کریں کہ وہ صوفیہ لارین کی فلمیں نہ دیکھیں اور فلم پر خرچ کرنے والے پیسے کینسر پر تحقیق کرنے والے ادارے کو بھجوادیں۔"

دعا عدنان۔۔۔ کراچی

تھکن

ایک صاحب کے چہرے پر تھکن اور شب بے داری کے آثار دیکھ کر ان کے دفتری ساتھی نے پوچھا۔

"کیا بات ہے آج صبح ہی صبح اتنے نڈھال نظر کیوں آرہے ہو؟"

www.Paksociety.com

"کیا بتاؤں یار! کل رات میں دیر گئے گھر پہنچا اور چپکے سے کپڑے بدل رہا تھا کہ بیوی کی آنکھ کھل گئی اور کہنے لگی۔ اتنی صبح کیوں جاگ گئے؟"
"بحث سے بچنے کی خاطر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ دفتر کے کپڑے پہن کر دفتر آجاؤں۔۔۔؟"
ایمان۔۔۔ نارتھ کراچی

تندہی

ہفتہ ٹریفک کے دوران پولیس جس تندہی سے لائسنسوں کی چیکنگ کرتی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر تم پولیس اسٹیشن جاکر کہو۔
"میں نے اپنی بے گناہ بیوی کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔" تو پولیس والے سب سے پہلے یہ سوال کریں گے۔
"تمہارا ڈرائیونگ لائسنس کہاں ہے؟"
امبرین اسلم۔۔۔ اورنگی ٹاؤن

بچت

دنیا بھر میں شادی خانہ آبادی کے لیے سب سے اچھا اور موزوں وقت سہ پہر سے شام تک کا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہالی ووڈ میں کچھ اور ہی طریقہ ہے۔ وہاں کے فنکار شادی کا سب سے مناسب وقت صبح کو قرار دیتے ہیں۔ ایک ایکٹر سے جب پوچھا گیا۔
"ہالی ووڈ میں شادیاں سہ پہر اور شام کے بجائے صبح کو کیوں ہوتی ہیں؟"
"صرف اس لیے کہ اگر شادی ناکام ہوجائے تو ہمارا پورا دن ضائع نہ ہو۔"
مہناز عمران۔۔۔ کراچی

شدت غم

بیگم صاحبہ کا چہیتا کتا ایک کار کے نیچے آکر کچلا گیا۔ شام کو جب شوہر گھر آیا تو بیگم نے رونے کی آواز کچھ اور بڑھا دی۔ شوہر نے اس کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا۔
"کتے کا غم ختم کرو میں تمہیں ایک سونے کی انگوٹھی لے دوں گا۔" بیگم نے روتے ہوئے جواب دیا۔
"آپ کو میرے غم کی شدت کا کچھ اندازہ ہی نہیں اگر اندازہ ہوتا تو نیکلس سے کم کی بات نہ کرتے۔"
ریحانہ۔۔۔ کوئٹہ

رشوت

"جب دیکھو بنسی اٹھائی ہے اور مچھلی کا شکار ہو رہا ہے۔ تم تو چھٹی کا ایک لمحہ بھی گھر پر نہیں گزار سکتے۔"
"ہاں۔۔۔ ہاں نہیں گزار سکتا۔"
"کم بخت مچھلیاں میری سوکن بن گئی ہیں۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ اگر کسی دن چھٹی کے اوقات تم میرے ساتھ گزارنے پر راضی ہوگئے تو کہیں خوشی اور حیرت کے باعث میری حرکت قلب ہی بند نہ ہوجائے۔" باہر جاتا ہوا شوہر رکا اور پلٹ کر بولا۔
"ایسی باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم رشوت اور لالچ دے کر بھی مجھے میرے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتیں۔"
رانی خان۔۔۔ میرپور خاص

آٹوگراف

ایک ٹیسٹ میچ میں ایک کھلاڑی نے زوردار چھکا لگایا اور گیند نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ چند لمحوں بعد ایک پولیس انسپکٹر کھلاڑی کے قریب آیا اور اسے بتایا۔
"آپ کی گیند سڑک پر گزرتے ہوئے ایک موٹر سائیکل سوار کے سر پر لگی۔ اور وہ وہیں گر گیا اس کی موٹر سائیکل ایک کار میں گھس گئی۔ کار اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جارہی تھی۔ اور وہ ایک منی بس سے ٹکرا گئی اور منی بس بے قابو ہوکر ایک ڈبل ڈیکر کے الٹنے کا سبب بن گئی۔ اور ڈبل ڈیکر بس سڑک پر اس طرح گری کہ پوری سڑک بلاک ہوگئی اور پھر یکے بعد دیگرے چھ کاریں اس سے آٹکرائیں۔" کھلاڑی نے بگڑ کر پوچھا۔
"تو کیا تم مجھے گرفتار کرنے آئے ہو؟"
"ہرگز نہیں۔" پولیس افسر نے گھبرا کر کہا۔
"میں اپنے بچے کے لیے آپ کا آٹوگراف لینے آیا ہوں۔"
فاطمہ۔۔۔ کراچی

کی میرے قتل کے بعد۔۔۔

آنسہ راحت افزا کو مردوں سے نفرت تھی۔ مردوں ہی سے نہیں ان کو جانوروں تک سے نفرت تھی جنہیں نر کہا جاتا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ بلی بھی ان کے نقش قدم پر چلے۔ چنانچہ اس کی آہ و زاری کے باوجود انہوں نے اسے اپنے کمرے میں مسلسل پانچ سال تک بند رکھا' ایک لمحے کے لیے بھی باہر نہیں جانے دیا۔
اسی اثنا میں ایک تقریب میں شریک ہونے کے لیے انہیں خیرپور ناتھن شاہ جانا پڑا' جانے سے پہلے انہوں نے پڑوسن سے درخواست کی کہ بلی کے کھانے پینے کا خیال رکھیں اور اسے کمرے سے باہر نہ نکلنے دیں۔
ایک ہفتے بعد پڑوسن کو ان کا تار موصول ہوا' مختصر سا مضمون تھا۔
"میں نے منگنی کرلی ہے' جمعہ کو نکاح ہے' بلی کو باہر جانے دو۔"
اقصیٰ۔۔۔ لاہور

فرق

بچہ ہتھوڑی سے سیمنٹ والی دیوار پر ضربیں لگا رہا تھا۔ بچے کے باپ نے دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھ کر بولا۔
"ارے ارے یہ کیا کررہے ہو؟" بچے نے حیرت سے باپ کو دیکھا اور پوچھا۔
"ابو میں پچھلے مکان میں بھی تو یہی کیا کرتا تھا تب تو آپ نے کبھی مجھے نہیں روکا۔" اس پر باپ نے غصے سے کہا۔
"بے وقوف وہ کرائے کا مکان تھا جبکہ یہ مکان ہم خرید چکے ہیں۔"
راحیلہ۔۔۔ کراچی

ہری مرچیں

☆ ایک عورت (اپنی پڑوسن سے) "اے بہن ہم نے سنا' انجمن کا باپ جیل سے چھوٹ کر گھر آگیا ہے۔"
پڑوسن! "اس کا ہمیشہ سے یہی حال ہے' کہیں آرام سے نہیں بیٹھے گا۔"
☆ میڈیسن کا پروفیسر یونیورسٹی کے طلبہ کو لیکچر دے رہا تھا۔
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ طریقہ علاج ایلوپیتھی ہو' ہومیوپیتھی ہو یا طب یونانی' کیونکہ سارے راستے قبر کی طرف ہی جاتے ہیں۔"
یمنیٰ خان۔۔۔ کراچی

مفید ایجاد

ایک موجد اپنی ایجاد کردہ گھڑی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس گھڑی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اس سے سیکنڈ کا ہزارواں حصہ بھی معلوم کرسکتے ہیں۔"
"تب تو یہ بہت مفید ایجاد ہے۔" ایک اخبار نویس نے کہا۔
"اس سے کم از کم یہ تو معلوم ہوجائے گا کہ ایک عورت کو اپنی بات سے پھرنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔"
قمر ناز دہلوی۔۔۔ کراچی

ازدواجیات

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔
"اگر آپ نئی کار خریدلیں تو آپ کی بیوی کا کیا ردعمل ہوگا؟"
"بس یہی کہ کیا آپ کو سگنل نظر نہیں آرہا۔۔۔!"

www.Paksociety.com

"ارے ارے... بریک آہستہ لگایا کریں... موڑ آہستہ کاٹا کریں... یہ آج آپ اندھوں کی طرح گاڑی کیوں چلا رہے ہیں؟ وہ دیکھیں سامنے سے بس آرہی ہے وغیرہ وغیرہ۔" دوست نے منہ بسور کر جواب دیا۔

شبانہ ریاض... کراچی

شاہکار

ایک آرٹسٹ نے بیس دن کی زبردست محنت کے بعد اپنی ایک شاہکار پینٹنگ مکمل کی۔ انہوں نے عالم نزع میں ایک شخص کی منظر کشی کی تھی۔ وہ موت کی ہولناکی کو اجاگر کرنا چاہتے تھے۔ اسی روز ان کے ایک دوست آگئے' جو پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے۔ آرٹسٹ نے بڑے فخر سے اپنی پینٹنگ انہیں دکھائی اور ان کی رائے طلب کی۔ ڈاکٹر صاحب کافی دیر تک مختلف زاویوں سے پینٹنگ کا معائنہ کرتے رہے' پھر بولے۔

"میرے خیال میں تو یہ شخص ملیریا سے مر رہا ہے' ویسے نمونیا بھی ہوسکتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم کسی اسپیشلسٹ سے بھی رائے لے لو۔"

سدرہ منظور... صادق آباد

بے چارگی

ایک کلرک نے دفتر فون کرکے اپنے افسر کو بتایا۔

"سر میں ایک ہفتہ تک آفس نہیں آسکوں گا۔ پچھلی شب میری بیوی ٹانگ توڑ بیٹھی ہے۔" افسر غرایا۔

"لیکن اس سے آپ ہفتہ بھر تک آفس کیوں نہیں آسکتے۔" کلرک نے جواب دیا۔

"آپ سمجھے نہیں سر' اس نے جو ٹانگ توڑی ہے وہ میری ہے۔"

ہانیہ عمران بٹ... گجرات

بذریعہ ڈاک

ٹریفک سارجنٹ نے موٹر سائیکل پر تعاقب کرکے ایک کار کو جا روکا' جو بری طرح ادھر ادھر لہراتی ہوئی جارہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے' برخوردار۔" سارجنٹ نے نوعمر لڑکے سے پوچھا۔

"میں ڈرائیونگ سیکھ رہا ہوں جناب عالی۔" لڑکے نے جواب دیا۔

"کیا بغیر انسٹرکٹر کے ڈرائیونگ سیکھ رہے ہو۔" غصے سے سارجنٹ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"میں بذریعہ ڈاک سیکھ رہا ہوں۔"

امتحانات

آٹھ سو لے چکا ہے وہ پہلے
پرچہ انگلش کا حل کرانے کے
اور اب مانگتا ہے پانچ ہزار
اس میں اے ون مجھے دلانے کے
میرے مرحوم ممتحن مجھ کو
مرغ مچھلی کباب یاد آئے
کہہ رہا ہوں حساب کا پرچہ
آج تم بے حساب یاد آئے

سونیا ربانی... قاضیاں محلہ بالا

ادھار

ایک آدمی پرچون کی دکان پر گیا اور دکاندار سے کہنے لگا۔

"جناب مجھے پچاس روپے کا سودا ادھار دے دیجیے۔" دکاندار کہنے لگا۔

"بھئی میں تمہیں جانتا تک نہیں۔ پھر میں تمہیں کیسے سودا دے دوں؟" آدمی کہنے لگا۔

"جناب جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ تو پچاس پیسے کا ادھار بھی نہیں دیتے۔"

تسنیم چوہدری... آکسفورڈ یوکے

✡ ✡

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

پزا بالز

اجزا:

پزا ڈو	50 گرام
موزریلا چیز	حسب ضرورت
چیڈر چیز	حسب ضرورت
پزا سوس	ایک کپ
ٹماٹر	حسب پسند (چوپ کیے ہوئے)
مشروم	حسب پسند (چوپ کی ہوئی)

ترکیب:

پزا ڈو کو بیل کر گول گول کاٹ لیں۔ اس میں پزا سوس لگائیں۔ مشروم' شملہ مرچ' ٹماٹر' موزریلا اور چیڈر چیز ڈال دیں اور بالز کی شیپ بنالیں۔ آخر میں چیڈر چیز چھڑک کر پہلے سے گرم اوون میں 200 پر پندرہ سے بیس منٹ بیک کریں۔ مزے دار پزا بالز تیار ہے۔

اسپائسی کیری چکن

اجزا:

مرغی کا گوشت (بڑے ٹکڑے کٹوائیں)	آدھا کلو
کیری (باریک کاٹ لیں)	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
کھجور	100 گرام
ثابت لال مرچیں	آٹھ سے دس عدد
ہری مرچیں (لمبائی میں کاٹ لیں)	چار عدد
تیل	چوتھائی کپ

(نوٹ: ثابت لال مرچ اور کھجور کی گٹھلیاں نکال کر ایک ساتھ ابال کر پیس لیں اور اس کا پیسٹ تیار کرلیں)

ترکیب:

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں اور اس میں گوشت' لہسن پیسٹ' نمک اور کیری ڈال کر دس سے پندرہ منٹ تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب گوشت کا پانی خشک ہوجائے تو لال مرچوں اور کھجور کا پیسٹ ڈال کر پکائیں۔ جب اس کا تھوڑا پانی خشک ہوجائے تو اسے چولہے سے اتار لیں۔ مزے دار اسپائسی چکن تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں نکال کر ہری مرچوں سے گارنش کرکے تافتان کے ساتھ سرو کریں۔

فرائیڈ ڈرم اسٹک

اجزا:

چکن ڈرم اسٹک	چھ عدد
میدہ	آدھا کپ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ

www.Paksociety.com

انڈہ — ایک عدد
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر — حسبِ ذائقہ
مسٹرڈ پاؤڈر — آدھا چائے کا چمچہ
تیل (تلنے کے لیے) — حسبِ ضرورت

ترکیب:

ڈرم اسٹکس کو دھو کر خشک کرلیں۔ اب اسے تھوڑے سے گرم تیل میں فرائی کرلیں۔ اس کے بعد نکال کر کچن پیپر سے چکنائی جذب کرلیں۔ ایک پیالے میں میدہ، کارن فلور، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور مسٹرڈ پاؤڈر مکس کریں۔ فرائی کی ہوئی ڈرم اسٹکس کو اس مکسچر میں کوٹ کر پہلے سے گرم تیل میں ڈال کر درمیانی آنچ پر گولڈن ہونے تک فرائی کریں۔ فرائیڈ ڈرم اسٹکس تیار ہیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر فرنچ فرائی کے ساتھ سرو کریں۔

اٹالین سیلڈ

اجزا:

میکرونی (ابلی ہوئی) — دو کپ
شملہ مرچیں — دو کپ
(بیج نکال کر کیوبز کاٹ لیں)
ہری پیاز (چوپ کرلیں) — دو عدد
گاجریں (چوپ کرلیں) — دو عدد
انڈے (ابلے ہوئے) — تین عدد
کریم — دو کھانے کے چمچے
لیموں کا رس — ایک چائے کا چمچہ
مایونیز — پانچ کھانے کے چمچے
زیتون کا تیل — ایک چائے کا چمچہ
بند گوبھی (کش کی ہوئی) — آدھا کپ
پاپڑ (سرونگ کے لیے) — حسبِ پسند
نمک، سفید مرچ پاؤڈر — حسبِ ذائقہ

ترکیب:

ایک پیالے میں میکرونی، شملہ مرچیں، ہری پیاز، گاجریں اور بند گوبھی ڈال کر مکس کرلیں۔ ڈریسنگ تیار کرنے کے لیے ایک دوسرے پیالے میں کریم، لیموں کا رس، مایونیز، زیتون کا تیل، سفید مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں۔ اب تیار کی ہوئی ڈریسنگ کو سبزیوں اور میکرونی والے پیالے میں ڈال کر توڑ لیں۔ مزے دار اٹالین سیلڈ تیار ہے۔ سیلڈ باؤل میں نکال کر ابلے ہوئے انڈے سے گارنش کرکے پاپڑ کے ساتھ سرو کریں۔

بریک فاسٹ سیلڈ

اجزا:

فریش کریم — دو پیکٹ
انسٹینٹ نوڈلز (چکن فلیور) — دو پیکٹ
میکرونی — آدھا کپ
بند گوبھی — آدھا کپ
گاجر (درمیانے سائز کی کش کرلیں) — دو عدد
مٹر (ابلے ہوئے) — آدھا کپ
سیب — دو عدد
(بڑے سائز کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں)
نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر — حسبِ ضرورت
تیل — حسبِ ضرورت

ترکیب:

سب سے پہلے میکرونی کو آدھا کپ پانی میں ڈال کر ابالیں۔ ساتھ میں تھوڑا سا نمک اور ایک چمچہ تیل ڈال دیں۔ تاکہ میکرونی چپکے نہیں۔ جب میکرونی گل جائے تو پانی نتھار لیں۔

اسی طرح نوڈلز کو بھی ٹیسٹ میکر سمیت دو کپ پانی میں ڈال کر ابالیں۔ سیب، بند گوبھی، گاجر، ہری مرچ کو باریک کاٹ لیں۔

ایک سرونگ باؤل میں مٹر، چنے، سیب، بند گوبھی، گاجر، ہری مرچ، میکرونی، نوڈلز اور فریش کریم ڈال کر چمچے سے مکس کریں۔ حسبِ ذائقہ نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کریں۔ تھوڑی دیر فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کرلیں۔ مزے دار بریک فاسٹ سیلڈ تیار ہے۔

چٹ پٹا راجستھانی گوشت

اشیا:

گوشت (بغیر ہڈی کا) — ڈیڑھ کلو
(چھوٹی بوٹیاں کرلیں)
سفید مرچ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
بادام (ابال لیں) — دو کھانے کے چمچے
نمک — حسبِ ذائقہ
ناریل (ٹکڑے کرلیں) — ایک چوتھائی کپ
ادرک — چار چائے کے چمچے
(باریک اور لمبی پٹیاں کرلیں)
سبز الائچی پاؤڈر — ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کریم — ڈیڑھ کپ
لیموں کا رس — دو چائے کے چمچے
عرق گلاب — ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں (کٹی ہوئی) — چھ عدد
تیل — ڈیڑھ کپ

ترکیب:

بوٹیوں کو صاف کرلیں اور ساڑھے سات کپ پانی اور ذرا سا نمک ڈال کر پانچ منٹ کے لیے ابال لیں۔ اب بوٹیاں نکال کر دھولیں۔ دہی اور سفید مرچ پاؤڈر ملا کر ایک طرف رکھ دیں۔ بلینڈر میں بادام، ناریل اور ایک چوتھائی کپ پانی ڈال کر بلینڈ کرلیں۔ پین میں تیل گرم کرکے گوشت، مرچ ملا ہوا دہی، ادرک اور نمک ڈالیں۔ چار کپ پانی ڈال کر ڈھکن لگا کر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے اور پانی تقریباً خشک ہوجائے تو اس میں بادام اور ناریل کا پیسٹ ملا کر دو منٹ تک پکائیں۔ اب کریم، لیموں کا رس، سبز الائچی پاؤڈر اور عرق گلاب ڈال کر ملائیں اوپر سے ہری مرچیں چھڑک دیں۔ اب گندھے ہوئے آٹے کی مدد سے پتیلی کو سیل کردیں اور 150°c پر پہلے سے گرم شدہ اوون میں پندرہ منٹ کے لیے بیک کریں۔ سیل ہٹا کر سرونگ ڈش میں نکال کر گرما گرم سرو کریں۔

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ ۱۹۷۸ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں ۱۹۸۱ء کے شمارے کے سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

نسرین کنول ..... کراچی

س خانہ شماری سے علم ہوا کہ بے روزگاروں کی فہرست سے ایک نام کم ہو گیا ہے۔ جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ وہ بے روزگار آج کل کرن میں نہلے پہ دہلا مارتا ہے؟

ج شکر ہے خدا کا روزگار تو ہے۔

عاصمہ نازلی ..... راولپنڈی

س ذوقی بھیا! سنا ہے چیونٹیاں آپس میں ٹکراتی ہیں تو کوئی پیغام دیتی ہیں اور جب جہاز ٹکراتے ہیں تو؟

ج پھر انہیں زمین پیغام دیتی ہے۔

نورین عزیز ..... شکارپور

س پھول ہوتے تو تیرے در پہ سجا بھی دیتے
زخم لے کے تیری دہلیز پہ جاؤں کیسے؟

ج چلو آ جاؤ، ہم فرسٹ ایڈ بکس منگوا لیتے ہیں۔ آخر انسانیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

ثانیہ تاج ..... کوئٹہ

س بھیا! یہ مرد حضرات لڑکیوں کو صحیح طریقہ سے نہیں دیکھ سکتے تھے کیا ضروری ہے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں؟

ج نہیں کوئی خاص ضروری نہیں، بس ویسے دیکھیں جیسے لڑکیاں انہیں دیکھتی ہیں۔

صبا جمیل احمد ..... کراچی

س اب تو عینک کی سخت حاجت ہے۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے؟

ج ایسا کرو، جس چیز کی حاجت ہے اس سے دور رہو، اچھا ہے کہ صورت نظر نہیں آئے گی۔

رضیہ سلطانہ بلوچ ..... حیدرآباد

س بیوی تو میکے جانے کی دھمکی دیتی ہے لیکن شوہر؟

ج رات گئے گھر سے باہر جانے کی۔

صبیحہ ارشاد قریشی ..... کراچی

س جو شخص ٹھوکر کھا کر بھی نہ سنبھلے اسے کیا سمجھنا چاہیے؟

ج ٹھوکر کھانے کا عادی۔

س دوست کب دھوکا دیتا ہے؟

ج یہ پوچھیں کب نہیں دیتا۔

تحسین زیدی ..... کراچی

س لوگ چاند پر جاتے ہیں، سورج پر کیوں نہیں جاتے؟

ج ایئر کنڈیشنر پلانٹ خراب پڑا ہے وہاں کا ایک عرصے سے۔

س مرد ظالم، عورت مظلوم اور بچے؟

ج [illegible] کہتے ہیں ان سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔

عینی طفیل ..... کراچی

س اگر یہ صحیح ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کانٹوں پر پھول کی صحبت کا اثر نہیں ہوتا؟

ج دونوں میں ضد چل رہی ہے۔ دلائل اگرچہ زوردار ہیں لیکن نہ پھول کانٹوں کا اثر لینے پر رضامند ہیں اور نہ ہی کانٹے۔

منصوری ..... کمرشل سینٹر

س آپ اتنے خوب صورت کیسے ہو گئے۔ کہیں یہ سب فیئر اینڈ لولی کا کمال تو نہیں ذوالقرنین جی؟

ج فیئر اینڈ لولی کا اشتہار دیکھ کر تو کسی سیاہ ترین جلد کے مالک کا بھی دل ایسی کریم استعمال کرنے کو نہیں چاہے گا بی بی۔

رضیہ حمید ..... شکارپور

س آسمان پر چمکتی کہکشاں اور دلہن کی جھلملاتی مانگ میں سے آپ کو کون سی چیز پسند ہے؟

ج دونوں بہت دور ہیں مجھ سے۔

ثمینہ کوثر ..... ملتان

س نین بھیا! آپ کے ہر ناول کا ہیرو سگریٹ یا سگار ہی کیوں پیتا ہے۔ کچھ اور کیوں نہیں؟

ج پاکستان میں ان دو چیزوں کے ساتھ صرف چائے پینے کی اجازت ہے۔

فرح دیبا ..... کراچی

س کہیں الو بولتے تو جگہ ویران ہو جاتی ہے۔ اگر ذوالقرنین بولے تو جگہ کا کیا حال ہوتا ہے؟

ج احباب کو گمان ہوتا ہے کہ جشن بہاراں کا سماں ہے۔

شہناز اختر ..... ڈلوال

س آہستہ سے بتا دیں۔ جو ناول آپ کے نام سے آ رہا ہے۔ وہ آپ کس سے لکھوا رہے ہیں؟

ج ایک ہے مگر نام ہم تمہیں کیوں بتائیں اس کا۔

شبانہ عینی ..... کراچی

س ذوقی بھیا! اتنے اہتمام سے تیار ہو کر کیوں بیٹھے ہو کیا بھابھی کا انتظار ہے؟

ج بات یہ نہیں بلکہ معاملہ یوں ہے کہ تمہاری بھابھی کو ہمارا انتظار ہے۔

شیریں رحمٰن ..... کوئٹہ

س قابل رشک موت تو شہادت ہے۔ یہ بتائیے کہ قابل رشک زندگی کیا ہے؟

ج جو جہاد کرتے گزرے۔ اپنے نفس کے خلاف۔

عالیہ ناز ..... سندھ

س دیکھیں نین صاحب! اگر میں آپ کی کرسی چھین لوں تو کیا ہوگا؟

ج ہم دوسری کرسی پر بیٹھ جائیں گے۔

کشور ناہید احمد ..... کراچی

س کھودا پہاڑ نکلا چوہا، آپ کی تصویر دیکھ کر خیال تھا کہ آپ بڑے کیم شحیم، پان کی بیڑی چبانے والے،

www.Paksociety.com